بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ

الحمد للہ والمنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ ہستی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا

الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد سوم مشتمل بر تفسیر پارہ ⑧ ⑨ ⑩ ⑪

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

ناشر

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور



مکتبہ رحمانیہ

اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ..... معارف القرآن (جلد سوم)

تصنیف ..... حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ..... مکتبہ رحمانیہ
اِقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اُردو بازار۔ لاہور

مطبع ..... خضر جاوید پرنٹرز

ضروری وضاحت

ایک مسلمان جان بوجھ کر قرآن مجید، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر دینی کتابوں میں غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا بھول کر ہونے والی غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کے لیے بھی ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم چونکہ یہ سب کام انسانوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لیے پھر بھی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر ایسی کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین جلد سوم تفسیر "معارف القرآن"

پارہ ⑧، ⑨، ⑩، ⑪

سورۂ انعام، اعراف، انفال، توبہ، یونس

پارہ ⑧ وَلَوْ اَنَّنَا

بیان کیفیت عناد معاندین ۱۳
تتمہ توبیخ معاندین وتحذیر از اتباع مُضِلّین ومُجادلین ۱۶
مسلمان اور کافر کی مثال ۲۱
لطائف ومعارف ۲۳
خلاصۂ کلام ۲۴
توبیخ جن وانس در روزِ قیامت ۲۶
آیاتِ قرآنیہ ۲۸
رجوع بہ مضمون سابق ۳۳
کافروں کی طرف سے اقرار جرم ۳۴
ابطال رسوم جاہلیت ۳۷
تقریر توحید وتذکیر انعامات نباتیہ وحیوانیہ ۴۰
تفصیل محرکات شرعیہ ۴۳
مشرکین عرب کا اپنے شرک اور خود ساختہ تحریم کے متعلق
ایک شبہ اور اُس کا جواب ۴۶
ان آیات کی ایک دوسری تفسیر ۴۹
فائدہ : طاعت ومعصیت کی حقیقت ۵۱
بیان اصول محرمات در بارۂ اقوال وافعال وتلقین مکارم
اخلاق ومحاسن اعمال ۵۴
تاکید وصایا مذکورہ ۵۷
خاتمۂ سُورت ۶۱
مشتمل بر ترہیب از تفریق دین قویم وترغیب بر اتباع
صراط مستقیم ۶۱
قانونِ جزاء ۶۲

تفسیر سورۃ الاعراف

ترغیب اتباع قرآن مجید وترہیب بر انکار حق از عذابِ
شدید ۶۶
شانِ نزول ۶۶
لطائف ومعارف ۶۸
ذکر قصۂ سیّدنا آدم علیہ السلام برائے تذکیر نِعَم وتذکیر نقم وترغیب
بر اطاعت وانابت وتنبیہ بر انجام سرکشی ومعصیت ۷۱
جذبۂ انتقام ۷۴
لطائف ومعارف ۷۵
تتمہ ۷۶
لطائف ومعارف ۸۰
ہبوط کا حکم ۸۱
قصہ آدم علیہ السلام وبستن قضاء نظر اور از مراعات صریح نہی
وترک تاویل ۸۲
اضافت کردن آدم علیہ السلام آن ذِلت را بخویشتن
﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ ... الخ﴾ ۸۵

واضافت کردن ابلیس گناہِ خودرا بحق ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ ۸۵
خاصانِ حق کی لغزش عوام کی طاعت سے افضل ہے ۸۶
ایک اشکال ۸۸
در بیان آنکہ اول کسیکہ در مقابل نص صریح قیاس آورد
ابلیس علیہ اللعنۃ بود ۹۰
تحذیر از فتنۂ شیطانی دَر بارۂ بے حیائی وعُریانی ۹۴
نداء اوّل ۹۵
نداء دوم ۹۵
نداء سوم ۹۶
تفصیل محرمات ۹۷
نداء چہارم ۱۰۰
تذکیر عہد قدیم باطاعت خداوند کریم وبیان نعیم وجحیم ۱۰۰
مسیلمہ قادیان کا ایک ہذیان ۱۰۱
تفصیل سزائے مکذبین ومتکبرین ۱۰۲
تفصیل جزاء مؤمنین صالحین ۱۰۴
اہل جنت اور اہل دوزخ اور اہل اعراف کی باہمی گفتگو کا ذکر ۱۰۸
اہلِ اعراف کا ذکر ۱۱۰
دوزخیوں کا اہل جنت کے سامنے دستِ سوال ۱۱۲
ذکر تخلیقِ عالم برائے اثباتِ ربوبیت والوہیت برائے
اثباتِ قیامت ۱۱۴
متشابہات ۱۱۶
فرقۂ مجسّمہ اور مشبّہہ اور کرامیہ ۱۱۶
اہل حق ۱۱۶
متشابہات میں سلف اور خلف کے مسلک کی تشریح ۱۱۷
تاویل اجمالی وتاویل تفصیلی ۱۱۸
ذکر تصرفات خداوندی دَر عالم سفلی وارضی ۱۲۱
قصۂ اوّل نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲۳
قصّہ دوم حضرت ہود علیہ السلام با قوم عاد ۱۲۷
قصّہ سوم حضرت صالح علیہ السلام با قوم ثمود ۱۳۱
قصّہ چہارم حضرت لوط علیہ السلام با قومِ او ۱۳۴
قصّہ پنجم شعیب علیہ السلام با قوم او ۱۳۷

پارہ ⑨ قَالَ الْمَلَاُ

بقیہ قصہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۴۰
بیانِ اجمالی حال ومآل امم سابقہ برائے عبرت ونصیحتِ
امم حاضرہ ۱۴۳
قصّۂ ششم حضرت موسیٰ علیہ السلام باسبطیان وقبطیان ۱۴۶
ذکرِ بعثتِ موسیٰ علیہ السلام ومکالمۂ او با فرعون ۱۴۷
ذکر مقابلۂ ساحران فرعون با موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۵۱
ذکر اضطراب وپریشانی قبطیان از اندیشہ غلبۂ سبطیان .. ۱۵۵
لطائف ومعارف ۱۵۷
سحر اور معجزے میں فرق ۱۵۸
حکایت بامزہ مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر ومعجزہ ۱۵۸
فرستادہ فرعون بہ مدائن در طلب ساحران ۱۵۹
جواب گفتن ساحرِ مُردہ با فرزندانِ خود ۱۶۲
ذکر نزولِ مصائب عبرت بر قبطیان تا آخر ہلاکت ۱۶۶
ذکر بعض جہالت بنی اسرائیل باینہمہ انعام جلیل ۱۶۹
ذکر مکالمۂ خدواندی با موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وعطاء تورات ۱۷۲
موسیٰ علیہ السلام کی تسلی ۱۷۴
لطائف ومعارف ۱۷۶
قصۂ اتخاذ عجل وانجامِ آن ۱۸۱
ذکر میقات توبہ ومعذرت از عبادت عجل ۱۸۵
موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دعا ۱۸۷
جوابِ خدواندی ۱۸۸
لطائف ومعارف ۱۸۹

ذکرعموم بعثت نبی آخرالزمان ﷺ ۱۹۴
ذکراحوال بنی اسرائیل ۱۹۶
قصۂ اصحاب سَبت ۱۹۸
لطائف ومعارف ۲۰۰
ذکرتسلیط عذاب ذلّت بر یہود تاروز قیامت ۲۰۲
عہدِالَست ۲۰۵
عہدِالست کے بارے میں معتزلہ کا مذہب ۲۰۶
اہلسنت والجماعت کا مذہب ۲۰۷
لطائف ومعارف ۲۰۸
دیدہ ودانستہ حق سے انحراف اور ہوا پرستی کا حال اور مآل اور
اس کی مثال ۲۱۳
شان نزول ۲۱۳
اہل ایمان کو نصیحت اور توحید اور دُعا کی ترغیب ۲۱۶
تہدید بر عدم نظر وفکر وتذکیر موت ۲۱۸
تذکیر آخرت وذِکر قیامت ۲۲۰
اثباتِ توحید وابطالِ شرک ۲۲۳
ابطالِ شرک وبت پرستی ۲۲۵
جواب شبہ کفار دربارۂ رسالت ۲۲۷
تعلیم ادبِ قرآن ۲۲۸
شانِ نزول ۲۲۹
استماع اور انصات میں فرق ۲۳۱
استماع ۲۳۲
انصات ۲۳۲
ذکرمذاہب فقہاء کرام دربارۂ قراءت خلف الامام ۲۳۵
مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۲۳۵
امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ۲۳۵
مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۲۳۶
مذہب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ۲۳۷
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ۲۳۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ۲۳۷
لطائف ومعارف ۲۳۸
حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کا جواب ۲۴۱
خاتمۂ کلام ۲۴۲
آدابِ ذکرِ خداوندی ۲۴۳

تفسیر سورۂ انفال

شانِ نزول ۲۴۶
ذکرانعامات خداوندی دَر واقعۂ بدر بہ برکتِ ایمان و
تقویٰ وتوکل ۲۴۸
شانِ نزول ۲۴۹
انعام اوّل ۲۵۰
ذکرانعامِ دوم ۲۵۱
انعام سوم ۲۵۲
انعام چہارم ۲۵۳
انعام پنجم ۲۵۵
بیان حکمت دَر ہزیمت کفار ۲۵۷
بیان حُرمت فرار از مقابلۂ کفار ۲۵۸
بیان علت بودن قدرت حق وسبب وواسطہ بودن
قدرتِ خلق ۲۵۹
شان نزول ۲۵۹
تحسِیر وتعییرِ کفار وبیان سَبَبِ غلبۂ ابرار ۲۶۱
ترغیب بر اطاعت وامانت وترہیب از معصیت وخیانت
وزجر دوستاں از مشابہت دشمناں ۲۶۳
تحذیر از فتنۂ مال واولاد ۲۶۶
برکاتِ تقویٰ ۲۶۶

ذکر انعامِ خاص ۲۶۷
تفصیل مکائد کفار در ابطال دین پروردگار ۲۷۰
حماقت بالائے حماقت ۲۷۱
احکام متعلقہ بقبولِ اسلام وعدم قبولِ اسلام ۲۷۴

پارہ ⑩ وَاعْلَمُوْٓا

تقسیم غنائم ۲۷۶
لطائف ومعارف ۲۷۸
غنیمت اور فئی میں فرق ۲۷۹
انعام ششم ۲۸۰
انعام ہفتم ۲۸۱
انعام ہشتم ۲۸۲
ذکر آدابِ جہاد وقتال ۲۸۴
بیان ذِلت کفّار در عالمِ برزخ ۲۸۸
بیان احوال واحکام کفار اہل کتاب ۲۹۰
سامان جنگ کی بھرپور تیاری کا حکم ۲۹۲
لطائف ومعارف ۲۹۳
دَبَّابَہ (یعنی لکڑی کا ٹینک) ۲۹۴
منجنیق (اس زمانے کی مشین گن) ۲۹۵
حسب ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت اور صلح
کے بعد مسلمانوں کو توکل کا حکم اور وعدۂ نصرت وحفاظت ۲۹۷
ترغیب وتشویق اہل ایمان بر قتال کفار وقانون قرار وفرار
از میدان کارزار ۲۹۹
تلقین احکام در بارۂ اسیرانِ جنگ ۳۰۱
شانِ نزول ۳۰۱
تنبیہات ۳۰۴
بیان حِلت فدیہ ۳۰۵
مراتب اہلِ اسلام وفضائل مہاجرین عظام و
انصار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وبیان احکام باعتبار ہجرت واسلام... ۳۰۷
بیان اقسام واحکام باعتبار ہجرت واسلام ۳۰۸
ذکر قسم چہارم ۳۱۰

تفسیر سورۂ توبہ

اسماء سورت ۳۱۱
ربط اور مناسبت ۳۱۱
ترک تسمیہ در ابتداء سورۂ براءت ۳۱۲
ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ ۳۱۴
شانِ نزول ۳۱۵
ایک ضروری تنبیہ ۳۱۷
اعلانِ براءت ۳۲۰
یعنی مشرکین عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات
کے اختتام کا اعلانِ عام ۳۲۰
اعلانِ براءت کی علت اور حکمت ۳۲۳
قول راجح ۳۲۶
ترغیب قتال از ناقضینِ عہد ووعدۂ فتح ونصرت ۳۲۷
مشرکین عرب کے فخر اور ناز کا جواب اور اعمال فاضلہ
کا بیان ۳۳۰
ممانعت وتہدید از ترجیح تعلقاتِ دُنیویہ بر تعلقاتِ اُخرویہ ۳۳۲
قصۂ غزوۂ حنین وتذکیر انعامات وعنایات در سرایا وغزوات . ۳۳۴
تتمۂ اعلانِ براءت وتسلیۂ اہلِ ایمان ۳۳۶
حکمِ جہاد وقتال با اہل کتاب ۳۳۹
جزیہ وخراج ۳۴۰
اہلِ کتاب کے فضائح اور قبائح کا بیان ۳۴۲
عقیدۂ ابنیت کا آغاز کیسے ہوا؟ ۳۴۴
لطائف ومعارف ۳۴۶
شیعوں کی حیرانگی ۳۴۸

اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت ۳۴۹
ابطالِ تقیّہ ۳۵۰
اَحبار اور رُہبان کی حرص اور طمع کا بیان ۳۵۳
عود بذکر بعض جہالات مشرکین عرب ۳۵۵
قِصّۂ غزوۂ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد و قتال کی تاکید اکید
اور منافقوں کو تہدید شدید ۳۵۹
لطائف و معارف ۳۶۳
خلاصۂ کلام ۳۶۴
خاتمۂ کلام بر نصیحت معرفت التیام ۳۷۲
بیان احوال و اقوال منافقین متخلّفین ۳۷۴
منافقین کے حسد اور ان کی باطنی عداوت کا ذکر ۳۷۷
بیان غیر مقبول بودن صدقات و نفقات منافقین ۳۷۹
تقسیم صدقات و غنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب ۳۸۰
بیان مصارف صدقات ۳۸۱
تفصیل مصارف صدقات ۳۸۳
اسرار و حِکم ۳۸۷
ذکر نوع دیگر از حرکات شنیعۂ منافقین ۳۹۲
حلفِ کاذب ۳۹۳
منافقین اور منافقات کا اعمال و صفات میں تشابہ اور تماثل مع
بیان وعید و تہدید ۳۹۶
مدحِ اہلِ ایمان مع بشارت غفران و رضوان ۳۹۸
کفار اور منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم ۴۰۰
تفصیل جرائم منافقین ۴۰۳
جرم اوّل ۔ حلفِ کاذب ۴۰۴
جرم دوم ۔ احسان فراموشی ۴۰۴
جرم سوم ۔ بدعہدی ۴۰۵
جرمِ چہارم ۔ اہلِ ایمان کے صدقات پر طعنہ زنی ۴۰۶
جرم پنجم ۔ تخلف از غزوۂ تبوک ۴۰۶
منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت ۴۰۸
شانِ نزول ۴۰۸
کُفّار اور منافقین کا ایک شُبہ اور اس کا ازالہ ۴۱۰
منافقین اعراب کے اعذارِ کاذبہ کا ذکر ۴۱۱
مؤمنین صادقین کے اعذار صادقہ کا ذکر ۴۱۳

پارہ ⑪ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ

خبر دادن از اعذار کاذبہ اہلِ نفاق ۴۱۵
کہ بعد از واپسی جنگ پیش مسلماناں آرند و حکم دادن
اہل اخلاص را کہ زیں چنیں پلیداں رو بگردانند ۴۱۵
مذمتِ منافقین اعراب اور مدح مخلصین اعراب ۴۱۷
ذکر اعیان مؤمنین و فضائل سابقین اوّلین ۴۱۹
لطائف و معارف ۴۱۹
زعماء منافقین کا ذکر ۴۲۱
مؤمنین متخلفین کی دو ضعیف الہمت جماعتوں کا ذکر ۴۲۲
ذِکر قسم اوّل ۴۲۴
ذِکر قسم دوم ۴۲۵
ذِکر مسجدِ ضرار و مسجدِ تقویٰ ۴۲۶
فضائل مجاہدین و بشارتِ مؤمنین کاملین و ترغیب بر تجارت
آخرت ۴۲۹
مشرکین اور کفار کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت ۴۳۲
ذکرِ توجہات و عنایات خُداوندی بر مجاہدین غزوۂ تبوک و
ذکرِ قبولیت توبۂ آں سہ کس کہ فیصلہ اوشاں ملتوی داشتہ بود ۴۳۴
صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم ۴۳۶
ملامت متخلفین بضمنِ فضیلت مجاہدین ۴۳۸
فرض کفایہ بودن جہاد و فرض کفایہ بودن تحصیل علمِ دین ... ۴۳۹
ترتیب جہاد و قتال ۴۴۱

ذکر تمسخر منافقین وتنفر شاں از آیات قرآن معہ وعید وتہدید ۴۴۳
ذکر کمال شفقت ورأفتِ نبی اکرم ﷺ برحالِ اُمّت
واتمام حجت براہلِ شقاوت ۴۴۵

تفسیر سورۂ یونس

اظہار عظمت قرآن واثبات رسالت محمدیہ ﷺ ۴۴۹
قدم صدق کی تفسیر ۴۵۱
ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربُوبیت ربِ اکرم ۴۵۲
لطائف ومعارف ۴۵۳
حقیتِ معاد وذکر جزائے اعمال ۴۵۶
تحقیق مسئلہ معاد یعنی ایمان بالبعث بعد الموت ۴۵۶
شبہات وجوابات ۴۵۷
جواب ۴۵۷
ذکر دلائل قدرت مقرون بتذکیر نعمت ۴۵۸
بیان حال ومآل منکرین معاد وبیان نعیم اہل رشاد ۴۶۰
منکرین نبوت کے شُبہ کا جواب ۴۶۲
انسان کی طبعی کمزوری اور اس کی ناسپاسی اور احسان فراموشی ۴۶۳
ذکر ہلاک مجرمین سابقین برائے عبرت مجرمین حاضرین ۴۶۵
کفارِ عرب کی ایک ہرزہ سرائی کا جواب باصواب ۴۶۶
ابطال شرک اور مشرکین کے ایک شُبہ کا ازالہ ۴۶۸
رسالتِ محمدیہ ﷺ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ
سوال کا جواب ۴۶۹
بیان توحید مقرون بہ وعید ۴۷۲
دُنیا کا فنا اور زوال اور اُس کی ناپائیداری کی مثال اور ذکر
جزائے اعمال ۴۷۴
میدان حشر میں کافروں کی ذلت اور رسوائی کا بیان ۴۷۷
احقاق توحید وابطال شرک ۴۷۹
خاتمۂ کلام ۴۸۱
بیان اعجاز قرآن برائے اثبات نبوت ۴۸۲
تسلیۂ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام وحکمِ اعراض از معاندین ومجادلین ۴۸۵
تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار وذکر حسرت مکذبین
رسالت در روز قیامت ۴۸۷
ذکر محاسن قرآن برائے ترغیب ایمان ۴۹۰
تقبیح بعض رسُوم جاہلیت ۴۹۲
بیان احاطۂ علم خداوندی برائے تہدید مشرکین ۴۹۳
بیان حال ومآل اولیاء اللہ ۴۹۴
تسلی نبی اکرم ﷺ از سخن ہائے دلخراش دشمناں ۴۹۶
اثباتِ توحید وابطال شرک مع تذکیر نعم ۴۹۸
قِصّۂ نوح علیہ السلام با قوم اُو ۵۰۰
قصہ قوم عاد وثمود وغیرہم کا اجمالی ذکر ۵۰۱
ذکر قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون ۵۰۳
اسبابِ نجات از فرعون وقومِ او ۵۰۵
بقیہ قصۂ موسویہ ۵۰۸
بقیہ قِصّۂ موسویہ وغرقابی فرعون ۵۱۰
تتمہ قصۂ موسویہ وتذکیر انعام خداوند جلیل وشکایت
بنی اسرائیل ۵۱۲
اثبات حقانیت قرآن بطرز خاص ۵۱۴
ذکر قصہ یونس علیہ السلام برائے تلقین توبہ قبل از نزولِ عذاب . ۵۱۵
اہلِ رجس یعنی معاندین کو خطاب تہدید ۵۱۸
اثبات توحید وحقانیت دین اسلام ۵۱۹
خاتمہ سورت براتمام حجت اور تبلیغ ودعوت ۵۲۰

تفسیر سورۂ ہود

اثبات حقانیت قرآن وتوحید ورسالت وتذکیر آخرت ۵۲۳

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ

اور اگر ہم ان پر اتاریں فرشتے اور ان سے بولیں مردے اور جلاویں ہم

كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ

ہر چیز کو ان کے سامنے ہرگز ماننے والے نہیں مگر جو چاہے اللہ پر

اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ

اکثر نادان ہیں اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان

الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ

آدمی اور جن سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع باتیں فریب کی

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰٓى

اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑدے وہ جانیں اوران کا جھوٹ اور تاجھکیں

اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَ لِيَرْضَوْهُ وَ لِيَقْتَرِفُوْا

اس طرف دل ان کے جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا اور وہ اس کو پسند کریں اور تاکیے جاویں

مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

جو غلط کام کر رہے ہیں

بیان کیفیت عناد معاندین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ... الٰى ... وَ لِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾

ربط : گذشتہ آیت ﴿وَ مَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ میں معاندین کے عناد کو اجمالاً ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان کے عناد کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے عناد کی کیا کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات سے بڑھ کر بھی ان کو معجزات دکھلا دیئے جائیں تب بھی یہ لوگ عناد اور ضد کی بناء پر حق کو ماننے والے نہیں اور ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ ﷺ ان معاندین کے بیجا سوالات اور فرمائشی معجزات سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں یہ بات کچھ آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں

بلکہ ہر نبی کے زمانہ میں اس قسم کے لوگ ہوتے رہے جو ان سے دشمنی کرتے تھے اور اس قسم کے بے جا سوالات ان سے کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان معاندین کے عناد اور ضد کی یہ کیفیت ہے کہ ہم ان کی طرف فرشتے بھی اتار دیں جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دیں جیسا کہ وہ کہتے تھے: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ (الفرقان:۲۱) ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:٦۲) اور مردے بھی زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور آخرت کے چشم دید حالات ان کے سامنے بیان کرنے لگیں۔ جیسا کہ وہ کہتے تھے ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾ اور ہر چیز کو گروہ گروہ ان کے سامنے جمع کر دیں اور سب چیزیں تیری نبوت کی شہادت دیں یعنی حیوانات اور نباتات اور جمادات جمع ہو کر ان کی آنکھوں کے روبرو آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں تو یہ کافر جب بھی ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے یعنی خدا ہی کو منظور ہو تو یہ ایمان لا سکتے ہیں کہ اُس سے بڑھ کر کوئی زبردست نہیں مگر اپنی مرضی سے تو یہ کسی طرح بھی ایمان لانے والے نہیں خدا ہی چاہے تو ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل سکتا ہے لیکن اکثر ان میں سے نادان ہیں جہالت کے باعث معجزات قاہرہ طلب کرتے ہیں خواہ مخواہ کی فرمائشیں جہالت کی دلیل ہے حق کی تو طلب نہیں اور دلائل حقہ کی طرف توجہ اور التفات نہیں بے دلیل جو دل میں آیا کہہ دیا یہ جہالت نہیں تو کیا ہے عدالت میں مدعی سے گواہی طلب کی جاتی ہے اور مدعا علیہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ گواہوں پر جرح کرے اور گواہوں کا ناقابل شہادت ہونا ثابت کرے لیکن اگر مدعیٰ علیہ مدعی کی پیش کردہ شہادت پر تو کوئی جرح نہ کر سکے مگر یہ کہے کہ میں تو اس دعویٰ کو جب تسلیم کروں گا کہ فلاں فلاں اشخاص اس کی شہادت دیں تو عدالت میں یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہ ہوگا اسی طرح سمجھو کہ مدعی نبوت کے ذمہ مطلق دلائل نبوت اور مطلق شواہد رسالت کا پیش کرنا ضروری ہے سو وہ پیش کر دیئے گئے فرمائشی نشانات کا پیش کرنا ضروری نہیں۔

اب آئندہ آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان معاندین کی دشمنی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ شیاطین الانس جو آپ ﷺ کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جس طرح یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے شیطانوں کو دشمن بنایا ہے بعضے شیطان آدمیوں کے جنس سے ہیں اور بعضے شیطان جنات کی جنس سے ہیں۔ یعنی ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جو انبیاء سے دشمنی رکھتے تھے اور اُن سے اسی قسم کے بیجا سوالات کیا کرتے تھے اس سے مقصود انبیاء کرام علیہم السلام کے صبر کا امتحان ہے کافروں کی عداوت انبیاء کرام ؑ کے رفعِ درجات کا باعث ہوتی ہے۔ اس لیے خدا تعالیٰ کے یہاں جس نبی کا جس قدر رتبہ بلند ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے مقابلہ کے لیے سخت دشمن ہوتا ہے تاکہ اُس کی دشمنی سے اُس نبی کے درجے بلند ہوں غرض یہ کہ اس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی دشمنی کے لیے شیاطین الانس والجن بنائے کہ بعض بعض کی طرف دھوکا دینے کے لیے ملمع باتوں کا دل میں القاء کرتے ہیں یعنی ایسی جھوٹی باتوں کا القاء کرتے ہیں جو بظاہر خوشنما اور آراستہ ہوتی ہیں اور برے اعمال کو اچھا کر کے دکھلاتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ اور فریب میں ڈالیں۔

فائدہ: شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بدذات اور پاجی ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اور آیت میں شیاطین سے سرکشان جن وانس مراد ہیں مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطانِ انس شیطان جن سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جب میں اعوذ باللہ پڑھتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو شیطان جن تو میرے پاس سے بھاگ جاتا ہے مگر شیطان انس میرے پاس سے نہیں ٹلتا اور زخرف القول سے ملمع سازی کی باتیں مراد ہیں جو بظاہر آراستہ ہوں اور باطنی طور پر دھوکہ اور فریب ہوں اور اگر تیرا

پروردگار چاہتا تو وہ شیاطین یہ کام نہ کرتے شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالتے یہ سب اللہ ہی کی قضاء وقدر اور اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ پس آپ ﷺ اُن کو چھوڑ دیں وہ جانیں اور ان کا جھوٹ یعنی آپ ان کی ملمع سازی اور افترا پردازی کے فکر میں نہ پڑیں یہ لوگ شیاطین کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجیے وہ خود ان کو سمجھ لے گا اور ان شیاطین الانس والجن کے پیدا کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ تا کہ ان کے اس ملمع اور دل فریب قول کی طرف اُن لوگوں کے دل جھکیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں اور تا کہ وہ اس جھوٹی ملمع بات کو اعتقاد قلب سے پسند کرلیں اور دل سے اس کو حق سمجھنے لگیں اور تا کہ پھر اس کے بعد دل کھول کر بے کھٹکے وہ برے کام کیے جائیں جو کر رہے ہیں جب آدمی کسی بات کو دل سے حق سمجھنے لگے اور آخرت سے بے فکر ہو جائے تو وہ دل کھول کر برے کام کرتا ہے حتیٰ کہ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پھر اس کو یکا یک پکڑ لیا جاتا ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ
کیا اب سوائے اللہ کے کسی اور کو منصف کروں اور اسی نے تم کو کتاب بھیجی
مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ
واضح اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے
رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
رب کے پاس سے تحقیق سو تو مت ہو شک لانے والا اور تیرے رب کی بات پوری
صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَ
سچ ہے انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اس کے کلام کو اور وہی ہے سنتا جانتا اور
اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ
اگر تو کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تجھ کو بہکا دیں اللہ کی راہ سے سب یہی
يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ
چلتے ہیں خیال پر اور سب اٹکل دوڑاتے ہیں تیرا رب ہی خوب جانتا ہے
مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا
جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں سو تم کھاؤ

ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا

اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا اگر تم کو اس کے حکم پر یقین ہے اور کیا سبب کہ

تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ

تم نہ کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا اور وہ کھول چکا جو کچھ تم پر حرام کیا ہے

اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ

مگر جس وقت ناچار ہو اس کی طرف سے اور بہت بہکاتے ہیں اپنے خیال پر بغیر

عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ

تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو لوگ حد سے بڑھتے ہیں اور چھوڑ دو کھلا گناہ اور

بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

چھپا جو لوگ گناہ کماتے ہیں سزا پاویں گے اپنے کیے کی

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہ لیا اللہ کا اور وہ گناہ ہے اور

الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ

شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا

اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۱۱ ۱

تو تم مشرک ہوئے۔

تتمۂ توبیخ معاندین وتحذیر از اتباع مُضِلّین ومُجادلین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ... الیٰ ... وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾

ربط: گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا کہ یہ کافر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ایسے ضدی اور عنادی ہیں کہ جن معجزات کی وہ خواہش رکھتے ہیں اُن کے ظاہر ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر دل میں کچھ بھی قبول حق کا مادہ ہوتا تو پہلے ہی مرتبہ آیات بینات دیکھ کر

ایمان لے آتے اس لیے کہ اوّل تو قرآن کریم آپ ﷺ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے، اس کی طرف رجوع کر لینا کافی ہے ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے باید از وے رو متاب

ایسی روشن دلیل کے بعد کسی اور فیصلہ کرنے والے کی طرف رجوع کرنا نادانی ہے اور دوم یہ کہ علماء اہل کتاب قرآن کریم کی حقانیت سے بخوبی واقف ہیں ایسی کافی اور شافی دلیل اور برہان کے بعد کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا جب آپ ﷺ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اے نبی کریم! آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ بھلا خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے جس کی تم فرمائش کرتے ہو اور وہ شہادت خداوندی یہ قرآن کریم ہے اور دوسری شہادت علماء بنی اسرائیل کی شہادت ہے ان دو شہادتوں کے بعد آپ ﷺ کو اہل ضلال و اہل جدال کی اتباع سے منع فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا ان دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے بعد میں تمہارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سوائے خدا کے کسی منصف اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈوں کفار آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے کہ تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کر لے تا کہ وہ ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر کون فیصل ہو سکتا ہے؟ خدا تعالیٰ نے دعوائے نبوت میں میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اس نے میرے دعوائے نبوت پر بہت سے شواہد ظاہر کر دیے ہیں اب کسی اور فیصل کی کیا ضرورت رہی میری نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن کریم ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اتاری جس نے نیک اور بد اور حق اور باطل اور سعادت اور شقاوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور یہ کتاب عجیب و غریب حقائق و معارف اور احکام پر مع دلائل اور براہین کے مشتمل ہے اور شکوک اور شبہات کے ازالہ میں کافی اور شافی ہے۔ اس کتاب مفصل نے میرے اور تمہارے درمیان میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر، کتاب کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی اور وعد و وعید سب کچھ مذکور ہے اور اس کا اعجاز لفظی اور معنوی سب کے سامنے ہے اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے توریت و انجیل دی ہے یعنی علماء یہود و نصاریٰ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق کے ساتھ متلبس ہے یعنی علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی آسمانی کتاب ہے جس کی کتب سابقہ میں بشارت دی گئی ہے۔ پس جس کتاب کی یہ شان ہو تو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جایئے ایسی مفصل اور مکمل کتاب کی شہادت کے بعد کسی ثالث اور فیصل کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے یعنی اس قرآن کی منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام خبریں سچی ہیں اور اس کے تمام احکام عینِ عدل اور عینِ انصاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب خدا کی اتاری ہوئی ہے اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک اخبار اور قصص اور دوم احکام یعنی اوامر اور نواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں کوئی حکم خلاف انصاف نہیں یا یوں کہو کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط اور تفریط سے پاک ہیں اور قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف و تبدیل راہ پا سکتی ہے اور نہ کوئی اُس کا وعدہ اور خبر غلط ہو سکتی ہے اور وہی

سننے والا جاننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو یعنی ان کی ملمع کاری کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے۔ پس اے پیغمبر ﷺ ان کلمات الٰہیہ کے ہوتے ہوئے جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں آپ کو کسی حَکم اور ثالث کی ضرورت نہیں آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیجیے اور ان نادانوں کے کہنے سننے کی پروانہ کیجیے اور اگر بالفرض والتقدیر آپ ﷺ اکثر اہل زمین کا کہنا ماننے لگیں اور اُن کے کہنے پر چلنے لگیں تو یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آپ کو بھی اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گے اس لیے کہ ان کو حقیقت الامر کا علم نہیں۔

گذشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ شیاطین الانس والجن ملمع کاری کی باتیں (زخرف القول) دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں۔ اب ان آیات میں یعنی ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ میں ملمع کاری کی بعض باتیں ذکر کرتے ہیں کہ جو مشرکین مسلمانوں کو احکام خداوندی میں شبہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے تھے مشرکین آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے یہ مجادلہ کرتے کہ جو جانور طبعی موت سے مرجائے (یعنی میتہ) مسلمان اُسے تو حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو جانور خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یعنی ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے اُسے حلال سمجھتے ہیں یہ کیسا دین ہے کہ جس میں خدا کی ماری ہوئی چیز تو حرام ہے اور اپنے ہاتھ کی ماری ہوئی چیز حلال ہے مسلمانوں کی یہ عجیب بات ہے کہ اپنے مارے ہوئے جانور کو تو کھالیتے ہیں اور خدا کے مارے ہوئے جانور کو نہیں کھاتے آئندہ آیتوں یعنی ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ... الخ ﴾ میں ان کے اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب کافروں کی ملمع کاری ہے جو انسانوں کو شبہ اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے شیطان اُن کو سکھاتے ہیں خوب سمجھ لو کہ حلال وحرام کے بارہ میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے محض عقلی ڈھکوسلوں کا کوئی اعتبار نہیں مارنے والا سب کا اللہ ہی ہے جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے ذبح کرتے وقت صرف چھری چلانا تو بندہ کا کام ہے باقی جانور کی جان نکالنا یہ اللہ کا کام ہے ذبح کرنا موت کا ایک سبب ظاہری ہے جیسے موت کے اور اسباب ہیں مثلاً چھت سے گر کر مرجانا یا کنویں اور دریا میں ڈوب کر مرجانا مارنے والا ہر حال میں خدا ہی ہے سب اسی کے مارے ہوئے ہیں۔

البتہ اللہ کے نام کی برکت ہے جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حلال ہے اور جو جانور بغیر اس کا نام لیے مرگیا وہ مردار ہے اس کا کھانا فسق اور خلاف حکم ہے ہاں شدید مجبوری کی حالت میں اس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: نہیں پیروی کرتے یہ لوگ مگر گمان اور خیال کی یعنی ان کا دین اور اعتقاد کسی دلیل اور برہان پر مبنی نہیں صرف گمان اور خیال کے پیرو ہیں اور احکام اور حلال وحرام میں تو یہ سب اٹکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں محض اپنے اٹکل سے یہ قاعدہ بنالیا کہ جو چیز اللہ کی ماری ہوئی ہو وہ سب حلال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں تحقیق تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اُس کی راہ سے بہکتا ہے اور ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں پس تم کو چاہئے کہ حلت وحرمت میں اہل ہدایت کا اتباع کرو گمراہوں کے گمان اور خیال کی پیروی نہ کرو۔ پس اے مسلمانو! تم حلال ذبیحہ میں سے کھاؤ جس پر بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ ذبیحہ اللہ کے نام کی برکت سے حلال ہوجاتا ہے اور مرے ہوئے جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے وہ حرام ہوگیا اگر تم اللہ کے حکموں پر یقین رکھتے ہو موت سے جانور نجس ہوجاتا ہے لیکن اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے تو وہ پھر خدا کے نام کی برکت سے نجاست سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اور تم کو کیا ہوا کہ تم اس ذبیحہ میں سے نہ کھاؤ کہ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی اس کے نہ کھانے کی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

تمہارے لیے دوسری آیات میں اُن چیزوں کی تفصیل کر دی ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں اور دوسری آیات سے سورۂ نحل کی آیتیں مراد ہیں جو سورۂ انعام سے پہلے نازل ہوئیں یا یوں کہو کہ اس سے آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا... الخ﴾ کی طرف اشارہ ہے جو چند آیتوں کے بعد آئے گی اس کے مطابق اُس جانور کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مردار کو نہ کھاؤ مگر جب کہ تم بھوک کی وجہ سے مجبور اور لاچار ہو جاؤ تو پھر بقدر سد رمق اس میں سے کھا لینا جائز ہے اور بے شک بہتیرے لوگ بغیر علم اور بغیر دلیل کے اپنی خواہشوں سے لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں۔ بے شک تیرا پروردگار حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے کہ وہ خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرتے ہیں اور حرام کیے ہوئے کو حلال بتلاتے ہیں۔ سو اللہ اُن کو اس فعل کی ضرور سزا دے گا اور اے مسلمانو! تم کھلے گناہ اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو۔ یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو اور کسی حلال کو حرام اعتقاد کرنا یہ باطنی گناہ ہے تحقیق جو لوگ گناہ کو کماتے ہیں وہ ضرور اپنے کیے کی سزا پائیں گے عذاب کے وقت پردہ اُٹھ جائے گا اور ہر چیز کا حسن و قبح آنکھوں کے سامنے آ جائے گا اور اے مسلمانو! اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا چہ جائیکہ ان پر بوقت ذبح بتوں کا نام لیا گیا ہو اور تحقیق ایسے جانور کا کھانا جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو البتہ بڑا ہی گناہ ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں مشرکین کا جھگڑا مسلمانوں کے ساتھ یہی تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مسلمان اپنے مارے کو تو حلال کہتے ہیں اور اللہ کے مارے ہوئے کو حرام بتاتے ہیں یہ سب القاء شیطانی ہے شیاطین کافروں کو اس قسم کی کٹ حجتیاں القاء کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں۔ پس تم ان سے احتیاط رکھنا اور اگر خدانخواستہ تم عقائد اور حلال و حرام میں ان لوگوں کا کہنا ماننے لگو تو ضرور تم بھی مشرک ہو جاؤ گے کہ حکم خداوندی کے مقابلہ میں ان کے حکم کو ترجیح دینے لگو۔

مطلب یہ ہے کہ شرک فقط یہی نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود بنا لیا جائے بلکہ یہ امر بھی شرک کے حکم میں ہے کہ بلا دلیل شرعی کسی کو تحلیل و تحریم کا مختار کار سمجھنے لگے کہ جس چیز کو انکا مقتدا محض اپنی رائے اور خیال سے حرام و حلال کر دے اس کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبہ:۳۱) کی تفسیر میں حدیث مرفوع گذر چکی ہے اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار اور رہبان کے قول پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا یہ شرک فی الحکم ہے۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ
بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور دی اُس کو روشنی کہ لیے پھرتا ہے لوگوں میں
كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ
میں برابر اُس کے جس کا حال یہ ہے اندھیروں میں پڑا وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح بھلا دکھایا ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ
کافروں کو جو کام کر رہے ہیں اور یوں ہی رکھے ہیں ہم نے ہر بستی

أَكٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا فِيهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا

میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلہ لایا کریں وہاں اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنے اوپر اور نہیں

يَشْعُرُونَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى

بوجھتے اور جب پہنچے اُن کو ایک آیت کہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک ہم کو نہ ملے

مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

جیسا کچھ پاتے ہیں اللہ کے رسول اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیام

سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ ۢ بِمَا

اب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بدلا

كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

حیلہ بنانے کا سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے گا اس کا سینہ

لِلْإِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ أَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا

حکم برداری کو اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ

كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا

گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب یقین نہ

يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ

لانے والوں پر اور یہ ہے راہ تیرے رب کی سیدھی ہم نے کھول دیئے نشان

يَّذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

دھیان کرنے والوں کو اُن کو ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ اُن کا مدد گار ہے بدلہ

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٧﴾

اُن کے کیے کا

مسلمان اور کافر کی مثال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ... الٰی ... وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ﴾

ربط: اوپر کی آیت میں اول مشرکین کے مجادلہ اور عناد کا ذکر فرمایا اور پھر مسلمانوں کو اہل جدال اور اہل ضلال کی اتباع سے منع فرمایا۔ اب ان آیات میں مسلمان اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں تا کہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کون لائق اتباع ہے اور کون لائق نفرت ہے۔

وہ مثال یہ ہے کہ جو شخص کفر کے بعد مسلمان ہوا گویا کہ وہ زندہ ہو گیا اور اس کو روشنی مل گئی ایسا شخص قابل اطاعت اور لائق اتباع ہے اور جو شخص کفر پر قائم ہے وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور سرگرداں اور حیران ہے خلاصی کی کوئی راہ اُس کو نظر نہیں آتی ایسا شخص کیسے قابلِ اتباع ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جس کو نور مل گیا وہ تاریکی والے کا کیوں اتباع کرے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۴۳ ج ۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی اور ابو جہل کفر کی تاریکیوں میں پھنسا رہا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ہر مومن اور کافر کو شامل ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۷۸ ج ۷)

کیا وہ شخص جو پہلے اپنے کفر کی وجہ سے مردہ تھا پھر ہم نے ایمان اور ہدایت دے کر اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو ہدایت کی ایسی روشنی دی جس کو وہ ہر وقت لوگوں میں اپنے ساتھ لیے لیے پھرتا ہے۔ کیا اُس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ گمراہی کی ایسی اندھیریوں میں پڑا ہوا ہے کہ جن سے وہ باہر نہیں نکل سکتا ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے بلکہ پہلا شخص دوسرے شخص سے ہر طرح بہتر ہے پس ثابت ہوا کہ مسلمان کافر سے بہتر ہے کیونکہ پہلی مثال مؤمن کی ہے اور دوسری مثال کافر کی ہے ایمان کو حیات اور روشنی سے تشبیہ دی ہے اور کفر کو موت اور تاریکی سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ نور ظلمت سے اور حیات موت سے بہتر ہے اسی طرح کافروں کے لیے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے ہیں جو وہ کرتے ہیں یعنی جس طرح مومنوں کے دل میں ایمان اور اعمال صالحہ کی خوبی بٹھلا دی گئی ہے۔ اسی طرح کافروں کے دل میں کفر اور اعمال قبیحہ کی خوبی ڈال دی گئی ہے ہر شخص اپنے ہی طریقہ کو اچھا جانتا ہے اور اسی طرح ہم نے بغرض امتحان ہر بستی میں اُس بستی کے مجرمین کے سرداروں کو پیدا کیا یعنی جس طرح ہم نے مکہ کے مجرموں کو رئیس اور آسودہ حال بنایا ہے۔ اسی طرح ہم نے پہلی امتوں میں بھی ہر بستی کے مجرموں کو رئیس اور متمول پیدا کیا ہے تا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں دل کھول کر اُس بستی میں حیلہ اور فساد پھیلائیں اور لوگوں کو خراب کریں اور درحقیقت وہ اپنی ہی جانوں سے مکر اور فریب کر رہے ہیں یعنی ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس مکر اور فریب کا وبال انہی پر پڑے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''یعنی ہمیشہ کافروں کے سردار حیلہ نکالتے ہیں تا کہ عوام الناس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع نہ ہو جائیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا ہے۔'' (موضح القرآن)

یہ ان معاندین کے جہل اور عناد کے چند واقعات تھے اب آگے اُن کے جہل اور عناد اور ان کے تکبر اور غرور کا ایک خاص واقعہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب اُن کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے

ہیں کہ ہم ہرگز اس نبی ﷺ کی صداقت پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی نشانی ملے جیسے اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے یعنی ہم پر اللہ کا کوئی فرشتہ نازل ہو یا کوئی نوشتہ آسمان سے اُترے اور آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دے اور ہمیں آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دے کفار یہ کہتے تھے کہ بہ نسبت محمد ﷺ کے ہم نبوت کے زیادہ سزاوار ہیں اس لیے کہ ہم مال اور اولاد اور عزت میں اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا، اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی پیغمبری کو رکھتا ہے کہ کون منصب نبوت و رسالت کے لائق ہے ایسے مکاروں اور غداروں اور حاسدوں اور متکبروں اور سرکشوں کو نبوت جیسی نعمتِ عظمیٰ کیونکر مل سکتی ہے۔

کلاہِ خسروی و تاج شاہی بہر سر کے رسد حاشا و کلّا

ایسے ناہنجاروں کو منصب نبوت تو کیا ملتا ایسے مجرموں کو تو اللہ کے یہاں سخت ذلت اور رسوائی پہنچے گی اور سخت عذاب ہوگا بدلہ میں اُس مکر و فریب کے جو یہ کیا کرتے تھے متکبر کی سزا یہی ہے کہ اُس کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے۔ پس ان کے اس تکبر اور عناد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت اور جبلت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ اب اس میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی باقی نہیں رہی اس لیے اب آئندہ آیت میں سلیم الفطرت اور فاسد الفطرت کا موازنہ فرماتے ہیں تا کہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے۔ پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ یعنی اس کو دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس کے دل کو اس کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اس کو قبول حق میں ذرہ برابر پس و پیش نہیں ہوتا اور اسلام پر چلنا اس کو آسان ہو جاتا ہے اور جس کو تکویناً و تقدیراً خدا گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ نہایت درجہ تنگ گھٹا ہوا اور بند کر دیتا ہے جس سے ایمان اور ہدایت اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتی حق کی بات کے سننے سے اُس کو ایسا انقباض ہوتا ہے گویا کہ وہ بڑی تکلیف اور مصیبت سے چار و ناچار آسمان پر چڑھ رہا ہے بعینہٖ یہی حال کافر کا ہے جب اُسے ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو اُس کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے اُس کو آسمان پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے ایمان، انسان کو آسمان یعنی بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور کفر انسان کو زمین یعنی پستی اور اندھیرے گڑھے کی طرف دھکیلتا ہے ابتداء رکوع میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی پہلی مثال اُس مؤمن کی ہے جو سلیم الفطرت اور صحیح الاستعداد ہو اور دوسری مثال اُس کافر کی ہے کہ جس کی فطرت اور استعداد بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہو حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ شرح صدر سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بیزار اور آخرت کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے۔ اور یہی مضمون دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے۔

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٢ ﴾ (الزمر: ٢٢)

اسی طرح ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ کفر کی پلیدی اور ناپاکی اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لانے ایسے معاندین کو کفر و شرک کی نجاست اور گندگی اچھی معلوم ہوتی اور دین حق کی خوشبو اُن کو بدبو معلوم ہوتی ہے نجاست کا کیڑا عطر کی خوشبو کو برداشت نہیں کر سکتا بسا اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس آیت میں رجس سے شیطان مراد ہے کیونکہ رجس کے معنی گندہ اور ناپاک کے ہیں

شیطان سے بڑھ کر کون گندہ اور ناپاک ہوگا اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح شیطان کو کافروں پر مسلّط کر دیتا ہے کہ قبول حق کی کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی شیطان اُن کو بری باتوں پر اکساتا رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کہ اوّل فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں۔ اور اب فرمایا کہ جب ہم ہی ایمان نہ دیں گے تو کیونکر ایمان لاویں گے (بغیر اس کی توفیق کے کون ایمان لاسکتا ہے) بیچ میں مردار کو حلال کرنے کے حیلے نقل کیے اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے حیلہ بنالے وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور حکمبرداری پر وہ نشانِ ہدایت ہے ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی''۔ (موضح القرآن)

اور یہ دین اسلام تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے اس پر چلنے سے آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں تحقیق ہم نے اپنی نشانیوں کو اُس گروہ کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو گروہ نصیحت پکڑنے والا ہے۔ انہی لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں سلامتی کا گھر ہے بہشت کا ایک نام دارالسلام ہے کیونکہ وہاں ہر آفت سے سلامتی ہے اور وہی پروردگار اُن کا کارساز اور مددگار ہے بوجہ اس کے کہ وہ نیک کام کرتے تھے یعنی خدا تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اطاعت کرتے تھے۔

لطائف ومعارف

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف جماعتیں تھیں:

① ایک جماعت تو وہ تھی کہ جو اپنے فہم وفراست کی بناء پر ابتداء بعثت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی تھی۔ انہی میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اس جماعت کے سردفتر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آیہ کریمہ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کی فطرت میں توحید اور ایمان اور ترک اصنام اور ترک زنا اور ترک شراب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے محاسن اعمال ابتداء خلقت میں ودیعت رکھے گئے تھے اور اس بارہ میں انہوں نے بہت سی خوابیں بھی دیکھی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر دلالت کرتی تھیں اسی لیے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بمجرد دعوت ایمان لے آئے اور تکریر دعوت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

② اور ایک جماعت وہ تھی کہ جو ایک مدت تک کفر اور اسلام کی عداوت میں رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر رہے انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مُردوں سے تعبیر کیا ہے مگر بعد میں میں توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہوئی اور اسلام کے زمرہ میں داخل ہوئے اور حیات حقیقی حاصل کی اور بہترین مسلمان کہلائے جیسے حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ وغیرہ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گروہ کے سردفتر تھے اور آیہ کریمہ ﴿اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ... الاٰية﴾ میں اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص ہادی اور مہدی ہوگا اور مسلمانوں کو اُس سے نفع عظیم پہنچے گا۔ اس فریق میں سے یہ صفت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات میں منحصر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیات معنوی اور ہدایت کے ساتھ

موصوف کیا۔ پس جب ان آیات کے سیاق وسباق میں غور کیا جاتا ہے تو ان آیات سے ذہن شیخین رضی اللہ عنہم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ شرح صدر صدیقیت کی حقیقت ہے اور عطاء نور ہدایت محدثیت کی حقیقت ہے اور انہی کے طریقہ کو اللہ نے صراط مستقیم فرمایا ہے اور ﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ میں ظلمات سے کفر وضلالت کی ظلمتیں مراد ہیں۔ زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلی آیت یعنی ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا ﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت یعنی ﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ ابوجہل کے بارہ میں ہے کیونکہ ابتداء میں دونوں کافر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیات حقیقی عطاء فرمائی اور ابوجہل کو کفر اور ضلالت کی تاریکی میں رکھا۔ اس طرح ان آیات میں بطریق تعریض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

③ اور ایک جماعت ضعفاء مسلمین اور فقراء مومنین کی تھی جن کو رؤساء قریش بنظر حقارت دیکھتے تھے اور اُن کی مجالست کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے انہیں لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾

اور آیہ کریمہ ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ﴾ میں اس قتال مسلمین کی طرف اشارہ ہے جو چونتیس سال بعد واقع ہونے والا تھا۔ ایک متواتر اور ظاہر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عذاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے اٹھا دیا گیا مگر آپس میں ایک دوسرے کو اذیت دینا باقی رہا۔

خلاصۂ کلام:

کہ آیت کریمہ ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور آیہ کریمہ ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کریمہ ﴿ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ میں ابوجہل کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیہ کریمہ ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ میں اصحابِ صفہ یعنی درویشانِ اسلام کے گروہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیہ کریمہ ﴿ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ ... الخ ﴾ میں اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے جو خلافت راشدہ کے ختم پر مسلمانوں میں باہمی قتل وقتال اور جنگ وجدال کی صورت میں نمودار ہوا۔

(حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا)

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ

اور جس دن جمع کرے گا اُن سب کو اے جماعت جنوں کی تم نے بہت کچھ لیا

الْاِنْسِ ۚ وَ قَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا

انسانوں سے اور بولے اُن کے دوست دار انسان اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے

بِبَعْضٍ وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ

دوسرے سے اور پہنچے اپنے وعدے کو جو تو نے ہمارا ٹھہرایا تھا فرماوے گا آگ گھر تمہارا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَ كَذٰلِكَ

رہا کرو اس میں مگر جو چاہے اللہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے اور اسی طرح

نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۲ يٰمَعْشَرَ

ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کو بدلہ ان کی کمائی کا اے جماعت

الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

جنوں اور انسانوں کی کیا تم کو نہیں پہنچے تھے رسول تمہارے اندر کے سناتے تم کو میرے حکم

وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَ

اور ڈراتے یہ دن سامنے آنے سے بولے ہم نے مانے اپنے گناہ اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

اُن کو بہکایا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہوئے اپنے گناہ پر کہ وہ تھے

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا

منکر یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اور وہاں کے لوگ

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

بے خبر ہوں اور ہر کسی کو درجے ہیں اپنے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَ رَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ

ان کے کام سے اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحم والا اگر چاہے تم کو لے جاوے اور

يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ

پیچھے تمہارے قائم کرے جس کو چاہے جیسا کہ تم کو کھڑا کیا اوروں کی اولاد سے

اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ؕ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ

جو تم کو وعدہ دیا سو آنے والا ہے اور تم تھکا نہ سکو گے تو کہہ

يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

لوگو! کام کرتے رہو اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے کس کو

تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

ملتا ہے آخر گھر مقرر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا

توبیخ جن وانس در روزِ قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ ... الٰی ... اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾﴾

ربط: گذشتہ آیات میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی اور یہ بتلایا کہ یہ کافر جو مسلمانوں سے مجادلہ کرتے ہیں اور اُن سے جھگڑتے ہیں یہ سب شیاطین کے اغواء سے ہے اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن شیاطین جن سے باز پرس ہوگی کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اس کے بعد جو آدمی اُن کے مطیع تھے وہ اس کا جواب دیں گے اور بعد ازاں شیاطین جن وانس دونوں کے لیے سزا کا اعلان کیا جائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جس دن خدا تعالیٰ جن اور انس سب کو یکجا جمع کرے گا تا کہ ایک دوسرے کے سوال و جواب کو سن سکے اس دن خدا تعالیٰ سب کو جمع کر کے یہ کہے گا اے گروہ جنات یعنی شیاطین تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا اور بہتوں کو مکر وفریب [1] سے بہکا کر اپنے تابع کر لیا اور اس طرح اپنی بڑی جماعت بنالی۔ اس آیت میں جنات کو اس لیے خطاب فرمایا کہ مکر وفریب میں اصل وہی ہیں اور آدمیوں میں سے جو ان کے دوست ہیں اُن سے بھی باز پرس ہوگی وہ اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے اے پروردگار! بے شک ہم قصور وار ہیں ہم نے دُنیا میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا یعنی جنوں نے آدمیوں سے فائدہ اٹھایا اور

---

[1] اس لفظ سے گذشتہ آیت ﴿وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

آدمیوں نے جنوں سے جنوں نے آدمیوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ آدمیوں نے اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اُن کی سرداری مانی۔ آدمیوں نے جنوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جنوں نے آدمیوں کے لیے نفسانی شہوات اور لذات کے عجیب عجیب طریقے تلقین کیے اور اُن کی خواہشات کو مزین اور مستحسن کر کے اُن کو دلدادۂ شہوات بنایا۔ اس طرح ہم نے خوب مزے اڑائے اور شہوات حاضرہ کو لذات غائبہ پر ترجیح دی حتی کہ ہم نے خواہشات کے حصول اور ان کی جدوجہد میں بے انتہا مشقتیں برداشت کیں یہ تو ہم نے جنات سے فائدہ اٹھایا اور جنات نے ہم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ انسانوں نے ہمیں اپنا سردار بنالیا ہے اور یہ سب ہمارے حکم اور اشارہ پر دوڑے چلے جارہے ہیں ہمارا کہنا چل رہا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کے وارثوں کی ہدایات اور ارشادات سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اسی طرح ہم دنیا میں مست اور سرشار رہے یہاں تک کہ ہم اُس میعاد اور مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی قیامت آگئی جس کو ہم جھٹلاتے تھے اور اب وہ وقت ہمارے سامنے آگیا ہے جس کے ہم انکاری تھے اور آنکھوں سے پردہ اُٹھ گیا اب جو حکم صادر فرمایا جائے وہ آپ کی مرضی ہے اس وقت حق تعالیٰ کفار جن اور کفار انس دونوں سے یہ فرمائیں گے کہ جب تم بلا توبہ کیے مدت معینہ پوری کر کے ہمارے روبرو پیش ہوئے تو تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے تابع اور متبوع خادم اور مخدوم سب دوزخ میں بھی اکھٹے ہی رہیں گے جس طرح دنیا میں اکھٹے تھے تاکہ جس طرح دنیا میں باہمی اجتماع موجب لذت وفرحت تھا اسی طرح دوزخ میں سب کا باہمی اجتماع موجب ذلت وحسرت ہو اور اس آگ کے ٹھکانہ میں تم سب ہمیشہ رہو گے جس سے خلاصی اور رہائی کی کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ خدا ہی کسی کو نکالنا چاہے تو وہ دوسری بات ہے مطلب یہ ہے کہ بیشک کافروں کے لیے دوزخ کا دائمی اور ابدی عذاب ہے مگر وہ اس کے چاہنے یعنی اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے موقوف بھی کر سکتا ہے لیکن وہ کافروں کے لیے دائمی اور ابدی عذاب چاہ چکا ہے جس کی خبر اُس نے اپنے قرآن کی بہت سی آیتوں میں دے دی اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی زبانی یہ خبر دی جا چکی ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے وہ کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس استثناء سے مقصود مبالغہ ہے کہ تم ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو گے اور تمہارا خلود کبھی ختم نہ ہوگا مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو پھر اس کا ختم ہونا ممکن ہے۔ خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جاؤ تم سب کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے تم ہمیشہ اُس میں رہو گے مگر جب اللہ چاہے تو وہ نکال بھی سکتا ہے لیکن وہ کیوں چاہے گا کہ تم جیسے خدا اور رسول کے جھٹلانے والوں کو جہنم سے نکالے کافروں کے لیے دائمی عذاب کا حکم قطعی صادر ہو چکا ہے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے والا ہے۔ اُس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں کفار کے دائمی عذاب میں بھی حکمت ہے اُسے تمام جرائم کا علم ہے جس درجہ کا جرم ہے اُسی درجہ کی سزا ہے جو سزا یعنی دائمی عذاب حق تعالیٰ نے اُن کے لیے تجویز فرمائی ہے وہ نہایت مناسب ہے اور عین حکمت اور عین صواب ہے۔

تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا۔

اور فرقۂ جہمیہ کا مذہب یہ ہے کہ چند روز کے بعد جنت اور جہنم دونوں فنا ہو جائیں گے ابن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد خاص ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جنت کا ثواب تو دائمی ہے اہل ایمان تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے (جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے) مگر دوزخ کا عذاب دائمی نہیں صرف ایک مدت دراز تک کافروں پر عذاب رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے خلود سے تعبیر کیا ہے مگر

ایک عرصہ کے بعد خدا کے رحم وکرم سے یہ عذاب ختم ہو جائے گا (جیسا کہ فرقہ جہمیہ کا مذہب ہے) ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول سراسر شاذ ہے اور اہل سنت والجماعت کے اجماع کے بالکل خلاف ہے بلکہ صریح آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے جیسا کہ ہم عنقریب واضح کریں گے۔ غرض یہ کہ ثواب اور عقاب کے بارہ میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اور یہ مسلک نصف سُنی ہے اور نصف جہمی ہے جو صراحتاً نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے اور وہ نصوص اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں اور ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہما نے جو ضعیف اور موضوع روایتیں اور سلف کے بعض مجمل اور محتمل اقوال اس بارہ میں پیش کیے ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں۔ لہٰذا ان کے جواب دینے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔

آیاتِ قرآنیہ

پہلے پارہ میں یہ آیت گذر چکی ہے:

① ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (البقرہ)

اور یہود بے بہبود کا یہ قول بھی گذر چکا ہے ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ﴾ (البقرہ:۸۰)۔ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ چند روز کے بعد جہنم فناء ہو جائی گی یا جہنم کا عذاب ختم ہو جائے گا سو اس کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ ہم کو صرف چند روز کے لیے آگ میں رہنا ہوگا جتنے روز بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پرستش کی صرف اتنے دن عذاب میں رہنا ہوگا بعد میں نجات ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرمائی اور بتلا یا دیا کہ یہود کی یہ بات بالکل غلط ہے یہود ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی اس سے نہیں نکل سکیں گے اور یہود سے بھی اسی حکم عام اور قاعدہ کلیہ کے مطابق معاملہ ہوگا اور یہود سے اللہ تعالیٰ نے کوئی عہد نہیں کیا کہ وہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں رکھے جائیں گے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے۔

② ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝﴾ (البقرہ)

③ ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (البقرہ)

④ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (البقرہ)

⑤ ﴿وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (البقرہ)

⑥ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝﴾ (آل عمران)

⑦ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (آل عمران)

⑧ ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا﴾ (النساء)

⑨ ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا﴾ (النساء)

⑩ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ (النساء)

⑪ ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (الانعام)

⑫ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾﴾ (الاعراف)

⑬ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ﴾ (التوبہ)

⑭ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾﴾ (ای دائم) (التوبہ)

⑮ ﴿اَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (یونس)

⑯ ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ﴾ (ھود)

⑰ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۵﴾﴾ (یوسف)

⑱ ﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ (نحل)

⑲ ﴿وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ ۚ﴾ (مؤمنون)

⑳ ﴿وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾﴾ (السجدہ)

㉑ ﴿يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾﴾ (الفرقان)

㉒ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿۶۴﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ﴾ (الاحزاب)

㉓ ﴿قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾﴾ (الزمر)

㉔ ﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ﴾ (حٰمٓ سجدہ)

㉕ ﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ﴾ (الزخرف)

㉖ ﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ﴾ (محمد)

㉗ ﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ (المجادلہ)

㉘ ﴿فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ﴾ (الحشر)

㉙ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۰﴾﴾ (التغابن)

㉚ ﴿وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾﴾ (الجن)

㉛ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ﴾ (البینۃ)

یہ اکتیس آیتیں جن میں صراحتاً کافروں کے مخلد فی النار ہونے کا ذکر ہے اور بعض آیتوں میں خلود کے ساتھ ﴿اَبَدًا﴾ کا لفظ بھی آیا ہے اور اگر ان آیات کے ساتھ اُن آیتوں کو بھی شامل کرلیا جائے جو انہی آیتوں کے ہم معنی اور ہم مضمون ہیں تو عدد شمار سے باہر ہو جائے گا مثلاً:

①﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ ②﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ ③﴿مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ④﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ ⑤﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ ⑥﴿لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا﴾ ⑦﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ ⑧﴿لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ ⑨﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ ⑩﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ ⑪﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ ⑫﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ ⑬﴿اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ ⑭﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا﴾ ⑮﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ ⑯﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ ⑰﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ ⑱﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ ⑲﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ ⑳﴿وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾ ㉑﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ﴾ ㉒﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ﴾ ㉓﴿فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ ㉔﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ ㉕﴿نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ ㉖﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ﴾ وغیر ذالك مِن الآیات۔

اب ان تمام آیات کا مجموعہ ۵۷ ہوا۔

شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ * اپنے رسالہ الاعتبار ببقاء الجنۃ والنار میں ان تمام آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان آیات میں تاویل ایسی ہی ناممکن اور محال ہے جیسے بعث جسمانی کی آیتوں میں تاویل ناممکن اور محال ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح کافروں کے دائمی اور ابدی عذاب کے بارہ میں احادیث بھی بے شمار آئی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں اور اہل نار، نار میں پہنچ جائیں گے تو موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے ایک منادی یہ اعلان کرے گا کہ اے اہل جنت اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اور کبھی بھی موت نہیں اور اے اہل نار اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے۔ اس کے بعد موت نہیں یہ سن کر اہل جنت تو خوش ہو جائیں گے اور کافر نا اُمید اور غمگین ہو جائیں گے۔

---

* شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ حدیث اور فقہ کے مسلم حافظ اور فقیہ ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں ۷۵٦ھ میں وفات پائی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جن مسائل میں جمہور امت سے تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی اور اجماع کی مخالفت کی ان مسائل میں تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا رد لکھا اور خوب لکھا ان میں ایک رسالہ یہی ہے جس میں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول شاذ کا رد لکھا کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں۔ حضرات اہل علم اصل رسالہ کی مراجعت کریں اس کے علاوہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو تین طلاق کو ایک طلاق قرار دے کر اجماع صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف کیا ہے اور توسل اور زیارتِ نبوی کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس قسم کے تمام مسائل کی تحقیق کے لیے تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اُن کو دیکھ لیا جائے۔

اور حدیث میں ہے کہ تمام اہل کبائر جہنم سے نکل جائیں گے اور صرف وہ لوگ جن کو قرآن نے روکا ہے یعنی کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱۱ میں کافروں کے دائمی عذاب کی حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں: کہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ کافروں کے خلود فی النار کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور کفار دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ اُن کو موت آئے گی اور نہ نفع اور راحت کی کوئی زندگی ہوگی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ﴾ (الفاطر:۳٦) ... ﴿ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ﴾ (الحج:۲۲)

بعد ازاں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ زعم کیا کہ کافر دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ بالکل خالی رہ جائے گی یا یہ گمان کیا کہ دوزخ ہی سرے سے زائل اور فنا ہو جائے گی تو ایسے قائل نے اُس دین اور شریعت سے خروج اور انحراف کیا کہ جو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے اور اس زاعم اور قائل نے اُس چیز سے بھی خروج کیا کہ جس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہمیہ کا قول تو یہ ہے کہ جہنم چند روز کے بعد بالکل فنا ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وہ حادث ہے اور ہر حادث فانی ہے اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوزخ فنا تو نہیں ہوگی مگر کچھ مدت کے بعد اُس کا عذاب ختم ہو جائے گا اور دوزخی لوگ اس سے نکل جائیں گے اور بعض متاخرین (یعنی ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) کا میلان اسی طرف ہے۔

وَ هو مذهب ردی مردود علی قائله وقد اطنب السبکی الکبیر فی بیان وهائه فاجاد (فتح الباری ص ۳٦۳ ج ۱۱ باب صفة الجنة والنار من کتاب الرقاق).

اور یہ مذہب نہایت ردی اور مردود ہے اور شیخ تقی الدین سبکی کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کے فساد اور خرابی کے بیان میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور نہایت عمدہ اور جید طریق سے اس قول کا رد کیا ہے۔

اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جنت و جہنم کے ثواب و عقاب کے دائمی ہونے پر اجماع نقل کیا اور یہ کہا ہے کہ اُمت محمدیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ جنت اور جہنم اور ان کا ثواب اور عقاب کبھی ختم نہ ہوگا۔ الخ (تفصیل کے ملل ونحل دیکھوص ۸۳ ج ۴)

ایک شبہ: جن لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ایک عرصہ کے بعد خدا تعالیٰ کے رحم و کرم سے یہ عذاب ختم ہو جائے گا۔ وہ اس آیت میں جو لفظ ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ آیا ہے اس سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ﴿ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ﴾ سے استثناء ہے معلوم ہوا کہ کافروں کا عذاب دائمی نہیں۔

جواب: یہ ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے آیت میں ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ کا لفظ محض اللہ کی مشیت اور اختیار اور قدرت کے بیان کرنے کے لیے بڑھایا گیا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کافروں کا دائمی عذاب اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے اُسے ختم کر سکتا ہے۔ یہ استثناء محض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے نہ کہ اِخبار کے لیے یعنی اس خبر دینے کے لیے نہیں کہ کافروں کا عذاب چند روز کے بعد ختم ہو جائے گا تا کہ کافر اُمید لگا کر بیٹھ جائیں کہ چند روز کے بعد یہ مصیبت ختم ہو جائے گی۔ قرآنِ کریم میں ایک جگہ

ارشاد ہے کہ شعیبؑ نے کافروں کے جواب میں یہ فرمایا ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ﴾ (الاعراف:۸۹) کہ ہمارا کفر وشرک کی طرف جانا ناممکن اور محال ہے مگر جو اللہ چاہے سو اس استثناء سے معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کفر وشرک کا امکان بیان کرنا نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کو بتلانا مقصود ہے کہ ایمان اور ہدایت سب اس کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ اس استثناء سے محض اظہارِ قدرت ومشیت مقصود ہے۔ معاذ اللہ! یہ خبر دینا مقصود نہیں کہ یہ عذاب دوزخ چند روزہ تکلیف ہے بعد چندے یہ مصیبت ختم ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کی بے شمار آیتوں میں اس بات کی قطعی خبر دی ہے کہ کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی بلکہ دن بدن زیادتی ہوتی جائے گی۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ﴾ کی یہی تفسیر اختیار کی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ [1] نے بھی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔

جواب دیگر: ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء سے یہ مروی ہے کہ اس آیت میں لفظ ما بمعنی مَنْ ہے اور اُس سے عُصاۃ مؤمنین مراد ہیں۔ یعنی جن اہل ایمان کو اللہ چاہے گا وہ نار میں داخل ہی نہ ہوں گے یا داخل ہونے کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت سے یا نبی یا فرشتہ کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے یا لفظ مَا سے وہ لوگ مراد ہیں جو انہی کافروں میں سے آئندہ چل کر ایمان لے آئیں گے اور اسلام میں داخل ہو جائیں گے سو ایسے لوگ ﴿ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ ﴾ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ شروع آیت میں خطاب تمام مجرمین کو ہے خواہ وہ کفر وشرک کے مجرم ہوں یا ارتکاب کبیرہ کے مجرم ہوں ابتداءً سب دوزخ میں داخل کیے جائیں گے بعد چندے عصاۃ مومنین یعنی گنہگار مسلمان تو دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور کفار کے لیے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم ہوگا اور یہی مطلب ہے اس کا کہ جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا جاتا ہے کہ دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی اس میں نہ رہے گا سو بالفرض والتقدیر اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موحدین اور اہل ایمان میں سے کوئی شخص دوزخ میں باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور صرف کفار جہنم میں باقی رہ جائیں گے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱۱ و کتاب الملل والنحل لابن حزم ص ۸۶ ج ۴)

خلاصۂ کلام یہ کہ معشر جن اور اُن کے متبعین کو یہ سزا دی جائے گی کہ جاؤ تم سب مل کر جہنم میں رہو اور جس طرح تم سب دُنیا میں ساتھ رہے اسی طرح ہم دوزخ میں بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ساتھ ملا دیں گے جس درجہ اور جس قسم کا ظالم ہوگا اسی قسم کے ساتھ اُسی طبقہ میں اُس کو اُس کے ساتھ ملا دیں گے یعنی اس کا ساتھی بنا دیں گے اُن کے اعمال کفریہ کی وجہ سے یا یہ معنی ہیں کہ دُنیا میں

---

[1] علامہ آلوسی روح المعانی ص ۲۴ ج ۸ میں لکھتے ہیں: و نقل عن بعضهم ان هذا الاستثناء معذوق بمشيئة الله تعالىٰ رفع العذاب اى يخلدون الى ان يشاء الله تعالىٰ لو شاء وفائدته اظهار القدرة و الاذعان بان خلودهم انما كان لان الله تعالىٰ شانه قد شاءه وكان من الجائز العقلى فى مشيئة ان لا يعذبهم ولو عذبهم لا يخلدهم وان ذلك ليس بامر واجب عليه و انما هو مقتضى ارادته وَ مشيئته عزوجل وفى الآية على هذا دفع فى صدور المعتزلة الذين يزعمون ان تخليد الكفار واجب على الله بمقتضى الحكمة ولعل هذا هو الحق الذى لا محيص عنه كذا فى روح المانى ص ۲۴ ج ۸ ويؤيّد ذلك ما روى ابن جرير عن ابن عباس انه كان يتأول فى هذا الاستثناء ان الله جعل امر هٰؤلاء فى مبلغ عذابه اياهم الى مشيئته، تفسير ابن جرير ص ۲۶ ج ۸ قال ابن حزم الاندلسى الظاهرى المتوفى ص ۴۵۶ھ روينا عن عبدالله بن عمر بن العاص لو اقام اهل النار فى النار ماشاء الله ان يبقوا لكان لهم على ذٰلك يوم يخرجون فيه منها. قال ابو محمد انما هو فى اهل الاسلام الداخلين فى النار بكبائرهم ثم يخرجون منها بالشفاعة ويبقى ذلك المكان خاليا ولا يحل لاحد ان يظن فى الصالحين الفاضلين خلاف القرآن و حاشا لهما من ذلك و بالله التوفيق. (ملل ونحل لابن حزم ص ۸۶ ج ۴)

بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اس کو اس کے ہاتھ سے خوار اور ہلاک کراتے ہیں تا کہ وہ اپنے ظلم کی سزا ظلم ہی سے بھگتیں حدیث میں ہے کہ جو ظالم کی مدد کرے گا اللہ اس پر کسی ظالم کو مسلط کرے گا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَمَا مِنْ یدٍ اِلاَّ ید اللّٰہ فَوْقھا وَمَا ظَالِمٌ اِلاَّ سَیُبْلٰی بِظَالِم

رجوع بہ مضمون سابق

اب اس استطرادی مضمون کے بعد پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قیامت کے دن یہ بھی کہیں گے اے گروہ جن وانس تم مکاروں کے دھوکہ میں کیسے آ گئے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور اس دن کے سامنے آنے سے تم کو ڈراتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے۔

جمہور ایمہ سلف اور خلف کا مذہب یہ ہے کہ رُسل فقط انسانوں میں سے آئے ہیں نہ کہ جنات میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول تو فقط بنی آدم میں سے ہوئے ہیں البتہ منذرین یعنی مبلغین اور واعظین، جنات میں سے بھی ہوئے ہیں جیسا کہ جنات کے بارہ میں ارشاد ہے: ﴿وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِھِمْ مُّنْذِرِیْنَ﴾ (الاحقاف:۲۹)۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸٦ ج ۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۷۷ ا ج ۲)

بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے کہ جنات میں سے بھی رسول ہوئے ہیں کیونکہ اس آیت ﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ﴾ سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ رسول جنات اور آدمیوں دونوں سے ہوئے ہیں اگر دونوں میں سے نہ ہوتے تو جنات اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے یہ نہ کہا جاتا کہ تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے۔

جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ خطاب مجموعۂ جن وانس کو ہوگا۔ یعنی مجموعۂ مکلفین کو خطاب ہوگا ہر جماعت سے علیحدہ علیحدہ اور الگ الگ خطاب نہیں ہوگا اور مجموعۂ جن وانس میں نبی ہوئے ہیں۔ لہٰذا اُن سے پوچھنا صحیح ہے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن اور انس ہر فرقہ سے علیحدہ علیحدہ نبی ہوئے ہیں۔ اس کی نظیر قرآن کریم کی آیت ہے ﴿یَخْرُجُ مِنْھُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ (الرحمٰن:۲۲) ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں صرف دریائے شور سے نکلتی ہیں دریائے شیریں سے نہیں نکلتیں لیکن چونکہ ذکر میں دونوں کو ایک ساتھ جمع کر لیا گیا۔ اس لیے ان چیزوں کے نکلنے کی نسبت دونوں کی طرف صحیح ہے کیونکہ یہ چیزیں مجموعہ سے نکلتی ہیں۔ نیز قرآن کریم میں ہے ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْھِنَّ نُوْرًا﴾ (نوح:۱٦) یعنی ساتوں آسمانوں میں چاند کو اجالا بنایا حالانکہ چاند ایک ہی آسمان یعنی آسمان دنیا میں ہے نہ کہ سب آسمانوں میں کسی کے نزدیک بھی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آسمان میں چاند ہے چاند تو ایک ہی آسمان میں ہے لیکن ساتوں آسمانوں کے مجموعہ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے۔ مثلاً اگر کوئی یہ کہے اے عرب وعجم کے باشندو! اور اے مشرق اور مغرب کے رہنے والو کیا خدا تعالیٰ نے تم ہی میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک محمد تو عرب میں پیدا ہوئے اور ایک محمد عجم میں پیدا ہوئے کیونکہ یہ خطاب مجموعۂ عالم کو ہے انواع اور اجناس کو علیحدہ علیحدہ خطاب نہیں۔

باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ پیغمبر بھیجے گئے یا پیغمبر تو فقط نوع بنی انسان سے بھیجے گئے مگر اُن کی بعثت جن وانس دونوں کی طرف ہوئی سو یہ آیت اس بیان سے ساکت ہے۔ البتہ دوسری آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی

اولاد سے ہوئے ہیں اور وہی جنات کو بھی تعلیم دیتے تھے۔

① ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ ... الاٰیة﴾ (الاعراف:۳۵)

② ﴿اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ﴾ (النساء:۱۶۳) ... اِلٰی قولہٖ تعالٰی ... ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾ (النساء:۱۶۵)

③ ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ (العنکبوت:۲۷) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہم نے نبوت اور کتاب کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں منحصر کر دیا۔

④ وَقَال تعالٰی: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ۭ﴾ (الفرقان:۲۰)

⑤ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ۭ﴾ (یوسف:۱۰۹) وغیر ذلك من الاٰیات

قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اس لیے کہ عام انسان فرشتہ کا اصلی صورت میں دیکھنے کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف و ہیبت کی وجہ سے اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اور انسانی صورت میں بے تکلف اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ انسان کا جنوں سے خوف و ہیبت کی وجہ سے استفادہ بہت مشکل ہے۔ البتہ جنوں کا انسانوں سے استفادہ سہل اور آسان ہے۔

کافروں کی طرف سے اقرار جرم

قیامت کے دن کافروں سے جب باز پرس ہوگی کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے اور کیا تم کو ہماری ہدایتیں اور احکام نہیں پہنچے تو اس وقت اُن سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر خود اپنے جرم کے گواہ ہیں یعنی ہمیں اس بات کا اعتراف اور اقرار ہے کہ ہمارے پاس تیرے رسول آئے اور انہوں نے ہم کو تیرے احکام کی تبلیغ کی اور اس دن کے پیش آنے سے ہم کو ڈرایا مگر ہم نے اُن کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لائے اور یہ سب آفت ان پر اس لیے آئی کہ دنیاوی زندگانی نے ان کو دھوکہ اور فریب میں ڈال دیا وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ ہے وہ یہیں کا عیش و آرام ہے قیامت اور حشر و نشر تو باتیں ہی باتیں ہیں اور گواہی دیں گے وہ اپنی جانوں پر کہ بے شک ہم دُنیا میں کفر کرنے والے تھے۔ پہلا قول کفار کا تھا اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بطور مذمت اُن کے کفر کا بیان ہے تا کہ سامعین اُس سے عبرت پکڑیں اور سمجھ لیں کہ قیامت کے دن کا اقرار بیکار ہے۔ اب آئندہ آیت میں اپنی رحمت کو بیان فرماتے ہیں یہ یعنی رسولوں کا بھیجنا اس لیے ہے کہ تیرا پروردگار ایسا نہیں کہ کفر اور شرک کی وجہ سے دنیا میں بستیوں کو ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے لوگوں کو نہیں پکڑتا تا کہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے ہم کو بغیر خبردار کیے کیسے پکڑ لیا ہاں خدا تعالیٰ جب رسولوں کو بھیج کر لوگوں پر حجت پوری کر دیتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے تب ان کو ہلاک کرتا ہے۔

کما قال تعالٰی: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

و قال تعالٰی: ﴿كُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ﴾ (الملک)

غرض یہ کہ اس آیت میں بِظُلْمٍ سے کفر وشرک کے معنی مراد ہیں اور بعض علماء نے آیت کے یہ معانی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدون تنبیہ وتذکیر رسل کسی کو ظلماً ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ ظالم نہیں۔

اور جب لوگوں کے پاس اللہ کے رسول آگئے اور لوگوں کو احکام پہنچ گئے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی تو جزاء اور سزا کے مستحق ہوگئے اور لوگوں کے اعمال کے مطابق ہر ایک کے درجے مقرر ہیں جس درجہ کا عمل ہوگا اس کے مطابق معاملہ ہوگا کوئی قعر جہنم میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر کوئی وسط جنت میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر اور تیرا پروردگار لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں اُن کے نیک وبد اعمال سب اس کے پیش نظر ہیں اس کے بعد حق تعالیٰ کی شان بے نیازی اور شان رحمت کو بیان کر کے کافروں سے خطاب فرماتے ہیں کہ خدا اس پر قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کردے اور دوسرے لوگوں کو تمہارے قائم مقام کردے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور تیرا پروردگار بڑا بے نیاز رحمت والا ہے اُسے کسی کی عبادت اور بندگی کی ضرورت نہیں اور نہ کسی کی اطاعت کا محتاج ہے وہ صاحب رحمت ہے لوگوں کے لیے رسول بھیجتا ہے اور گناہوں پر فوراً سزا نہیں دیتا اگر وہ چاہے تو تم سب کو یکلخت اس دنیا سے ملک عدم میں لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین کردے۔ جیسا کہ تم کو دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا کہ اُن کو تو فنا کردیا اور تم کو ان کا جانشین بنادیا بے شک جس چیز کا تم سے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وعدہ کیا جارہا ہے یعنی قیامت اور عذاب کا وہ ضرور آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں کرسکتے یعنی تمہارا یہ خیال ہو کہ قیامت یا عذاب آنے پر ہم کہیں بھاگ نکلیں گے تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے تم خدا تعالیٰ کی گرفت سے کہیں چھوٹ نہیں سکتے اور کسی صورت تم اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی قوم کے مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر کام کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے کفر اور عداوت کے طریقہ پر قائم رہو اور میں اسلام اور صبر پر قائم ہوں مجھے تمہارے کفر اور عداوت کی کوئی پرواہ نہیں میں اپنا کام کرتا ہوں تم اپنا کام کیے جاؤ۔ پس عنقریب تم کو معلوم ہوجائے گا کہ آخرت میں اچھا انجام کس کو حاصل ہوتا ہے ہمیں یا تمہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ ظالموں کو کبھی فلاح نصیب نہ ہوگی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَ الْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا
اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی کھیتی سے اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ
لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ
حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو اُن کے شریکوں کا ہے سو نہ پہنچے
اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا
اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے سو پہنچے اُن کے شریکوں کی طرف کیا بُرا
يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
انصاف کرتے ہیں اور اسی طرح بھلی دکھائی ہیں بہت مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے

شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

شریکوں نے کہ اُن کو ہلاک کریں اور ان کا دین خلط کریں اور اللہ چاہتا تو یہ

فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ

کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ اور کہتے ہیں یہ مویشی اور کھیتی

حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

منع ہے اُس کو نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں اپنے خیال پر اور بعضے مواشی کی

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ

پیٹھ پر چڑھنا منع ٹھہرایا ہے اور بعضے مویشی کے ذبح پر نام نہیں لیتے اللہ کا اس پر جھوٹ باندھ کر

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

وہ سزا دے گا اُن کو اس جھوٹ کی اور کہتے جو ان مواشی کے پیٹ میں ہو

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

سو نرا ہمارے مرد کھاویں اور حرام ہے ہماری عورتوں کو اور جو

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہوں وہ سزا دے گا اُن کو ان تقریروں کی وہ حکمت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ

خبردار بے شک خراب ہوئے جنہوں نے مار ڈالی اپنی اولاد نادانی سے بن سمجھے اور

حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

حرام ٹھہرایا جو اللہ نے اُن کو رزق دیا جھوٹ باندھ کر اللہ پر بے شک بہکے اور نہ آئے

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۶ ۱۱ ۲

راہ پر

ابطال رسوم جاہلیت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ ... الیٰ ... وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۳۰﴾﴾

ربط: گذشتہ آیات میں مشرکین کی اعتقادی جہالتوں کا بیان تھا اب ان آیات میں اُن کی بعض عملی جہالتوں یعنی اُن کی بعض جاہلانہ رسموں اور عادتوں کو بیان کرتے ہیں وہ رسمیں یہ ہیں:

رسم اوّل: اور من جملہ اُن کی ہزاروں جہالتوں کے ایک جہالت یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصّہ بطور نیاز اللہ کے لیے مقرر کیا یعنی مشرکین عرب میں ایک رسم یہ تھی کہ اپنی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصّہ بطور نیاز کے خدا کے نام کا نکالتے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے اللہ کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے اور بتوں کے چڑھاوے اُن کے مجاوروں پر خرچ کرتے پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصّہ میں سے کچھ بتوں کے حصّہ میں کوئی چیز گر جاتی تو اُس کو اسی میں رہنے دیتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے اور اگر بتوں کے حصّہ میں سے کوئی چیز اللہ کے حصّہ میں گر جاتی تو اُس کو نکال کر پھر بتوں کے حصّہ میں شامل کر دیتے اور کہتے کہ بت اس کے محتاج ہیں اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اس کی پروانہ کرتے اور اگر بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اللہ کے حصہ میں سے اُس کی کمی پوری کر لیتے۔ اس آیت میں اُن کی اسی جہالت کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی جہالت اور حماقت کا یہ عالم ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ خدا کے لیے مقرر کیا اور پھر اپنے گمان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے بتوں کا ہے۔ پس جو حصہ اُن کے معبودوں کا ہے وہ خدا کی طرف نہیں پہنچ سکتا یعنی بتوں کے نام کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ نہیں کیا جا سکتا اور البتہ جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ ان کے بتوں کو پہنچ سکتا یعنی اللہ کا حصہ معبودوں پر صرف ہو سکتا ہے کیا ہی بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ اوّل تو یہ کہ کھیتی اور مویشی جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی تھی اس میں سے غیر اللہ کا حصہ کیسے نکالا۔ دوم یہ کہ بتوں کو فقیر اور محتاج بھی مانتے ہیں اور باوجود محتاج ماننے کے اُن کو معبود کہتے ہوئے شرماتے نہیں۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب پر بتوں کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں غرض یہ کہ اُن کا یہ فیصلہ سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

رسم دوم: اور جس طرح اُن کو یہ افعال قبیحہ بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے مشرکوں کی نظر میں اُن کی اولاد کے قتل کو اُن کے شرکاء (شیاطین) نے مزین اور مستحسن کر کے دکھلایا ہے یعنی جس طرح شیطانوں نے اُن کی نظر میں یہ بات اچھی کر کے دکھلائی تھی کہ کھیتی اور مویشی میں سے بتوں کے نام کا حصہ نکالیں اسی طرح شیاطین نے اُن کو یہ سمجھا دیا کہ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالیں اور عار کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیں اور اپنے خیال میں اس کام کو بہت اچھا سمجھتے تھے شیاطین نے مشرکین کو یہی سمجھایا کہ اولاد کو قتل کرنا نہایت اچھا کام ہے تا کہ وہ شیاطین اس طرح سے ان مشرکین کو ہلاک کریں یعنی اس جہالت کے مزین اور مستحسن کرنے سے شیاطین کا مقصود اُن کو ہلاکت ابدی میں ڈالنا ہے اور تا کہ ان کا دین خلط ملط کر دیں یعنی مشتبہ کر دیں مطلب یہ ہے کہ شیاطین کا ایک مقصود تو اس تزئین اور تحسین سے اُن کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کہ اس جہالت اور سنگ دلی اور بے رحمی میں پڑ کر دنیا اور آخرت دونوں ہی کو تباہ اور برباد کریں اور دوسرا مقصود یہ ہے کہ اُن کا دین جو اصل میں ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کا دین ہے وہ مشتبہ ہو جائے معاذ اللہ کجا دین ابراہیمی اور کجا

یہ جہالت وحماقت اور اے نبی کریم! آپ ﷺ اُن کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ خراب کام نہ کرتے مگر ان کی قسمت ہی خراب ہے اللہ کو ان کا ہلاک کرنا ہی منظور ہے۔ پس آپ ﷺ اُن کو اسی افتراء پردازی میں چھوڑ دیجیے جو افتراء کرتے ہیں وہ کرنے دیجیے ان کی فکر میں نہ پڑیے۔

رسم سوم: اور من جملہ ان کی جاہلانہ رسموں کے ایک رسم یہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ خاص چوپائے اور خاص کھیتی ہے جو ممنوع الاستعمال ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرنا اور اس کو استعمال میں لانا ممنوع ہے اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر صرف وہ لوگ جن کو ہم اپنے گمان میں چاہیں وہ یعنی صرف بتوں کے مجاور اور مہنت اور صرف مرد کھا سکتے ہیں نہ کہ عورتیں مشرکین نے اپنے خیال میں بعض مویشی اور کھیتوں کے متعلق یہ قیود عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کیے جاتے تھے غرض یہ کہ ان کی ایک رسم یہ تھی کہ جن جانوروں وغیرہ کو بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے ان کا کھانا سوائے پوجاریوں کے کسی اور کے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے۔

رسم چہارم: اور ایک رسم یہ تھی کہ یہ کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن کی پیٹھیں حرام ہیں یعنی ان پر سوار ہونا اور ان پر سامان لادنا سب ناجائز ہے یہ مویشی بحیرہ اور سائبہ اور حامؔ اور وصیلہؔ تھے جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

رسم پنجم: اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام پر اُن کو ذبح کرتے تھے بعض جانوروں کے متعلق مشرکین نے یہ قرار دے رکھا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری کرنے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے مبادا جو چیز بتوں کے نامزد ہے کہیں اس میں خدا کی شرکت ہو جائے پھر غضب یہ ہے کہ اپنی ان لغویات اور خرافات اور جہالتوں کو اللہ پر بہتان باندھ کر خدا کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بحیرہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے یہ سب اللہ پر افتراء اور بہتان ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے اس افتراء کی سزا دے گا اللہ پر افتراء اور بہتان جرم عظیم ہے۔

رسم ششم: اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے اگر اُن سے زندہ بچہ ظاہر ہو تو وہ صرف ہمارے مَردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مُردہ پیدا ہو تو اُس سے منتفع ہونے کے جواز اور حلت میں مرد اور عورت سب شریک ہیں سب کے لیے اس کا کھانا جائز ہے مشرکین یہ کہتے تھے کہ بحائر اور سوائب وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑے گئے ہیں ان سے جو بچہ زندہ پیدا ہو اُس کا کھانا صرف مَردوں کے لیے حلال ہے عورتوں کو اس میں سے کھانا حرام ہے اور جو مردہ پیدا ہو تو اُس کو مرد اور عورت سب کھا سکتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو اس جھوٹ اور افتراء کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا جاننے والا ہے اسے سب خبر ہے کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے یہاں تک مشرکین کی چند جہالتوں اور حماقتوں کو بیان کیا جن میں سب سے زیادہ قبیح عقلاً وشرعاً قتل اولاد کا جرم تھا اس لیے خاتمۂ کلام پر اس کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں بے شک وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے بیوقوفی سے بلا جانے بوجھے اپنی اولاد کو مار ڈالا یہ اُن کی حماقت اور جہالت اور سنگدلی اور بے رحمی کا نتیجہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی ہی اولاد کو قتل کر دیا دنیا میں اولاد سے محروم ہوئے اور آخرت کا عذاب سر پر رکھا گیا اس طرح دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھایا اور جو حلال چیزیں اللہ نے اُن کو کھانے پینے کے لیے دی تھیں اُن کو اپنے اوپر حرام کر لیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اور بے شک وہ گمراہ ہوئے اور راہ پانے والے نہ ہوئے ایسے بے عقل اور سنگ دل لوگ کہاں راہ یاب ہو سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: یہ کہ جو لوگ ان ناشائستہ افعال اور بے ہودہ خیالات میں مبتلا ہیں سب زیاں کار اور بے علم اور بے عقل

ہیں اور خدا پر جھوٹ افتراء کرنے والے اور گمراہ ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَ

اور اسی نے پیدا کیے باغ چھتریوں کے اور بغیر چھتریوں کے اور کھجور اور

الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

کھیتی کئی طرح ہے اس کا پھل اور زیتون اور انار آپس میں ملتا اور جدا

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ

کھاؤ اس کے پھل میں سے جس وقت پھل لاوے اور دو اس کا حق جس دن کٹے اور بے جا نہ اڑاؤ

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۙ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا

اس کو خوش نہیں آتے اڑا دینے والے اور پیدا کیے مواشی میں لدنے والے اور دبے کھاؤ

مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ

دشمن ہے صریح پیدا کیے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں

الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادّہ یا جو لپٹ رہا ہے

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ﴿۱۴۳﴾

مادّوں کے پیٹ میں بتاؤ مجھ کو سند اگر تم سچے ہو

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ

اور پیدا کیے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو

اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ

دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جو لپٹ رہا ہے مادوں کے پیٹ میں یا تم

شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

حاضر تھے جس وقت اللہ نے تم کو یہ کہہ دیا تھا پھر اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر

كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

تا لوگوں کو بہکاوے بغیر تحقیق بے شک اللہ راہ نہیں دیتا

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع ۱۷

بے انصاف لوگوں کو

تقریر توحید وتذکیر انعامات نباتیہ وحیوانیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ ... الٰى ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین عرب کی رسوم شرکیہ اور ناشائستہ افعال اور جاہلانہ عادتوں کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں اُس کی تردید فرماتے ہیں اور حق جل شانہٗ نے اس تردید میں دو باتیں ذکر فرمائیں۔ اوّل یہ کہ ان تمام حیوانات اور نباتات کا خالق صرف حق جل شانہٗ ہے یہ تمام جانور اور باغات اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں جن میں ذرہ برابر کوئی اس کا شریک نہیں پھر تم کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو کوئی چیز سوائے خالق کے کسی کے نامزد نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو چیزیں تم نے حرام ٹھہرا رکھی ہیں اس پر کیا دلیل ہے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو تحلیل وتحریم کا اختیار نہیں کیا خدا نے تمہارے سامنے ان کی حرمت کا حکم دیا تھا اور اس ذیل میں آٹھ قسم کے مویشی کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ یہ سب انواع حلال ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لیے ان کو پیدا کیا اور تم نے محض اپنے جی سے بلا دلیل اور بلا سند بعض کو حرام ٹھہرالیا یہ محض تمہارا افتراء ہے۔

گزشتہ آیات میں بھی مشرکین کے جھوٹ اور افتراء کا بیان تھا اب ان آیات میں بھی اُن کے افتراء کا بیان ہے اور بطور تہکُّم کے فرماتے ہیں کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے ان مویشیوں کو تمہارے زعم اور خیال کے مطابق حرام کیا تھا۔ یہ سب تمہارا اللہ پر افتراء ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر افتراء کرے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں تا کہ اُن کے ذریعہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اسی نے تمہارے لیے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے کچھ تو انگور کی

طرح ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے ہوئے انگور اور کدو وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور بغیر ٹٹیوں کے چڑھائے سب ہی درخت ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر قسم کے باغ پیدا کیے اُن میں کے بعض ایسے ہیں جن کو تم ٹٹیوں پر چڑھاتے ہو اور بعض ایسے ہیں جن کو ٹٹیوں پر نہیں چڑھاتے اس سے اُس کی کمال قدرت اور کمال رحمت عیاں ہے اور اسی نے کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا جس کے پھل حجم اور بو اور مزے میں مختلف ہیں اور اُسی نے زیتون اور انار کو بھی اسی طرح پیدا کیا کہ بعض تو باہم رنگ اور شکل اور بُو اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے یہ سب اُس کی قدرت کے کرشمے اور اُس کی رحمت وعنایت کے نمونے ہیں کہ اُس نے یہ چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لیے پیدا کیں لہٰذا تم اس کے پھل کھاؤ جب کہ وہ پھل لاوے اور اس کی قدرت کو جانو اور اُس کی نعمت کی قدر کرو اور منعم کا شکر کرو اور ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین کا بھی خیال رکھو یعنی اُس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن اس کا حق ادا کرو یعنی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ خیرات کرو اس کو اصطلاح فقہاء میں زکوٰۃ الخارج کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کسی خاص مقدار کی شرط نہیں قلیل وکثیر سب میں واجب ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں ایک خاص مقدار ہونا شرط ہے کتب فقہ وحدیث میں اس کی تفصیل ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اپنا کھیت کاٹو یا درختوں کے پھل توڑو تو اُس موقع پر جو مساکین اور محتاج موجود ہوں اُن کو بھی اس میں سے کچھ کھلاؤ اُن کا بھی اس میں حق ہے باغ والے کو چاہیے کہ ایسے موقع پر اصحاب الجنۃ کے قصے پر دھیان کرے جو سورۂ نون میں مذکور ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرو یعنی ناجائز باتوں میں نہ خرچ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا خدا کا دوست وہ ہے جو حدود شریعت کے اندر رہ کر خرچ کرے اور اللہ تعالیٰ نے کھیت اور مویشی کی طرح تمہارے لیے چوپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کیے جیسے اُونٹ اور گھوڑا اور گدھا اور خچر اور کچھ پستہ قد زمین سے ملے ہوئے پیدا کیے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے جیسے بھیڑ بکری یہ سب سامان اللہ تعالیٰ نے تمہاری راحت کے لیے پیدا کیا۔ پس تم کھاؤ اللہ کے رزق میں سے جو اُس نے تم کو دیا ہے اور اس کا شکر کرو اور اس رزق سے اُس کی طاعت و عبادت میں قوت حاصل کرو اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے نفع اٹھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو یعنی شیطان کے بہکاوے میں آ کر شرک نہ کرو اور نہ حلال کو حرام کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس نے تم کو گمراہ کیا اور دنیا کی نعمتوں سے تم کو محروم کیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا۔ اب بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کیا دشمنی ہوگی الغرض حق تعالیٰ نے تمہاری غذا کے لیے نر و مادہ ملا کر آٹھ قسم کے جانور پیدا کیے دو بھیڑ کی قسم سے یعنی نر اور مادہ اور دو بکری کی قسم سے یعنی نر اور مادہ اور ان سب کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا اے نبی! آپ ﷺ ان کافروں سے پوچھیے تو سہی کہ بتلاؤ؟ کیا اللہ نے دونوں جانوروں کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یعنی کیا خدا نے بھیڑ اور بکری کے کل نر حرام کیے ہیں یا دونوں کے کل مادہ حرام کیے ہیں یا اس بچہ کو حرام کیا ہے جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی بچہ دان مشتمل ہیں یعنی کیا وہ بچہ حرام ہے جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ کیا خدا نے پیٹ کے بچہ کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ نر ہو یا مادہ مجھے اس بارہ میں یقینی بات کی خبر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔

فائدہ: ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ سے مشرکین کے اس قول ﴿مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا﴾ کے رد کی طرف اشارہ ہے یعنی تم جو کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام بتلاتے ہو اور کبھی کہتے ہو کہ یہ چیز مردوں کے لیے

حرام ہے اور یہ چیز عورتوں کے لیے حرام ہے تمہارے پاس اس تحلیل وتحریم کی کیا دلیل ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ ان چیزوں کو خدا ہی نے حرام کیا ہے اور حرام کرنے کا حکم اسی کے پاس سے آیا ہے تو کوئی قطعی ثبوت اس کا پیش کرو۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُونٹ سے دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اور گائے اور بھینس سے بھی دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اس طرح سے یہ مویشی کل آٹھ جوڑے ہوئے اگرچہ ان کے علاوہ مویشی کے اقسام میں اور بھی جانور ہیں مگر عرب میں بیشتر یہی جانور ہوتے ہیں اور انہی میں سے مشرکین نے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کر رکھا تھا اس لیے ان ہی کا ذکر کیا گیا آپؐ ان سے کہیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یا اُس بچہ کو حرام کیا ہے جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے ہوئے ہیں یعنی جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی بچہ دان مشتمل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ اُن سے پوچھئے کہ ان چیزوں میں حرمت کہاں سے آئی اور ان کی حرمت کی علت کیا ہے ان میں حرمت نر ہونے کی جہت سے آئی ہے یا مادہ ہونے کی جہت سے یا اشتمال رحم سے پیدا ہونے کی جہت سے حرمت آئی ہے پس اگر حرمت کی علت نر ہونا ہے تو کل نر حرام ہونے چاہئیں اور اگر حرمت کی علت مادہ ہونا ہے تو کل مادائیں حرام ہونی چاہئیں اور اگر اشتمال رحم یعنی رحم سے پیدا ہونا حرمت کی علت ہے تو تمام نر اور مادہ سب ہی حرام ہونے چاہئیں اس لیے کہ نر اور مادہ سب ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں پھر بعض کی کیا تخصیص ہے اور تم بعض کو حرام کہتے ہو سب کو حرام نہیں کہتے جب علت ایک ہے تو اس کی کیا وجہ کہ کوئی حرام ہو اور کوئی حلال ہو۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۱۵ ج ۷ تفسیر خازن ص ۴۹۸ ج ۲ و تفسیر مظہری ص ۳۳۵ ج ۳)

فائدہ: اس آیت میں ذکور اور اناث اور مافی الارحام کے اس قدر تفصیل اور اس درجہ تعمیم سے مقصود مشرکین کے رد میں مبالغہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب انواع کو حلال کیا ہے پھر تم نے محض اپنے زعم سے ان میں سے بعض کو کیسے حرام ٹھہرایا۔ (تفسیر ابی السعود و روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے کھانے اور نفع کے لیے پیدا کیا کما قال تعالیٰ: ﴿وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ (الزمر:٦) اور ان اقسام ہشت گانہ میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو حرام نہیں کیا نہ ان کو اور نہ ان کی اولاد کو بلکہ سب کو بنی آدم کے نفع کے لیے پیدا کیا کہ ان کو کھاویں اور ان پر سوار ہوں اور بوجھ لادیں اور ان کا دودھ پئیں اور طرح طرح کے منافع حاصل کریں پس اس کی کیا وجہ ہے کہ تم بعض جانوروں کو بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ ٹھہرا کر حرام قرار دیتے ہو اور مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو اور ڈھٹائی سے ان جانوروں کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو یہ سب دروغ بے فروغ ہے کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے تم کو اس تحریم وتحلیل کا حکم دیا تھا یعنی تم کسی نبوت اور وحی کے تو قائل اور معترف نہیں جو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ نبی کے یہ حکم بھیجا ہے تو پھر تم کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے کیا تم خود خدا سے بالمشافہ یہ حکم سن کر آئے ہو اور جب تمکو اللہ یہ حکم دے رہا تھا تو کیا تم اس وقت اس کے پاس بیٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام ٹھہرا کر اللہ کی طرف منسوب کرے تاکہ لوگوں کو بغیر تحقیق کے گمراہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت یعنی توفیق نہیں دیتا جو شخص ظلم پر کمر بستہ ہو جائے اور دلائل واضحہ سے آنکھیں بند کر لے اُسے توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ

تو کہہ میں نہیں پاتا جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا کوئی چیز حرام کھانے والے کو جو اُس کو کھاوے مگر یہ کہ

یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ

مردہ ہو یا لہو بہینک دینے کا یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا

فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ

گناہ کی چیز جس پر پکارا اللہ کے سوا کسی کا نام پھر کوئی عاجز ہو نہ زور کرتا نہ زیادتی تو

رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ

تیرا رب معاف کرتا ہے مہربان۔ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ

اور گائے اور بکری میں سے حرام کی ان کی چربی مگر جو لگی ہو

ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۠

پشت پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ

اور ہم سچ کہتے ہیں۔ پھر اگر تجھ کو جھٹلا دیں تو کہہ تمہارے رب کی مہر میں بڑی سمائی ہے

وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور پھرتا نہیں اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے۔

تفصیل محرکات شرعیہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا... الٰی... وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں اُن حلال چیزوں کا بیان تھا جن کو اہل جاہلیت اپنے خیال میں حرام سمجھتے تھے۔ اب ان آیات میں اُن حرام چیزوں کا ذکر ہے جن کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ چیزیں حرام ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ اُن سے کہہ

دیجیے ان چیزوں کی حرمت کے بارہ میں جن کی حرمت کو تم خدا کی طرف منسوب کرتے ہو میں اُس وحی میں جو مجھ پر کی گئی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی کھانے والے پر جو اسے کھاوے حرام نہیں پاتا خواہ مرد ہو یا عورت مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو تو وہ تو بالکل ہی ناپاک ہے اس کے اجزاء نجس اور حرام ہیں اسی وجہ سے وہ نجس العین کہلاتا ہے یا وہ گناہ کی چیز ہو جس کو غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو سو یہ سب حرام ہیں اور تم ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہو گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ تحلیل وتحریم کے بارہ میں جو اہل جاہلیت نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ غلط ہے حرمت کا ثبوت صرف وحی سماوی اور شرع نبوی سے ہوتا ہے مجھ پر جو وحی خدا نے نازل کی ہے اس میں سوائے چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں وہ چار چیزیں یہ ہیں مردار' بہتا ہوا خون' سور کا گوشت' جو جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔

ایک شبہ: اس آیت سے اور سورۂ نحل کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں مردہ جانور اور بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نامزد کردہ جانور حالانکہ شریعت میں اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں مثلاً شراب اور پاخانہ وغیرہ وغیرہ اور احادیث میں ان چار چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کی حرمت کا ذکر آیا ہے مثلاً پالتو گدھا اور کچلیوں والا درندہ۔ پس اس آیت سے جو حصر سمجھا جاتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔

جواب: شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں۔'' انتہیٰ کلامہ یعنی اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں وہ حلال تھیں جن کو تم نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرالیا ہے اور جو چیزیں واقعی حرام ہیں وہ یہ چار ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو غرض یہ کہ اس آیت میں ان حیوانات کی حرمت کا بیان کرنا مقصود ہے جن میں مسلمانوں اور مشرکوں کا نزاع تھا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں قصر اضافی ہے مشرکین اور اہل جاہلیت کے رد کے لیے ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں اور جن چیزوں کو مشرکین نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرالیا ہے وہ حرام نہیں۔ (دیکھو حاشیہ تفسیر مظہری ص ۳۳۷ ج ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں حلال اور حرام جانوروں کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ باقی مطلق ناپاک اور گندی چیزوں کی حرمت کا مسئلہ دوسری جگہ بیان فرمایا:

كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:۱۵۷)۔ وغير ذٰلك من الآيات

پس شراب اور پیشاب وغیرہ خبائث اور رِجس میں داخل ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے جانور جن کی حرمت کا ذکر حدیث میں آیا ہے وہ در پردہ خنزیر کے حکم میں ہیں۔ الغرض یہ سب چیزیں حرام ہیں پھر بھی شریعت نے ان میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور اور مضطر ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار ضرورت وحاجت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو ایسی اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے بقدر سدِ رمق کھا لینے میں گناہ نہیں تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کہ ایسی حالت میں ان چیزوں میں سے کھانا حرام نہیں رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت ان حرام چیزوں میں سے کھالے تو اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا ان آیات میں اُن چیزوں کو بیان کیا جن کی حرمت اصلی ہے۔ اب آئندہ آیات میں اُن چیزوں کا بیان کرتے ہیں جن کی حرمت اصلی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی تھی یعنی بعض چیزیں وقتی مصلحت کی بناء پر

عارضی طور پر بعض قوموں پر حرام کی گئیں مثلاً یہود پر اُن کی شرارتوں کی سزا میں اونٹ وغیرہ حرام کر دیا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا تھا جیسے اُونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ وغیرہ اور گائے اور بکری کی قسم میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دی تھیں مگر وہ چربی حرام نہیں کی تھی جو اُن دونوں کی پیٹھوں یا آنتوں کو لگی ہوئی ہو یا وہ چربی جو ان کی ہڈی سے لگی ہوئی ہو باقی اس کے سوا سب چربی حرام تھی یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی یعنی یہ چیزیں فی حد ذاتہٖ حلال وطیب ہیں مگر یہود کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں خاص طور پر صرف یہود پر حرام کیں تا کہ ان پر دائرۂ رزق تنگ ہو جائے ورنہ یہ چیزیں فی نفسہٖ قابل تحریم نہ تھیں صرف عارضی طور پر یہود کے حق میں حرام کی گئیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔ یعنی اے مشرکین حرمت کے باب میں تمہارا قول بالکل غلط ہے اور ہم سچے ہیں حرمت کی اصل حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور بنی اسرائیل کا یہ دعویٰ کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم اور نوح علیہما السلام کے زمانہ سے مستمر طور پر حرام چلی آ رہی ہیں بالکل غلط ہے سچی بات یہ ہے کہ اُن میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے یہ چیزیں ان پر حرام ہوئیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ طَیِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَثِیْرًا ۙ﴾ (النساء)

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چیز عارضی طور پر یہود بے بہبود پر حرام کی گئیں تھیں اور وہ تحریم اب منسوخ ہو چکی ہے۔

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے جھٹلائیں کہ ان پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور بڑا حلیم اور بردبار ہے۔ اس لیے وہ کفر اور تکذیب پر فوراً سزا نہیں دیتا تم خدا کی اس مہلت سے نہ سمجھنا کہ ہم مجرم نہیں اور ہم سے عذاب ٹل گیا اور اس کا عذاب اور قہر جب نازل ہوتا ہے تو وہ مجرم لوگوں سے ٹلتا نہیں یعنی تم اللہ کے حلم اور رحمت سے اب تک بچے ہوئے ہو یہ نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا۔

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا
اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شریک نہ ٹھہراتے ہم اور نہ ہمارے باپ اور نہ
حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا
حرام کر لیتے کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا کئے ان سے اگلے جب تک چکھا
بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ
ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تم پاس کہ ہمارے آگے نکالو یا چلتے ہو
اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ
نری اٹکل پر ہو اور سب تجویزیں کرتے ہو تو کہہ پس اللہ کا الزام

الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ

پورا ہے سو اگر چاہتا تو راہ دیتا تم سب کو تو کہہ لاؤ اپنے گواہ

الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ

جو بتا دیں کہ اللہ نے حرام کی ہے یہ چیز پھر اگر وہ کہیں بھی تو تو نہ کہہ

مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا

ان کے ساتھ اور نہ چل اُن کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلائے ہمارے حکم اور جو یقین نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸ ۶ ۵

رکھتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اور کو۔

مشرکین عرب کا اپنے شرک اور خودساختہ تحریم کے متعلق ایک شبہ اور اُس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا ... الیٰ ... وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع﴾

ربط : اہلِ باطل کا طریقہ یہ ہے کہ جب دلیل اور برہان سے عاجز ہوجاتے ہیں تو ہٹ دھرمی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں اگر خدا کو ہماری ہدایت منظور ہوتی تو ہم ہدایت پا جاتے۔ لہٰذا حق تعالیٰ اہل باطل کی اس آخری حجت کو نقل کر کے اس کا رد فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب عنقریب ایسا کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو از خود حرام کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارے یہ کام خدا کو ناپسند ہوتے تو خدا ہم کو یہ افعال کرنے ہی نہ دیتا۔ پس جب وہ ہمارے اور ہمارے ان افعال کے درمیان حائل نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ہمارے یہ افعال خدا کو پسند ہیں حق تعالیٰ اُن کے اس شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے۔ اسی طرح اگلے کافروں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ یہ تکذیب کچھ انہی پر موقوف نہیں ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے آئے جب پیغمبروں نے اپنی اُمتوں کو کفر اور شرک سے منع کیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک کو اور ان قبائح کو حرام کیا ہے اور براہین عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کر دیا تو ان لوگوں نے بھی پہلوں کی طرح یہی کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ان قبائح کے مرتکب ہوتے اور وہ لوگ برابر اپنی اسی تکذیب پر قائم رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہمارا یہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے غرض یہ کہ وہ اپنی اس تکذیب پر جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس تکذیب پر ہمارے عذاب کا مزہ چکھا یعنی ان کی اس تکذیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا اور شرک کی ان کو سزا ملی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے وعدہ اور پیشین گوئی کے مطابق ان پر عذاب نازل ہوا جس سے انبیاء کرام علیہم السلام کے قول کی تصدیق ہوگئی۔ اُس وقت اُن کی سمجھ میں یہ آیا کہ ہمارے یہ افعال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اگر ہمارے یہ افعال خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے تو اللہ

تعالیٰ ہم کو عذاب کا مزہ نہ چکھاتا اور نہ ہم کو ہلاک کرتا اور نہ ہمارے مقابلہ میں اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا اور نہ پیغمبروں کے ہاتھوں ہم کو ذلیل وخوار کرتا اور ظاہر ہے کہ سزا تو مجرم ہی کو ملتی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کافروں کا شبہ تھا کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہم کو کرنے نہ دیتا اس کا جواب فرمایا کہ اگلوں کو گناہ پر کیوں پکڑا معلوم ہوا کہ وہ بھی ایک مدت (تک) ناپسند کام کرتے تھے اور اللہ نہ پکڑتا تھا آخر پکڑا۔ (موضح القرآن)

خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے بعد فوراً ہی اُن پر عذاب نازل نہیں کیا بلکہ اُن کو مہلت دی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی کہ شاید سنبھل جائیں۔ آخر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو ان کو پکڑا اور عذاب کا مزہ چکھایا کہ عذاب ایسا ہوتا ہے اصل عذاب اور پورا عذاب تو بعد میں ہوگا اس وقت تو صرف آئندہ عذاب کا تھوڑا سا مزہ چکھایا جا رہا ہے یہ نادان خدا تعالیٰ کی اس مہلت اور حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان افعال سے راضی ہے اور ہمارا یہ شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے جب ایک عرصہ کے بعد عذاب نازل ہوا اور اس جرم کی سزا ملی تب آنکھیں کھلیں کہ ہم تو مجرم تھے ورنہ اگر ہمارا شرک خدا کو پسند ہوتا تو ہم پر عذاب کیوں نازل کرتا ان نادانوں کی نظر خدا تعالیٰ کے ابتدائی حِلم اور بردباری پر تو ہے لیکن جرائم کے آخری نتیجہ پر نظر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کی پکڑ اور اس کا عذاب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ افعال خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں عذاب آنے پر ان کا سمجھا ہوا غلط نکلا اور انبیاء کرام علیہم السلام کا فرمایا ہوا حق اور صدق نکلا خدا کے عذاب کو دیکھ کر ان کی سمجھ میں آیا کہ ہمارا یہ قول ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ بالکل لغو اور مہمل بلکہ دھوکہ اور فریب نفس تھا بسا اوقات حکومت کسی باغی اور مجرم کو باوجود اطلاع کے اور باوجود قدرت کے کسی مصلحت کی بناء پر پہلے ہی دن پھانسی نہیں دے دیتی اور کچھ روز کے لیے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے اور فوراً گرفتاری کے احکام جاری نہیں کرتی تو کیا حکومت کی یہ بردباری اس امر کی دلیل بن سکتی ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ فعل جرم ہی نہیں۔

اسی طرح خداوند احکم الحاکمین کا کافروں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب پر فوراً ہی نہ پکڑنا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا کے نزدیک کفر اور شرک کوئی جرم نہیں حکومت کا مجرم کو ڈھیل دینا اور فوری طور پر نہ پکڑنا قانوناً یہ کسی فعل کے جواز کی دلیل نہیں ہو سکتی حجت اور دلیل حکومت کا قانون ہے قانون جس چیز کو ممنوع قرار دے گا وہ جرم ہوگا۔

پس اسی طرح سمجھو کہ حجت بالغہ قانون شریعت ہے جس چیز کو قانون شریعت ممنوع اور حرام قرار دے وہی جرم ہے جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ مجرم ہوگا۔ غرض یہ کہ کسی فعل کے جواز اور عدم جواز کی دلیل قانونِ شریعت ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت اور اس کے حِلم اور مہلت کو کسی فعل کے جواز کے دلیل نہیں بنایا جا سکتا معلوم ہوا کہ مشرکین کی یہ دلیل بالکل مہمل ہے اس لیے کہ یہ دلیل تو چور اور قزاق بھی پیش کر سکتا ہے کہ اگر میری چوری اور قزاقی خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی تو خدا مجھے چوری ہی نہ کرنے دیتا بلکہ ہر باطل پرست یہی دلیل پیش کر سکتا ہے۔

اب اس کے بعد مشرکین کے اُس قول کا دوسری طرح سے ردّ کرتے ہیں اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں یہ کہیے کہ کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ اللہ تمہارے شرک اور اس تحریم سے راضی ہے اور تمہارے یہ افعال قبیحہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو تم اس علم کو ہمارے سامنے نکالو اور ظاہر کرو اور پیش کرو علم سے مراد دلیل عقلی اور وحی آسمانی

ہے۔مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس عقلی یا نقلی دلیل اس بات کی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شرک سے راضی ہے تو اس کو ہمارے سامنے نکالو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسی دلیل ہے تم اس دعوے میں محض گمان اور خیال پر چل رہے ہو کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور تم نرا جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ تمہارے شرک اور قبائح سے راضی ہے۔پس آپ اُن سے کہہ دیجیے کہ اللہ ہی کی دلیل محکم ہے اور اس کی حجت پوری ہے اور تمہاری دلیل لغو اور مہمل ہے اس لیے کہ حجت بالغہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس چیز کا وہ امر کرے وہ پسندیدہ ہے اور جس سے وہ منع کرے وہ بری اور ناپسندیدہ ہے اشیاء کے حسن وقبح کا معیار اس کا امر و نہی ہے جس چیز کا وہ امر صادر کرے وہ چیز خدا کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہے اور جس چیز سے وہ نہی یعنی ممانعت کرے وہ قبیح اور ناپسندیدہ ہے خدا تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کو افعال کے حسن وقبح کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔اس لیے کہ اس کی قدرت کاملہ اور مشیت شاملہ ہر خیر وشر کو شامل اور متناول ہے عالم کی کوئی حرکت اور سکون بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ممکن نہیں اُس کی قدرت اور مشیت تمام اضداد کو حاوی ہے ﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا... الخ﴾ (یٰسین) عطر اور گلاب، پاخانہ اور پیشاب، طہارت اور نجاست نور اور ظلمت ایمان اور کفر ہدایت اور ضلالت اور سعادت وشقاوت وغیرہ وغیرہ عالم میں جو کچھ بھی رونما ہو رہا ہے وہ سب اس کی قدرت اور مشیت سے ہو رہا ہے جس کو چاہتا ہے وہ عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ ذلت دیتا ہے۔پس سمجھ لو کہ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ﴾ (البروج:١٦) اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت اور توفیق دے دیتا ہدایت اور ضلالت سب اس کے اختیار میں ہے لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ کچھ لوگ ہدایت پائیں اور کچھ گمراہ ہوں جنت اور جہنم دونوں ہی آباد ہوں وہ سب کا رزاق ہے اُس کو دوزخ کے لیے بھی ایندھن درکار ہے۔

كما قَالَ الله تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ... الخ﴾ (الاعراف:١٧٩)

اس کی مشیت اور حکمت کا منشا یہ ہے کہ اس کارخانہ عالم میں نور ہدایت بھی ہو اور کفر کی ظلمت بھی ہو پاخانہ اور پیشاب بھی ہو عطر اور گلاب بھی ہو۔ كما قَالَ الله تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾ (التغابن:٢)

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

جس کو وہ ہدایت اور توفیق دے وہ اس کا فضل اور احسان ہے اور جس کو چاہے وہ اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم رکھے ہدایت اور توفیق اس کی مِلک ہے اور اس کے خزانۂ رحمت کی ایک نعمت ہے اس کو اپنے خزانہ کا اختیار ہے جس کو چاہے اس میں سے کچھ دیدے اور چاہے نہ دے اُس مالک مطلق پر نہ کسی کا کوئی حق ہے اور نہ کوئی قرضہ ہے۔﴿وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝﴾ (البقرہ) جو دے دے وہ اس کا فضل ہے اور جو نہ دے وہ اس کا عدل ہے۔غرض یہ کہ کفر اور شرک اور اسلام اور توحید بُری اور اچھی ہر قسم کی چیزیں اُس کی مشیت سے ہوتی ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس ملیک مقتدر کی سلطنت میں کوئی چیز اور کوئی فعل بغیر اُس کی مشیت کے ہو جائے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کارخانۂ عالم میں جو مختلف اور متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے اس میں جو اچھی چیزیں ہیں وہ اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور بُری چیزیں اسے ناپسند ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس عالم میں مختلف اعمال اور مختلف افعال اور متضاد عقائد اور نظریات موجود ہیں کیا ان سب کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا کے نزدیک خوش اخلاقی اور بداخلاقی اور نیکوکاری اور بدکاری اور امانت اور خیانت نکاح اور زنا سب ہی پسندیدہ ہیں؟ پس ہر کام اس کی مشیت سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ کام اُس کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کو کسی فعل کے جواز اور استحسان کی دلیل بنانا قطعاً غلط ہے حجت بالغہ بعثت رُسُل اور کتب مُنزلہ ہیں

جن سے اللہ کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہوتا ہے اور اگر کفر اور شرک کے مستحسن ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے تو پھر مسلمانوں سے کیوں مزاحمت کرتے ہو مسلمان بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلام اور توحید خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتی تو ہم مسلمان اور موحد نہ ہوتے اور نہ ہم تم سے جہاد و قتال کرتے بندہ کو چاہئے کہ اپنے افعال اور اعمال کے لیے خدا کی مشیت اور ارادہ کو بہانہ نہ بنائے بلکہ اس کے حکم اور قانون کا اتباع کرے حکم اور چیز ہے اور مشیت خداوندی اور چیز ہے خدا کی مشیت کا کسی کو علم نہیں وہ سرِّ مکتوم ہے۔ البتہ اللہ کا حکم پیغمبروں کے ذریعہ بندوں کو پہنچ چکا ہے۔ بندوں پر اس کے حکم کا اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور احکام سے بندوں کو آگاہ کیا اور بندوں کو اُن کے سمجھنے کے لیے عقل دی اور ان کے کرنے کے لیے قدرت اور اختیار دے دیا بے شک اگر خدا چاہتا تو سب راہ راست پر آ جاتے لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے راہ راست پر آئیں اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہوگئی اور الزام قائم ہو گیا اب تم ان لغو حیلوں اور بہانوں سے عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنے کفر اور شرک اور گمراہی کی تاویلوں کو چھوڑ و اور اپنی گمراہی اور ڈھٹائی کو خدا تعالیٰ کی ناراضی کی علامت جانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور توفیق کا ارادہ نہیں فرمایا وہ اگر تم سے راضی ہوتا تم کو ہدایت اور توفیق کی دولت سے سرفراز کرتا تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی اس کی دلیل ہے کہ خدا کا ارادہ تمہارے ذلیل کرنے کا ہے اوباشی اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذلیل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تمہارا کفر اور شرک اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تم سے راضی ہے بلکہ تمہاری یہ گمراہی اور ہٹ دھرمی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ (المائدہ:۴۱)

اب اس کے بعد اُن سے دلیل نقلی کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اب آپ ﷺ اُن سے یہ کہہ دیجیے کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رُوبرو ان مذکورہ چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اُن کا یہ تحریم کا دعویٰ اپنی طرف سے ہے اس کے متعلق ان کے پاس کوئی گواہ نہیں اور واقعی ایسے گواہوں کا دستیاب ہونا قطعاً ناممکن اور محال ہے جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے روبرو ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ پس اگر بالفرض والتقدیر کچھ نادان اور جھوٹے اور گستاخ بطور تعصب جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ﷺ ہرگز ان کے ساتھ گواہی نہ دیجیے یعنی اُن کی تصدیق نہ کیجیے کیونکہ وہ لوگ اس گواہی میں صراحتاً اور بداہۃً بلاشبہ جھوٹے ہیں وہ کون ہے کہ جس کے روبرو خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور شرک جائز ہے یقیناً ایسے لوگ بالکل جھوٹے ہیں اور آپ ﷺ اُن لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلیے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں یعنی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر:

یہاں تک جو کچھ آیات مذکورہ کی تفسیر کی گئی وہ اس تقدیر پر تھی کہ مشرکین کے قول ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ سے یہ غرض ہو کہ وہ اس طرح سے اپنے کفریات اور شرکیات کا استحسان اور پسندیدۂ خداوندی ہونا ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ اُن کے احوال اور اقوال سے ظاہر ہوتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

اَشْرَكْنَا﴾ کہنے سے مشرکین کی غرض صرف اپنی معذوری اور مجبوری کا بیان کرنا تھا کہ ہم مجبور ہیں اور خدا کی مشیت کے تابع ہیں خدا ہم سے جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے ہم بھلا یا بُرا جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ اس کی مشیت سے کر رہے ہیں پھر مشیت خداوندی کے مقابلہ میں انبیاء و رسل علیہم السلام ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذابِ الٰہی سے ہم کو کیوں ڈراتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کا جواب دیا کہ بالکل غلط کہتے ہیں پہلے زمانہ کے کافروں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یہی کہا تھا یہاں تک کہ اللہ نے اُن کے کفر و شرک کے جرم میں پکڑا اور ہلاک کیا تب معلوم ہوا کہ اُن کا یہ دعویٰ کہ ہم مجبور ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ:

(اوّل) تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں کہ بے وجہ اور بے قصور لوگوں کو پکڑے اور ہلاک کرے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے کہ بندہ کو کسی فعل پر مجبور کرے اور پھر اس پر اس کو سزا دے۔

(دوم) یہ کہ اگر یہ لوگ مجبور ہوتے تو عذاب دیکھ کر توبہ کیوں کرتے اور خدا سے یہ وعدہ کیوں کرتے کہ اگر ہم کو معافی دے دی جائے تو آئندہ ہم کفر اور شرک نہ کریں گے گزشتہ اعمال سے توبہ اور آئندہ کے لیے اُن کے ترک کا وعدہ تو اختیاری ہی اُمور میں ہو سکتا ہے نہ کہ اضطراری اُمور میں اگر یہ لوگ گزشتہ کفر اور شرک میں مجبور تھے تو پھر یہ کہنا کہ ہم آئندہ کے لیے سچی توبہ کرتے ہیں کہ اب کفر و شرک نہ کریں گے بالکل غلط ہے جس چیز میں انسان مجبور ہو اس کے متعلق وعدہ کرنا بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار عطا کیا ہے کہ اپنے ارادہ اور اختیار سے افعال کو بجالاس کے اور ان اُمور میں اللہ کی مشیت بندہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہوتی ہے۔ بندہ جیسا ارادہ کرتا ہے اللہ کی مشیت بھی اُس کے موافق ہوتی ہے مگر بعض مواقع میں اللہ کی مشیت قاہرہ ہوتی ہے کہ بندہ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف ہوتی ہے تو ایسی صورت میں بندہ سے عذاب دفع ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں بندہ جماد لا یعقل کی طرح ہو جاتا ہے اور وہ اپنی حرکات و سکنات میں شجر و حجر کی طرح مجبور ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص خود اپنے کو چھت سے گرا دیوے یا خود کنویں میں کود پڑے تو یہ شخص مجرم ہے اور قابل ملامت ہے کیونکہ یہ اُس کا اختیاری فعل ہے اور اگر کسی کا قدم پھسل جائے اور چھت سے گر جائے یا بے اختیار پیر پھسل جانے سے کنویں میں گر جائے تو وہ معذور ہے کیونکہ اس گرنے میں اس کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ تھا اور اہل عقل کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے۔

رہی خدا تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تقدیر سو اُس کا کسی کو بھی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر چیز کو تقدیر میں لکھ دیا ہے مگر کسی کو یہ پتہ نہیں دیا کہ اُس نے تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ البتہ دنیا میں کاروبار کرنے کے لیے اس نے بندہ کو قدرت اور اختیار عطا فرمایا تا کہ بندہ اس خداداد قدرت و اختیار سے اپنا کام چلا سکے اور حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اس کو عقل و شعور عطا کیا اور بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا جن کو وحی اور الہام کی دولت کے علاوہ ایسی عقل کامل عطا فرمائی جو حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی اور اُن کے ذریعہ سے بندوں کو آگاہ کیا کہ کون سی چیز مرضی الٰہی کے مطابق ہے اور کون سی چیز مرضی الٰہی کے خلاف اور حق اور باطل کی راہیں الگ الگ کر کے تم کو بتلا دی گئیں اب ایمان اور کفر اور گلاب اور پیشاب دونوں تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور تمہاری عقل اور اختیار کی آزمائش ہے کہ تم کس کو اختیار کرتے ہو۔ پس اگر کوئی بدعقل بجائے عرق گلاب کے پیشاب پی جائے اور جواز کے لیے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ اگر خدا چاہتا تو میں پیشاب نہ پیتا میں تو مجبور ہوں خدا نے جو میری تقدیر میں لکھ دیا ہے میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں؟ کوئی ادنیٰ عقل والا بھی اس دلیل کو قبول نہ کرے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ موجود ہے یعنی

خداداد قدرت واختیار اور خداداد عقل وشعور موجود ہے اور سامنے ہے اور اس کی مشیت اور تقدیر امر غیبی ہے اس کا کسی کو بھی علم نہیں اور مزید برآں انبیاء کرام علیہم السلام کی نصیحتیں اور ہدایتیں کہ یہ چیز پسندیدہ ہے اور یہ چیز ناپسندیدہ ہے اُس کے لیے مشعل راہ ہیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی بدعقل گلاب کو چھوڑ کر پیشاب پینے لگے تو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے محروم ہے اسی طرح کسی کفر اور گمراہی کو اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی قسمت میں ہدایت نہیں رکھی گئی۔

خلاصۂ جواب: یہ ہے کہ بے شک ہر چیز خدا ہی کی مشیت سے ہوتی ہے مگر اُس کی تقدیر اور مشیت کا کسی کو علم نہیں۔ البتہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے عقل اور شعور عطا کیا ہے اور فعل اور عمل کے لیے قدرت اور اختیار بھی دیا ہے جسے وہ اپنے موقع اور محل پر استعمال کر سکے پس جو شخص اس خداداد عقل وشعور قدرت اور اختیار کو اپنے موقع اور محل پر استعمال نہ کرے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت پوری ہے کہ باوجود عقل اور شعور کے اور باوجود قدرت اور اختیار کے اور باوجود انبیاء کرامؑ کی نصیحتوں اور ہدایتوں کے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کیوں دوڑا جا رہا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۷۱ ج ۴)

فائدہ : طاعت ومعصیت کی حقیقت

طاعت اور معصیت یہ دونوں لفظ آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں طاعت کے لغوی معنی متابعت اور پیروی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حکم خداوندی کی تعمیل اور پیروی کا نام طاعت ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں مشرکین نے یہ سمجھا کہ مشیت خداوندی کی موافقت کا نام طاعت ہے اور یہ غلط ہے تعمیلِ حکم اور امتثال امر کا نام طاعت ہے ارادۂ خداوندی اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں اللہ کے ارادہ اور مشیت کا کسی کو علم نہیں اور حکم خداوندی کی مخالفت کا نام معصیت ہے یا یوں کہو کہ دائرۂ طاعت سے خروج کا نام معصیت ہے۔ (ہذا کلہٗ توضیح ما قالہ [1] الاستاذ الامام عبدالقاہر البغدادی رحمۃ اللہ علیہ فی کتابہ اصول الدین ص ۲۵۱)

---

[1] قال الاستاذ عبدالقاهر البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ قال اصحابنا ان الطاعة هی المتابعة واختلف المتكلمون فی حقيقتها فقالت القدرية انها موافقة الارادة وان كل من فَعَلَ مراد غيره فقد اطاعه وَالزمَ الجبائی علی هٰذا كون البارى تعالیٰ مطيعًا لعبده اذا فعل مراده فالتزم ذلك وكفرته الامة وقال اصحابنا ان الطاعة موافقة الامر فكل من امتثل امر غيره صار مطيعا له وسؤالنا ربنا ليس بامر فلذلك لم يكن مطيعا لنا وان اجابنا فيما سالناه وللعصيان فی اللغة معنيان احدهما معنى الذنب والخروج عن الطاعة الواجبة والثانی الامتناع عن الشئ والمعصية نقيض الطاعة فكما ان الطاعة موافقة الامر كذلك المعصية مخالفة الامر انتهى كلامه فی كتاب اصول الدين ص ۲۵۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

تو کہہ آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ

ماں باپ سے نیکی اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد مفلسی سے ہم

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو اور نزدیک نہ ہو بے حیائی کے کام سے جو کھلا ہو اس میں اور جو

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ

چھپا اور مار نہ ڈالو جان جس کو حرام کیا اللہ نے مگر حق پر تم کو

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

کہہ دیا ہے شاید تم سمجھو اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی قوت کو اور پوری کرو ناپ اور تول

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ

انصاف سے ہم کسی پر وہی رکھتے ہیں جو اس کو مقدور ہے اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

وہ ہو اپنے ناتے والا اور اللہ کا قول پورا کرو یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

دھیان رکھو اور کہا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

کئی راہیں پھر تم کو پھٹا دیں گے اس کی راہ سے یہ کہہ دیا ہے تم کو شاید تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ

بچتے رہو پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پورا فضل نیکی والے پر اور

تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

بیان ہر چیز کا اور ہدایت اور مہر شاید وہ لوگ اپنے رب کا ملنا

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ ع ١٩ ٦

یقین کریں اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی سو اس پر چلو اور بچتے رہو شاید

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ

تم پر رحم ہو اس واسطے کہ کبھی کہو کتاب جو اتری تھی سو دو ہی فرقوں پر

قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

ہم سے پہلے اور ہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

اترتی کتاب تو ہم راہ چلتے ان سے بہتر سو آ چکی تم کو تمہارے رب سے شاہدی

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

اور ہدایت اور مہربانی اب اس سے بے انصاف کون جو جھٹلا دے اللہ کی آیتیں

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

اور ان سے کتراوے ہم سزا دیں گے کترانے والوں کو ہماری آیتوں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

سے بُری طرح کی مار بدلا اس کترانے کا، کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آویں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ

فرشتے یا آوے تیرا رب یا آوے کوئی انشان تیرے رب کا جس دن آوے گا ایک

اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ
نشان تیرے رب کا کام نہ آوے گا ایمان لانا کسی کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا
كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ تھی تو کہہ راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔

بیان اصول محرمات دربارۂ اقوال وافعال وتلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ... الیٰ ... قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جب حق تعالیٰ کافروں کی حرام کردہ چیزوں کو باطل کر چکے اور کھانے اور پینے کے متعلق جو چیزیں من جانب اللہ حرام تھیں اُن کا ذکر ہو چکا تو اب ان آیات میں اُن حرام چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو اقوال اور افعال سے متعلق ہیں ان آیتوں میں بالترتیب دس چیزوں کو ذکر فرمایا جن میں اللہ نے معاش اور معاد کی صدہا حکمتیں رکھی ہیں۔

① خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ② ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور اُن کے ساتھ بُرائی نہ کرو۔
③ اپنی اولاد کو فقر اور تنگ دستی کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ④ بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔
⑤ کسی کا ناحق خون نہ کرو۔ ⑥ یتیموں کے مال میں ناحق تصرف نہ کرو۔
⑦ ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ ⑧ ناانصافی کی بات نہ کہو۔
⑨ اللہ کے عہد کو پورا کرو خلاف عہد کوئی کام نہ کرو۔ ⑩ صراط مستقیم کا اتباع کرو سیدھے راستہ سے ہرگز نہ ہٹو۔

اس کے بعد اجمالاً یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ ان مشرکین سے یہ کہہ دیجیے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اس کا اتباع کرو یہی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے پھر اخیر میں توریت کا ذکر فرمایا کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کی حرمت اوپر بیان ہوئی کچھ شریعتِ محمدیہ کے ساتھ مخصوص نہیں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں یہ چیزیں حرام رہی ہیں اور جو اس طریق مستقیم سے اعراض اور انحراف کرے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ تم ناحق خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو کہ خدا نے فلاں فلاں چیز حرام کی ہے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے واقعی تم پر حرام فرمایا ہے وہ چیزیں یہ ہیں: (اول) یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا اور (دوسرے) یہ کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو پس اُن سے بری طرح پیش آنا حرام ہوا اور (تیسرے) یہ کہ اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ

افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے کیونکہ ہم تم کو اور اُن کو رزق مقدر دیں گے وہ تمہارے رزق مقدر میں شریک نہیں پس اولاد کا قتل کرنا حرام ہوا اللہ سب کو روزی دیتا ہے۔ لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو اور (چوتھے) یہ کہ بے حیائی یعنی بدکاری کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی علانیہ ہو یا پوشیدہ ہر بے حیائی حرام ہے خواہ لوگوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور (پانچویں) یہ کہ جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُس کو قتل مت کرو مگر حق شرعی کی بنا پر اُس کا قتل جائز ہے مثلاً قصاص یا رجم میں یا ارتداد میں پس قتل ناحق حرام ہوا اور اس سب کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم اُن کو سمجھو اور سمجھ کر عمل کرو اور (چھٹے) یہ کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یعنی اس میں بیجا تصرف نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے تصرف کی اجازت ہے جو شرعاً بہت اچھا ہو یعنی اس کی اصلاح اور اس کے بڑھانے کی نیت سے اس میں تصرف کرو یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اس کے بعد اس کا مال اُس کو دے دیا جائے بشرطیکہ سفیہ یعنی بے وقوف نہ ہو پس تصرف غیر مشروع مال یتیم میں حرام ہوا اور (ساتویں) یہ کہ ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ نہ کسی کو کم دو اور نہ کسی سے زیادہ لو نہ کسی کا حق اپنے پاس رہنے آئے پس آپس میں دغا کرنا حرام ہوا اور آگے بتلاتے ہیں کہ یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم کسی شخص کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے پھر ان احکام مذکورہ میں کوتاہی کی کیا وجہ ہے اور (آٹھویں) یہ کہ جب تم فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق کوئی بات کہو تو اس میں انصاف کا خیال رکھو گو وہ شخص جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو قرابت دار ہی کیوں نہ ہو مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں رشتہ داروں کی رعایت نہ کرو سچ سچ بیان کرو خواہ کسی کا نفع ہو یا نقصان پس خلاف عدل حرام ہوا اور (نویں) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم اور نذر اُس کو پورا کیا کرو بشرطیکہ وہ نذر اور قسم خلاف شرع نہ ہو پس اُس کا عدم ایفاء یعنی نقض عہد حرام ہوا ان سب باتوں کی اللہ نے تم کو وصیت کی ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور اس پر عمل کرو اور (دسویں) یہ کہ تحقیق یہ دین اسلام میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس پر چلو مجھ تک پہنچ جاؤ گے لفظ ہذا کا اشارہ پورے دین اسلام کی طرف ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اجمالاً مفہوم ہو چکا ہے اس لیے کہ یہ احکام مذکورہ گو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں سارے اسلام کا خلاصہ ہیں کیونکہ ان میں عقائد اور معاملات اور معاشرات اور عبادات کے مہتم بالشان امور سب مذکور ہیں اور اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام کسی شریعت میں کبھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ چند احکام گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہیں ان عقائد اور اعمال کا ذکر بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اور مقصود صراط اسلام کا اتباع ہے جو تمام اصول و فروع کو حاوی ہے۔

نکتہ ① اس آیت ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ﴾ میں لفظ صراط کو نبی اکرم ﷺ کی طرف مضاف فرمایا اور حضور ﷺ کو حکم ہوا کہ لوگوں سے کہیں کہ یہ میرا راستہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ راستہ تو حقیقت میں اللہ کا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۙ﴿۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ﴾ (الشعراء)

مگر خدا تعالیٰ کے راستہ کے داعی اور ہادی حضور پُرنور ﷺ ہی ہیں آپ ﷺ ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے یہ راستہ طے ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں صراط کو حضور پُرنور ﷺ کی طرف مضاف کر دیا گیا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں دین اسلام کو حضور پُرنور ﷺ کا راستہ کہا گیا ہے: ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ﴾ (یوسف:۱۰۸) اور اسلام کو حضور پُرنور ﷺ کا راستہ کہنا بطور دعوت اور ہدایت کے ہے کہ آپ اُس راستہ کے داعی اور ہادی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ صراط اللہ کا ہے دوسرا فائدہ اس اضافت میں یہ ہے کہ سالکانِ راہ آخرت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ تم گھبرانا نہیں میں بھی اسی راستہ پر چل رہا ہوں اور اسی راستہ پر چل کر ہم سب خدا

تعالیٰ تک پہنچیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم سب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میرے بغیر خدا کا راستہ قطع نہیں ہوسکتا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　عمر بگذشت و نشد آگاہِ عشق

گر عوائے ایں سفر داری دلا　　دامنِ رہبر بگیرو پس برآ

نکتہ ② اور ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ راستہ سیدھا ہے لفظ مستقیم کے معنی ایک لغوی ہیں یعنی اقصر الخطوط الواصلة بين النقطتين (دونقطوں کے درمیان جو خطوط واصل ہوسکیں ان میں جو سب سے چھوٹا خط ہو وہ معنی لغوی کے اعتبار سے خط مستقیم ہے) اور ایک معنی عرفی ہیں یعنی بے خوف وخطر راستہ۔ عرف میں راہِ راست اُس راستہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں گاؤں کا سیدھا راستہ یہ ہے اس راستہ سے چلے جاؤ حالانکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راستہ بے خطر ہے اس میں تم کو غلطی پیش نہ آئے گی صاف سڑک پڑی ہوئی ہے اور یہی عرفی معنی اس شعر میں مراد ہیں۔

ع　راہِ راست برو گرچہ دور است

اگر راہ راست کے عرفی معنی نہ لیے جائیں تو پھر لفظ اگرچہ ''دور است'' صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ جو راستہ لغۃً مستقیم ہوگا وہ اوروں سے دور نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے اقصر الطرق ہونا لازم ہے جن لوگوں کو مستقیم کے لغوی اور عرفی معنی میں فرق معلوم نہیں وہ اس شعر کو حل نہیں کرسکتے۔

اب آیت کا مطلب سنیے کہ دین اسلام کے متعلق ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ کے دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ دین اسلام بے خطر بھی ہے اور وصول الی اللہ میں تمام طرق سے اَقْصَرُ اور اَقْرَبُ بھی ہے آپ کو اختیار ہے کہ ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ کو معنی لغوی پر محمول کریں یا معنی عرفی پر دونوں معنی کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف اس سیدھے راستہ (دین اسلام) کا اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کا اتباع نہ کرو ورنہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور اور جدا کردیں گے یعنی دین اسلام کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں اُن کا رخ دوسرا ہے دین اسلام کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کرو گے تو خدا تک نہیں پہنچ سکو گے اسی کی یعنی اسی راستہ پر چلنے کی خدا تعالیٰ نے تم کو وصیت کی ہے یعنی تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرسکو اس لیے کہ تقویٰ اور پرہیز گاری کو چھوڑ دینا یہ حرام ہے۔ اس اعتبار سے یہ دسواں حکم ہوا یا یوں کہو کہ دسواں حکم استقامت ہے یعنی احکام شریعت پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہنا اور ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ میں اسی حکم استقامت کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ : جاننا چاہیے کہ ﴿هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ میں صراط سے وہ تمام اعمال مراد ہیں جو معین آخرت اور مفید مقصود ہوں اور ﴿لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو مانع عن الآخرت یا مضر آخرت ہوں گویا کہ یہ آیت تمام شریعت کا خلاصہ ہے۔

نکتہ : اس جگہ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ سے لے کر ﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ تک تین آیتیں ہیں اور ہر آیت کے ختم پر حق تعالیٰ نے ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ فرمایا لیکن پہلی آیت کے اخیر میں تو ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ اور اس تیسری آیت کے اخیر میں ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ فرمایا اب سوال یہ ہے کہ ان عنوانات کے اختلاف میں نکتہ کیا ہے؟

جواب یہ ہے کہ پہلی آیت میں جن پانچ امور کا ذکر ہے ان میں بجز احسان والدین اعتقادی امور کا ذکر ہے اس لیے اعتقادی امور کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ فرمایا کیونکہ اعتقادیات کا تعلق زیادہ تر عقل سے ہے۔ اور دوسری آیت میں مخاطبین کی کسی اعتقادی غلطی کا ذکر نہ تھا بلکہ وہ احکام عمل کے متعلق ہیں جن میں وہ سہو اور تغافل کرتے تھے اس لیے وہاں ﴿تَذَكَّرُوْنَ﴾ کا لفظ مناسب ہوا۔ اور تیسری آیت میں کسی خاص حکم کا بیان نہیں بلکہ حکم عام ہے یعنی صراط مستقیم کی اتباع کا حکم ہے۔ اس لیے وہاں ﴿تَتَّقُوْنَ﴾ کا لفظ مناسب ہوا کیونکہ تقویٰ بھی شرعاً عام ہے جس کا تعلق عقائد اور اعمال سب سے یکساں ہے۔

تاکید وصایا مذکورہ

گزشتہ آیات میں جن احکام اور وصیتوں کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں اس کی مزید تاکید کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ وصیتیں اور یہ احکام موسیٰ علیہ السلام کے توریت میں بھی تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پھر ہم نے موسیٰ کو ایک کتاب دی تا کہ اپنی نعمت کو اُس شخص پر پورا کریں جو نیکی کرے اور اس میں ہر ضروری امر کی تفصیل ہو اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو تا کہ وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کریں اور اس اعتقاد اور یقین کی بناء پر احکام خداوندی کو بجالائیں۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے توریت نازل فرما کر اُس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر اپنی نعمت پوری کردی اور ہر ضروری امر کو شرح و بسط سے بیان کر دیا اور ہدایت اور رحمت کے دروازے ان پر کھول دیئے تا کہ لقاء خداوندی کا یقین حاصل کریں اور شوقِ لقاء میں جس قدر طاعت میں جد و جہد کر سکیں اس میں دریغ نہ کریں اور توریت کا تتمہ انجیل تھی اس میں بھی یہ ہدایتیں اور وصیتیں تھیں اور اب توریت اور انجیل کے بعد یہ قرآن مجید ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے خیر و برکت میں توریت اور تمام صحف سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ پس تم اس کا اتباع کرو اور کسی اور کتاب کے اتباع سے پرہیز کرو کیونکہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور تمام کتب سابقہ کے لیے ناسخ ہے۔ پس تم اسی کتاب کا اتباع کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے خدا کی رحمت اور تقویٰ کا حصول ناسخ پر عمل کرنے پر موقوف ہے منسوخ پر عمل کرنے سے نہ خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور نہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور توریت و انجیل کے بعد ہم نے اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کو اس لیے بھی نازل کیا کہ مبادا قیامت کے دن تم یہ کہنے لگو کہ آسمانی کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے یہود اور نصاریٰ ان پر اُتاری گئی تھی اور بے شک ہم اُن کے پڑھنے سے بے خبر تھے اس لیے ہم کو احکام خداوندی کا علم نہ ہوا پس ہم کیسے اطاعت کر سکتے تھے پس ہم معذور ہیں یعنی قرآن کریم کے نازل کرنے سے علاوہ برکت اور رحمت کے ایک غرض اتمام حجت ہے۔

تا کہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کر سکو کہ توریت و انجیل ہماری زبان میں نہ تھی اور ہم ان کے مطالب کو سمجھ نہیں سکتے تھے یا قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت پر ہوتے سو اب تمہارے دونوں عذر ختم کرنے کے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن حقیقت اور ہدایت اور رحمت آ چکی ہے جو تمام کتب الٰہیہ سے بہتر اور برتر ہے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے تمہاری زبان میں اس لیے بھی نازل کیا کہ تمہیں کسی عذر کا موقع ہی باقی نہ رہے کہ اگر ہماری زبان میں خدا کی کتاب اترتی تو ہم اُس کا خوب اتباع کرتے اگرچہ اُن کا یہ عذر کہ ہم توریت اور انجیل کی لغت سے واقف نہیں عذر لنگ ہے لیکن اللہ نے یہ عذر بھی باقی نہیں چھوڑا اور حجت پوری کر دی۔ پس ایسی شافی اور کافی کتاب ہدایت و

رحمت کے آجانے کے بعد اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے منہ موڑا عنقریب ہم ان لوگوں کو بہت برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں اس سبب سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں خدا کی آیتوں سے اعراض اور روگردانی بڑا ہی ظلم ہے کیا یہ لوگ جو کتاب مبارک کے نازل ہوجانے اور آیات بینات کے آجانے کی بعد بھی ایمان نہیں لاتے صرف اس بات کے منتظر معلوم ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس قبض روح یا عذاب کے فرشتے آئیں اور مار مار کر اُن کی روحیں قبض کریں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ لَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴾ (الانفال)

یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے ان کے روبرو آ کر آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں یا ان کی ہلاکت اور بربادی کے لیے خدا کا کوئی حکم آجائے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ (النحل)

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۡ﴾ (الحشر:٢)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کے آنے سے اس کے حکم کا آنا مراد ہے جو ان کے قہر اور ہلاکت سے متعلق ہو یا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے سامنے آجائے اور اُن سے بالمشافہ یہ کہے کہ واقعی یہ ہمارے رسول ہیں اور یہ ہماری کتاب ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ﴾ (الفرقان:٢١) ... ﴿اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل:٩٢)

یا یہ مطلب ہے کہ کفار قیامت کے دن کے منتظر ہیں جس دن خدا تعالیٰ کا جلوۂ جلال ابر کے سائبانوں میں ظاہر ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ (البقرہ:٢١٠) کی تفسیر میں گزرا یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ﴿بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ سے سورج کا مغرب سے طلوع کرنا مراد ہے اور یہی تفسیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ﴾ سے لے کر یہاں تک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی حجت پوری ہوچکی ہے اور کافروں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ شاید اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ خود اُن کے سامنے آئے یا اُس کا قہر اور اس کا کوئی عذاب اُن کے سامنے آئے یا عذاب کے فرشتے اُن کے پاس آئیں یا قیامت کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جیسے طلوع الشّمس من المغرب شاید جب ان تین باتوں میں سے کوئی بات ظاہر ہوجائے گی اس وقت یہ مجبور ہو کر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان مفید نہ ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں: کہ جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں گی اُس دن کسی ایسے شخص کو ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس نشانی سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا جس شخص نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکی نہ کمائی ہوگی اس کو اُس دن اپنے ایمان میں نیکی کا کمانا مفید نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہوگا اُس کا اس نشانی کو دیکھ کر اب ایمان لانا نافع نہ ہوگا اور جو شخص اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان تو رکھتا تھا مگر اس نے پہلے سے کسب خیر اور عمل صالح نہ کیا تھا تو اس نشانی کو دیکھ کر اُس کا توبہ کرنا اور کسب خیر کرنا قبول نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ اس نشانی کے ظہور کے بعد نہ کسی کا جدید ایمان قبول ہوگا اور نہ اس کی توبہ قبول ہوگی۔ البتہ جو لوگ اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرتے تھے ان کے اعمال مقبول ہوں گے اس لیے کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان ایمان بالغیب نہیں رہے گا ایمان بالمشاہدہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب چاہتا ہے اے نبی آپ ﷺ اُن سے کہہ دیجیے کہ اچھا اگر تمہیں انہی باتوں کا انتظار ہے تو یہی سہی انہی باتوں کا انتظار کرو اور ایمان نہ لاؤ ہم بھی تمہارے بارہ میں حکم خداوندی کے منتظر ہیں اس انتظار میں ہمارا کوئی نقصان نہیں تمہارا ہی نقصان ہے۔

فائدہ: اشراط ساعت یعنی علامات قیامت میں سے ایک بڑی شرط یعنی بڑی علامت آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے آیت مذکورہ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ میں بعض آیات سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا مراد ہے اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم اور ثابت ہے آیات سماوی میں پہلی آیت مغرب سے آفتاب کا نکلنا ہے یعنی پہلی آیت (نشانی) جو اختلال نظام افلاک و ستارگاں سے مشاہدہ ہوگی وہ یہ آیت (نشانی) ہے کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا قیامت کی آسمانی علامتوں میں سے پہلی علامت مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے اور یہ علامت خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوگی اور اس کے بعد دابۃ الارض کا زمین سے پیدا ہونا یہ زمینی علامتوں میں سے پہلی علامت ہوگی اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا اور آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔

تنبیہ: آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا عقلاً محال نہیں جو خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے وہ اُس کو مغرب سے بھی نکالنے پر قادر ہے جس طرح آفتاب کا نفس وجود اس کے ارادہ سے ہے اسی طرح اس کی حرکت بھی اس کے ارادہ سے ہے۔



اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ
جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے کئی فرقے تجھ کو اُن سے کچھ کام نہیں
اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ
اُن کا کام حوالے اللہ کے پھر وہی جتا دے گا ان کو جیسا کچھ کرتے تھے جو کوئی
جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا
لایا نیکی اس کو ہے اُس کے دس برابر اور جو لایا برائی سو
يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ
سزا پاوے گا تو اتنی ہی اور اُن پر ظلم نہ ہوگا تو کہہ مجھ کو تو سوجھائی میرے رب نے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا

راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ

تھا شریک والوں میں تو کہہ میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور

مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا

مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہان کا کوئی نہیں اُس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے

اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ

پہلے حکم بردار ہوں تو کہہ اب میں سوائے اللہ کے تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ

اور جو کوئی کماوے گا سو اس کے ذمہ پر اور بوجھ نہ اٹھاوے گا ایک شخص دوسرے کا

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

پھر تمہارے رب پاس ہے رجوع تمہارا سو وہ جتا دے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

اور اُسی نے تم کو کیا ہے نائب زمین میں اور بلند کیے تم میں

دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ

درجے ایک سے ایک پر کہ آزمائے تم کو اپنے دیئے حکم میں تیرا رب شتاب کرتا ہے عذاب اور وہ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰ ۱۱ ۷

بخشنے والا مہربان ہے۔

خاتمۂ سُورت

مشتمل بر ترہیب از تفریق دین قویم و ترغیب بر اتباع صراط مستقیم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا . . . الٰی . . . وَ اِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۶۵﴾

ربط: گزشتہ آیت میں دین حق سے اعراض اور روگردانی پر توبیخ اور تہدید تھی اب ان آیات میں صراط مستقیم اور ملتِ ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کی ترغیب اور دین حق میں تفریق اور اختلاف سے ترہیب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صراط مستقیم دین ابراہیم علیہ السلام ہے اور اس سے اختلاف اور انحراف گمراہی ہے۔ نیز ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور تشفی دی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف کیا اور مختلف گروہ بن گئے کوئی عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو خدا کہنے لگا اور کوئی بت پرستی میں لگ گیا اور کوئی کواکب پرستی کرنے لگا وغیرہ وغیرہ ان لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنجیدہ نہ ہوں اور ان کی گمراہی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں ان کے اعمال و افعال کا نتیجہ خود ان کے سامنے آجائے گا وہ ﴿سَرِیْعُ الْعِقَابِ﴾ بھی ہے اور ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ بھی ہے اس نے بمقتضائے رحمت ایک نیکی کے عوض کم از کم دس گنا ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک برائی کے عوض صرف ایک عذاب کی خبر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جن لوگوں نے اپنے دین کو پراگندہ کیا اور اس میں مختلف راہیں نکالیں اور مختلف گروہ بن گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن سے کوئی واسطہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بَری اور بیزار ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں سے بَری اور علیحدہ ہیں جنہوں نے دین حق میں مختلف راہیں نکالیں اس عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مبتدعین اہلِ اسلام سب داخل ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس کو اختیار فرمایا کہ یہ آیت ہر اُس شخص کو شامل ہے کہ جو دین حق میں اختلاف اور افتراق ڈالے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں اُتری اور حکیم ترمذی اور ابن جریر اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ . . . الخ﴾ سے اس اُمت کے اہل بدعت اور اہلِ شبہات اور اہلِ ضلالت مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۱۹۶ ج ۲ و روح المعانی ص ۶۰ ج ۸ و تفسیر قرطبی ص ۱۴۹ ج ۷)

غرض یہ کہ اس آیت کے عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے علاوہ مدعیانِ اسلام میں کے اہل بدعت جیسے خوارج اور روافض اور قدریہ اور مرجیہ وغیرہ بھی داخل ہیں جو ((مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ)) کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اور آئمہ مجتہدین کا اختلاف اس میں داخل نہیں اُن کا اختلاف اختلاف رحمت تھا جس طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اُصولِ دین میں متفق تھے اور فروع میں مختلف تھے۔ اسی طرح آئمۂ مجتہدین اُصولِ دین میں متفق ہیں اور فروع میں مختلف ہیں۔

البتہ غیر مقلدین کا گروہ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا﴾ کا مصداق ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ہر غیر مقلد ایک مستقل مجتہد بنا ہوا ہے اور ہر مسئلہ میں جدا مذہب رکھتا ہے۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف تو چار تک محدود تھا اور ان مدعیانِ عمل بالحدیث کے اختلاف اور افتراق کی کوئی حد ہی نہیں ہر غیر مقلد اپنی جگہ ایک مستقل امام اور مجتہد ہے اور دوسرے کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے اور اپنے ظلوم و جہول نفس کی تقلید شخصی کو توحید سمجھتا ہے۔

خلاصۂ کلام کہ آپ ﷺ کو ان اہل اہواء اور اہل ضلالت اور اہل بدعت سے کوئی سروکار نہیں آپ ﷺ ان سے بری اور علیحدہ ہیں آپ ﷺ ان کی فکر میں نہ پڑیں جزایں نیست ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو سمجھے گا۔ پھر جب وہ خدا کے سامنے پیش ہوں گے تو خدا اُن کو جتا دے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ یعنی دین میں نئی نئی راہیں نکالنے کا نتیجہ قیامت کے دن اُن کو معلوم ہو جائے گا اور ہر ایک کو اس کے جرم کی سزا دی جائے گی۔

قانونِ جزاء

جس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ جو ہمارے پاس نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے کم از کم اس نیکی کا دس گنا ثواب ہے اور جو برائی لے کر آئے تو اُس بُرائی کے برابر ہی سزا ملے گی اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا یعنی گنہگار کو اُس کے گناہ سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی یہ ظلم ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہاں نیکی کا ثواب دہ چند سے لے کر سات سو چند تک دے گا یہ اُس کا فضل اور اُس کا جود و کرم ہے آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تم لوگ غلط راہ جا رہے ہو تحقیق مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھے راستہ پر لگا دیا ہے جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔ اور صحیح دین پر جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام حق کی طرف مائل تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔ لہٰذا مشرکین عرب کا یہ دعویٰ کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں بالکل غلط ہے تم مشرک اور بت پرست ہو اور ابراہیم علیہ السلام موحد اور خدا پرست تھے تم اُن کے طریقہ پر کیونکر ہو سکتے ہو آپ اُن سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگانی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں نہ مارنے میں اور نہ جلانے میں اور نہ استحقاق عبادت میں اور اسی توحید کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اُس کا حکم بردار ہوں۔ یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اوّل اور سب سے آگے ہوں آپ ﷺ اُن سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ کیا اب میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں کہ اس کو اپنا رب بناؤں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے جس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو تم نے اپنے خیال سے رب ٹھہرا رکھا ہے اور مجھے بھی اُن کے رب بنانے کی ترغیب دیتے ہو اور نہیں عمل کرتا کوئی نفس مگر اُس کی ذمہ داری اُسی پر ہوتی ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا نفس دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا مشرکین مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارے طریقہ پر چلو تمہارے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ہم اٹھا لیں گے۔ اس آیت میں اُن کے اس قول کی تردید فرمائی پھر قیامت کے دن تم سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو اُن باتوں سے خبردار کرے گا جن میں تم دنیا میں اختلاف کرتے رہتے تھے۔ اور اے لوگو! خوب سمجھ لو وہ اللہ وہ ہے کہ اس نے تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین کیا ایک قرن گزرتا ہے تو دوسرا قرن اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔

ع یکے ہمیرود و دیگرے ہمی آید

اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کیے کوئی امیر ہے کوئی فقیر کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت کوئی عالم ہے کوئی جاہل کوئی تندرست ہے کوئی بیمار کوئی رذیل ہے کوئی شریف کوئی عاقل ہے کوئی بے عقل تاکہ وہ تمہارا ان باتوں میں امتحان کرے جو تم کو دی ہیں کہ کون اُس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اور کون اس کی مصیبتوں پر صبر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تم کو شکل اور صورت اور رزق اور دولت اور عزت و راحت کے اعتبار سے مختلف اور متفاوت بنایا ہے اور یہ تفاوت مراتب اور اختلاف اس لیے ہے کہ تم کو

آزمائے کہ تم کو جو نعمت دی ہے اس میں تم کیسا کام کرتے ہو غنی کا امتحان شکر کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور فقیر کا امتحان صبر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ (الفرقان:۲۰)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ (الزخرف:۳۲)

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَ لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱﴾ (الاسراء:۲۱)

پس جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے اسی طرح وہ آخرت میں جزاء وسزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے خوب سمجھ لو کہ تحقیق تیرا پروردگار دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلدی سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ سب گناہوں کو معاف کردے۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ ... رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝﴾

الحمد للہ آج بروز پنجشنبہ بتاریخ ۴ جمادی الثانیہ ۱۲۸۵ھ بعد العصر قریب غروب سورۂ انعام کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔ جس سے بحمدہٖ تعالیٰ قرآن کریم کی ایک رُبع کی تفسیر مکمل ہوئی فالحمد للہ الذی بنعمتہٖ تتم الصالحات اے پروردگارِ عالم اسی طرح اپنے فضل وکرم سے باقی قرآن کی تفسیر کو بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھوں مکمل فرما اور اپنی رحمت سے قبول فرما اور ہمارے شفیع نبی اکرم ﷺ کی شفاعت خاصہ سے ہم کو سرفراز فرما۔ آمین۔ اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے اور میری تمام اولاد کے لیے اور بھائی بہنوں کے لیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے عموماً ذریعۂ ہدایت اور وسیلۂ مغفرت بنا۔ (آمین یارب العالمین)

﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ ۚ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۸۱ ۚ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۸۲﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آیاتھا ۲۰۶ | ⑦ سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۳۹ | رکوعاتھا ۲۴

تفسیر سورۃ الاعراف

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں دوسو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں مگر آٹھ آیتیں ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ سے لے کر ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ﴾ تک مدینہ میں نازل ہوئیں۔

ربط: گزشتہ سورت کے اخیر میں نزول قرآن اور اس کے اتباع کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور اس سورت کا آغاز بھی نزول قرآن کے ذکر اور اس کے اتباع کے حکم سے فرمایا:

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿الٓمّٓصٓ ۚ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

نیز گزشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین توحید کے تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین بعثت و رسالت کے متعلق ہیں ابتداء سورت میں اوّل رُسل حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا اور بعد ازاں حضرت ہود اور حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے کہ کس طرح ان کی قومیں تباہ و برباد ہوئیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے۔ بعد ازاں تفصیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے کہ فرعون کے ساتھ ان کا کس طرح مقابلہ ہوا۔ اور اعجازِ موسوی سحر فرعونی کو کس طرح نگل گیا۔ پھر اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت * و رسالت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومِ * بعثت کو بیان کیا بعد ازاں عہدِ الست کا ذکر فرمایا کہ جس کے یاد دلانے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ پھر سورت کو اتباعِ وحی کے حکم پر ختم فرمایا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ ... الیٰ آخر سورۃ﴾ اور ساتھ ساتھ یہ بتا دیا کہ قرآن کا اتباع یہ ہے کہ اس کو کان لگا کر پوری توجہ سے سنا جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ⑱ ۚ﴾ کی تفسیر استمع له وانصت سے صحیح بخاری میں مروی ہے اس لیے اتباع وحی کے بعد قرآن کریم کے استماع اور انصات کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ استماع و انصات بھی منجملہ اتباع قرآن کے ہے اور چونکہ امر بالشئ نہی عن ضدہ کو مقتضی ہوتا ہے۔ اس لیے آیت میں استماع اور انصات کا حکم ضمناً مخالجت اور منازعت کی ممانعت کو متضمن ہوگا کیونکہ منازعت اور مخالجت بلاشبہ استماع اور انصات کی ضد ہے جیسا کہ احادیث میں منازعت اور مخالجت کی ممانعت اور کراہت صراحتاً مذکور ہے گویا کہ احادیث منازعت

---

* ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ﴾
* ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

اور مخالجت وغیرہ وغیرہ۔ آیت استماع اور انصات کی تفسیر اور تفصیل ہیں کیونکہ امام کے ساتھ کسی کا پڑھنا استماع اور انصات کے منافی اور مباین ہے اور منازعت اور مخالجت کا موجب ہے اس لیے جس کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قراءت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرا اور سلام پھیر کر بطور عتاب اور بطریق مواخذہ ((ایکم قرءَ خلفی)) فرمایا "میرے پیچھے کس نے پڑھا۔"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا ہے مہربان

الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ

الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ یہ کتاب اُتری ہے تجھ کو سو اس سے تیرا جی نہ رُکے کہ

لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

خبردار کر دے تُو اس سے اور نصیحت جو ایمان والوں کو چلو اسی پر جو اُترا تم کو تمہارے

رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَ كَمْ

رب سے، اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے، تم کم دھیان کرتے ہو۔ اور کئی

مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا

بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتی رات یا دوپہر کو سوتے۔ پھر

كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

یہی تھی ان کی پکار جب پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے ہم تھے گنہگار۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ۙ فَلَنَقُصَّنَّ

سو ہم کو پوچھنا ہے اُن سے جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پوچھنا رسولوں سے۔ پھر ہم

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَ الْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ

احوال سنا دیں گے ان کو اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔ اور تول اس دن ٹھیک ہے۔ پھر جس

ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑧ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ

کی تولیں بھاری پڑیں سو وہی ہیں جن کا بھلا ہوا۔ اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑨

سو وہی ہیں جو ہارے اپنی جان اس پر کہ ہماری آیتوں سے زبردستی کرتے تھے۔

ترغیب اتباع قرآن مجید وترہیب برانکار حق از عذابِ شدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ... الٰى ... بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ⑥﴾

ربط: گزشتہ سورت کے آخری رکوع میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم اور اس کی ترغیب تھی اور اس سے انحراف اور اعراض پر نزول عذاب کی وعید تھی اور اسی بناء پر گزشتہ سورت کے آخری رکوع کو ﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الانعام:۱۶۵) پر ختم فرمایا۔ اب اس سورت کے آغاز میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور گزشتہ اُمتوں کے منکرین حق اور مکذبین حق کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین قرآن اس سے عبرت پکڑیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ سورۃ بقرہ کے شروع ہی میں اس قسم کے حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کے اقوال بسط اور تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں۔ ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں اس کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں یہ تمام حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسرار اور رموز ہیں جن کا علم اللہ ہی کو ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ اس سورت کا نام ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

شانِ نزول:

آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو کافروں کا بہت زور تھا اور مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے۔ احکام الٰہی کا نزول زور وشور سے ہو رہا تھا۔ توحید اور رسالت اور قیامت کے مسائل کو دلائلِ قاہرہ سے بیان کیا جاتا تھا جس سے مشرکین کی دشمنی اور عداوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اس سے آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر گرانی پیش آتی تھی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ﴿الٓمّٓصٓ﴾ یہ قرآن مجید ایک مبارک کتاب ہے جو من جانب اللہ آپ ﷺ کی طرف اتاری گئی ہے۔ پس جان لیجیے کہ اللہ کی توجہات اور عنایات آپ ﷺ کے ساتھ ہیں کہ آپ ﷺ پر ایسی مبارک کتاب نازل فرمائی۔ پس چاہیے کہ آپ ﷺ کے سینے میں اس سے یعنی اس کی تبلیغ سے کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو یعنی لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کی تبلیغ ودعوت میں تنگ دل نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کا محافظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان معاندین اور احمقوں کے طعن وتشنیع اور بیہودہ سوالات سے منقبض اور مکدر ہو کر قرآن کریم کی تبلیغ میں تنگ دل نہ ہوں بلکہ پورے شرح صدر اور طمانیت اور قوت اور جرأت کے ساتھ فریضۂ تبلیغ وانذار میں ہمہ تن مشغول ہو جایئے اور یہ یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتیں آپ ﷺ کے ساتھ ہیں اور اللہ آپ ﷺ کا محافظ اور نگہبان ہے۔ قوم کی تکلیف اور عداوت

سے گھبرا کر تبلیغ اور دعوت حق میں کوئی کمی نہ کیجیے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَآىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ ﴾ (ھود:۱۲)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ (الاحقاف:۳۵)

یعنی جیسا کہ رسل اولوالعزم نے صبر اور تحمل سے کام لیا۔ آپ ﷺ بھی اسی طرح صبر اور تحمل سے کام لیں اور ان مغرورین اور متکبرین کی پرواہ نہ کریں جو اپنے مال وجاہ پر مغرور ہیں بہت سی بستیوں کو ہم نے یکا یک ہلاک کر دیا کہ رات کو سوتے وقت یا دوپہر میں قیلولہ کے وقت ان متکبرین کو عذابِ الٰہی نے آ پکڑا بجز اس کے کہ اپنے جرم اور خطا کا اقرار کریں کچھ نہ بن پڑا۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کتاب کی تبلیغ سے تنگ دل نہ ہوں یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور تا کہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ایک نصیحت ہو۔ پس آپ تنگ دل نہ ہوں اور لوگوں سے یہ کہیے کہ اے لوگو! جو کتاب نصیحت وہدایت تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی اس پر چلو اور اللہ کے سوا اور دوستوں کی راہ پر نہ چلو جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیاطین الانس والجن مگر باوجود اس مشفقانہ نصیحت کے تم لوگ بہت کم دھیان کرتے ہو نبی جو تمہارا خیر خواہ ہے اس کی طرف کان نہیں لگاتے اور جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں ہلاک اور برباد کرنا چاہتے ہیں ان کی سنتے ہو۔ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے انبیاء کرام کی نصیحتوں سے اعراض کیا اور اپنے دوستوں کا اتباع کیا ہم نے ان کو یکا یک ہلاک کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا رات کو سوتے وقت یا دوپہر کے وقت جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ اس سے مقصود مشرکین کو ڈرانا ہے کہ دنیاوی امن وراحت وعیش وعشرت پر مغرور نہ ہوں ہم نے تم سے پہلے بہت سی بستیوں پر راحت وآرام کے وقت میں عذاب نازل کیا اور غفلت اور بے خبری میں ان کو ہمارے عذاب نے آ پکڑا اگر تم کفر وشرک سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حشر ہونا ہے سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کا قول بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔ انبیاء ورسل علیہم السلام کی مخالفت کر کے ہم نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی نے آ پکڑا تب اپنے جرم کا اقرار کیا مگر اس وقت کے اقرار سے کیا ہوتا تھا۔ وقت گزر چکا تھا جب وقت تھا تو دشمنوں کو دوست سمجھتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کو اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ یہ ناگہانی عذاب تو دنیا میں آیا پھر اس عذاب کے بعد اخروی عذاب کا وقت آئے گا یعنی قیامت آئے گی۔ اس وقت ہم ان امتوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے کہ تم نے پیغمبروں کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں اور ہماری نازل کردہ ہدایت اور نصیحت کو مانا یا نہیں۔ كما قال الله تعالىٰ:﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (القصص) اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے کہ تم نے اپنی اُمتوں کو ہمارا پیغام پہنچایا تھا یا نہیں اور تمہاری اُمتوں نے تمہارا کہنا مانا تھا یا نہیں؟ كما قال الله تعالىٰ:﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ﴾ (المائدہ:۱۰۹) اور ان دونوں سوالوں سے مقصود کافروں کی توبیخ اور سرزنش ہوگی تا کہ اس کے بعد کافر خود اپنے منہ سے جرم کا اقرار کر کے ذلیل وخوار ہوں اور ان پر انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت وشان ظاہر ہو اور انبیاء علیہم السلام کے جواب کے بعد ان پر اللہ کی حجت پوری ہو ورنہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور پھر ہم اپنے علم سے ان پر اُن کے تمام اعمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم ان سے غائب نہ تھے۔ ہم سے ان کا کوئی قول وفعل مخفی نہیں تھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے اعمال کا علم تفصیلی نہیں اور انبیاء کرام ہر وقت ان کے ساتھ نہ تھے۔

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴) تو خدا تعالیٰ ہی کی شان ہے ہم تفصیل کے ساتھ ان کے تمام اعمال واحوال کو ان کے روبرو کردیں گے۔ اور پھر ان دونوں سوالوں کے بعد اتمام حجت کے لیے اس دن اعمال ظاہرہ اور باطنہ کا وزن حق ہے قیامت کے دن اول سوال وجواب ہوگا پھر حساب وکتاب ہوگا اس کے بعد تمام اعمال ظاہرہ وباطنہ کا وزن ہوگا تاکہ وزن سے ہر ایک کی حالت سب پر ظاہر اور عیاں ہوجائے اور اس امر کا مشاہدہ ہوجائے کہ حساب وکتاب کے بعد جو ثواب اور عقاب کا حکم دیا گیا ہے وہ عین حق اور عین صواب ہے پھر وزن کے بعد جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے سو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا جس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے۔ آیتوں کا حق اور انصاف یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کو قبول کرتے مگر ان لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کرکے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت ہے اور اگر سیات غالب ہوئے تو دوزخ ہے اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اس کے لیے سردست اعراف تجویز ہوگی۔ بعد میں سزا سے قبل یا بعد شفاعت سے مغفرت ہوجائے گی یا خدا تعالیٰ کی رحمت سے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

لطائف ومعارف

① وزن اعمال کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن ہوگا قیامت کے دن جو چیز ترازو میں رکھی جائے گی وہ اعمال ہوں گے۔ اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور غیر قائم بالذات ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اجساد بنادے گا۔ یعنی قیامت کے دن اعمال کو قابل وزن جواہر بنادیا جائے گا۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور آلِ عمران دو بادل یا دو چھتری یا دو پرندوں کے پر کی طرح آئیں گی اور حدیث میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان سامنے آئے گا تو مؤمن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں اور کافر اور منافق کے حق میں اس کے برعکس ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے:

((کلمتان خفیفتان علی اللّسان ثقیلتان فی المیزان حبیتان الی الرّحمٰن سُبحان اللہ وَبحمدہٖ سُبحان اللہِ الْعَظِیْمِ)).

"یعنی دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور ترازو میں بھاری ہیں اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں وہ دو کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔" اس حدیث سے بھی نفس اعمال کا میزان میں تولا جانا ظاہر ہے۔

دوسرا قول: اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو نہیں تولے جائیں گے بلکہ اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن میں فرشتوں نے بندہ کے اچھے اور بُرے اعمال لکھے ہیں وہ تولے جائیں گے۔ جیسا کہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جس کے ۹۹ سجل یعنی ننانوے طومار نامۂ اعمال میزان کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور ہر سجل (طومار) مدبصر تک ہوگا۔ اس کے بعد اسی شخص کا ایک بطاقہ یعنی ایک پرچہ کاغذ لایا جائے گا جس میں ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ لکھا ہوگا۔ وہ شخص یہ کہے گا کہ اے پروردگار! ان سجلات کے سامنے اس بطاقہ کی کیا ہستی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا۔ پھر اس بطاقہ کو

ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھ کر سب اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ((فطاشت السجلات و ثقلت البطاقة)). "یعنی اُس وقت گناہوں کے وہ تمام طومار ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائے گا۔" یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں صرف ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا تا کہ لوگوں پر کلمۂ توحید کا وزن اور ثقل ظاہر ہو جائے کہ یہ کلمہ کس قدر وزنی ہے کہ توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ مقصود نمونہ دکھلانا ہوگا۔ لہٰذا نمونے کے لیے ایک ہی شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول: اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا شخص لایا جائے گا اور اس کو تولا جائے گا تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ نکلے گا۔ بظاہر یہاں بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کافروں کے ساتھ نہ کیا جائے گا بلکہ صرف ایک کافر کے ساتھ کیا جائے گا تا کہ اہل محشر پر کافر کی خفت اور بے حقیقت و بے وقعت ہونا سب کو آنکھوں سے نظر آ جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان اخبار و آثار میں توفیق اور تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ سب اُمور حق اور درست ہیں کبھی نفس اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صحائفِ اعمال یعنی نامہائے اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صاحب اعمال کا وزن ہوگا۔

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ارجح پہلا قول ہے کہ نفس اعمال کو تولا جائے گا اور سلف صالح اکثر اسی کے قائل ہیں اور اعمال اگرچہ بظاہر اس وقت اعراض معلوم ہوتے ہیں جو بظاہر ایسی چیز نہیں جو تولی جائے لیکن یہی اعمال جو اس دنیا میں اعراض ہیں قیامت کے دن ان کو اعیان اور اجسام کی صورت میں مجسم بنا دیا جائے گا اور خود نفس اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا جس نے عمل کو اخلاص کے ساتھ اور بروقت اور برمحل کیا ہوگا اس کا عمل ثقیل اور وزنی ہوگا اور جس نے ریاکاری سے یا خلاف شرع کام کیا ہوگا وہ ہلکا ہو جائے گا اور عقلاً یہ جائز ہے کہ ایک ہی شے ایک محل اور موطن میں جوہر ہو اور دوسرے موطن میں وہی عرض ہو ہر محل اور موطن کے احکام علیحدہ اور جدا ہیں آگ وجود خارجی میں محرق جلانے والی چیز ہے اور وجود ذہنی میں آگ کی صورت ذہنیہ جلانے والی چیز نہیں۔

② احادیثِ صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لا کر رکھی جائے گی جس میں کَفَّتَیْن (دو پلے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اس کو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلّوں کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہماری حیطۂ عقل اور دائرۂ ادراک سے باہر ہیں اور نہ ہم اس کے جاننے کے مکلّف ہیں۔ عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کی نوعیت اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے میزان کو اس حسی اور عرفی ترازو میں منحصر سمجھ لینا صحیح نہیں اسی دنیا میں دیکھ لو کہ ترازو کی کتنی قسمیں ہیں ایک میزان وہ ہے جس سے سونا اور چاندی تولتے ہیں ایک میزان وہ ہے جس سے غلّہ یا سوختہ یا کوئلہ تلتا ہے۔ ایک میزان وہ ہے جو ریلوے اسٹیشن پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تُلتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مقیاس الہواء اور مقیاس الحرارت ہے جس سے حرارت اور برودت کا درجہ معلوم ہوتا ہے اور ایک تھرمامیٹر ہے جس سے اندرونی حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ کا بخار ہے۔ ایک میزان شعر ہے جس سے شعر کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ پس جب دنیا میں مختلف قسم کی میزانیں موجود ہیں جن سے اَعیان اور اعراض کے اوزان اور درجات کا تفاوت معلوم ہو جاتا ہے تو اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ایسی حسّی اور مقداری میزان قائم

کردے جس سے بندوں کے اعمال کے اَوزان اور درجات اور مراتب کا تفاوت اور فرق صورۃً اور حسّاً ظاہر ہوجائے۔ ﴿وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝﴾ (ابراہیم:۲۰)

بعض خام عقل لوگوں نے جیسے معتزلہ نے ایسی میزان کو بعید از عقل وقیاس سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ وزن سے حسّی ترازو میں تولنا مراد نہیں بلکہ وزن سے عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے یعنی اُس دن نہایت سچے تُلے فیصلے ہوں گے اور اس دن اعمال کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ حقیقتاً اس دن کوئی ترازو نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی اس تاویل کے ثبوت میں سوائے اپنی عقلی استبعاد کے نہ کوئی عقلی دلیل پیش کرسکے اور نہ نقلی۔ صحابہ وتابعین سے بڑھ کر دنیا میں کون عقلمند ہوسکتا ہے جب انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کرلیں۔

③ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ترازو ایک ہوگی یا متعدد ہوں گی۔ صحیح قول یہ ہے کہ ترازو ایک ہوگی اور قرآن کریم میں جو بعض جگہ صیغۂ جمع آیا ہے وہ باعتبار کثرت اعمال کے ہے یا باعتبار کثرۃِ اصحاب اعمال کے ہے اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ موازین جمع میزان کی نہیں بلکہ جمع موزون کی ہے اور مراد اعمالِ موزونہ ہیں۔

④ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے ﴿وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (لقمان:۵) سے متقین کا ذکر فرمایا اور ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ (ھود:۲۱) میں کافروں کا ذکر فرمایا لیکن گنہگار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے جس پر چاہے رحمت فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ (النساء:۱۱۶)

⑤ جس کے حسنات اور سیّات برابر ہوں گے آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ یہ لوگ اصحابِ اعراف ہوں گے ان کا مآل جنت ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ آیت اعراف کے بیان میں آئے گا۔

وَ لَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور بنادیں اس میں تم کو روزیاں تم تھوڑا
ع ۱۰/۸ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَ لَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ
شکر کرتے ہو اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورت دی پھر کہا فرشتوں کو
اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖۗ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱
سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کیا مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں
قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ
کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا جب میں نے فرمایا بولا میں اس سے بہتر ہوں مجھ کو تُو نے بنایا

مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ

آگ سے اور اس کو بنایا خاک سے کہا تو اتر یہاں سے تجھ کو یہ نہ

لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ

ملے گا کہ تکبّر کرے یہاں سو نکل تو ذلیل ہے بولا مجھ کو فرصت دے

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ

جس دن تک لوگ جی اٹھیں کہا تجھ کو فرصت ہے۔ بولا کہ تو جیسا تو نے

اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

مجھے بد راہ کیا ہے میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر ان پر آؤں گا

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ

آگے سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور بائیں سے

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا

اور نہ پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گزار کہا نکل یہاں سے مردود

مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

کھدیڑا جو کوئی ان میں تیری راہ چلا میں بھر دوں گا دوزخ تم سب سے اکٹھے۔

ذکر قصّۂ سیّدنا آدم علیہ السلام برائے تذکیر نِعَم وتذکیر نقم وترغیب براطاعت وانابت وتنبیہ برانجام سرکشی ومعصیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ ... اِلٰى ... لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ ودعوت کا اور لوگوں کو آپ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی کرنے پر دنیوی اور اُخروی عذاب سے آگاہ کیا۔ اب ان آیات میں اپنے انعامات واحسانات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان احسانات کا خیال کر کے اللہ کی

اطاعت اوراس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں اور منعم حقیقی کے مقابلہ میں ابلیس کی طرح تمرد اور سرکشی نہ کریں۔اس لیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا قصّہ ذکر فرمایا تا کہ اس سے اُس علیم وقدیر کی کمالِ قدرت اور کمالِ حکمت کا علم ہو۔اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت معلوم ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام خداوند احکم الحاکمین کے سفراء اور خلفاء اور نائبین ہیں جس شخص نے ان کی اتباع کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ تباہ اور برباد ہوا۔بغیر انبیاء ورسل علیہم السلام کے اتباع کے بندہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا وہ بڑے بڑے انعامات جن کا خاص طور پر ان آیات میں حق تعالیٰ نے اظہار فرمایا وہ یہ ہیں:

① ہم نے تمہیں زمین پر قابض بنایا کہ جس طرح چاہو اس میں تصرّف کرو۔

② تمہاری زندگی کی چیزیں زمین میں پیدا کیں کہ ان سے ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت نفع حاصل کرو۔

③ تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو یہ شرافت عطاء کی کہ زمین میں ان کو اپنا خلیفہ بنایا اور تمام فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔

④ شیطان کو صرف اس وجہ سے کہ اس نے خدا کے خلیفہ اور اس کے برگزیدہ رسول کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔جنت سے نکال دیا۔ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے اس سے ہشیار رہنا باپ کے طریقہ پر چلنا اور دشمن کے وسوسوں کی طرف التفات نہ کرنا۔

⑤ پھر اخیر میں آخرت یاد دلائی کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اس کی نعمتوں اور عشرتوں میں مست ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جانا۔﴿وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ... قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ غرض یہ کہ اس طرح حق تعالیٰ نے مبداء اور منتہیٰ دونوں کو بتلا دیا اور اس کو علم مبداء ومعاد کہتے ہیں۔

اب ہم ان آیات کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اے لوگو! تم کیسے ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کا اتباع نہ کرو گے جس سے تمہاری میزان اعمال کا پلہ بھاری ہو جائے اس لیے کہ تحقیق ہم نے تم کو زمین میں تمکنت اور قدرت عطاء کی کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور تمہارے لیے اس میں قسم قسم کے اسباب معیشت پیدا کیے تا کہ تم ان بے مثال نعمتوں کا شکر کرو اور ان دنیوی نعمتوں کو سعادت ابدیہ کا ذریعہ بناؤ۔مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو اور اس سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو صورت دی۔ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ایک خاص صورت اور خاص صفت عطاء کی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔سب نے آدمؑ کا رتبہ پہچان لیا مگر ابلیس نے تکبر کیا۔خدا تعالیٰ نے فرمایا: کہ اے ابلیس! تجھے کیا چیز مانع آئی کہ جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ نہیں کیا اس نے کہا کہ وہ مانع یہ ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی میں اس کو کس طرح سجدہ کروں میں تو اس سے بہتر اور افضل ہوں کیونکہ اس کی پیدائش مٹی سے ہے اور میری آگ سے ہے اور آگ مٹی سے بہتر ہے کیونکہ آگ ایک جوہر علوی چمک دار اور خفیف ہے اور مٹی ایک جوہر سفلی تاریک اور ثقیل اور کثیف ہے۔ابلیس لعین نے مٹی کی ظاہری صورت پر تو نظر کی اور یہ خیال نہ کیا کہ آدم علیہ السلام کا خمیر پانی اور مٹی سے تیار ہوا ہے اور عنصر آبی (پانی) اس قدر قوی ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کو یک لخت بجھا ڈالتا ہے اور پانی تمام مخلوقات کا سرچشمۂ حیات ہے۔﴿وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ رہی مٹی سو اس میں سکون اور وقار ہے اور پستی ہے۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام نے تواضع کی راہ اختیار کی اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے آگ کی طرح علو اور تکبر کی راہ اختیار کی۔ انسان کی اصل فطرت چونکہ ترابی اور خاکی ہے اس لیے انسان میں اصل تواضع ہے اور تکبر عارض کی وجہ سے ہے اور جنات کی اصل آگ

ہے اس لیے شیاطین اور جنات میں تکبر اصل ہے اور تواضع عارض کی بناء پر ہے علاوہ ازیں مٹی میں صبر اور تحمل اور حیا اور وقار ہے اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ قسم قسم کی غذائیں اور پھول اور پھل سب زمین ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ سب کو پالتی ہے بخلاف آگ کے کہ وہ ایک مہلک چیز ہے ابلیس اگر مٹی کی ان باطنی صفات پر غور کرتا تو اس پر منکشف ہو جاتا کہ مٹی آگ سے بہتر ہے۔ ابلیس نے آگ کی چند ظاہری صفات کو دیکھ کر دھوکہ کھایا اور یہ خیال نہ کیا کہ آگ میں اگر کچھ نور ہے تو اس کے ساتھ دھوئیں کی ظلمت اور کدورت بھی ملی ہوئی ہے اور یہ نہ سمجھا کہ وہ معیار افضلیت نہیں۔ بلکہ معیار افضلیت اطاعت حکم خداوندی ہے۔ عناصر سب خدا کی نظر میں برابر ہیں۔ ابلیس لعین کا یہ دعویٰ کہ فلاں عنصر فلاں عنصر سے بہتر ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

نیز اگر شیطان میں یہی فضیلت تھی کہ خدا تعالیٰ نے اس کو آگ سے پیدا کیا تو آدم علیہ السلام میں یہ فضیلت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ہر چیز کا اس کو علم دیا اور مسجود ملائک بنایا۔ عدو اللہ نے ان فضیلتوں پر تو نظر نہ کی۔ صرف یہ دیکھ لیا کہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ باقی تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نظر صرف عنصر ظاہری پر ہے اور آدم علیہ السلام کے جسم خاکی میں جو روح میں نے پھونکی ہے اس پر تیری نظر نہیں وہ خالص نورانی ہے تو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور تکبّر میں مبتلا ہے۔ پس تو آسمان سے نیچے اتر۔ بڑائی کی سزا پستی ہے۔ پس تیرے لیے یہ لائق نہیں کہ تو آسمان میں تکبّر کرے اور اپنی عنصریت ناریہ پر غرور کرے۔ جنت متکبرین پر حرام ہے اس مقام عالی میں بندگی اور سرافگندی کے ساتھ قیام ممکن ہے تکبر کے ساتھ یہاں قیام ناممکن ہے پس تو یہاں سے نکل جا۔ تحقیق تو ذلیلوں میں سے ہے تکبر کی سزا ذلّت اور خواری ہے تجھ میں عنصر ناریہ تو ہے مگر روحانیت کے کمال اور جمال سے تو عاری ہے۔

اس وقت ابلیس نے کہا خدایا! مجھے اس دن تک مہلت دے دیجیے کہ جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ تک مجھ کو مہلت دے دی جائے ابلیس کا اس سوال سے مقصد یہ تھا کہ موت کا ذائقہ نہ چکھے اس لیے کہ یوم بعثت کے بعد موت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ابلیس کی یہ درخواست تو منظور نہیں کی مگر نفخۂ اولیٰ تک اس کو مہلت دی جیسا کہ سورۂ حجر میں ہے۔ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۙ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾﴾ (الحجر) اور وقتِ معلوم سے نفخۂ اولیٰ کا وقت مراد ہے جس وقت تمام زندہ لوگ مر جائیں گے غرض یہ کہ جب ابلیس نے یہ درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جن کو وقت معلوم تک مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۙ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾﴾ (الحجر)

وہ ملعون تو موت کی تکلیف سے بچنے کی خاطر نفخۂ ثانیہ تک مہلت چاہتا تھا کیونکہ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد موت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو وقت معلوم یعنی نفخۂ اولیٰ تک مہلت دی جیسا کہ سورۂ حجر اور سورۂ صٓ میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وقت معلوم یعنی نفخۂ اولیٰ تک مہلت دی جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے وقت معلوم کی تفسیر پہلے صور سے فرمائی ہے کہ جس وقت ساری مخلوق مر جائے گی۔ اور سب فنا ہو جائیں گے تو اس وقت اس کو بھی موت آئے گی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وقت معلوم سے وہ خاص وقت مراد ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے ابلیس کو اس وقت کا علم نہیں ابلیس نے مردوں کے جی اٹھنے تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تا کہ اس بہانہ موت سے محفوظ ہو جائے اس لیے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کسی کی موت نہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کی یہ درخواست منظور نہیں کی بلکہ اس کو ایک وقت معلوم یعنی ایک خاص وقت تک اس کو زندہ رہنے کی مہلت دی جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حسب قاعدہ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾﴾ (الرحمٰن) ابلیس کو

اس وقت معلوم پر موت آئے گی اور پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۷ جلد ۱۰ سورۂ حجر)

نکتہ: ابلیس کی اس درخواست پر ﴿رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ﴾ کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ "انی انظر" تحقیق میں نے تجھے مہلت دے دی بلکہ یہ فرمایا ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ (الحجر:۳۷) تحقیق تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کو علم الٰہی اور تقدیر خداوندی میں وقت معلوم تک مہلت دی جا چکی ہے مطلب یہ ہے کہ تیری اس درخواست سے پہلے ہی ہمارے کارخانۂ قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے تو ہماری بارگاہ میں یہ درخواست کرے یا نہ کرے تیری درخواست سے پہلے ہی ہماری قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے جس کا تجھے علم ہی نہیں۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ جواب ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ﴾ (الحجر:۳۷) کسی درجہ میں بھی ابلیس کی درخواست کی منظوری نہیں بلکہ اپنی سابق قضاء وقدر کا اظہار اور اس کی خبر ہے۔

جذبۂ انتقام

شیطان کو صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت سے نکالا گیا۔ اس لیے شیطان نے جوش عداوت میں یہ چاہا کہ اولادِ آدم علیہ السلام سے اس کا انتقام لے تو ابلیس نے یہ کہا: کہ اے پروردگار! جب آپ نے مجھے وقت معلوم تک مہلت دے دی۔ پس قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا اور آدم علیہ السلام کی وجہ سے مجھ کو جنت سے ذلیل اور خوار کر کے نکالا تو میں اولادِ آدم کی رہزنی کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں جا کر بیٹھ جاؤں گا۔ یعنی ان کی وجہ سے میں تو گمراہ ہوا ہی ہوں اب ان کی بھی راہ ماروں گا اور سر توڑ اس کی کوشش کروں گا کہ اولادِ آدم کسی طرح جنت تک نہ پہنچ سکے اور جنت کے سیدھے راستہ سے منحرف ہو کر دوزخ کی راہ اختیار کریں۔ پھر البتہ میں ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا یعنی ہر چہار طرف سے ان کو گھیر لوں گا آخرت کی طرف سے ان کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالوں گا۔ دُنیا کی محبت میں ان کو پھنساؤں گا اور آخرت سے ان کو متنفر اور بیزار کروں گا۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کو بہکاؤں گا۔ ابلیس نے ان چار جانبوں کا ذکر کیا۔ اس لیے کہ دشمن کے آنے کی یہی چار راہ ہیں اور ﴿مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ یعنی اوپر کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اوپر کی جانب سے اللہ کی رحمت اُترتی ہے خدا کی رحمت اور بندہ کے درمیان شیطان حائل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے شیطان اوپر کی جانب سے نہیں آتا اور نیچے کی طرف سے آنے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ تکبّر کی وجہ سے نیچے کی جانب سے آنا اس کو پسند نہیں۔ پس شیطان اُوپر اور نیچے کی طرف سے بندہ کے پاس نہیں آتا صرف انہیں چار جانبوں سے آتا ہے جن کا ذکر آیت میں ہے اور اس کے بعد شیطان نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس جدوجہد میں بہت کچھ کامیاب بھی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار اور اطاعت شعار نہ پائیں گے۔ ابلیس کا یہ قول بطور ظن اور قیاس اور گمان تھا لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ﴾ (السباء:۲۰) "یعنی ابلیس نے اپنے گمان کو کچھ ٹھیک پایا۔"

خدا تعالیٰ نے فرمایا: میں بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز ہوں اے گستاخ! تُو آسمان سے مذموم اور راندہ ہو کر نکل جا اور جس کو چاہے بہکا مجھے کوئی پرواہ نہیں خوب سمجھ لے جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں بھی تابع اور متبوع سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ جہاں ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہیں گے اس حالت کو تو اگر کامیابی سمجھتا ہے تو سمجھا کر۔

لطائف ومعارف

① شیطان کے اس قول ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی ہدایت اور غوایت کا خالق حق تعالیٰ ہی کو سمجھتا تھا اس لیے ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ کہا مگر معتزلی یہ کہتا ہے کہ غوایت اور ہدایت کا خالق خود بندہ ہے گویا کہ معتزلی شیطان کو مشورہ دیتا ہے کہ تو ﴿فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ مت کہہ تو تو خود ہی اپنی غوایت کا خالق ہے خدا تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کرتا ہے۔

② ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے کہ شیطان ہر طرف سے آتا ہے اور بہکاتا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ﴿مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ﴾ سے دُنیا کی طرف سے آنا مراد ہے اور ﴿مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ سے آخرت کی طرف سے آنا۔ ﴿وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ﴾ سے نیکیوں کی طرف سے آنا۔ اور ﴿عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ﴾ سے برائیوں کی طرف سے آنا مراد ہے یعنی آخرت کے بارے میں ان کو شک میں ڈال دوں گا اور دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور برائیوں اور گناہوں کی لذت ان کو بتاؤں گا اور نیکیوں سے ان کو نفرت دلاؤں گا۔

③ ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ شیطان کا یہ قول فقط اپنے گمان اور غرور اور انانیت کی بناء پر تھا۔ اتفاق سے اس کا یہ گمان اور خیال واقع کے موافق نکلا۔ کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾ (السباء:۲۰)

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا

اور اے آدم! بس تو اور تیرا جوڑا جنّت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا

پاس جاؤ اس درخت کے پھر تم ہوگے گنہگار پھر بہکایا ان کو

الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

شیطان نے تا کھولے ان پر جو ڈھکے تھے ان سے ان کے عیب اور وہ بولا تم کو جو

نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ

منع کیا ہے رب تمہارے نے اس درخت سے مگر یہ کہ کبھی ہو جاؤ فرشتے یا

تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

ہو جاؤ ہمیشہ جینے والے اور ان کے پاس قسم کھائی کہ میں تمہارا دوست ہوں

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ

پھر ڈھلایا (مائل کیا) ان کو فریب سے پھر جب چکھا دونوں نے درخت کھل گئے ان پر عیب ان کے اور

طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَ نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ

لگے جوڑنے اپنے اوپر پات بہشت کے اور پکارا ان کو ان کے ربّ نے

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا

میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے؟ اور کہا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتة وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ

دشمن صاف ہے بولے اے ربّ ہمارے ہم نے خراب کیا اپنی جان کو اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور

تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو جاویں نامراد کہا تم اترو ایک دوسرے کے

عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا

دشمن ہوئے اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے ایک وقت تک کہا اسی میں

تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ ۱۵ ۹

تم جیوگے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

تمہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ ... اِلٰى ... وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾﴾

اور ہم نے آدم علیہ السلام کو کہا کہ اے آدم علیہ السلام! تم اور تمہاری بیوی حوّا علیہا السلام فی الحال جنّت میں سکونت اور قیام کرو یعنی سردست جنت ہی میں رہو پھر اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ پیو لیکن اس خاص درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ ظلم کے اصل معنی لغت میں نقصان اور کمی کے آتے ہیں: كما قال الله تعالىٰ: ﴿وَ لَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ (الکہف: ۳۳) اس لیے ہم نے ظالم کا ترجمہ گنہگار سے نہیں کیا بلکہ نقصان اٹھانے والے سے کیا اور یہی زیادہ مناسب ہے ابلیس چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ملعون اور مطرود ہو چکا تھا۔ اس لیے اس کے دل میں حسد اور انتقام کی آگ سلگ رہی تھی حضرت آدم علیہ السلام کی یہ نعمت اور

کرامت دیکھ کر حسد اور انتقام کی آگ اور بھڑک گئی۔ اس لیے از راہ عداوت اس فکر میں پڑا کہ کسی طرح مکر وفریب سے ان کو اس عیش و عشرت اور اعلیٰ مقام سے علیحدہ کرایا جائے۔

① ادھر کچھ قرائن سے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ محسوس ہوا کہ مجھے ایک دن یہ مقام کریم چھوڑ کر دنیا میں جانا ہوگا کیونکہ زمین کی مٹی میری فطرت میں داخل ہے اور اسی سے میرا خمیر تیار ہوا ہے۔ بتقاضائے فطرت ان کو یہ اندیشہ تھا کہ میرا خمیر مجھ کو زمین کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے۔ اس لیے کہ اصل اپنی فرع کے لیے جاذب ہوتی ہے اس بناء پر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا کسی وقت بتقاضائے فطرت مجھ کو زمین کی طرف کھینچنا پڑے۔

② علاوہ ازیں تمام فرشتوں میں میری خلافت ارضی کا اعلان ہو چکا ہے اور اسی کے لیے مجھ کو پیدا کیا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (البقرہ:۳۰)۔ لہٰذا ایک نہ ایک دن مجھ کو منصب خلافت کی ادائیگی کے لیے زمین پر اترنا پڑے گا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خلود جنت کی طرف سے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

③ نیز اس اعلان خلافت کے بعد حق تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دینا ﴿اُسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرہ:۳۵) اس طرف مشیر ہے کہ یہ حکم چند روزہ سکونت کا ہے دائمی قیام کا حکم نہیں کیونکہ ﴿اُسْكُنْ﴾ فرمایا ہے ﴿اَقِمْ﴾ نہیں فرمایا اس حکم کو سُن کر حضرت آدم علیہ السلام نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا مگر دل میں ڈر گئے اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام خداوند ذوالجلال کے عاشق صادق تھے جنت کے قیام کو اس لیے مغتنم سمجھتے تھے کہ بہشت کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر عاشق صادق کی نظر میں کوئی چیز محبوب اور مطلوب نہیں ابلیس نے یہ خیال کیا کہ عاشق صادق کو قرب کی طمع اور لالچ دے کر چکمہ دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے حضرت آدم اور حوّاء علیہما السلام کو ملکیت اور خلود فی الجنۃ کا ایک حیلہ بتایا اور قسم کھا کر یہ باور کرایا کہ یہ حیلہ زیادتی قرب یا دوام قرب کا ذریعہ ہے تا کہ آدم اور حوّا علیہما السلام سنتے ہی اس کی طرف مائل ہو جائیں کیونکہ زیادتی قرب یا دوامِ قرب عاشق کی عین تمنا اور آرزو ہے۔ عاشق صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے ؎

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست　　بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

"یعنی تیری جدائی سے زیادہ تلخ کوئی چیز نہیں اور بغیر تیری پناہ کے سوائے اُلجھن اور حیرانی کے کچھ نہیں۔"

پس شیطان نے اس راہ سے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ اس درخت سے کھانے سے وہ قابل شرم چیز جو ان کی مستور تھی وہ ان کے سامنے ظاہر کر دے یعنی ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں کیونکہ اس درخت کی خاصیت ہی یہ تھی کہ اس کے کھانے کے بعد جنت کا لباس بدن سے اُتر جائے اور وہ وسوسہ جس کے ذریعے ابلیس نے حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام کو دھوکہ دیا وہ یہ تھا کہ آدم اور حوّا علیہما السلام سے یہ کہا کہ نہیں منع کیا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت کے کھانے سے مگر اس خطرہ سے کہ تم دونوں اس کو کھا کر مبادا فرشتے نہ ہو جاؤ کہ فرشتوں کی طرح کھانے اور پینے سے مستغنی ہو جاؤ اور فرشتوں کی طرح تسبیح و تقدیس تمہاری غذا بن جائے اور فرشتوں کی طرح اطاعت خداوندی تمہاری طبیعت اور مزاج بن جائے اور معصیت کا احتمال بھی باقی نہ رہے یا اگر فرشتے نہ بنو تو ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ کہ موت کا خطرہ باقی نہ رہے کیونکہ اس کے کھانے میں یہ دونوں خاصیتیں ہیں شیطان کا مطلب یہ تھا کہ اے آدم علیہ السلام تم کو جو خلود فی الجنت کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس کے ازالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ اس دانۂ گندم کو کھا لیجیے تو آپ کو بہشت کا مدامی

قیام حاصل ہو سکے گا۔ آپ کے خلود اور بقاء میں صرف یہ مانع ہے آپ اس کو اٹھا دیجیے آپ کا مقصود جو قرب دائمی ہے وہ آپ کو میسّر آجائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: ﴿یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طٰہٰ:۱۲۰) اور ابتداء میں جو آپ کو ممانعت کی گئی تھی سو غالباً اس وقت ملکیت اور حیات ابدیہ آپ کے مناسب حال نہ تھی اور اب آپ ترقی کر گئے ہیں جس سے آپ میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے جو آپ کے حال کے مناسب ہے اس لیے اب اس درخت کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کے بعد شیطان دونوں کے روبرو قسم کھا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں یعنی اگرچہ میں تمہارا دشمن ہوں مگر خدا کی قسم یہ بات تو تمہاری خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں اور محض بطور خیر خواہی خلود اور بقاء کا یہ طریقہ تم کو بتلا رہا ہوں چونکہ میں تم سے پہلے اس جگہ رہا ہوں اس لیے میں یہاں کے احوال اور اطوار سے بخوبی واقف ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ یہاں کا علم رکھتا ہوں اس لیے بطور خیر خواہی تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں حق جل شانہٗ کی عظمت اس درجہ راسخ تھی کہ ان کو یہ شبہ بھی نہ گزرا کہ کوئی خدا کے نام سے جھوٹی قسم کھانے کی جرأت بھی کر سکتا ہے اور حکم شرعی بھی یہی ہے کہ جب کوئی خدا کی قسم کھائے تو اس کی بات مان لینی چاہیے۔ اس لیے حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام اس کے دھوکے اور فریب میں آ گئے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا کمال اور جمال بھی ظاہر ہوا کہ خداوند ذوالجلال کے کس درجہ شیدائی اور فدائی تھے کہ اس کا نام سُن کر پگھل گئے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے قَدْ يُخْدَعُ الْمُؤْمِنُ بِاللّٰهِ "یعنی مومن اللہ کا نام سُن کر دشمن کے فریب میں آ جاتا ہے" عاشق سے جب محبوب کا نام لے کر کچھ کہا جاتا ہے تو اس وقت اس کے دل کا حال کچھ اور ہوتا ہے اس لیے آدم علیہ السلام اس کی جھوٹی قسموں کا اعتبار کر بیٹھے اور ان کو اس کی خیر خواہی کا یقین ہو گیا۔ اور اس سے پہلے ان کو کسی مکار اور فریبی سے واسطہ بھی نہ پڑا تھا جو جانتے کہ مکر اور فریب کیسا ہوتا ہے۔ پس اس طرح فریب سے ان دونوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دھوکہ سے بلندی سے اتار کر پستی کی طرف ڈال دیا۔ اور دانہ گندم کے کھانے کی طرف ان کو مائل کر دیا۔ پس جونہی انہوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو ان کا ستر کھل گیا۔ جو اس درخت کی خاصیت تھی وہ ظاہر ہوئی اور بہشتی لباس ان سے اُتر گیا اور وہ شرما گئے اور شرما کر اپنے اوپر بہشت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے تا کہ اپنے ستر کو چھپائیں۔ اور اس وقت ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تحقیق یہ شیطان ہر چیز میں تمہارا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا اگرچہ وہ قسمیں کھا کر خیر خواہی جتلائے پھر تم اس کے کہنے میں کیوں آ گئے؟ دونوں بولے اے پروردگار! ہم قصوروار ہیں اور تیری مغفرت اور رحمت کے اُمیدوار ہیں بیشک ہم نے ابلیس کے فریب میں آ کر اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اور اپنا ہی کام خراب کیا کہ ہمارا یہ جنتی لباس بدن سے اتر پڑا حکم عدولی سے تیرا کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اگر عزم اور حزم یعنی تامل اور احتیاط سے کام لیتے تو یہ نقصان نہ دیکھتے اور اگر آپ ہمارا یہ قصور معاف نہ کریں اور آئندہ کے لیے ہم پر اپنا لطف و کرم نہ فرمائیں تو بیشک ہم خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اگر آپ نے اپنی مغفرت اور رحمت سے ہم کو نواز دیا تو ہمارا یہ خسارہ مبدل بہ منفعت ہو جائے گا۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دوام قرب خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ بتلایا جو ان کی تمنا اور آرزو تھی اس لیے اس ذوق شوق کی حالت میں حق تعالیٰ کے حکم ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (البقرہ:۳۵) اور ﴿يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ (طٰہٰ:۱۱۷) سے ذہول اور نسیان ہوا اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب میں مسجود ملائکہ بن چکا ہوں تو اب ملک (فرشتہ) بننے کی کیا ضرورت رہی کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَنَسِيَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طٰہٰ:۱۱۵) مگر اس کو قربِ الٰہی

کا ذریعہ سمجھ کر کر گزرے اور ظاہر ہے کہ اگر بھول کر کوئی کام خلاف حکم سرزد ہو جائے تو اس کو لغزش اور خطاء اجتہادی کہتے ہیں یہ اگر معصیت ہے تو محض صورۃً معصیت ہے اور حقیقتاً معصیت وہ ہے جو دیدہ و دانستہ ہو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے تو وہ فوراً بارگاہِ خداوندی میں معافی کے خواستگار ہو جاتے ہیں اور اپنی لغزش کی کوئی تاویل نہیں کرتے تاویل بھی خلاف ادب ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے بعد توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ ہو گئے جس سے ان کا مرتبہ اور بلند ہو گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ معصیت کے بعد اجتباء کا ذکر اس توبہ اور استغفار کا ثمرہ ہے خوب سمجھ لو۔ اور شیطان نے دیدہ و دانستہ حکم عدولی کی اور اپنے زعم باطل کی توجیہات اور تاویلات شروع کر دیں جس سے اور زیادہ ذلیل اور خوار ہوا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنے علو مرتبت اور رفعت اور کمال معرفت کے سبب اپنی ادنیٰ لغزشوں پر بھی مواخذۂ خداوندی سے خائف اور ترساں رہتے ہیں جن پر دوسرے لوگوں سے مؤاخذہ نہیں ہوتا اور جو امور ان سے ازراہ سہو و نسیان سرزد ہو جاتے ہیں ان لغزشوں کو ان کے علوِّ مرتبہ کے لحاظ سے سیئات اور معاصی کے نام سے تعبیر کر دیا جاتا ہے ورنہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں کے گناہوں کی طرح گناہ نہیں ہوتے بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بمنزلہ نیکی ہوتے ہیں البتہ یہ لغزشیں اور بھول چوک حضرات انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کے لحاظ سے بمنزلہ ذنوب کے ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

ایں خطا از صد صواب اولیٰ تر است　　خون شہیداں راز آب اولیٰ تر است

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں ؎

گرچہ یک مُوئبُد گنہ کو جستہ بود　　لیک آں مُو در دو دیدہ رُستہ بود

(اگرچہ وہ گناہ جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ بال کے برابر تھا لیکن وہ بال آنکھوں میں ظاہر ہوا) انسان کے جسم پر کم و بیش بال ہوتے ہیں مگر اُن سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھوں کے اندر اگر کوئی بال آ جائے تو وہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

بود آدم دیدۂ نور قدیم　　موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

(اسی طرح سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات نور قدیم کے آنکھ کی طرح تھی اور آنکھ جیسی نازک چیز میں ایک بال بھی بمنزلہ ایک بھاری پہاڑ کے موجب ثقل ہوتا ہے)۔

گرداں حالت بکر دے مشورت　　در پشیمانی نہ گفتے معذرت

(ہاں اگر اُس حالت میں جبکہ شیطان ان کو اپنی تقدیر سراپا تزویر سے دھوکہ دے رہا تھا حق جل شانہٗ سے مشورہ کر لیتے کہ اے پروردگار! اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو آدم علیہ السلام کو ندامت اور پشیمانی سے معذرت یعنی توبہ اور استغفار کی نوبت ہی نہ آتی) کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام رسولِ مکلم تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ ان کو وحی ہوتی تھی وہ اس بارہ میں بھی بلاواسطہ حق تعالیٰ سے دریافت کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان کی شایانِ شان یہ تھا کہ جس طرح ان کو بلاواسطہ یہ نہی پہنچی تھی کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (البقرہ:۳۵) (اس درخت کے قریب نہ جانا) تو اسی طرح ان کے لیے یہ مناسب تھا کہ جب شیطان نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا تو وہ خود خداوند تعالیٰ سے بلاواسطہ دریافت کرتے کہ یہ ابلیس مجھے یہ مشورہ دیتا ہے۔ اس بارہ میں کیا حکم ہے اور کیا وہ سابق نہی مرتفع ہو گئی۔ پس حضرت آدم علیہ السلام

نے وہ چیز ترک کی جوان کی شان کے لیے اولیٰ اور انسب تھی کہ خدا تعالیٰ سے دریافت کرتے لیکن بھول گئے اور خدا تعالیٰ سے دریافت نہ کیا۔ پس اس ترک اولیٰ کی وجہ سے عتاب آیا اور یہ ترک اولیٰ بھی ان کی شان کے لحاظ سے ہے ورنہ ہمارے لحاظ سے ترک اولیٰ بھی نہیں کیونکہ اللہ کے نام کی قسم سے حجت پوری ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ میں نے تمہاری تقصیر کو معاف کیا اور تمہاری توبہ اور معذرت قبول ہوئی اور آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر میری رحمتیں اور برکتیں مبذول ہوں گی لیکن فی الحال یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم جنت سے زمین پر اترو تا کہ تمہاری پیدائش کا قصد جو خلافت فی الارض ہے اور جس پر تم نامزد ہو چکے ہو۔ وہ زمین پر اُترنے ہی سے پورا ہوگا اور باہمی عدل وانصاف جو خلافت کے لوازم میں سے ہے وہ جنت میں رہ کر پورا نہیں ہوسکتا۔ خلافت کے لیے باہمی دشمنی اور عداوت چاہیے اور یہ امر جنت میں ممکن نہیں باہمی عداوت کا محل زمین ہے۔ لہٰذا تم زمین کی طرف اترو وہاں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ اور اللہ کا خلیفہ تمہارے درمیان عدل وانصاف کرے گا۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک ممتد رہے گا تمہارا یہ ہبوط اگرچہ بظاہر لغزش اور خطاء کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ مشیت الٰہیہ کی تکمیل ہے مگر چونکہ اس منصب جلیل یعنی منصب خلافت کی سپردگی جنت سے نکلنے پر موقوف تھی اس لیے اس بھولے سے کھانے کو اس کا ایک ظاہری سبب اور بہانہ بنا دیا گیا صورۃً اور ظاہراً اگرچہ وہ کھانا نزول عتاب کا باعث بنا لیکن درحقیقت وہ ازدیاد مراتب اور عروج مدارج کا سبب بنا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حکم یہ ہوا کہ جنت سے زمین کی طرف اترو اور تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی اور تمہارے لیے ایک وقت معین تک یعنی مرنے تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور سامان دنیوی سے نفع اٹھانا ہے اور وہاں رہ کر جنت کی واپسی کی تیاری کرنا ہے اور یہ شیطان بھی زمین پر جا رہا ہے وہاں جا کر اس سے ہوشیار رہنا اور اس کے دھوکہ میں نہ آنا اور پھر چند روز کے بعد تم کو ہماری طرف آنا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تم اسی زمین میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے۔ اور پھر قیامت کے قریب اسی میں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔ اور حساب کتاب کے بعد تم میں سے جو شخص اپنے باپ آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلا ہوگا وہ جنت میں پہنچ جائے گا ورنہ سجین اور اسفل السافلین میں اس کا ہبوط ہو جائے گا۔

لطائف ومعارف

① حضرت آدم علیہ السلام اللہ سبحانہٗ کے من کل الوجوہ مقبول اور برگزیدہ بندے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۳۳﴾ ... الآیۃ﴾ ہر اعتبار سے ظاہراً و باطناً خدا کے پسندیدہ اور چیدہ و برگزیدہ تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے خود اپنے دستِ خاص سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اپنی صفات وکمالات کا ان کو آئینہ اور مظہر بنایا جیسا کہ حدیث میں ہے: ((خلق اللہ اٰدم علیٰ صورتہ)).

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ تابود شاہیش را آئینۂ

اور بلاواسطہ اپنے کلام اور خطاب کے شرف سے ان کو شرف بخشا اور خلعت خلافت اور خلعت نبوت ورسالت سے ان کو سرفراز کیا اور مسجود ملائک بنایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی اور رسول کا درجہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے اور قربِ خداوندی میں ان کا مقام ملائکہ کے مقام سے بلند اور برتر ہے جیسا اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں اور جب فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کا

فضل وکمال ظاہر ہوگیا تو خداوند ذوالجلال نے ان کو جنت میں رہنے کا حکم دیا: ﴿يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (القرہ:۳۵) حضرت آدم علیہ السلام جنت کے قیام کو ازبس مغتنم سمجھتے تھے کہ وہاں کا قیام قربِ خداوندی کا ذریعہ تھا مگر قرائن سے یہ محسوس کرتے تھے کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہ مقام چھوڑنا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مٹی سے پیدا کیا ہے میری اصل فطرت زمینی ہے مبادا بتقاضائے فطرت کسی وقت مجھ کو زمین کی طرف کھنچنا پڑے کیونکہ فرع کا اصل کی طرف انجذاب ایک فطری امر ہے۔ نیز میری پیدائش کا اصل مقصد خلافت فی الارض ہے نہ معلوم کس وقت اس منصب کی انجام دہی کے لیے زمین پر اترنا پڑے۔ نیز فی الحال جو مجھ کو قیام جنت کا حکم دیا گیا ہے وہ ﴿يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ کے عنوان سے آیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہاں کا قیام دائمی نہیں بلکہ چندروزہ سکونت ہے اس لیے ان کو اپنے خلود فی الجنۃ کی طرف سے کھٹکا رہتا تھا۔ اور باوجود اس علم کے کہ میں مسجود ملائکہ ہوں اور خداوند ذوالجلال نے جو علم اور شرف اور منصب خلافت مجھ کو عطاء کیا ہے وہ ملائکہ کی تسبیح وتقدیس سے افضل ہے۔ خدا تعالیٰ کے عاشق صادق تھے۔ حق تعالیٰ کی محبت بے غایت کی وجہ سے قیام جنت کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف مائل تھے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی افضل اور جلیل المرتبہ اپنے سے کمتر اور فروتر کی کسی نعمت اور فضیلت کی طرف کسی عارض کی بناء پر مائل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کی سہولت اور خفت کو دیکھ کر انبیاء کرام علیہم السلام بھی ان پر غبطہ کریں گے۔ سو یہ غبطہ اس بناء پر نہ ہوگا کہ وہ لوگ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوں گے بلکہ کسی سہولت اور راحت کی بناء پر ہوگا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو باوجود افضلیت اور باوجود فضل کلی کے اگر ملائکہ کے بعض جزئی فضائل کی طرف میلان ہو جائے تو یہ میلان ان کی افضلیت کے منافی نہیں۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی اسی تڑپتی ہوئی رگ کو تاک لیا اور سمجھ گیا کہ اسی راہ سے ان کو دھوکہ اور فریب دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان کے پاس آیا اور خدا کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اگر تم جنت کا خلود اور دوام چاہتے ہو تو اس درخت سے کچھ کھالو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یعنی تم ہمیشہ جنت ہی میں رہو گے اور زمین پر اترنا نہیں پڑے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس کے فریب میں آ گئے اور اکل حنطہ کا ارتکاب کر بیٹھے ارتکاب کے بعد اپنی خطاء اور لغزش کا احساس ہوا اور بصد ندامت وشرمساری اور بصد گریہ وزاری ان کلمات سے توبہ اور معذرت کی۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳﴾

② ہبوط کا حکم:

بعد ازاں حضرت آدم اور حوّا علیہما السلام کو حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر اُتریں اور حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلنے کا حکم از روئے عتاب وعقاب نہ تھا بلکہ اس درخت کے کھانے کا اثر تھا جس طرح انکشاف ستر اس کا ایک اثر تھا خصوصاً جبکہ بعض آیات اس پر دال ہیں کہ ہبوط کا حکم قبول توبہ کے بعد ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ﴾ (البقرہ) اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قبول توبہ کے بعد زمین پر اتارے گئے اور ظاہر ہے کہ قبولِ توبہ کے بعد عتاب اور عقاب کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت میں رہنا اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ اس درخت سے نہ کھائیں اور اب مصلحت ان کے بہشت میں رہنے کی نہ تھی اور وقت آ گیا کہ نوشتۂ قضاء وقدر ظہور میں آئے اور وہ اپنے مقامِ خلافت پر جائیں جیسا کہ ﴿اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى

الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ زمین پر خلیفہ ہوں اور زمین انہی کے لیے پیدا کی گئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ (البقرہ:۲۹) پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارنا سزا یا بطور اہانت تھا۔ وہ تو پہلے ہی خلافت الٰہیہ فی الارض کے لیے مامور اور نامزد ہو چکے ہیں۔ یہ عجیب اہانت ہے کہ ان کو خلافت فی الارض عطاء کی جا رہی ہے اور وہ منصب جلیل ان کو عطاء کیا جا رہا ہے جس کی فرشتوں نے ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ (البقرہ:۳۰) کہہ کر خواہش ظاہر کی تھی اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ (طٰہٰ) سے صاف ظاہر ہے کہ اس لغزش کے بعد خدا تعالیٰ نے مزید برگزیدہ بنایا۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم اہانت کی بناء پر نہ تھا بلکہ ﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ کی تکمیل کے لیے تھا کہ جن کو پیدا ہی خلافت ارضی کے لیے کیا گیا ہے۔ ان کو مقامِ خلافت میں پہنچا دیا جائے بظاہر اگرچہ بعد ہوگا مگر معنیٔ اور رتبۂ قرب پہلے سے زیادہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے اعتبار سے زمین اور آسمان سب برابر ہیں۔ اور مقامِ خلافت قیام جنت سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے اور یہ مقام خلافت اس درجہ بلند ہے کہ ملائکۂ سماوات وارضین کو اسی وجہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ خلیفۂ الٰہی کی فضیلت اور برتری ملائکہ پر ثابت ہو جائے۔

③ حضرت آدم علیہ السلام کے اس قول ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں ظلم سے گناہ اور جرم کے معنی مراد نہیں ظلم کے اصل معنی نقصان اور کمی اور کوتاہی کے ہیں حق تعالیٰ کے اس قول ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ (الکہف:۳۳) میں ظلم سے کمی کے معنی مراد ہیں اور عقلاً اور شرعاً ظلم کے درجات ہیں۔ حق تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان:۱۳) اور دوسری جگہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النساء:۴۰) فرمایا ہے معلوم ہوا کہ کوئی ظلم یعنی کوئی نقصان اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ذرہ کے برابر ہوتا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے ظلم کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار! ہم نے شیطان کے دھوکہ میں آ کر اپنا نقصان کیا کہ آپ کے حکم کی متابعت سے اور شیطان کی مخالفت سے ہم کو جو درجات اور مراتب حاصل ہوئے ان میں کمی آ گئی اور سردست جنت کا لباس ہمارے بدن سے اُتر گیا اور تیرے مقامِ قرب اور مقام اختصاص سے ہم کو دور جانا پڑ رہا ہے اور نعمائے جنت سے محروم ہو رہے ہیں، ہم پر رحم فرما۔

③ قصہ آدم علیہ السلام و بستن قضاء نظر اور از مراعات صریح نہی و ترک تاویل:

عارف رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مثنوی میں بزبانِ ہُدہُد ایک قصہ بیان کیا جس میں بتلایا۔

چوں قضا آید شود دانش بخواب　　مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے اور اس کا ادراک بھی سو جاتا ہے اور قضاء الٰہی سے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقل جو آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے قضاء الٰہی سے وہ بے نور اور تاریک ہو جاتی ہے۔ اب آگے اسی مضمون کی تائید کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں بظاہر یہ قصہ بھی بزبان ہُدہُد ہے اور ممکن ہے کہ یہ قصہ عارف رومی کی طرف سے ہو اور مقصود یہ ہے کہ غلبۂ قضاء وہ چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے باوجود اتنے بڑے علم و معرفت کے لغزش ہو گئی کہ قضاء و قدر نے ان کی نظر کو صریح نہی کی رعایت سے باز رکھا اور ترکِ تاویل اور عدم تاویل کی بجائے تاویل کی طرف ان کو مائل کر دیا اور تاویل کی راہ اختیار کر گئے یہ سب قضاء و قدر کا کرشمہ تھا۔

ابو البشر کو عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ بگ است　　صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

یعنی حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو ابوالبشر ہیں اور مرتبہ ﴿عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾ کے تاجدار ہیں اور لاکھوں علم ان کی رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔ آگے ﴿عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ﴾ کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست　　تابپایاں جان اورا داد دست

تمام چیزوں کے نام اور جس حالت پر وہ واقع ہیں سب کا نام ونشان ان کی آخری حالت تک ان کی روح کو عطاء کر دیا گیا۔

خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا کہ ﴿عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ﴾ سے صرف اشیاء کے نام بتا دینا مراد نہیں بلکہ اسماء عام ہے جو حقائق اور اوصاف اور خواص اور آثار سب کو شامل ہے پس تعلیم اسماء کا مطلب یہ ہوا کہ تمام اشیاء کے نام اور ان کی ماہیتیں اور صفتیں اور خاصیتیں سب آدم علیہ السلام کو بتلا دیں کیونکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دنیا میں پیش آنے والے اُمور مثلاً کھانا اور پینا اور بھوک اور پیاس اور سرور اور حزن اور شہوت اور غضب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام اُمور کی ماہیتوں اور خاصیتوں سے واقف ہو اس لیے یہ تمام اُمور حضرت آدم علیہ السلام کو بتلا دیئے گئے تا کہ زمین میں منصب خلافت کو انجام دے سکیں اور فرشتوں میں اللہ نے کسی حکمت سے یہ استعداد نہیں رکھی کہ وہ ان اُمور حسیّہ اور جسمانیہ کا کماحقہٗ ادراک کر سکیں ملائکہ اس قسم کے امور سے منزہ ہیں اس لیے منصبِ خلافت بجائے ملائکہ کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔

چشمِ آدم چوں بنور پاک دید　　جان و سرّ نامہا گشتن پدید

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ نے جو نور خداوندی سے منور تھی نظر اٹھائی اور خداداد نور سے اشیاء کا مشاہدہ کیا تو ان پر تمام اسماء کے حقائق اور اسرار منکشف ہو گئے۔ پس اصل فضیلت حضرت آدمؑ کی یہ تھی کہ وہ نور الٰہی اور علمِ خداوندی کے مظہر اور آئینہ تھے۔

چوں ملک انوارِ حق بروے بتافت　　در سجود اُفتاد و در خدمت شتافت

جب فرشتوں نے ان میں انوار حق اور تجلیاتِ ربّانی کو درخشاں دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے اور خدمت کے لیے دوڑے۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو　　جملہ افتادندہ در سجدہ برو

جب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام میں نور حق کا جلوہ گر دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے۔ بخلاف ابلیس کے کہ اس کی نظر صرف مادہ طین تک محدود رہی اور نور حق سے نابینا بن گیا اس لیے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور خداوند ذوالجلال سے بحث شروع کی: ﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾۔

ایں چنیں آدم کہ نامش می برم　　گر ستایم تا قیامت قاصرم

''ہُدہُد'' جس کی زبان پر یہ قصہ بیان کیا جا رہا ہے وہ ہُدہُد یہ کہتا ہے کہ ایسے آدم علیہ السلام جن کا نام میں لے رہا ہوں اگر قیامت تک بھی ان کی تعریف وتوصیف کروں تو تب بھی قاصر رہوں۔

ایں ہمہ دانست و چوں آمد قضا　　دانش یک نہی شد بروئے غِطاَ

باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سارا علم حاصل تھا اور تمام چیزوں کے خواص آثار سے واقف تھے لیکن جب قضا نمودار ہوئی تو ایک نہی ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (البقرہ:۳۵) کا علم ان پر پوشیدہ ہو گیا اور غیبی طور پر اس پر ایک پردہ پڑ گیا جس سے وہ دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے جس کا اگلے شعر میں بیان ہے۔

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود یا بتاویلے بدو توھیم بود

حضرت آدم علیہ السلام حیران تھے اور تعجب اور تردد میں تھے کہ خدا جانے یہ نہی تحریم مطلق کے لیے ہے کہ ذاتی طور پر اس درخت کے قریب جانا مطلقاً حرام ہے یا یہ نہی متلبس بتاویلے اور اس نہی سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ تاویلی اور مجازی معنی مراد ہیں جس سے مجھ کو وہم میں ڈال دیا گیا ہے تاویل کے معنی ہیں کلام کو ظاہر سے پھیر کر ایسے معنی کی طرف لے جانا جو قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے مطابق ہوں اور توہیم اور ابہام کے معنی۔ قریبی اور متبادر مفہوم کو چھوڑ کر معنی بعید مراد لینا۔ اس لیے حضرت آدمؑ کو خیال ہوا کہ عجب نہیں کہ یہ نہی تاویلی ہو اور اس سے اس درخت کی ممانعت مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور معنی مراد ہوں یعنی اس درخت سے کھانا فی حد ذاتہٖ حرام نہ ہو۔ محض کسی حکمت اور مصلحت سے اس درخت سے کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہو۔ غرض یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام دشمن کے وسوسہ سے تردّد میں پڑ گئے کہ یہ نہی اور ممانعت ذاتی حرمت کی وجہ سے ہے یا یہ نہی تنزیہی ہے یا محض شفقت کی بناء پر ہے کہ اس وقت میری استعداد کمزور ہے۔ شاید اس حالت میں اس کا تحمل نہ کر سکوں اور ممکن ہے کہ یہ نہی تابیدی نہ ہو بلکہ وقتی ہو اور کسی عارض اور مصلحت کی بناء پر ہو اور یہ خیال کیا کہ جو نہی اور ممانعت محض شفقت کی بنا پر ہو یا کسی وقتی اور عارضی مصلحت کی وجہ سے ہو تو ایسی نہی کی خلاف ورزی کوئی گناہ نہیں اس لیے وہ درخت سے کھانے پر آمادہ ہو گئے۔

دردِلش تاویل چوں ترجیح یافت طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

حضرت آدم علیہ السلام اسی حیرت اور تردد میں تھے کہ دل نے تاویل کو ترجیح دی اور طبیعت حیرت میں آ کر گندم کی طرف مائل ہو گئی تو بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور ہبوط کا حکم آیا اس لیے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کو کھائے گا وہ دنیا کی طرف ضرور اترے گا۔ کھانے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی خطاء کا احساس ہوا تو توبہ اور استغفار شروع کی اب آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

باغباں راخار چوں درپائے رفت وزد فرصت یافت کالا بُرد تفت

اس قصہ کی ایسی مثال ہو گئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے میں لگا اور چور کو فرصت میں مال چرانے کا موقع مل گیا کہ جلدی سے سارا مال لے کر چلتا بنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام باغبانِ علم و معرفت تھے ان کے پائے قلب میں وسوسہ کا ایک کانٹا چبھا اور اس کے نکالنے میں مشغول ہوئے دُزدِ لعین (ابلیس) موقع پا کر ان کی متاعِ راحت و سکینت کو چرا کر لے بھاگا۔

چوں زحیرت رست باز آمد براہ دید بردہ دُزد رخت از کارگاہ

جب حضرت آدم علیہ السلام اس حیرت سے نکلے اور راہ حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو دیکھا کہ چور کارخانہ سے مال و متاع چرا کر لے گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا تا کہ مجھ کو جنت سے محروم کرا دے۔

رَبَّنَآ اِنَّا ظَلَمْنَآ گفت و آہ یتیئ آمد ظلمت و گم گشت راہ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بصد آہ و درد ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ﴾ کہہ کر بارگاہ خداوندی میں معذرت کرنے لگے روتے جاتے تھے اور آہیں بھرتے جاتے تھے یعنی اے خدا ہماری عقل پر ظلمت اور تاریکی چھا گئی اور ہم سے راستہ گم ہو گیا۔ اس دوسرے مصرعہ میں اشارہ

اس طرف ہے کہ حضرت آدمؑ کی اس دعا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں ﴿ظَلَمْنَآ﴾ ظلم سے مشتق نہیں بلکہ ظلمت سے مشتق ہے۔ پس ﴿ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے پروردگار ہم نے قلتِ عمل اور قلتِ احتیاط کی بناء پر اپنے آپ کو ظلم اور تاریکی میں ڈال دیا اور اپنے مرتبے اور منزلت کو ملحوظ رکھ کر عمل نہ کیا اور ان مشقتوں میں پڑے جو اس درخت کے خواص میں سے ہیں۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور پھر اس کے بعد زمین پر اترنا سب قضاء وقدر سے تھا۔ ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت اور سیادت ظاہر ہوئی۔ اب وقت آیا کہ حسبِ قضا وقدر ان کی خلافت ظہور میں آئے اس لیے یہ اکلِ شجر اس کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا۔

ایں قضا ابرے بود خورشید پوش　　شیر و اژدہا بودز و ہمچو موش

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ اس قضا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادل ہو وہ آفتاب کو چھپا لے۔ قضا ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے سامنے شیر اور اژدہا چوہے کی مانند عاجز اور لاچار ہیں۔

(دیکھو مثنوی مولانا روم ص ۱۰۳ دفتر اوّل وص ۱۰۴ دفتر اوّل)

اضافت کردن آدم علیہ السلام آن ذِلت را بخویشتن ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ ... الخ﴾

واضافت کردن ابلیس گناہِ خود را بحق ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ... الخ﴾

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا اور ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ﴾ کہنا (کہ اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) اور ابلیس کا اپنے جرم کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ اس طرح کہا کہ ﴿﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ (اے پروردگار! تُو نے مجھے گمراہ کیا) اپنی گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کیا۔

اس مضمون کا تعلق مسئلہ جبر واختیار سے ہے معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور جبریہ بندہ کو مجبور محض سمجھتے ہیں اور تمام افعال کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اہلسنت والجماعت کا مسلک نہایت معتدل اور متوسط ہے جبر اور قدر کے درمیان ہے کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر بندہ خداداد قدرت اور اختیار سے ان افعال کا کاسب اور مرتکب ہے۔ پس ابلیس تو جرم کر کے جبری محض بن گیا کہ اغواء کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کر دی اور خود بری الذمہ اور بے تعلق بن گیا۔

گفت شیطاں کہ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ　　کرد فعل خود نہان و بودنی

شیطان نے ﴿بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ کہا اور اس کمینہ نے اپنے کسب اور ارتکاب غوایت کو چھپا کر اغواء کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ خود بری الذمہ بن جائے۔

گفت آدم کہ ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا　　اوزِ فعل حق نہ بُد غافل چوما

اور حضرت آدم علیہ السلام نے ﴿ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ کہہ کر ظلم کو اپنے نفس کی طرف منسوب کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ہماری طرح فعلِ حق یعنی خلق سے غافل ہوں جیسے ہم اکثر اُمور میں خدا کی خالقیت سے غافل ہو کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چیز میری پیدا کردہ ہے

گویا کہ ہم بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خوب معلوم تھا کہ ہر چیز کا خالق خدا تعالیٰ ہے اور بندہ کاسِبُ اور مرتکب ہے مگر حضرت آدم علیہ السلام نے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں اپنی تقصیر کو اپنی طرف منسوب کیا اور ادب کی وجہ سے خالق کی طرف منسوب نہیں کیا ؎

در گنہ او از ادب پنہانش کرد　　زاں گنہ برخود زدن اوبر بخورد

گناہ کے بارے میں ادب کی وجہ سے اللہ کے فعل خلق کو پوشیدہ رکھا اور اس کے خلق کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرنے سے ان کو اس ادب کا بہت ہی اچھا پھل ملا کہ عفوِ تقصیر اور رفع درجات اور خلافتِ الٰہی سے مشرف اور سرفراز ہوئے۔

بعد توبہ گفتش اے آدم نہ من　　آفریدم در تو ایں جرم و محَن

توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: اے آدم! کیا یہ تقصیر (اکل شجرہ) خود میں نے تیرے اندر پیدا نہیں کی یعنی میں ہی تو اس تقصیر کا خالق ہوں اور یہ سب کچھ میری ہی قضا وقدر سے واقع ہوا ہے پھر تم نے معذرت کے وقت اس فعل کو میری طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا۔

نہ کہ تقدیر و قضاء من بُد آں　　چوں بوقت عذر کردی آں نہاں

کیا یہ سب کچھ میری ہی قضا وقدر سے نہ تھا جو تو نے عذر کے وقت اس کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہیں کہا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہٰذا میں بے قصور ہوں۔

گفت تر سیدن ادب نگذاشتم　　گفت من ہم پاس آنت داشتم

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں سوءِ ادب سے ڈر گیا اور دامنِ ادب ہاتھ سے نہ چھوڑا تو فرمایا کہ پھر میں نے ہی تیرے ادب کا لحاظ کیا اور تجھے اپنے عفو وکرم سے نوازا ؎

گناہ گرچہ اختیار ماحافظ　　تو درطریق ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حرمت اوحرمت برد　　ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری بارگاہ میں ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کے صلہ میں حرمت اور کرامت لے جاتا ہے یعنی ہمارا مقبول اور مقرب بن جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ اور لوزینہ (یعنی حلوا بادام) کھاؤ۔

(مثنوی مولانا روم۔ دفتر اوّل ص ۱۲۴ وکلید مثنوی دفتر اوّل حصہ اول ص ۳۶۵)

خاصانِ حق کی لغزش عوام کی طاعت سے افضل ہے

(اے کہنہ و بوسیدہ و بے اعتبار)

زلّت [1] او بہ زطاعت نزدِ حق　　پیش کفرش جملہ ایمانہا خلق

---

[1] مثنوی دفتر اوّل ص ۱۳۵ ومفتاح العلوم ص ۲۴۲ ج ۲۸ وکلید مثنوی ص ۲۸۱ ج ۱۔

مرد کامل کی لغزش خدا کے نزدیک اور لوگوں کی صدہا طاعت سے بہتر ہے اور اس کے کفر کے سامنے جس کو لوگ بظاہر کفر سمجھتے ہیں، تمام لوگوں کے ایمان کہنہ اور بوسیدہ ہیں خاصانِ حق سے قصداً تو کوئی معصیت ظہور میں نہیں آسکتی البتہ سہو ونسیان کی بناء پر کسی وقت اُن سے لغزش ہو جاتی ہے مگر ان کی لغزش اوروں کے ہزار ہا حسنات اور طاعت سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام سے جو بھول چوک ہو جاتی ہے وہ سراسر اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے جس کو خطاء اجتہادی کہنا چاہیے مگر لغزش کے بعد جب ان کو تنبّہ ہوتا ہے تو ندامت وخجالت میں غرق ہو جاتے ہیں اور بصد ہزار گریہ وزاری توبہ واستغفار اور معذرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جن کی ندامت اور شرمساری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر فرشتے بھی عش عش کرنے لگتے ہیں اور اس گریہ زاری کی وجہ سے ایسے مرتبۂ عظمیٰ پر پہنچتے ہیں کہ دوسرے لوگ طاعت اور عبادت کر کے بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان حضرات کی لغزشیں سیئات المقربین کے قبیل سے ہیں اور سیئات المقربین باجماع اولیاء وعارفین حسنات ابرار سے کہیں بہتر ہے۔ مرد کامل سے زلّت (لغزش) کے بعد جو ذلت وخواری اور حیاء اور انکساری اور گریہ وزاری ظہور میں آتی ہے وہ درپردہ اس کی ترقی اور معراج معنوی ہے کہ پہلے سے زیادہ اس کا مقام بلند ہو گیا زلّت کے معنی لغزش کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مقام بلند سے پھسل گیا اور جو فعل اس کے مقام رفیع کے مناسب نہ تھا وہ اس سے سرزد ہو گیا۔ اس لغزش کے بعد جو ہوش آیا تو ندامت وخجالت اور گریہ وزاری کے پروں سے پرواز کی اور مقامِ قرب کی اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ جہاں اس لغزش سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور پہلے سے زیادہ اس کے درجے بلند ہو گئے اور اہل بدر کے متعلق جو ارشاد آیا ہے: ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل بدر سے دیدہ ودانستہ اللہ کی معصیت ظہور میں نہیں آئے گی۔ البتہ بمقتضائے بشریت بطریق سہو ونسیان ان سے لغزشیں ہوں گی یعنی اُن سے کبھی ایسے افعال سرزد ہوں گے جو ان کی شان اور مرتبہ کے مناسب نہ ہوں گے اس قسم کے جو امور ان سے صدور اور ظہور میں آئیں گے۔ وہ اللہ کے یہاں سب معاف ہیں۔ اور دوسرے مصرعہ میں جو فرمایا کہ انسان کامل کا کفر اور لوگوں کے ایمان سے بہتر ہوگا سو اس مصرعہ میں کفر سے اصطلاحی اور شرعی کفر مراد نہیں بلکہ مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ اس حالت میں پہنچ کر انسان کی زبان سے بے اختیار ''انا الحق'' اور ''سبحانی ما اعظم شانی'' اس قسم کے الفاظ سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر اور قضاء قاضی میں کفر شمار کیے جاتے ہیں لیکن یہ درحقیقت کمال ایمان کی دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

((لایزال عبدی یتقرب اِلیَّ بالنوافل حتی اذا احببته کنت سمعه الّذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده الّتی یبطش بها ورجله الّتی یمشی بها)). (رواہ البخاری)

پس مقام فناء میں اس قسم کے جو کلمات سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر کفر معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ کمالِ قرب کی دلیل ہوتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ حضرات اولیاء سے بے خودی کی حالت میں نکلے ہیں اس لیے شرعاً معذور ہیں۔ یہ تمام تفصیل بحر العلوم شرح مثنوی سے ماخوذ ہے۔ حضرات اہل علم اصل بحر العلوم ص ۱۰۲ ج ۱ دفتر اوّل اور مثنوی طبع کانپوری کے ص ۱۳۵ دفتر اوّل کے حواشی کی مراجعت کریں۔

چوں بنالد زار بے شکر و گلہ افتد اندر ہفت گردوں غلغلہ

اور جب وہ انسان کامل لغزش کے بعد زار وقطار گریہ وزاری اور شرمساری کرتا ہے جس کا سبب نہ تو شکریہ ہوتا ہے اور نہ کوئی شکوہ

ہوتا ہے تو ایسی گریہ وزاری سے ساتوں آسمانوں میں غلغلہ پڑ جاتا ہے اور سُکّانِ ملکوت حیرت میں رہ جاتے ہیں فرشتوں نے ایسی بے قراری اور ایسی گریہ وزاری کا منظر کب دیکھا تھا۔

ہر دمش صد نامہ صد پیک از خُدا　　یار بے زد شصت لبیک از خُدا

اور اس حالت میں اس انسان کامل کو صدہا نام و پیام خدا کی طرف سے پہنچتے ہیں اور اس کے ایک مرتبہ یارب کہنے سے ساٹھ مرتبہ (یعنی بکثرت) خدا کی طرف سے لبیک کا جواب آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو بندہ ایک نیکی لے کر آتا ہے تو اس کو کم از کم دس گنا اجر ملتا ہے اور جو شخص خدا سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو خدا اس سے ایک گز قریب ہو جاتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف چل کر آتا ہے خدا اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ (رواہ مسلم)

ہر دمے اورا یکے معراج خاص　　بر سر فرقش نہد صد تاج خاص

اور اس مرد کامل کو اس شرمساری اور گریہ وزاری سے ہر دم خاص معراج حاصل ہوتی رہتی ہے یعنی ہر دم اس کو عروج اور ترقی مراتب حاصل ہوتی رہتی ہے اور اُس کے سر پہ خدا تعالیٰ کے قرب خاص کا ایک خاص تاج رکھ دیا جاتا ہے معراج سے مراد مرتبۂ قرب ہے چونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں اس لیے خاصانِ خدا کو یہ ترقی لحظہ بلحظہ علی الدوام ہوتی رہتی ہے۔

(دیکھو مثنوی مولانا روم ص ۱۳۵ دفتر اوّل)

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے لغزش کے بعد جو شرمساری اور گریہ وزاری ظہور میں آتی ہے اس سے ان کی اندرونی محبت اور اخلاص کا حال کھلتا ہے کہ ان کا باطن حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے کس درجہ لبریز ہے جس طرح ابلیس لعین کے سوال و جواب سے اس کی اندرونی نخوت و تکبّر کا حال ظاہر ہوا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش کے بعد ندامت اور معذرت سے ان کا اندرونی اخلاص ظاہر ہوا جس سے ان کا فضل و کمال اور حسن و جمال اور چمک گیا اور اس لغزش سے اگرچہ ظاہر میں ہبوط اور نزول ہوا مگر درحقیقت وہ علو اور عروج تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ ہبوط اگرچہ حسًّا و ظاہراً نزول تھا مگر در پردہ وہ معراج باطنی تھی اس بنا پر عارفِ رومیؒ نے انبیاء کی لغزش کو عوام کی طاعت سے بہتر قرار دیا اور یہ ارشاد فرمایا:

ع　زلّت او بہ ز طاعت پیش حق ... الخ

اس کی تفصیل گزر گئی اس وقت اس راقم الحروف کے خیال میں یہ آیا کہ اگر یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا جائے تو امید ہے کہ کوئی حرج نہ ہوگا۔

زلّتِ خاصاں و سہو و غفلتے　　بہتر از صد سالہ مایاں طاعتے

جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ((یالیتنی کنت سھو مُحَمَّدٍ ﷺ)) "کاش میں نبی کریم ﷺ کا سہو و نسیان بن جاتا" کہ حضور پرنور ﷺ کا سہو و نسیان ہماری طاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

⑦ ایک اشکال:

بعض اہل ظاہر نے اس قصہ سے قیاس کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ قیاس ایک فعل شیطانی ہے اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے اور ابلیس قیاس ہی کی وجہ سے مطرود اور مردود ہوا۔

جواب یہ ہے کہ منکرین قیاس کا یہ استدلال سراپا اختلال، خود ایک قیاسِ فاسد و باطل ہے ابلیس کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور غرور اور تکبر کی وجہ سے اس کو غیر معقول اور غیر مستحسن قرار دیا اور ایسے قیاس کا دنیا میں کوئی امام اور مجتہد قائل نہیں کہ جو صریح حکم خداوندی کے خلاف ہو قیاس اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی حکم صراحتاً ثابت نہ ہو۔ اُمور منصوصہ میں کوئی شخص بھی قیاس کا قائل نہیں۔ نص پر تو بے چون و چرا عمل فرض ہے اس قصہ سے اس قیاس کی برائی ظاہر ہوتی ہے کہ جو نص صریح کے معارضہ اور مقابلہ میں کیا جائے مطلق قیاس کی مذمّت ظاہر نہیں ہوتی اور ائمۂ مجتہدین کا قیاس وحی خداوندی اور ارشاد نبوی ﷺ کے تابع ہوتا ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب یہی ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور عقلاً اور شرعاً اس کا اتباع ضروری ہے صرف چند اہل ظاہر قیاس کے منکر ہیں۔ مگر وہ صحیح نہیں صحیح وہ ہی ہے جو صحابہ و تابعین کا مسلک ہے اور اسی کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور کتاب الاعتصام میں حجت قیاس کے لیے متعدد ابواب اور تراجم منعقد فرمائے۔ اور یہ واضح فرمایا کہ اگر مسئلہ کا حکم کتاب اور سنت اور اجماع امّت سے معلوم نہ ہو سکے تو قیاس واجب ہے اور اسی پر تمام اُمت کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین سے یہی ثابت ہے کہ جب ان کو کسی امر میں اشتباہ پیش آتا اور کتاب وسنّت اور اجماع اُمت سے اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو امثال اور اشباہ پر اس کو قیاس کرتے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۷۱ جلد ۷)

منکرین قیاس کے شور و غوغا کے بند کرنے کے لیے ہم امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا اصل کلام ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

وهو هٰذا قال الامام القرطبی رحمة الله عليه اختلف الناس فی القياس الیٰ قائلٍ بهٖ وَرَادٍّ له فاما القائلون به فهم الصّحابة وَالتَّابعون وجمهور من بعدهم وان التعبد بهٖ جائز عقلاً واقع شرعًا وَهو الصحيح وردّه بعض اهل الظاهر والاول هو الصحيح قال البخاری فی كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة المعنی لاعصمة لاحد اِلّا فی كتاب الله او سنّة نبيه اوفی اجماع العلماء اذا وجد فيها الحكم فان لم يوجد فالقياس. وقد ترجم علی هٰذا (باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قدبين الله حكمها ليفهم السائل) و ترجم بعد هذا (باب الاحكام التی تعرف بالدلائل و كيف معنی الدلالة وتفسيرها) وقال الطبری الاجتهاد وَالاستنباط من كتاب الله وسنة نبيّه ﷺ و اجماع الامة هو الحق الواجب والفرض اللازم لاهل العلم وبذالك جآء ت الاخبار عن النبّی ﷺ وعن جماعة الصحابة وَالتابعين وقال ابوتمام المالكی اجمعت الامة علی القياس فمن ذالك انهم اجمعوا علی قياس الذهب والورق فی الزكوٰة وقال ابوبكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اقيلونی بيعتی فقال علیٌّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وَالله لانقيلك وَلانستقيلك رضيك رسول الله ﷺ لديننا فلا نرضاك لدنيانافقاس الامامة علَی الصَّلاة وقاس الصِّديق الزكوٰة علَی الصّلوٰة وقال والله لا افترق بين ماجمع الله وصرح عَلِیٌّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بِالقياس فی شارب الخمر بمحضر من الصّحابة وقال انه اذا سكر هذٰی واذا هذٰی افترٰی فحده حد القاذف و كتب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی ابی موسٰی الاشعری كتابًا فيه اَلْفَهْم اَلْفَهْمَ

فيما يختلج فى صدرك ممالم يبلغك فى الكتاب والسنة اعرف الامثال وَالاشباه ثم قس الامور عند ذالك فاعمد اليف احبها الىٰ الله تعالىٰ و اشبهها بالحق فيما ترى الحديث بطوله ذكره الدار قطنى و امَّا الاٰثار وآى القران فى هذا المعنى فكثير و هو يدل علىٰ ان القياس اصل من اصول الدّين وعصمةٌ من عِصَم المسلمين يرجع اليه المجتهدون ويفزع اليه العلماء العاملون فيستنبطون به الاحكام وهو قول الجماعة الّذين هم الحجة ولا يلتفت الى من شذّعنها واما الراى المذموم والقياس المتكلف المنهى عنه فهو مالم يكن علىٰ هٰذهٖ الاصول المذكورة لِانّ ذالك ظن ونزغ من الشيطان قال الله تعالىٰ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ وكل مايورده المخالف من الْاَحاديث الضّعيفة والاخبار الواهية فِي ذمّ القياس فهى محمولة علىٰ هٰذا النوع مِن القياس المذموم والّذى ليس له فِي الشرع اصل معلوم وتتميم هذا الباب فى كتب الاصول. انتهٰى كلام القرطبى فى تفسير سورة الاعراف ص ۱۷۱۔۱۷۳ ج ۷۔

اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین میں اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ رائے اور قیاس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محمود اور ایک مذموم۔ محمود وہ ہے جو اصول شریعت یعنی کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو اور مذموم وہ ہے جو اصولِ شریعت سے ماخوذ نہ ہو محض ظن اور تخمین پر مبنی ہو اور فرمایا کہ جن احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم میں رائے کی مذمت آئی ہے۔ اس سے اسی قسم کی رائے مراد ہے اور جن آیات اور احادیث میں رائے کی مدح آتی ہے اس سے رائے محمود مراد ہے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنۃ اور القیاس فی الشرع الاسلامی میں لکھا ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل پارۂ پنجم میں زیر تفسیر آیت ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء:۵۹) میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

در بیان آنکہ اول کسیکہ در مقابل نص صریح قیاس آورد ابلیس علیہ اللعنۃ بود

اس بات کے بیان میں کہ سب سے پہلے جس نے نص صریح اور حکم واضح اور وحی خداوندی کے مقابلہ میں اپنا قیاس پیش کیا وہ ابلیس ملعون تھا جیسا کہ مشہور ہے اوّل من قاس ابلیس۔ یعنی جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔

اوّل آنکس کیں قیاسکہا نمود　　پیشِ انوارِ خدا ابلیس بود

سب سے پہلا شخص جس نے انوار الٰہیہ (یعنی احکامِ منصوصہ) کے مقابلہ میں اپنے بیہودہ قیاسات چلانے شروع کیے وہ ابلیس تھا۔

گفت نار از خاک بیشک بہتر است　　من زنار و اوز خاک اکدر است

کہنے لگا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ خاک تاریک سے پیدا ہوا ہے۔

پس قیاس فرع بر اصلش کنیم　　اوز ظلمت ماز نور روشنیم

پس مناسب ہے کہ ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں سو ان کی اصل مادۂ ظلماتی ہے اور میری اصل مادۂ نورانی اور درخشانی ہے یعنی آگ ہے ابلیس نے یہ قیاس کیا اور غلط کیا۔ اوّل تو اس پر کیا دلیل ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے دونوں ہی عنصر اللہ کی مخلوق ہیں عنصریت

میں دونوں برابر ہیں اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے اس لیے کہ مٹی میں متانت اور وقار ہے اور حلم اور حیاء اور صبر کا مادہ ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام تواضع اور تضرع کی طرف مائل ہوئے اور عفو اور مغفرت اور اجتباء سے سرفراز ہوئے اور آگ کی طبیعت میں خفّت اور حدّت اور ارتفاع اور طیش اور اضطراب ہے اسی وجہ سے شیطان تکبّر اور مقابلہ پر آیا جس کی وجہ سے وہ ابدی لعنت اور شقاوت کا مورد بنا۔

گفت حق نے بلکہ ''لاانساب'' شد　　زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

حق تعالیٰ نے فرمایا ہماری بارگاہ میں نسب اور مادہ اور اصل کا اعتبار نہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (المومنون:۱۰۱) ہمارے یہاں فضیلت کا معیار زہد اور تقویٰ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ (الحجرات:۱۳) اور یہ وصف آدمؑ میں ہے تجھ میں نہیں۔

این نہ میراث جہان فانی است　　کہ بانسابش بیابی جانی ست

یہ فضیلت کوئی دنیوی میراث نہیں کہ جسے تم نسب کے ذریعے حاصل کرسکو بلکہ یہ روحانی میراث ہے۔

بلکہ ایں میراث ہائے انبیاء است　　وارث ایں جانہائے اتقیا است

بلکہ یہ فضیلت انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث ہے اور اس کی وارث متقی اور پرہیزگاروں کی ارواح ہیں۔

پور آں بوجہل شد مومن عیاں　　پور آں نوح علیہ السلام نبی از گمرھاں

ابوجہل کا بیٹا یعنی عکرمہ رضی اللہ عنہ جو اپنے باپ کی طرح مشہور جنگجو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا وہ تو اسلام سے بہرہ ور ہوگیا اور فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوکر مؤمنین مخلصین میں سے بن گیا۔ حالانکہ اس کی اصل کافر ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند کنعان گمراہوں میں سے ہوگیا جس کی اصل پاک اور برگزیدہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل مادہ کا اعتبار نہیں۔ ﴿یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ﴾ (الروم:۱۹)

زادۂ خاکی منور شد چو ماہ　　زادۂ آتش توئی اے روسیاہ

اسی طرح سمجھ لو کہ ایک خاک زادہ یعنی آدم علیہ السلام چاند کی طرح انوارِ الٰہی سے منور اور روشن ہوگیا اور اے شیطان تُو آتش زادہ ہے اے روسیاہ تو تاریک رہا مادۂ ناری کی ظلمت اور دُخان نے تجھ کو تاریکی میں ڈال دیا۔

ایں قیاسات و تحری روز ابر　　یا بشب مرد قبلہ را کردست جبر

اس قسم کے قیاسات اور اٹکل کی باتیں اس وقت چلتی ہیں کہ جب ابر چھایا ہوا ہو یا رات کا وقت ہو کہ قبلہ نظر نہ آتا ہو اس وقت اس قسم کے قیاسات اور تخمینے قبلہ کا جبراً اشتباہ اور بدل بن سکتے ہیں۔

لیک باخورشید و کعبہ پیش رو　　ایں قیاس و ایں تحری راجو

لیکن ایسی حالت میں کہ جب آفتاب طلوع کیے ہوئے ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت تحری اور قیاس سے نماز ہرگز جائز نہیں۔

کعبہ نادیدہ مکن زورُو متاب　　از قیاس اللہ اعلم بالصواب

روزِ روشن ہو اور کعبہ سامنے ہو ایسی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنا اور تحری اور قیاس کرنا ایسا ہے کہ تجھے کعبہ نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت میں جب کہ کعبہ سامنے ہو اور دن کی روشنی ہو محض قیاس اور تحری کی بناء پر اس سے منہ پھیرنا کب جائز ہے اسی طرح وحی خداوندی اور ارشاد نبوی ﷺ بمنزلہ طلوع آفتاب اور حضورِ کعبہ ہے اس کے ہوتے ہوئے قیاس کی گنجائش نہیں۔ (مثنوی دفتر اول ص ۳۰۵) واللہ اعلم بالصواب۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَ

اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب اور رونق اور

لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

کپڑے پرہیزگاری کے سو بہتر ہیں یہ قدرتیں ہیں اللہ کی شاید وہ لوگ دھیان کریں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ

اے اولاد آدم کی نہ بہکاوے تم کو شیطان جیسا نکالا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے

يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ

اتروائے ان کے کپڑے کہ دکھاوے ان کو عیب ان کے۔ وہ دیکھتا ہے تم کو اور اُس کی

قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ

قوم جہاں سے تم ان کو نہ دیکھو ہم نے رکھے ہیں شیطان رفیق ان کے

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ

جو ایمان نہیں لاتے۔ اور جب کریں کچھ عیب کا کام کہیں ہم نے دیکھا اس طرح کرتے اپنے

اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ

باپ دادوں کو اور اللہ نے ہم کو یہ حکم کیا۔ تو کہہ اللہ حکم نہیں کرتا عیب کے کام کو

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ

کیوں جھوٹ بولتے ہو اللہ پر جو معلوم نہیں رکھتے تو کہہ! میرے رب نے فرمائی ہے دینداری اور

اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو نرے اس کے حکم بردار ہو کر۔

الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ ؕ فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ

جیسا تم کو پہلے بنایا دوسری بار بنوگے۔ ایک فرقے کو راہ دی اور ایک فرقے پر

عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ٹھہری گمراہی۔ انہوں نے پکڑے شیطان رفیق اللہ چھوڑ کر

وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں اے اولاد آدم کی لے لو اپنی رونق (آرائش)

كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ ع ۳ ۶ ۱۰

ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور مت اڑاؤ۔ اس کو خوش نہیں آتے اڑانے والے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ

تو کہہ کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں

الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ

کھانے کی۔ تو کہہ وہ ہے ایمان والوں کے واسطے دنیا کی زندگی میں نری ان کی ہیں

الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ

قیامت کے دن یوں بتاتے ہیں ہم آیتیں جن لوگوں کو بوجھ ہے تو کہہ! میرے رب نے منع کیا ہے

رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ

سو بے حیائی کے کام جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے اور گناہ اور زیادتی

الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا

ناحق کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور یہ کہ جھوٹ بولو

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

اللہ پر جو تم کو معلوم نہیں۔ اور ہر فرقے کا ایک وعدہ ہے پھر جب پہنچا ان کا وعدہ

لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

نہ دیر کریں گے ایک گھڑی اور نہ جلدی۔

تحذیر از فتنۂ شیطانی دَربارۂ بے حیائی وعُریانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا ... الٰى ... لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾﴾

ربط: گزشتہ قصہ میں شیطان کی عداوت کا ذکر فرمایا اور اسی سلسلہ میں یہ بیان فرمایا کہ شیطان نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو دھوکہ دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے بدن سے جنت کا لباس اتر پڑا جس سے گھبرا کر اور شرما کر جنّت کے درختوں کے پتوں سے ستر کو ڈھانکنے لگے۔ یہ برہنگی شیطان کا پہلا فتنہ تھا۔ اب آئندہ آیات میں اسی فتنہ کے متعلق احکام ارشاد فرماتے ہیں: جس میں اہل عرب شیطان کے اغواء اور اضلال سے مبتلا تھے کہ برہنہ طواف کرتے تھے اور بعض چیزوں کے کھانے کو زمانہ حج میں حرام جانتے تھے بعض لوگ بکری کا دودھ اور گوشت اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے اور بعض لوگ گھی کو حرام کر لیتے تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں شیطان کی عداوت کا اثر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ لباس اور طعام میں ظاہر ہوا۔ شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے جنت کے باقی اطعمہ سے محروم ہوئے اور جنت کا لباس بھی بدن سے اتر گیا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے بعد شیطان کے اضلال اور اغواء کا جو اثر عرب کے اطعمہ اور البسہ میں ظاہر ہوا اس کے متعلق احکام نازل ہوئے کہ عریانی اور برہنگی یہ سب اُمور حرام ہیں اور شیطان کے اغواء اور اضلال سے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں اولادِ آدم کو شیطان کی عداوت سے ڈرایا کہ یہ لعین کہیں باپ کی طرح تم کو مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔ اس لیے شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ حق جل شانہٗ نے ان ہدایات اور ارشادات میں بنی آدم کو چار جگہ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور لفظ یا کلام عرب میں نداء بعید کے لیے آتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو لوگ اس قسم کی بے حیائیوں میں مبتلا ہیں۔ وہ فطرت اور انسانیت اور آدمیت سے بہت بعید ہیں ان کو فطرت اور آدمیت کے قریب کرنے کے لیے ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ کہہ کر پکارا جا رہا ہے:

(نداء اوّل) ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا .... الخ﴾

(نداء دوم) ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ﴾

(نداء سوم) ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ... الخ﴾

(نداء چہارم) ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾

اور ان تمام مواضع میں حق تعالیٰ نے اپنے الزامات کا ذکر فرمایا ہے۔

نداءاوّل:

اے اولادِ آدم! ہم نے تم کو بے ستری کی شرمندگی سے بچانے کے لیے تم پر یہ انعام کیا کہ تحقیق ہم نے تم پر ایک لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے موجب زینت بھی ہے اور اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر اور تزین ہو جاتا ہے۔ ایک معنوی لباس بھی ہے وہ تقویٰ اور پرہیز گاری کا لباس ہے اور یہ لباس سب لباسوں سے بہتر ہے۔ تقویٰ سے مراد خوفِ خداوندی ہے جس میں ایمان اور اعمال صالحہ سب داخل ہیں۔ اور لباس پرہیز گاری سب لباسوں سے بہتر ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَلْبَسْ ثِيَابًا مِنَ التُّقٰى عَرِيْتَ وَاِنْ وارى القَمِيْصَ قَمِيْصُ

"یعنی اگر تو تقویٰ کا لباس پہنے ہوئے نہیں تو درحقیقت برہنہ ہے۔ اگرچہ ظاہر میں کرتہ پر کرتہ ہو۔"

فائدہ: انزال کے معنی اُوپر سے نیچے اُتارنے کے ہیں چونکہ لباس کی پیدائش کا سبب بارش ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جب تک آسمان سے بارش نہ ہو تو زمین سے روئی پیدا نہیں ہوتی جس سے لباس بنتا ہے۔ اس لیے لباس کے پیدا کرنے کو اُتارنے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ یعنی ہمارا تم پر لباس ظاہری و باطنی کو اتارنا خدا کی نشانیوں میں سے ہے جو اس کے فضل و رحمت پر دلالت کرتی ہیں تا کہ لوگ ان میں غور کریں اور نصیحت پکڑیں اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالائیں اور برہنگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

نداءدوم:

اے اولادِ آدم! تم اپنے باپ کا قصہ سُن چکے۔ ہوشیار رہنا کہیں شیطان تم کو فریب نہ دے دے۔ جیسا کہ اس نے تمہارے باپ آدم وحوا علیہما السلام کو جنّت سے نکلوا دیا تھا۔ یعنی یہ شیطان تمہارا جدّی اور پدری دشمن ہے اس سے احتیاط رکھنا یہ ننگے طواف کرنا اور تقویٰ کے لباس سے خالی ہونا یہ شیطانی حرکت ہے اسی نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکلوایا کہ ان کا لباس ان سے اس غرض سے اتارا تھا کہ ان کی شرمگاہیں دکھلائے تا کہ وہ اس شرم و ندامت کی حالت میں جنت سے علیحدہ ہوں تحقیق وہ اور اس کا جتھا تم کو ایسی طرح سے دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ یعنی شیاطین تو آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیاطین کو نہیں دیکھتے ایسے دشمن سے بچنا بہت مشکل ہے کہ جو ہم کو تو دیکھتا ہو اور ہم اسے نہ دیکھتے ہوں ایسے دشمن سے بچاؤ ایمان اور تقویٰ ہی کے لباس سے ممکن ہے تحقیق ہم نے شیاطین کو انہی لوگوں کا رفیق اور دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے یعنی ان کا تسلّط اور زور بے ایمانوں ہی پر ہے جو اس کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کا لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں وہ اس کے داؤ گھات سے محفوظ رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اور شیطانوں کے دوست بنے ہوئے ہیں جس وقت بے حیائی کا کام کرتے ہیں۔ جیسے خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنا اور کوئی ان کو اس سے منع کرتا ہے تو اپنی اس بے حیائی کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے۔ یعنی اپنے افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کے جواز اور استحسان کے ثبوت میں اپنے بڑوں کو پیش کرتے ہیں اور ان افعال کو فرمودۂ خداوندی بتلاتے ہیں اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجیے کہ تم خدا تعالیٰ پر محض افتراء کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں اس کام کا حکم دیا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بُری باتوں کے کرنے کا حکم نہیں دیتا عقلاً یہ ناممکن اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بُری باتوں کا حکم دے اللہ تو انصاف کرنے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے کیا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں یعنی تم اپنی بے علمی سے

اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ یہ نہایت سخت گستاخی اور بے باکی ہے آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار اس سے منزہ ہے کہ وہ کسی امر قبیح کا حکم دے میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے خدا کے ساتھ کسی کو شریک گردانا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے اور میرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے خدا کی طرف متوجہ کرو اور اللہ کو ایسے پکارو کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔ یعنی عبادت اور دعا میں بتوں کو شریک نہ کرو محض اللہ ہی کی اطاعت کرو اور یہ سمجھ لو کہ ایک دن تم کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جیسے خدا نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم بالآخر اس کی طرف لوٹو گے یعنی ننگے پن اور ننگے بدن اور ننگے پاؤں اور غیر مختون اور خدا کے روبرو پیش ہوگے۔ اور تم سے اعمال کی باز پُرس ہوگی اور اس وقت پیش آنے والے دو گروہ ہوں گے ایک اہل سعادت کا اور ایک اہل شقاوت کا یعنی مؤمن اور کافر۔ ان میں سے ایک فریق کو اللہ نے ہدایت دی جو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لایا اور ایک فریق پر گمراہی اور بدبختی ثابت ہوئی جس نے شیاطین کو اپنا دوست بنایا اس وقت ہر ایک کی سعادت اور شقاوت ظاہر ہو جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنایا اور ان کے کہنے پر چلے اور توحید کی بجائے بت پرستی اختیار کی اور بے حیائی کے کام کیے اور گمان یہ کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ حشر کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا۔ یعنی ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ گمراہی کو ہدایت سمجھتے ہیں۔

نداء سوم:

اے اولاد آدم! تمام احوال میں اور خاص کر نماز کی حالت میں اپنے بدن کی زینت اور رونق کو یعنی لباس کو ضرور لے لیا کرو۔ جو تمہاری زینت اور آرائش کے لیے پیدا کیا گیا اور لذائذ اور طیبات سے کھاؤ اور پیو تا کہ عبادت اور اطاعت خداوندی کی قوت تم میں پیدا ہو اور کھانے اور پینے اور پہننے میں حدود شریعت سے باہر نہ نکلو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ کفار برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے مرد دن میں اور عورتیں رات میں نیز ایام حج میں کھانا بھی کم کھاتے اور بدمزہ کھایا کرتے تھے۔ اس میں گھی وغیرہ نہ ڈالتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان لغویات کا رد فرمایا اور آئندہ آیات میں بھی اسی کا ردّ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ ان لوگوں سے جو ایام حج میں پاکیزہ غذاؤں سے اجتناب کرتے ہیں اور برہنہ طواف کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ یہ کہہ دیجیے کہ بتلاؤ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو یعنی لباس اور پوشاک کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کس نے حرام کیا ہے کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو یعنی کسی نے بھی حرام نہیں کیا یہ تمہاری جہالت ہے کہ تم طواف میں کپڑے نہیں پہنتے جو تمہارے لیے موجب زینت ہیں اور گوشت اور چربی نہیں کھاتے جو تمہارے لیے باعث لذّت و راحت ہیں یہ تمام لذائذ و طیّبات تمہارے ہی نفع کے لیے پیدا کیے ہیں۔ آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ یہ ملبوسات اور لذائذ و طیبات کی نعمتیں دنیاوی زندگی میں دراصل ایمان والوں کے واسطے ہیں۔ یعنی کھانے پینے اور پہننے کی تمام نعمتیں دراصل مسلمانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور وہی ان کے اصل مستحق ہیں۔ تا کہ اللہ کے رزق سے اللہ کی طاعت اور عبادت کی قوت حاصل ہو۔ لیکن دنیا میں کافر بھی ان کے شریک کر دیئے گئے ہیں بلکہ بطور استدراج و امہال ان کو زیادہ دے دیا گیا ہے تا کہ ان پر حجّت پوری ہو جائے۔ رزق کے اصل مستحق اہل ایمان ہیں اور کافر ان کے طفیلی ہیں۔ ان نعمتوں سے مقصود بالانعام اہل ایمان ہیں۔ جو اللہ کے محترم اور مکرم بندے ہیں جو اس کا رزق کھا کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور خدا کے نافرمان اور سرکش اگرچہ دنیاوی رزق میں بظاہر اہل ایمان کے

شریک ہیں لیکن در پردہ طفیلی اور تابع ہیں کفار خدائے تعالیٰ کی نظر میں بمنزلہ چوپاؤں کے ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (الانعام:۵۵) جس طرح حیوان کو انسان کے طفیل میں کھانے کو بہت زیادہ مل جاتا ہے۔ اسی طرح کفار کو اہل ایمان کے طفیل اور صدقہ میں خوب مل رہا ہے اور قیامت کے دن تمام نعمتیں خالص اہل ایمان ہی کے لیے ہوں گی۔ آخرت میں کفار کو بطور تَطَفُّل اور بطور تبعیت بھی ان نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ جنت اور جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے دنیاوی زندگی میں کافروں کو نعمتوں میں شریک کر دیا مگر یہ شرکت اصالتاً نہیں بلکہ تبعاً ہے بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے لقولہٖ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ﴾ (البقرہ:۱۲۶) یا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں مؤمن اور کافر سب شریک ہیں۔

ع چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

مگر قیامت کے دن نعمتیں خاص ایمانداروں کے حصہ میں آئیں گی اور کفار ان سے محروم رہیں گے۔ اسی طرح ہم اپنے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس گروہ کے لیے جو جانتے اور بوجھتے ہیں اور جو جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا ہیں ان کے لیے بتلانا اور نہ بتلانا سب برابر ہیں۔

تفصیل محرمات

گزشتہ آیات میں جاہلیت کی لغویات کا رد فرمایا اب آگے محرمات کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ جز ایں نیست کہ اللہ نے حرام کیا ہے تمام بے حیائی کے کاموں کو جو ان میں سے ظاہر ہیں ان کو بھی جیسے برہنہ طواف کرنا اور جو ان میں سے چھپے ہیں ان کو بھی جیسے بدکاری مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عمدہ لباس اور عمدہ غذاؤں کو حرام نہیں کیا بلکہ بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے جن کے تم مرتکب ہو اور اللہ نے ہر قسم کے گناہ کو حرام کیا ہے۔ جس میں شراب اور جوا خاص طور پر داخل ہے۔ كَمَا قَالَ اللّٰه تعالیٰ: ﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ اور کسی پر ناحق ظلم اور زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو اللہ نے حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک گردانو جس کی اللہ نے کوئی حجت اور سند نہیں اتاری اور حرام کیا اللہ نے اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو جس کا تم کو علم نہ ہو یعنی اپنی جہالت سے اللہ پر بہتان باندھنا حرام ہے ظلم اور زیادتی اور شرک اور خدا پر جھوٹ بولنا۔ اگرچہ فواحش اور اثم (گناہ) کے تحت میں داخل تھا لیکن چونکہ یہ تین گناہ سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے ان کو علیحدہ بیان کیا تاکہ ان کی برائی واضح ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقع میں حلال ہیں ان کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں واقع میں حرام ہیں ان کو حلال سمجھتے ہو عجب جہل میں گرفتار ہو۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اگر یہ چیزیں خدا نے حرام کیں ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے ارتکاب پر سزا کیوں نہیں دیتا تو جواب یہ ہے کہ ہر اُمت کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس وقت مقرر کے آنے تک ان کو مہلت ملتی ہے۔ پس جب وہ وقت مقرر آ پہنچے تو ایک لمحہ کے لیے آگے اور پیچھے نہیں ہو سکتے وقت مقررہ آ جانے کے بعد کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں مقصود یہ ہے کہ عذاب الٰہی میں جلدی کرنا بیکار ہے ہر شخص کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ جائے گا تو پھر ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

فائدہ: ﴿لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے جیسے ایک خریدار دکاندار سے قیمت بتلانے کے وقت کہتا ہے کچھ کم وبیش، تو دکاندار کہتا ہے کم وبیش کچھ نہیں۔ دونوں جگہ کم کا ذکر مقصود ہے اور پیش کا لفظ محض تاکید اور مبالغہ کے لیے تبعاً اور استطراداً ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ جب خدا کا وعدہ آ پہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم وتاخیر نہیں ہو سکتی مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم کی نفی تو پہلے ہی سے ظاہر ہے اس کی نفی کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ

اے اولاد آدم کی! کبھی پہنچیں تم پاس رسول تم میں کے سنا دیں تم کو آیتیں میری، تو جس نے

اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ

خطرہ (بچاؤ) کیا اور سنوار پکڑی، نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غم کھاویں۔ اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

جھوٹ جانیں آیتیں ہماری اور تکبر کیا ان کی طرف سے وہ ہیں دوزخ کے لوگ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

رہ پڑے پھر اس سے ظالم کون؟ جو جھوٹ باندھے اللہ پر یا جھٹلاوے

بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمْ

اس کے حکم کو وہ لوگ پاویں گے جو ان کا حصہ لکھا کتاب میں یہاں تک کہ جب پہنچے ان پاس

رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ

بھیجے ہوئے ہمارے جان لینے کو بولے کیا ہوئے جن کو تم پکارتے تھے سوا اللہ کے؟

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

بولے ہم سے گم ہوئے اور قائل ہوئے اپنی جان پر کہ وہ تھے منکر

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

فرمایا داخل ہو ساتھ اور اُمتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جن اور انسان،

فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا

آگ میں جہاں داخل ہوئی ایک امت لعنت کرنے لگی دوسری کو۔ جب تک گر چکے

فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا

اس میں سارے، کہا پچھلوں نے پہلوں کو اے رب ہمارے! ہم کو انہی نے گمراہ کیا

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا

سو تو دے ان کو دونا عذاب آگ کا۔ فرمایا کہ دونوں کو دونا ہے پر تم نہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ

جانتے۔ اور کہا پہلوں نے پچھلوں کو، سو کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر

فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

زیادتی اب چکھو عذاب، بدلہ اپنی کمائی کا۔ بیشک جنہوں نے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ

ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبّر کیا، نہ کھلیں گے ان کو دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے

الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

جنت میں جب تک پیٹھے (گزرے) اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ

گنہگاروں کو۔ ان کو دوزخ کے فرش ہیں اور اوپر سائبان اور

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا

ہم یوں بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو اور جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں، ہم نہیں

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

بوجھ رکھتے کسی پر مگر اس کے مقدور کا وہ ہیں جنت کے لوگ۔ وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ

رہ پڑے۔ اور نکال لی ہم نے جو ان کے دل میں تھی خفگی بہتی ہیں ان کے

تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا

نیچے نہریں اور کہتے ہیں شکر اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ

كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا

راہ دیتا ہم کو اللہ۔ بے شک لائے تھے رسول ہمارے رب کی

بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ

تحقیق بات اور آواز آئی کہ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے۔ بدلہ اپنے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کاموں کا

ندائے چہارم:

تذکیر عہد قدیم باطاعت خداوند کریم وبیان نعیم وجحیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ... اِلٰی ... اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بنی آدم کے لیے تین نداؤں کا بیان ہوا جن میں عقائد واعمال میں ابلیس کے اتباع اور موافقت سے اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے ممانعت فرمائی۔ اب آئندہ آیات میں نداء چہارم کا ذکر ہے جس سے بنی آدم کو اپنا عہد قدیم یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تم کو اس مضمون کا خطاب کوئی جدید امر نہیں بلکہ عالم ارواح میں تم سے یہ عہد لے لیا گیا تھا کہ دیکھو ہم دنیا میں اپنے رسول بھیجیں گے اور ان کے ذریعہ سے ہم تم کو راہ ہدایت اور صراط مستقیم سے آگاہ کریں گے کہ اس راہ پر چل کر تم ہم تک پہنچ سکو گے اور جو ہمارے رسولوں کا اتباع کرے گا اس کو یہ جزاء ملے گی اور جو ان کے احکام سے انحراف کرے گا اور شیطان کی راہ پر چلے گا اس کو یہ سزا بھگتنی پڑے گی۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ ... الاٰیات﴾

غرض یہ کہ ان آیات میں اُس عہد قدیم کا یاد دلانا مقصود ہے جو اولادِ آدم سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا جو توحید اور رسالت اور قیامت اور مبداء ومعاد کے بیان پر اجمالاً مشتمل تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے اولادِ آدم ہم نے تم سے روز ازل میں یہ کہہ دیا تھا کہ اگر

تمہارے پاس تم ہی میں سے یعنی تمہاری جنس سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں پڑھیں پس جو ان کی ہدایت اور نصیحت کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اپنی حالت کو درست کرے یعنی پوری طرح سے ان کا اتباع کرے تو ایسوں پر قیامت کے دن نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے ان کے آنے کے بعد ہمارے احکام کو جھٹلایا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے کبھی بھی عذاب سے نہیں نکل سکیں گے۔

مسیلمہ قادیان کا ایک ہذیان:

واضح ہو کہ قادیانی جماعت نے مسیلمۂ قادیان کے اثبات نبوت کے لیے قرآن میں تحریف کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے معنی میں بھی تحریف کی ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد بھی رسول آسکتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ خطاب اُمت محمدیہ کو نہیں بلکہ یہ آیت حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے قصہ سے متعلق ہے۔ اور یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب دنیا کی ابتداء تھی اور زمین پر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا جیسا کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یعنی ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ... الخ﴾ کل اولادِ آدم کو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم عَلَیْہِ السَّلَام اور ان کی ذریت کو اپنے دست قدرت میں لے کر عالم ارواح میں فرمایا تھا۔ (روح المعانی ص ۹۹ ج ۸)

جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ... الخ﴾ (البقرہ: ۳۸) اور سورۂ طٰہٰ کے رکوع ہفتم میں حضرت آدم اور حواء عَلَیْہِمَا السَّلَام کو ملا کر ان الفاظ میں خطاب فرمایا ہے۔ ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ﴿۱۲۳﴾﴾ (طٰہٰ) پس ان آیات نے واضح کر دیا کہ یہ قصہ حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے وقت کا ہے اور یہ خطاب خاص اولادِ آدم کو ہے کہ اے اولادِ آدم خوب یاد رکھو کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے کہ تم اس کے مکر و فریب سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو شرک اور بے حیائی اور اِثم و عُدوان میں پھنسا کر پدری میراث (یعنی جنت) سے محروم کر دے۔ ہم تذکیرِ آخرت کے لیے وقتاً فوقتاً تمہاری طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجیں گے جو صاحب شریعت اور صاحبِ آیاتِ بینات ہوں گے اور وہ تم کو اپنے باپ کی میراث یعنی جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب دیں گے پس جو ان کا اتباع کرے گا وہ فلاح پائے گا اور جو ان کی تکذیب کرے گا وہ ہلاک اور برباد ہوگا۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کی اولاد میں بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب رسول اور پیغمبر آئے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مبعوث ہوئے اور نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سرور عالم محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

قادیان کے دہقان نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف قیامت تک کے لیے انبیاء و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور اس قسم کی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک رسولوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے یہ بالکل غلط ہے یہ وعدہ اولادِ آدم سے ہے خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمت سے یہ وعدہ نہیں قرآن کریم خاتم النّبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کو جائز نہیں رکھتا۔ نیز مرزا غلام احمد کے نزدیک بھی خاتم النّبیین کے بعد نبوت تشریعی کا دروازہ بند ہے کہ خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد قیامت تک نہ کوئی جدید شریعت آسکتی ہے اور نہ کوئی صاحبِ کتاب رسول آسکتا ہے مسیلمہ قادیان کے نزدیک خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد صرف غیر تشریعی

نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تشریعی نبوت کا دروازہ اس کے نزدیک بھی بند ہے اور آیت مذکورہ یعنی ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ﴾ میں بظاہر ان رسولوں کا آنا مراد ہے جو صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب اور صاحب معجزات ہوں پس اگر یہ آیت بقاء نبوت پر دلیل ہے تو اس سے تو ہر قسم کی نبوت و رسالت کی بقاء ثابت ہو جائے گی۔ خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔

قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ نبوت ایک نعمت ہے۔ اُمتِ محمد یہ باوجود خیر الامم ہونے کے اس نعمت سے کیسے محروم رہے تو جواب یہ ہے کہ تشریعی نبوت سب سے ہی اعلیٰ اور اکمل نعمت ہے تو جب سابقہ اُمتوں کو تشریعی نبی اور رسول ملتے رہے تو یہ امت تشریعی نبوت و رسالت کی نعمت سے کیوں محروم رہے؟ اس لیے قادیانیوں کو چاہیے کہ کھل کر یہ اعلان کریں کہ تشریعی نبوت کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد مستقل رسول اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی بھی آسکتے ہیں۔ ظلی اور بروزی نبوت کا نام لینے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ یہ آیت اگر بالفرض والتقدیر بقاء نبوت پر دلالت کرتی ہے تو اس آیت سے ہر قسم کی نبوت کے بقاء کا امکان ثابت ہو جائے گا۔ خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی سو یہ آیت بہائی فرقہ والوں کے لیے دلیل ہوگی جو اپنے اعتقاد میں قرآن کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اب بہاء اللہ کی نبوت و رسالت کا دور شروع ہو گیا اور اسی آیت سے وہ دلیل پکڑتے ہیں۔ نیز اگر خاتم النّبیین ﷺ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو مرزائے قادیان کے بعد بھی نبی آسکتا ہے اور مرزا کا بھی ظل اور بروز ہو سکتا ہے۔

تفصیل سزائے مکذبین و متکبرین

گذشتہ آیت میں جس عہد کا ذکر کیا گیا اس میں نعیم و جحیم کا اجمالاً ذکر تھا اب قدرے اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ اوّل اہل جحیم کا حال بیان کرتے ہیں پھر اہل نعیم کا حال اور مآل بیان کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی جو بات خدا تعالیٰ نے نہیں کہی وہ اس کی طرف منسوب کی مثلاً اس کا شریک ٹھہرایا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا یعنی جو بات خدا نے کہی تھی اس کا انکار کر دیا ایسے لوگوں کو نوشتۂ خداوندی سے حصہ پہنچے گا یعنی خدا تعالیٰ نے انکے لیے جو عمر اور مال و جاہ مقدر کیا ہے وہ ان کو دنیا میں مل جائے گا اور ایک وقت تک ان کو ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں نکالنے آئیں گے تو وہ ان سے کہیں گے بتلاؤ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ یعنی ان کو پکارو اور بلاؤ کہ تمہاری مدد کریں اور تم کو عذاب سے بچائیں کفار جواب دیں گے کہ وہ معبود تو ہم سے غائب ہو گئے۔ واقعی کوئی ہمارے کام نہیں آیا اور اس وقت مجبور ہو کر وہ کافر اپنی جانوں پر گواہی دیں گے۔ کہ بے شک وہ کافر تھے یعنی وہ اپنے کفر کا اقرار کریں گے اور بعض آیات میں جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنے کفر اور شرک کا انکار کریں گے۔ سو وہ اس آیت کے منافی نہیں اس لیے کہ قیامت کے دن مختلف مواقف اور مختلف احوال ہوں گے۔ کسی جگہ انکار کریں گے اور کسی جگہ اقرار کریں گے خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب آگ میں ان اُمتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزری ہیں یعنی جس آگ میں پہلے زمانوں کے کفار جن وانس ہیں تم بھی انہی میں داخل اور شامل ہو جاؤ اور اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہوگی تو لعنت کرے گی اپنی دوسری ہم جنس جماعت پر یہودی یہودیوں پر لعنت کریں گے۔ عیسائی عیسائیوں پر، مجوسی مجوسیوں پر، غرض یہ کہ اس مصیبت میں ایک دوسرے کی ہمدردی تو کیا ہوتی ایک دوسرے پر لعنت

کریں گے یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ میں گر کر ایک دوسرے سے مِل جائیں گے تو ان کی پچھلی جماعت جو بعد میں داخل ہوئی ہو گی ان کی پہلی جماعت کے حق میں یہ کہے گی۔ پچھلی جماعت سے عوام الناس مراد ہیں جو اپنے سرداروں کے تابع تھے اور ان کے حکم پر چلتے تھے اور پہلی جماعت سے ان کے سردار اور رؤساء مراد ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! انہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا یعنی یہ ہمارے مقتداء اور پیشوا تھے جو راہ انہوں نے ہمارے لیے تجویز کی ہم اس پر چلے ہم ان کو بڑا سمجھتے تھے ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور ہم کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ہماری گمراہی کا سبب یہ لوگ ہوئے ہیں سو آپ ان لوگوں کو بہ نسبت ہمارے دوزخ کا عذاب دوچند دیجیے کیونکہ ان کا دوہرا قصور ہے یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا دونوں کو دونا عذاب ہے پہلی جماعت کو اس لیے دگنا عذاب ہے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لیے گمراہی کی راہ ڈالی۔ اور پچھلی جماعت کو اس لیے دوگنا عذاب ہے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں نے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے تم پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا پھر بھی تم نے ان گمراہوں کا اتباع کیا اور اہل حق کو چھوڑ کر اُن کے پیچھے ہوئے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں نے پچھلی قوموں کی تباہی اور بربادی کا حال تم کو سنا دیا۔ پھر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی ولیکن تم جانتے نہیں کہ ہر فریق کس درجہ عذاب کا مستحق ہے اور آئندہ چل کر اس کے عذاب میں کس قدر زیادتی ہو گی اور حق تعالیٰ کے اس جواب کے بعد ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت سے یہ کہے گی۔ پس اس حساب سے تو تم کو ہم پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہ ہوئی ہم دوچند عذاب میں مبتلا ہوئے اسی طرح تم بھی دوچند عذاب میں مبتلا ہوئے۔ گمراہی اور کفر میں ہم تم دونوں برابر ہیں۔ اچھا تو اب ہماری طرح تم بھی عذاب کا مزہ چکھو بدلہ میں اس کفر کے جو تم کماتے تھے۔

الغرض ہر ایک اپنے کرتوت کا مزہ چکھے گا۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ یعنی ان کی زندگی میں اُن کے اعمال وافعال آسمان پر نہیں چڑھیں گے۔ یعنی ان کے اعمال کو آسمانی قبول ورفعت حاصل نہ ہو گی اور نہ مرنے کے بعد ان کی روحیں آسمان پر چڑھ سکیں گی کیونکہ اُن کے اعمال گندے ہیں اور ان کی روحیں نجس ہیں اور اللہ کی طرف اعمال صالحہ اور کلمات طیبہ اور پاک روحیں ہی چڑھتی ہیں۔ آسمان کا دروازہ ان لوگوں کے لیے کھلتا ہے۔ جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے چون و چرا تصدیق کی اور سر تسلیم ان کے سامنے خم کیا۔ اور جنہوں نے بجائے تصدیق کے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور بجائے تواضع کے ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھل سکتا جیسا کہ احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ فرشتے جس کافر کی روح کو قبض کر کے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو آسمان اور زمین کے درمیان رہنے والے فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں تو وہ جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ خبیث روح کس کی ہے جس سے مردار کی بدبو آ رہی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں جو اس کا بہت بُرا نام تھا وہ لے کر بتاتے ہیں یعنی اس خبیث کا اسم اور مسمی دونوں ہی گندہ اور پلید ہیں جب آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کے لیے دروازہ کھولنے کی درخواست کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور اس کی روح کو آسمان سے سجین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے اور مؤمن کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے احادیث کا مطالعہ کریں۔ غرض یہ کہ کافروں کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یہ تو مرنے کے بعد کا حال ہوا اور قیامت کے حساب وکتاب کے بعد

یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ یہاں تک کہ اُونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن اور محال ہے۔ لہٰذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ اس قسم کے کلام کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جس طرح اُونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا محال ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی کفار کو جو ہم نے یہ سزا دی کہ جنت میں ان کا داخل ہونا ناممکن اور محال بنا دیا وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ مجرم ہیں اور مجرم کی یہی سزا ہے اور جرم یہ ہے کہ احکامِ خداوندی کی تکذیب کی اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا مقصود یہ ہے کہ کافر دخول جنت سے قطعاً مایوس اور نا اُمید ہو جائیں۔ ان کی تکذیب اور تکبر نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر جنت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور عذاب محیط کو ان پر ایسا مسلط کر دیا کہ ان کے لیے دوزخ ہی کا فرش ہوگا اور ان کے اوپر اسی کے بالا پوش ہوں گے یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہوگی۔ جس طرح دُنیا میں ان کو کفر اور تکذیب اور تکبر احاطہ کیے ہوئے تھا اسی طرح آخرت میں ان کو عذاب خداوندی احاطہ کیے ہوئے ہوگا اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا اس کے احکام کو جھٹلائے جس کا ذکر ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا... الخ﴾ میں ابھی گزرا ہے ظلم ہی سے کلام کا آغاز ہوا اور ظلم ہی پر اس کا اختتام ہوا۔

تفصیل جزاء مؤمنین صالحین

گزشتہ آیات میں مکذبین اور متکبرین کی سزا کی تفصیل تھی اب آگے مؤمنین صالحین کی جزاء کی تفصیل ہے جس میں اشارۃً یہ بتلایا ہے کہ آسمان اور جنت کے دروازوں کا کھلنا اعمال شاقہ پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص کسی درجہ میں مشقت یا تکلیف مالا یطاق کا عذر کر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو لوگ آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لائے اور انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کے مطابق انہوں نے نیک عمل کیے اور ایمان لانا اور اعمال صالحہ کا کرنا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور اس کے مقدرت سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتے مطلب یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی تکلیف ایسا بوجھ نہیں جو ناقابل برداشت ہو اور طاقت بشری سے باہر ہو سو ایسے لوگ بہشتی ہیں بہشت میں داخل ہوں گے وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے عمل ان کا اگرچہ محدود تھا مگر اس کی جزاء غیر محدود ہوگی اور جنت میں داخل ہونے کے بعد اہل جنت کے مابین اہل نار کی طرح باہمی عداوت اور ایک دوسرے پر لعنت اور ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی بلکہ ان مومنین صالحین کے سینوں میں جو ایک دوسرے کی طرف سے دنیا میں بمقتضائے بشریت کسی غلط فہمی کی بناء پر کسی قسم کی کوئی خفگی اور رنجش اور ناخوشی ہوگی تو جنت میں جانے کے بعد اس کو ہم ان کے سینوں سے کھینچ کر باہر نکال دیں گے جنت میں پہنچ جانے کے بعد نہ ایک دوسرے سے عداوت ہوگی اور نہ شکوہ و شکایت سب بھائی بھائی بن کر رہیں گے کیونکہ رنج و غم عیش کو مکدر کر دیتا ہے اور جنت میں تکدر کا نام و نشان نہ ہوگا اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کبھی اس درجہ کے نیکوں میں بھی باہم رنجش اور کدورت پیش آجایا کرتی ہے جو خدا کے نزدیک بھی ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ﴾ کا مصداق ہوتے ہیں اور ان کی اس باہمی رنجش سے اللہ کے نزدیک ان کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ ان کی رنجش اور کدورت کی بنیاد حسد اور طمع پر نہیں ہوتی بلکہ محض لِلّٰہ اور فی اللہ ہوتی ہے گو نفس الامر میں ان دونوں میں سے ایک خطا پر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی طرف سے طلب حق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ان سے جو خطاء اور غلطی ہوتی ہے وہ اجتہادی ہوتی ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:۲۳۲) بلکہ اس پر اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ((من اجتهد فاصاب فله اجران و من اخطأ فله اجرو احد)) جس نے اجتہاد کیا اور صواب کو پہنچا اس کو دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد میں خطا کی اس کو ایک اجر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم اہل بدر کے بارہ میں نازل ہوئی۔ نیز آپ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُمید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم قیامت کے دن انہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۵ ج ۲ و تفسیر قرطبی ص ۲۰۸ ج ۷)

کہتے ہیں کہ جنتی جب جنت کی طرف دوڑیں گے تو اس کے دروازے کے پاس ایک درخت پائیں گے جس کے نیچے دو چشمے جاری ہوں گے جس میں سے ایک چشمے کا پانی وہ پئیں گے تو ان کے سینوں کا کینہ دُور ہو جائے گا۔ وہی شراب طہور ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ (الدھر:۲۱) دوسرے چشمے سے غسل کریں گے جس سے ان پر تازگی اور خوشحالی آجائے گی۔ (روح المعانی ص ۱۰۴ ج ۸ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۵ ج ۲)

اور بعض علماء نے ﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ باوجود یہ کہ جنتیوں کے مدارج مختلف ہوں گے۔ کوئی اعلیٰ درجہ میں ہوگا اور کوئی ادنیٰ درجہ میں مگر باایں ہمہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے پر حسد نہ ہوگا ہر ایک اپنے درجہ میں خوش ہوگا اور سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اخلاص رکھیں گے بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۸ ج ۷)

ان کے مکانات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ غایت مسرت سے حق تعالیٰ کے شکر میں یہ کہیں گے کہ سپاس بے قیاس ہے اس خداوند کریم کے لیے جس نے اپنے لطف و کرم سے ہم کو دُنیا میں ایمان صحیح اور عمل صالح کی توفیق دی۔ جس کی بدولت آج ہم کو جنت کی یہ عزت و کرامت نصیب ہوئی اور ہم بذاتِ خود راہ یاب نہ ہوتے اگر اللہ ہم کو توفیق نہ دیتا۔ اس کی توفیق اور عنایت سے ہم کو ہدایت میسر ہوئی ؎

واللّٰہ لولا اللّٰہ ما اهتدينا	ولا تصدقنا ولا صلينا
فانزلن سكينة علينا	و نحن عن فضلك ما استغنينا
گر بد رقۂ لطف تو ننماید راہ	از راہ تو ہیچ کس نگردد آگاہ
آنکہ برہ رسند و باید رفتن	توفیق رفیق نشد واویلاہ!

اہل ایمان دخول جنت کے بعد اوّل حق تعالیٰ کی نعمت ہدایت اور نعمت توفیق کا شکر ادا کریں گے۔ بعد ازاں حضرات انبیاء و رسل علیہم السلام کا ذکر کریں گے جو خدا اور بندوں کے درمیان میں واسطہ فی الہدایت اور واسطہ فی الانعام ہیں اور یہ کہیں گے۔ البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ اگر یہ حضرات ہماری رہبری اور رہنمائی نہ کرتے تو ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہ نعمت و کرامت جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ سب ان کا فیض صحبت اور ان کے اتباع کی برکت ہے اور ان حضرات نے ایمان اور عمل صالح اور اتباع شریعت پر جو جو وعدے ہم سے لیے تھے وہ سب سچے نکلے اور نعمائے آخرت کی جو بشارتیں ان حضرات نے ہم کو دی تھیں آج ہم نے ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ہم کو جو کچھ ملا وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ملا بغیر انبیاء کرام علیہم السلام کے توسط کے

بارگاہِ خداوندی میں رسائی ممکن نہیں۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین و علی خاتم الانبیاء والمرسلین و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین و علینا معھم یا ارحم الراحمین۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ محض حق تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری سے اور پھر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی رہنمائی اور رہبری سے ہم کو یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مقام کہاں اور اہل جنت جب ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت اور اس کے لطف و عنایت کا کرشمہ سمجھ کر اس اس کا شکر کریں گے اور اس کو اپنے ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ اور صلہ نہیں سمجھیں گے۔ تو اس وقت ان کو خدا کی طرف سے ندا دی جائے گی۔ کہ یہ جنت ہے جس کے تم اپنے عملوں کے عوض وارث بنائے گئے ہو یعنی وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں نے وعدہ کیا تھا اب تم اس کے مالک ہو گئے۔ حق تعالیٰ کے فضل سے اور پھر ایمان اور عمل صالح کی برکت سے تم نے اپنے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہمیشہ کے لیے حاصل کر لی۔

فائدہ: اور یہ نداء کرنے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا۔ جیسا کہ تفسیر درمنثور میں ابو معاذ بصری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: فیذھب الملك فیقول سلام علیکم تلکم الجنة اورثتموھا بما کنتم تعملون۔

نکتہ: اہل جنت نے اپنے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور جنت کو محض اللہ کا فضل سمجھا اور اس کا شکر کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آوازہ پڑا کہ چونکہ تم نے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور ان کو قابلِ جزا اور انعام نہ جانا اور ہماری بارگاہ میں تذلل اور تواضع اور ادب کو ملحوظ رکھا اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ جنت تمہاری عملی جدوجہد کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور ہمیشہ کے لیے تم اس کے مالک بنا دیئے گئے۔

نکتۂ دیگر: ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل صالح دخول جنت کا سبب ہے اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ کوئی شخص بسبب عمل کے جنت میں نہ جائے گا بلکہ رحمتِ الٰہی کے سبب جنت میں جائیں گے۔ سو جاننا چاہیے کہ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں دخول جنت کا سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ آیت میں سبب ظاہری کا ذکر ہے اور حدیث میں سبب حقیقی مراد ہے۔ پس آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پا چکے جو ہم کو وعدہ دیا تھا

رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ

ہمارے رب نے تحقیق ، سو تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا تحقیق بولے ہاں۔

فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ لا الَّذِيْنَ

پھر پکارا ایک پکارنے والا ان کے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی بے انصافوں پر۔ جو

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی۔ اور وہ آخرت سے

كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ

منکر ہیں اور دونوں کے بیچ میں ہے ایک دیوار اور اس کے سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں

كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَمْ

ہر ایک کو اس کے نشان سے اور پکارے جنت والوں کو، کہ سلامتی ہے تم پر

يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ امیدوار ہیں۔ اور جب پھری ان کی نگاہ

ع ۵ ۸ ۱۲ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع

دوزخ والوں کی طرف، بولے اے ربّ ہمارے نہ کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا

اور پکارے دیوار کے سرے والے ایک مردوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں نشان سے بولے،

مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

کیا کام آیا تم کو جمع کرنا اور جو تم تکبر کرتے تھے؟ اب یہ وہی ہیں کہ

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَ

تم قسم کھاتے تھے نہ پہنچاوے گا ان کو اللہ کچھ مہر۔ چلے جاؤ جنت میں نہ ڈر ہے تم پر اور

لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

نہ تم غم کھاؤ۔ اور پکارے آگ والے جنت والوں کو

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

بہاؤ ہم پر تھوڑا پانی یا جو روزی تم کو دی اللہ نے۔ بولے بیشک اللہ نے

حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ

یہ دونوں بند کیے ہیں منکروں سے جنہوں نے ٹھہرایا ہے اپنا دین تماشا اور کھیل اور

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ

بہکے دنیا کی زندگی پر۔ سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسے وہ بھولے اپنے اس دن کا ملنا اور

هٰذَا ۙ وَ مَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ

جیسے تھے ہماری آیتوں سے جھگڑتے۔ اور ہم نے ان کو پہنچادی ہے کتاب جو کھول کر بیان کی ہے

عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

خبرداری سے راہ بتاتی اور مہربانی ایمان والے لوگوں کو کیا راہ دیکھتے ہیں؟ مگر

تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ

یہی کہ وہ ٹھیک پڑے جس دن وہ ٹھیک پڑے گی کہنے لگیں گے جو اس کو بھول رہے تھے پہلے

قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا

سچی بات لائے تھے ہمارے ربّ کے رسول اب کوئی ہیں سفارش والے تو ہماری سفارش

لَنَاۤ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ

کریں یا ہم کو پھر جانا ہو تو ہم کام کریں سوا اس کے جو کر رہے تھے۔ تحقیق ہارے اپنی جان اور

ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۶ ۶ ۱۳

بھول گیا جو جھوٹ بناتے تھے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ اور اہل اعراف کی باہمی گفتگو کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ نَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ ... الٰى ... وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل جنت اور اہل نار کی جزاء وسزا کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مخاطبات اور مکالمات کا ذکر ہے جو دخول جنت وجہنم کے بعد جنتیوں اور دوزخیوں کے مابین ہوں گے اور ان کے ساتھ اہلِ اعراف کا بھی ذکر فرمایا جن کی حالت ابتدا میں بین بین

ہوگی اور بعد میں ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو جائے گا اور اس تمام تذکرہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ اس روز اہل ایمان کو سعادت کاملہ حاصل ہوگی اور اسلام کے دشمنوں کو انتہائی رنج وغم اور انتہائی حسرت پیش آئے گی۔ جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں جو کچھ کرنا ہے وہ اب کرلو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب جنت والے جنت میں اور آگ والے آگ میں جا چکیں گے اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائیں گے تو جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے اور یہ پکارنا محض خبر دینے کے لیے نہ ہوگا بلکہ اپنی حالت پر اظہارِ مسرت کے لیے اور اُن کی توبیخ اور حسرت بڑھانے کے لیے ہوگا۔ اور وہ نداء اور پکار یہ ہوگی کہ تحقیق ہم سے جو دنیا میں ہمارے پروردگار نے اپنے رسولوں کی زبانی ایمان اور عمل صالح پر بہشت کا وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے ٹھیک پایا یعنی وہ وعدے جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے وہ پورے کر دیئے گئے۔ سو تم بتلاؤ کہ تم نے اس وعدہ کو ٹھیک پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا۔ یعنی خدا کا وعدہ تم سے کفر پر عذابِ الیم کا تھا جس کی خبر تم کو انبیاء کرام علیہم السلام دیا کرتے تھے۔ بتلاؤ کہ تم بھی اپنے وعدۂ عذاب کو پہنچے یا نہیں اور انبیاء علیہم السلام نے جس چیز کی خبر دی تھی اب بھی اس کا یقین آیا یا نہیں؟ اہل دوزخ جواب میں کہیں گے کہ ہاں! ہم نے بھی اس وعدے کو ٹھیک پایا جو ہمارے پروردگار نے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا تھا۔ اسی وعدہ کے بناء پر ہم عذاب میں پڑے ہیں جنتیوں کا دوزخیوں سے یہ سوال بطور تقریع وتوبیخ کے ہوگا کہ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا تم کہو کہ تم نے بھی سچا پایا یا نہیں۔ جھک مار کر کہیں گے کہ ہاں ہم نے سچا پایا۔ جیسا کہ سورۂ صافات میں ہے کہ ایک شخص اپنے کافر یار سے کہے گا۔

﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝﴾ (الصافات)

بعد ازاں فرشتے کہیں گے۔

﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الطور)

اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کنویں پر کھڑے ہو کر سردارانِ قریش کو نام بنام پکار کر بطور توبیخ اور سرزنش فرمایا۔ اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ اور اے فلاں اور اے فلاں ((هل وجدتم مَا وعدكم ربكم حقا فاني وجدت ما وعدني ربي حقا)). سو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ندا اور نام بنام خطاب مقتولین بدر کی توبیخ اور سرزنش کے لیے تھا۔ اسی طرح اہل جنت کی اہل نار سے یہ گفتگو بطور تقریع اور توبیخ ہوگی تا کہ ان کی حسرت اور ندامت حدِ کمال کو پہنچ جائے اس وقت دوزخیوں کو جواب میں بجز نعم (ہاں) کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوگا مگر لاچاری اور مجبوری کا یہ اقرار یعنی نَعَمْ اجمالی اقرار ہے جس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں۔ پس اس وقت ان دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان ایک پکارنے والا یعنی ایک فرشتہ بآواز بلند پکار کر یہ کہے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور خدا کی راہ میں کجی کے متلاشی رہتے تھے۔ یعنی اس میں عیب نکالتے رہتے تھے اور اپنی کج بحثیوں سے دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کر دیں تا کہ کوئی اس راہ پر نہ چل سکے۔ ملاحدہ اور زنادقہ کا طریقہ یہی ہے کہ دین کی باتوں میں شکوک اور شبہات نکالتے رہتے ہیں تا کہ لوگ دین سے بدظن اور متنفر ہو جائیں اور وہ آخرت کے منکر تھے صرف دُنیاوی زندگانی ان کی منتہائے نظر تھی عالَم دُنیا جو ان کو آنکھوں سے نظر آ گیا تھا۔ صرف اس کے

قائل تھے اور عالم آخرت جو مرنے کے بعد نظر آتا ہے وہ اس کے قائل نہ تھے غرض یہ کہ ان کے نَعَمْ (ہاں) کہنے کے بعد فرشتہ ان ظالموں پر بآواز بلند لعنت کی اذان دیگا تا کہ سب اوّلین اور آخرین سن لیں کہ یہ ظالم بلاشبہ قابل لعنت ہیں اور ان ظالموں نے جو مجبور ہو کر نَعَمْ کہا اس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں خدا کے مؤذن یعنی فرشتہ نے جب ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ کی اذان دی اور بآواز بلند اس کا اعلان کیا تو ان کا مجرم ہونا سب کو معلوم ہو گیا کہ ان کا جرم ظلم یعنی کفر اور شرک ہے۔

اہلِ اعراف کا ذکر

جب اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ والوں کا ذکر کر چکے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک حجاب یعنی ایک بلند دیوار ہے جسکا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہیں پہنچنے دے گی کیونکہ اگر اہل جنت کو نار کا کوئی اثر پہنچے تو ان کے لیے باعثِ ایذاء ہے اور اگر اہل جنت کا کوئی اثر اہل دوزخ تک پہنچے تو ان کے عذاب اور مصیبت میں کمی آجائے اس لیے درمیان میں ایک پردہ قائم کر دیا گیا کہ اِدھر کا اثر اُدھر نہ پہنچ سکے اور یہ وہی حجاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ذکر فرمایا ہے:

﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ﴾ (الحدید)

چنانچہ فرماتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جس کا نام اعراف ہے۔ اعراف کو اعراف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ اعراف ہر شخص کو اوپر سے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ جنتی ہے اور یہ دوزخی ہے اعراف۔ عرف کی جمع ہے جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں چونکہ وہ دیوار اونچی ہے اس لیے اس کا نام اعراف رکھا گیا جس کی بلندی پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے اور اس دیوار اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ اس لیے یہ لوگ نہ جنت کے مستحق ہیں اور نہ دوزخ کے اس لیے فی الحال اور سر دست اعراف میں رکھے جائیں گے۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ غرض یہ کہ اہل اعراف جنت اور جہنم کے درمیان میں ایک بلند دیوار ہونے کی وجہ سے جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کو ان کی علامت اور چہرے کی نشانی سے پہچان لیں گے چونکہ یہ لوگ بلندی پر ہوں گے اس لیے دونوں فریقوں کو آسانی سے دیکھ سکیں گے۔ جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کے چہروں کی بدروئی اور سیاہی اور بدرونقی سے پہچانیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل اعراف جنتیوں کو ان کے چہروں کی سفیدی سے پہچانیں گے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی سے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۙ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ؕ﴿۴۲﴾﴾ (عبس)

اور یہ اہلِ اعراف جب جنتیوں کی طرف دیکھیں گے تو جنتیوں کو پکار کر کہیں گے سلام علیکم یعنی تم کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ کی سلامتی تم پر قائم اور دائم رہے ابھی تک یہ اہلِ اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اور وہ اُمید اور توقع رکھتے ہوں گے۔ یعنی اہلِ اعراف جس وقت بہشتیوں کو بطور مبارک باد سلام کریں گے تو اس وقت تک وہ خود بہشت میں نہیں ہوں گے مگر ان کو بہشت میں داخل ہونے کی توقع

ہوگی کیونکہ وہ اپنے اعراف میں ہونے کی وجہ سے جان جائیں گے کہ دوزخ سے تو ہم نجات پا ہی چکے ہیں اب ہم بہشت میں ضرور داخل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں۔ آخرت میں دائمی قیام کی جگہ دوزخ ہے یا بہشت نیز عجب نہیں کہ اصحابِ اعراف کی نظر اللہ کے لطف و کرم پر ہو اور دل میں طمع ہو کہ اگرچہ ہماری حسنات اور سیئات کے دونوں پلے برابر ہیں لیکن حسنات کا پلہ بھاری ہو جائے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

ہست امیدم علی رغم عدو روز جزا فیض عفوش نہ نہد بار گنہ بر دوشم

اور جب اہل اعراف کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی اور ان کے عذاب اور ان کی روسیاہی کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ دوزخ میں شامل نہ کر۔ ان کی ہمراہی سراسر تباہی ہے اہل اعراف کی حالت حسنات اور سیئات کے برابر ہونے کی وجہ سے اور دوزخ اور جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے خوف اور رجاء اور طمع اور یأس کے بین بین ہوگی۔ اِدھر دیکھیں گے تو اُمید کریں گے اور اُدھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں میں شامل نہ کیجیے مگر پلہ رجاء اور طمع یعنی اُمید کا غالب ہوگا بالآخر ان کی اُمید پوری ہو جائے گی اور ان کو جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

نکتہ: اہل اعراف کا منہ جہنم کی طرف اس لیے پھیرا جاوے گا تا کہ اللہ کا شکر کریں کہ اس عذاب سے خلاصی ہی بہت بڑی نعمت ہے۔

فائدہ: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان جو حجاب ہے اسی کا نام اعراف ہے قیامت میں تین قسم کے آدمی ہوں گے ایک وہ جن کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی انہیں جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ دوسرے وہ جن کی برائیاں ان کی نیکیوں پر غالب ہوں گی انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی انہیں اس مقام میں جس کا نام اعراف ہے ٹھہرنے کا حکم ہوگا یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوگا تو ان کی خطائیں معاف کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اصحابِ اعراف کون ہیں؟ کہا کہ وہ لوگ ہیں جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں۔ سیئات نے جنت میں جانے سے روکا اور حسنات نے آگ سے بچایا۔ سو وہ اس دیوار پر ٹھہریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فیصلہ کرے۔ جمہور سلف اور خلف کا مذہب یہی ہے کہ اصحابِ اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے اسی طرح منقول ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اصحابِ اعراف وہ لوگ ہوں گے جو جہاد میں بغیر والدین کی اجازت کے نکلے اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی ص ۲۱۱ ج ۷ اور تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۶ ج ۲۔ دیکھیں۔

اور جیسے اہلِ اعراف نے اہل جنت سے سلام و کلام کیا اسی طرح یہ اہل اعراف دوزخیوں میں سے کچھ مردان کفر کو یعنی کافروں کے سرداروں کو جنہیں وہ ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے پکاریں گے اور یہ کہیں گے کیا کام آیا تمہارا مال جمع کرنا اور وہ جو تم دنیا میں تکبر کرتے تھے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھتے تھے یعنی تمہارے مال و دولت اور تکبر نے آج تم کو نفع نہ پہنچایا۔ آخر تم اس عذاب اور وبال میں پھنسے یا جمع سے جمعیت یعنی نوکر چاکر اور برادری اور فوج اور لشکر مراد ہے کہ جس جتھے پر تم کو گھمنڈ تھا وہ کچھ کام نہ آئی بعد ازاں اہلِ اعراف ان غریب اور بیچارے مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے جو جنت میں ہوں گے یہ کہیں گے کیا یہ

غریب مسلمان وہی لوگ نہیں کہ جنہیں تم دنیا میں حقیر سمجھ کر ان کے بارہ میں قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی۔ اب دیکھو کہ ان پر اللہ کی کیسی رحمت ہو رہی ہے۔ ان کے لیے حکم ہو چکا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے اب دیکھ لو پس جن کو تم بہ نظر حقارت دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے: ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾ (الانعام: ۵۳) دیکھ لو ان پر اللہ کا کیسا فضل اور کیسی رحمت ہو رہی ہے اور تم کس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہو۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ قول فرشتوں کا ہے جو اہلِ اعراف سے متعلق ہے یعنی فرشتے اہل اعراف سے کہیں گے۔ اے اہل اعراف فریقین کا فیصلہ ہو چکا لو اب تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ غم۔ اہلِ اعراف دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ پر ہونے کی وجہ سے فریقین کا حال دیکھیں گے دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ اے اللہ! ہمیں ان کے ساتھ نہ شامل کرنا اور اہل جنت کو دیکھ کر ایک عجیب طمع اور آرزو کے ساتھ ان کو سلام کریں گے زبان سے سلام کریں گے۔ اور دل میں یہ طمع اور آرزو ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان کی طرح جنت میں جگہ دے اللہ تعالیٰ ان کی یہ طمع اور آرزو پوری کرے گا اور حکم ہو جائے گا۔ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝﴾

دوزخیوں کا اہل جنت کے سامنے دستِ سوال

گزشتہ آیات میں اہل جنت کی گفتگو کا اہل جہنم سے ذکر تھا۔ اب ان آیات میں دوزخیوں کی جنتیوں سے گفتگو کا ذکر کرتے ہیں اور دوزخ والے بھوک اور پیاس سے بدحواس ہو کر جنت والوں کو پکاریں گے کہ خدارا پانی کا کوئی قطرہ ہم پر ڈال دو یا جو روزی اللہ نے تم کو دی ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو جن فقراء مومنین کے بارہ میں قسم کھا کر کہا کرتے تھے۔ ﴿لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ﴾ اور تکبر کی وجہ سے ان سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ آخرت میں پہنچ کر اُن کے سامنے دستِ سوال دراز کریں گے۔ اہل جنت جواب میں کہیں گے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے (دُنیا میں) اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور دُنیاوی زندگانی نے ان کو ایسا فریب دیا کہ آخرت کو بالکل بھول گئے۔ پس آج ہم بھی ان کو بھول جائیں گے۔ جیسا کہ وہ دُنیا میں اس دن کی پیشی اور ملنے کو بھولے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نسیان سے منزہ ہے یہاں مجازاً اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا مطلب یہ ہے کہ آج ہم ان کو اپنی رحمت سے نظر انداز کر دیں گے بھول جانا کنایہ ہے بے التفاتی اور بے توجہی سے اور اس کے راحت و آرام کی خبر نہ لینے سے ورنہ نسیان کے حقیقی معنی جناب باری تعالیٰ میں متصور نہیں ہو سکتے۔ پس جس طرح یہ لوگ ہماری ہی دی ہوئی نعمتوں میں مست ہو کر ہم کو بھول گئے۔ اور پیغمبروں کے ذریعے ہم نے جو احکام بھیجے ان کا خیال بھی نہ کیا اور ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا اسی طرح آج ہم بھی ان کا خیال نہ کریں گے اور جن لوگوں نے ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا آج ہم ان کی ذلت و خواری کا تماشہ دکھلائیں گے اور جیسا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح آج ہم بھی ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان لوگوں کا انکار کسی شبہ پر مبنی نہ تھا بلکہ عناد کی بناء پر تھا۔ اس لیے کہ تحقیق ہم نے ان کفار کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی جس میں تمام عقائد اور احکام اور امور آخرت کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو ایسے علم یقینی اور قطعی پر مشتمل ہے جس میں سہو اور خطاء کا احتمال بھی نہیں اور یہ کتاب ایسے عجیب و غریب علم پر مشتمل ہے کہ اس جیسا علم کسی اور کتاب میں نہیں۔ (روح المعانی ص ۱۱ ج ۸)

اور اس مفصل کتاب کو ہم نے اس لیے نازل کیا تا کہ سب پر حق واضح ہو جائے اور یہ کتاب ان لوگوں کی لیے ذریعۂ ہدایت اور رحمت ہے جو اس کو سن کر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لا کر اس کی برکتوں سے حصّہ پاتے ہیں برخلاف اِن بدنصیبوں کے کہ جن کے دل تکبر اور نخوت اور مال و دولت کی محبت سے بھرے ہوئے اور لذات نفسانیہ پر فریفتہ ہیں وہ اس کا سننا بھی پسند نہیں کرتے ان کی حالت سے بظاہر ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ کافر لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس وعدۂ عذاب کی حقیقت اور مصداق کے ظاہر ہو جانے کا یعنی یہ کافر جو اس قرآن کی تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ قرآن میں جو عذاب کے وعدے کیے گئے ہیں وہ وقوع اور ظہور میں آجائیں اور اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ لیں تب ایمان لائیں تو خوب سمجھ لو جس دن اس وعدۂ عذاب کی حقیقت سامنے آجائے گی یعنی قیامت کے دن جب اس تکذیب اور تکبر کا نتیجہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے سو وہ لوگ جو اس دن کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اس دن کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول دُنیا میں حق لے کر آئے تھے ہم نے اپنی حماقت اور تکبر سے انہیں ناحق جھٹلایا۔ پس کیا ہمارے لیے یہاں کوئی سفارشی ہو سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے اللہ سے سفارش کریں یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دُنیا میں پھر واپس لوٹا دیئے جائیں۔ پس وہاں جا کر ان عملوں کے خلاف عمل کریں جو ہم پہلے کرتے تھے۔ یعنی ہم پہلے بُرے عمل کرتے تھے اب اچھے عمل کریں گے۔ عذاب خداوندی کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں جو وقت تم کو آخرت کی تجارت کے لیے دیا گیا تھا وہ سب تم نے اپنے تکبر اور حماقت سے ضائع کر دیا بے شک ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا اب اس کا نتیجہ بھگتیں اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ دُنیا میں افتراء کرتے رہتے تھے سوائے عذاب کے کچھ نظر نہ آیا خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ عجیب عجیب باتیں کرتے تھے جب آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی دیکھا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین چھ دن میں پھر

اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ قف یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ

بیٹھا تخت پر۔ اوڑھاتا ہے رات پر دن، اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا۔ اور

الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ

سورج اور چاند اور تارے کام لگے اس کے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا اور

الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ

حکم فرمانا بڑی برکت اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا پکار اپنے رب کو گڑگڑاتے اور

خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ

چپکے اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے اور مت خرابی مچاؤ زمین میں اس کے

اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ

سنوارے پیچھے اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے۔ بے شک مہر اللہ کی نزدیک ہے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ

نیکی والوں سے اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں (ہوائیں) خوشخبری لاتیں، آگے اس کی

رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

مہر سے۔ یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے اس کو ایک شہر مردے کی طرف

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ

پھر اس میں اتارا پانی پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل۔ اسی طرح نکالیں گے

الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ

مردوں کو شاید تم دھیان کرو اور جو موضع ستھرا ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے

بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ

رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اس میں نکلے سو ناقص یوں پھیر پھیر بتاتے ہیں ہم

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۷ ۱۴

آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو۔

ذکر تخلیقِ عالم برائے اثباتِ ربوبیت والوہیت برائے اثباتِ قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... الٰى ... كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں معاد اور جزاء اور سزا کا بیان تھا جس کا مشرکین انکار کرتے تھے۔ اب ان آیات میں تخلیق عالم کا ذکر فرماتے ہیں جو حق جل شانہٗ کی ربوبیت اور الوہیت اور کمال قدرت کے دلائل پر مشتمل ہے جسکو سماوات اور ارضین کی تخلیق سے شروع فرمایا اور

بارش اور ارض میتہ کی حیات یعنی مردہ زمین کی زندگی پر کلام کو ختم فرمایا کہ بارش سے کس طرح زمین زندہ ہو جاتی ہے جس سے مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال فرمایا اور یہ فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تا کہ منکرین حشر کا استبعاد رفع ہو جائے اور اس کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے حالات اور واقعات ذکر فرمائے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق اور تکذیب کا قیامت کے آنے سے پہلے ہی دُنیا میں کیا انجام ہوا تقریباً پارہ نہم کے نصف تک یہی مضمون چلا گیا ہے غرض یہ کہ ان آیات میں اوّلاً مبداء اور معاد کے دلائل کو بیان کیا اور بعد ازاں حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات سے دلائل نبوت اور براہین رسالت کو بیان فرمایا۔ اور اسی طرح توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان یکے بعد دیگرے اخیر سورت تک چلا گیا تا کہ ان خاسرین پر جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے۔ (جیسا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا﴾ میں گزرا) سعادت اور شقاوت فلاح اور خسران کی حقیقت واضح ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق اے لوگو! حقیقت میں تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ان مشرکین نے جو شرکاء اور ارباب تراش رکھے ہیں ان میں کوئی بھی تمہارا رب نہیں انہوں نے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ چھ دن یہ ہیں یکشنبہ دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ پنجشنبہ جمعہ اور جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ہفتہ کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی یہ دن پیدائش سے خالی رہا اسی وجہ سے اس دن کو یوم سبت کہتے ہیں۔ سبت کے معنی قطع کے ہیں یعنی اس دن آفرینش منقطع ہو چکی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اتنی مدت اور اتنے وقت میں پیدا کیا جو دنیا کے چھ دنوں کے برابر تھا کیونکہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے یہ متعارف دن اور رات ہی نہ تھے کہ جو طلوع آفتاب سے غروب تک اور غروب سے طلوع آفتاب تک ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس سے آخرت کے دن مراد ہیں کہ ہر دن ہزار سال کا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ (الحج: ۴۷) اور پہلا ہی قول صحیح ہے۔ (ماخوذ از موضح القرآن للشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اس پر زمانہ حال کے بعض فلاسفہ اعتراض کرتے ہیں کیونکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کائنات آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کڑوڑوں برس میں پیدا ہوئی ہے لیکن یہ تحقیق خود مشکوک ہے جس پر کوئی دلیل نہیں مگر جو لوگ یورپ کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں وہ تو اس کو وحی آسمانی سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کی خبر کہ آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا ہوئے اس کو غلط سمجھتے ہیں حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کے بعد بے شمار مخلوق اس کے ارادہ اور قدرت سے پیدا ہوئی اور جب تک چاہے گا پیدا ہوتی رہے گی اور یہ خیال کہ کائنات عالم آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کروڑوں برس میں پیدا ہوئی یہ خیال خام ان دھریوں کا ہے کہ جو خدا کے منکر ہیں اور سلسلہ عالم کو قدیم اور ازلی مانتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا اس پر اجماع ہے کہ تمام عالم حادث ہے۔ خدا تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت سے عدم کے پردہ سے نکل کر وجود میں آیا ہے پھر بعد ازاں اللہ تعالیٰ بلا کسی نقل و حرکت کے عرش پر بلا کسی حلول اور بلا تمکن اور بلا استقرار کے قائم ہوا جیسا قیام اس کی شان کے لائق اور مناسب تھا اور حکمرانی شروع کی اور علویات اور سفلیات میں اپنی تدبیر اور تصرف اور احکام کو جاری فرمایا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بعد ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں جو استواء علی العرش کی تفسیر ہیں۔

اور یہود بے بہبود یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا

تمام اہل اسلام کا اجتماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے اور نہ اس کے لیے کوئی مکان اور سمت اور جہت ہے اس کی ہستی سمت اور جہت اور مکان اور زمان کے قیود اور حدود سے پاک اور منزہ ہے اس کی ہستی کسی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہیں بلکہ مکان اور زمان کی ہستی اُسکی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے کیونکہ جب مکان وزمان موجود نہ تھے وہ اس وقت بھی تھا اور اب جبکہ زمان اور مکان موجود ہیں تب بھی موجود ہے وہ خداوند ذوالجلال زمین اور آسمان اور عرش اور کرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا اب بھی اسی صفت اور شان پر ہے۔ معاذ اللہ عرش عظیم خداوند کریم کا حامل نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے یا تھامے ہوئے ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے وہ ذرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ استواء علی العرش سے عرش پر بیٹھنا اور متمکن اور مستقر ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کے تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی استواء علی العرش) قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے ایک تو یہ جگہ کہ آپ کے سامنے ہے۔ دوم سورۂ یونس میں، سوم سورۂ رعد میں، چہارم سورۂ طٰہٰ میں، پنجم سورۂ فرقان، میں ششم سورۂ سجدہ میں، ہفتم سورہ حدید میں اور سب جگہ اس کی شان شہنشاہی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہی سارے عالم کا خالق ہے اور وہی تمام کائنات کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے جس کا حکم آسمانوں اور زمینوں میں جاری ہوتا ہے۔

متشابہات:

اور اس قسم کی تمام آیتیں اور حدیثیں جن سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جہت میں ہے جیسے آیات استواء علی العرش اور احادیث نزول باری تعالیٰ اس قسم کی آیات اور احادیث کو متشابہات کہتے ہیں ان کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔

فرقۂ مجسّمہ اور مشبّہہ اور کرامیہ:

اس قسم کی آیات اور احادیث کو ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ استواء علی العرش کے معنی تخت پر بیٹھنے کے ہیں اور جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اس گروہ کے نزدیک استواء کے معنی تمکن اور استقرار اور قعود کے ہیں ظاہر پرست اس قسم کے الفاظ کو ظاہری اور عربی معنی میں لیکر خدا تعالیٰ کے لیے عرش (تخت) پر بیٹھنا ثابت کرتے ہیں۔

اہل حق:

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی عرش اور تخت پر یا کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو یعنی جس طرح کسی بادشاہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے یا ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے مگر خدا تعالیٰ کو ایسا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اگر

① خدا تعالیٰ کسی جسم میں محل پر متمکن اور مستقر ہو تو اس کا مقداری ہونا لازم آئے گا کیونکہ جو چیز کسی جسم پر متمکن ہوتی ہے وہ یا تو اس سے بڑی ہوتی ہے یا چھوٹی ہوتی ہے یا برابر ہوتی ہے اور کمی اور بیشی اور مساوات کے ساتھ وہی شئے موصوف ہوسکتی ہے جو مقداری ہو اور اللہ تعالیٰ کمیت اور کیفیت اور مقدار سے پاک اور منزہ ہے۔

② نیز جو چیز کسی مکان یا جہت میں ہوگی وہ محدود اور متناہی ہوگی اور اطراف اور جوانب میں محصور ہوگی اور جو محدود اور محصور ہے وہ مخلوق اور حادث ہے۔

③ نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ﴾ (الانعام:۳) ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:۴) سو ان

آیات کو اگر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے کہ خدا کی ذات ہر مکان میں موجود ہے اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہے تو یہ آیتیں استواء علی العرش کی آیت کے معارض پڑیں گی اس لیے کہ جب خدا کی ذات آسمان اور زمین میں ہر جگہ موجود ہے تو عرش کی خصوصیت باطل ہوئی۔

④ نیز حدیث میں آیا ہے: ((ینزِل اللہ کل لیلة الیٰ سماء الدنیا)) خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اُترتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نقل و حرکت سے پاک اور منزہ ہے۔

⑤ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نمازی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے کیا کوئی موحد اس بات کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرے۔

معاذ اللہ! کیا خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی آسمان دنیا پر اُترتا ہے اور کبھی نمازی کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے جس کا اہل اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔

⑥ بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے حق تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس صراحتاً ثابت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنی اپنی اُمتوں کو ایمان تنزیہی ہی کی دعوت دیتے چلے گئے ایمان تشبیہی و تمثیلی اور اسلام تجسمی و مقداری کی کسی نبی نے دعوت نہیں دی۔

⑦ اور اسی پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور سلف اور خلف کا اجماع ہے۔

⑧ اور خدا تعالیٰ کا مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہونا دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے ثابت ہے۔

⑨ اور شریعت کے مسلمات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے اور نہ کوئی زمان ہے اور نہ کوئی حد اور نہایت ہے اس خداوند قدوس کی ذات والا صفات مکان اور جہت اور سمت سے مبرا ہے اور کیوں نہ ہو کیونکہ مکان اور جہت کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ مکان کے پیدا کرنے سے پہلے بغیر مکان کے تھا۔ بعد میں اس نے اپنی قدرت سے مکان اور جہت کو پیدا کیا۔ پس جس صفت اور شان پر وہ مکان اور جہت کے پیدا کرنے سے پہلے تھا پیدا کرنے کے بعد بھی وہ اسی صفت اور شان پر ہے۔ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ﴾

متشابہات میں سلف اور خلف کے مسلک کی تشریح

لہٰذا اس قسم کی آیات متشابہات جن سے مکان یا جہت یا تشبیہ اور تمثیل کا شبہ ہوتا ہو سلف اور خلف کے نزدیک بالاجماع ان سے ظاہری اور حسّی معنی مراد نہیں اور کلام کو اپنے ظاہر سے ہٹانا اور پھیرنا اسی کا نام تاویل ہے کیونکہ تمام آیتیں اور حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت اور سمت سے پاک ہے اور یہ تمام کی تمام نصوص صریحہ اور قطعیہ ہیں اور محکمات ہیں اور شریعت کے مسلمات ہیں جن میں تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں اور آیات متشابہات جن سے مکان اور جہت کا شبہ ہوتا ہے وہ ظنی الدلالت ہیں لہذا ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ قطعیات اور محکمات اور مسلمات کے مخالف نہ رہیں اور محکمات اور متشابہات میں جب بظاہر تعارض نظر آئے تو محکمات کا اتباع واجب ہے اور متشابہ کا اتباع زیغ ہے۔

تاویل اجمالی وتاویل تفصیلی

اب اس تاویل کے دوطور ہیں ایک اجمالی اور ایک تفصیلی اب اس کی تفصیل سنیے!

تاویل اجمالی: تاویل اجمالی تو یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان آیات سے ظاہری اور حسّی معنی مراد نہیں اور استواء علی العرش کا یہ مطلب نہیں کہ خدائے قدوس کی ذات مقدس عرش سے متصل اور اس سے ملاقی ہے اور اس پر متمکن اور جاگزیں ہے جس سے جسمیت لازم آئے۔ رہا یہ امر کہ پھر ان سے کیا مراد ہے سو اس کو حق تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان سے مراد لیا ہے وہ حق ہے اور ہم بلا تشبیہ اور بلا تمثیل اور بلا کیفیت اللہ کی مراد پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مذہب سلف صالحین اور فقہاء اور محدثین اور اُصولیین محققین کا ہے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اُن سے کسی شخص نے استواء علی العرش کے معنی پوچھے اور سوال کیا کہ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے اور اس کا استواء کیسا ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بناء پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے پھر سر اٹھایا اور فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور غیر معقول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے اور اے سائل تو بلاشبہ ایک بُرا آدمی اور بدعتی شخص ہے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس کو یہاں سے نکال دو اس پر آپ کے اصحاب نے اس کو نکال دیا۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ جیسا کہ شرح فقہ اکبر اور شرح قصیدہ بدء الامالی میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ تھا کہ استواء کے معنی لغت میں معلوم ہیں عربی زبان میں لفظ استواء متعدد معنی کے لیے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کبھی استقرار اور تمکن اور قعود کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی قصد اور ارادہ اور اقبال اور توجہ اور اکمال اور اتمام اور اعتدال اور استیلاء اور قہر اور غلبہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس میں سے بعض معنی شان خداوندی کے مناسب ہیں اور بعض غیر مناسب اور حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے معنی مرادی کی تعیین سے مطلع نہیں کیا۔ پس ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معنی مراد ہیں اور وہ معنی مراد نہیں اس لیے مذہب اسلم تفویض وتسلیم ہے کہ ان کی مراد کو اللہ کے سپرد کیا جائے۔ پس استواء علی العرش جو قرآن سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے مگر اسی معنی کے اعتبار سے ایمان لانا واجب ہے جو خدا کی شان تنزیہ وتقدیس کے شایان ہوں ایسے معنی کے اعتبار سے استواء ثابت کرنا جس میں اجسام کی طرح خُدا تعالیٰ کے لیے مکان اور محل لازم آئے یہ جائز نہیں اور خدا تعالیٰ کے لیے جس معنی کر استواء ثابت ہوگا۔ اس میں کیفیت اور کمیت کا شائبہ بھی نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کمیت اور کیفیت سے پاک اور منزہ ہے۔ قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے: ﴿فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ (المومنون:۱۸)۔ سو اس آیت میں استواء سے نوح علیہ السلام کا اور ان کے اصحاب کا کشتی میں سوار ہونا اور بیٹھنا مراد ہے تو کیا معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ کے حق میں استواء علی العرش سے عرش پر سوار ہونے اور بیٹھنے کے معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لفظ والکیف غیر معقول اس امر کی واضح دلیل ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں استواء سے ظاہری اور عرفی معنی مراد نہیں جو لوگوں کی عقل میں آسکیں بلکہ ایسے معنی مراد ہیں کہ جو عقل اور ادراک سے بالاتر ہیں اور ظاہر ہے کہ استواء کے معنی جلوس اور قعود اور استقرار اور تمکن کے ایسے معنی ہیں کہ عامۃ الناس کی عقلیں بھی اس کو جانتی اور سمجھتی ہیں اس معنی کر استواء کو کیسے غیر معقول کہا جا سکتا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بیٹھنے اور سوار ہونے کی معنی کے لحاظ سے استواء علی العرش پر ایمان

لانے کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ اس معنی پر ایمان لانا واجب قرار دیا جو خداوند قدوس کی شان تنزیہ اور تقدیس کے لائق اور مناسب ہو اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ان آیات متشابہات کی تلاوت فرمائی صحابہ رضی اللہ عنہم سن کر ان پر ایمان لائے اور بلا تشبیہ و تمثیل کے ان اُمور کو خدا تعالیٰ کے لیے ثابت کیا اور سن کر خاموش ہو گئے اور کیفیت دریافت کرنے کے درپے نہ ہوئے۔ اس لیے ان کے بارے میں سوال کرنا اور درپے حقیقت و کیفیت ہونا یہ بدعت ہے۔

تاویل تفصیلی: اور تاویل تفصیلی یہ ہے کہ جب ان متشابہات کو بوجہ آیات تنزیہ و تقدیس ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرنا ناممکن ہوا تو ضرورت اس کی ہوئی کہ معنی مجازی کی تعیین کی جائے کہ جو اس آیت سے قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے تحت رہ کر مراد لیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً استواء علی العرش سے علو اور ارتفاع کے معنی مراد لینا یا استیلاء و قہر اور غلبہ کے معنی مراد لینا اور مثلاً وجہ اور نفس سے ذات مراد لینا وغیرہ۔ یہ تاویل تفصیلی ہوئی یہ مذہب جمہور متکلمین کا ہے اور راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جو محکمات کو اصل قرار دیکر متشابہات میں تاویل کرتے ہیں اور جو شخص محکمات کو نظر انداز کر کے متشابہات کو ظاہری اور حسی اور عرفی معنی پر محمول کرے اور اسی کو حقیقت سمجھے تو یہ شخص زائغین میں سے ہے یعنی کج فہم اور جاہل ہے جس کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہیں سلف اور خلف کا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس پر ایمان ہے اور سب اس پر متفق ہیں کہ استواء اور نزول سے ظاہری اور حسی طور پر اترنا اور چڑھنا اور بیٹھنا مراد نہیں رہا یہ امر کہ پھر کیا مراد ہے۔ سو سلف نے معنی مرادی کو اللہ کے سپرد کیا اور خلف نے عوام کو تشبیہ اور تمثیل کے فتنہ سے بچانے کے لیے قواعد عربیت اور قواعد شریعت کے تحت ان متشابہات کے معنی بیان کیے اور محاورات عرب میں جو مجازات کثیر الاستعمال تھے ان پر متشابہات کو محمول کیا۔ اب ہم اس بارہ میں حضرات متکلمین سے جو مختلف تاویلیں منقول ہیں وہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تاویل اوّل: استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں اور استواء علی العرش سے علو مرتبت اور رفعتِ شان خداوندی کو بیان کرنا مقصود ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں اسی تاویل کو اختیار فرمایا۔

امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں مگر یہ علو۔ حاشا باعتبار مکان اور جہت کے اور باعتبار سمت کے اور مسافت کے نہیں باعتبار شان اور مرتبہ کے ہے اور جس شخص نے استواء کو تمکن اور استقرار کے معنی پر محمول کیا اس نے خطاء کی۔ (دیکھو مشکل الحدیث صفحہ ۱۴۶)

تاویل دوم: قفّال مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استواء علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہوا۔ جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ... الآیۃ﴾ (یونس:۸)۔ سو اس آیت میں استواء علی العرش کے بعد تدبیر عالم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ تمام عالم میں مدبّر اور متصرف وہی خالق سموات و ارضین ہے اور وہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور اس کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ کائنات عالم میں عرش سے بڑی کوئی مخلوق نہیں۔ عرش عظیم اس قدر عظیم ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کی اول مخلوقات سے ہے اور اس کی شان شہنشاہی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ تمام احکام اور تدابیر کا نزول عرش ہی سے ہوتا ہے استواء علی العرش سے دنیاوی بادشاہوں کی طرح ظاہری اور حسی طور پر تخت نشینی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ اپنی شاہنشاہی اور احکم الحاکمین کو بیان کرنا ہے کہ آسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد تمام کائنات میں اس

کے مالکانہ اور شاہنشاہانہ تصرفات اور تدبیرات اور احکام جاری ہو رہے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد میں ﴿اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کے بعد ﴿یُدَبِّرُ الْاَمْرُ﴾ کا لفظ آیا ہے سو یہ جملہ استواء علی العرش کی تفسیر ہے اور اس آیت میں استویٰ علی العرش کے بعد ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی تدبیر اور تصرف اور اقتدار کامل بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے سب ہی اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں اور اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی ﴿اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کا ذکر آیا ہے۔ سب جگہ اس کے بعد تدبیر اور تصرف ہی کا ذکر ہے گویا کہ بعد کی تمام آیتیں ﴿اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کی تفسیر ہیں۔ قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی مزید تفصیل درکار ہو تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر صفحہ ۲۲۴ جلد ۳ دیکھیں نیز تفسیر روح المعانی ص ۱۱۸ ج ۸ دیکھیں۔

تاویل سوم: امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ بعد ازاں عرش میں کوئی فعل اور تصرف فرمایا جس کا نام استواء رکھا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کے بعد ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کو بصیغۂ ماضی اور بلفظ ﴿ثُمَّ﴾ ذکر فرمایا ہے جو کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ پس استواء کو فعل ماضی یعنی بلفظ ﴿اسْتَوٰی﴾ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کی طرح یہ کوئی فعل خداوندی تھا اور لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تراخی افعال ہی میں ہوتی ہے صفات خداوندی میں تراخی ممکن نہیں حق تعالیٰ کا ایک فعل دوسرے فعل سے متراخی اور مؤخر ہو سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک صفت دوسری صفت سے متراخی اور مؤخر ہو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں۔

غرض یہ کہ استواء علی العرش سے حق جل شانہٗ کا کوئی فعل اور تصرف مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا اور اس کا نام استواء رکھا جیسے اللہ تعالیٰ ہر شب میں آسمان دنیا میں کوئی فعل اور تصرف فرماتے ہیں جسکا اللہ نے نزول نام رکھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((یَنزِل رَبنا تبارك و تعالیٰ کل لیلة سماء الدنیا)).

"ہر رات میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں۔"

سو یہ نزول جس کا حدیث میں ذکر ہے، معاذ اللہ یہ نزول جسمانی اور حسّی نہیں کہ جس طرح ایک جسم بلندی سے پستی کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عرش سے آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حرکت اور انتقال سے پاک اور منزہ ہے بلکہ نزول سے حق تعالیٰ کا کوئی فعل مراد ہے جس کا ظہور اور صدور بوقت شب ہوتا ہے مثلاً نزول رحمت مراد ہے یا نزول ملائکہ وغیرہ مراد ہے۔ (روح المعانی ۱۱۸ ج ۸)

اور حضرات صوفیہ فرماتے ہیں: کہ استواء علی العرش سے اللہ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے یعنی ظلمت شب دن پر مثل پردے کے پڑ جاتی ہے اور دن اس سے چھپ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ دن کے بعد جب رات آتی ہے تو دن اس سے چھپ جاتا ہے گویا کہ دن نے اپنے اوپر ظلمت شب کا لباس پہن لیا ہے اور اسی طرح جب رات کے بعد دن آتا ہے تو رات غائب ہو جاتی ہے۔ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں رات کے بعد دن کے آنے کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ تغشیہ دونوں طرف سے ایک دوسرے کا ہوتا ہے اس لیے کہ رات کے بعد دن کے آنے کا ذکر دوسری آیتوں میں فرما دیا ہے جیسے ﴿یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ﴾ (الزمر:۵) لیکن اس آیت میں صرف رات کے دن کو ڈھانک لینے کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ اس کا عکس اور ضد خود بخود

سمجھ میں آجائے گی نیز اسی آیت میں حمید بن قیس کی قراءت میں اس طرح آیا ہے ﴿یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ﴾

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معناہ ان النھار یغشی الّیل (صفحہ ۲۲۱ جلد ۷)

یعنی دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ ﴿یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا﴾ طلب کرتی ہے۔ رات دن کو نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ یعنی رات دن کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے دن ختم ہوا تو فوراً رات آپہنچی اور رات ختم ہوئی تو فوراً دن آپہنچا درمیان میں ایک منٹ کا بھی وقفہ نہیں گویا کہ ایک، دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے چلا آرہا ہے۔ ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور اسی طرح سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا جو اس کے حکم کے تابع ہیں جب وہ چاہتا ہے طلوع اور جب وہ چاہتا ہے غروب ہو جاتے ہیں۔ ان کی سیر اور انکار جوع اور انکی حرکت کی مقدار اور کیفیت سب اس کے حکم کے تابع ہے آگاہ ہو جاؤ یعنی اچھی طرح سن لو کہ پیدا کرنا اور بنانا اسی کا کام ہے اور اسی کا حکم اور فرمانبروائی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کا حکم جاری اور نافذ ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب قادر مطلق کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ اتفاقی اور طبعی اُمور نہیں، جیسا کہ ملاحدہ اور دہریہ کا گمان ہے۔ انتہائی بزرگی والا اللہ جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اس کی عظمت اور جلال کی کوئی انتہا نہیں اور اس کے خزانے میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ پس اے لوگو! جب تم کو معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت تمہارا ربّ وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق اور ان میں مدبر اور متصرف ہے اور تمام کارخانہ اسی کے حکم سے چل رہا ہے۔ لہٰذا تم ہر حالت اور ہر حاجت میں اپنے ایسے ہی پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے چپکے۔ یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے۔ ﴿اِذْ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا﴾ (مریم:۳) کہ اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ اور چپکے سے پکارا۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا بہتر ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نماز میں آمین آہستہ کہنا بہتر ہے اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے کیونکہ دعا میں اخفاء اقرب الی الادب ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دعا میں حد ادب سے نکل جاتے ہیں مثلاً چلّا چلّا کر دعا مانگنا۔ یا مثلاً یہ دعا مانگنا کہ اے اللہ! مجھ کو جنت الفردوس کے دائیں جانب سفید محل عطاء کر اس قسم کی دعائیں خلاف ادب ہیں اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین سے ملک کا حال درست ہو گیا تو اب ان کی نافرمانی کر کے ملک میں فساد نہ کرو اور نہ خرابی مچاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا اتباع اصلاح ہے اور اس کی مخالفت فساد اور خرابی ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک کا ہے باقی ہر معصیت اپنے درجہ کے مطابق فساد اور خرابی ہے اور پکارو اس کو اُمید و بیم کے ساتھ یعنی قبول ہونے کی اُمید رکھو اور نہ قبول ہونے سے ڈرتے رہو۔ خلاصہ یہ کہ دعا اور عبادت خوف اور رجاء کے ساتھ ہونی چاہیے بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے یعنی ثوابِ آخرت کے مستحق نیک ہی لوگ ہیں۔ بدکار اس سے دُور رہیں گے۔

ذکر تصرفات خداوندی در عالم سفلی وارضی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے فلکیات اور علویات میں اپنی تدبیر اور تصرف کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں سفلیات اور ارضیات اور کائنات الجو میں اپنی تدابیر اور تصرفات کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام علویات اور سفلیات میں وہی مدبر اور متصرف ہے اور سب

کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لہٰذا جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور وہ (اللہ) وہ ہے جو اپنی بارانِ رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے نرم نرم ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی کے بوجھ سے بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس بادل کو ایک مردہ شہر یعنی مردہ اور خشک زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں جو ایک عرصہ سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بے جان پڑی تھی۔ پھر ہم اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل زمین سے نکالتے ہیں یوں ہی ہم مردوں کو قبروں سے نکالیں گے شاید تم اس مشاہدہ سے نصیحت پکڑو کہ جو اللہ خشک اور بے جان زمین سے اس کو زندہ کر کے اس سے تروتازہ پھل نکالتا ہے تو وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے جس طرح ہم اپنی قدرتِ کاملہ سے مردہ زمین کو زندہ اور سرسبز کر سکتے ہیں اسی طرح ہم قیامت کے دن تم کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مردہ انسان اور مردہ زمین کا زندہ کرنا سب یکساں ہے اور ہمارا یہ کلام ہدایت التیام اگرچہ مثل بارانِ رحمت کے فیض رسانی میں یکساں ہے۔ اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں مگر جن قلوب کی زمینوں پر یہ بارش نازل ہوتی ہے وہ اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں جس طرح ہر زمین اپنی صلاحیت اور استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہے۔ اسی طرح ہر زمین قلب اپنے استعداد اور صلاحیت کے مطابق باران ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے عمدہ اور پاکیزہ زمین جب اس پر مینہ برستا ہے تو خدا کے حکم سے اس کا سبزہ خوب نکلتا ہے اور جو زمین خراب ہے یعنی شور اور بنجر ہے سو اول تو اس میں سے کچھ نکلتا نہیں اور اگر نکلتا ہے تو سوائے ناقص اور خراب کے کچھ نہیں نکلتا۔ عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مومن کا دل مراد ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے کافر مراد ہے اور قرآن کریم بمنزلہ بارانِ رحمت اور آبِ حیات ہے یہ بارش جو مومن کی زمین دل پر برسی تو اس سے طرح طرح کے ثمرات و برکات کا ظہور ہوا اس نے قرآن کریم کے مواعظ سے خوب فائدہ اٹھایا اور کافر کی زمین دل شور تھی اس نے بارانِ ہدایت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ اس میں سے کفر اور الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی نکلے۔

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ہم اسی طرح نشانیاں بار بار ان لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں اور نعمت ہدایت کی قدر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مردہ زمین کا زندہ کرنا اور ہر زمین سے الگ الگ نباتات کو اگانا یہ اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف تو بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۵۹ قَالَ

صاحب اس کے سوا۔ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ بولے

الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

سردار اس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہے بولا اے قوم!

لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾ اُبَلِّغُكُمْ

میں کچھ بہکا نہیں ہوں لیکن میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا پہنچاتا ہوں تم کو

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾

پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو نصیحت تمہارے ربّ کی طرف سے ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ

لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ

تم کو ڈر سنائے اور تم بچو، اور شاید تم پر رحم ہو پھر اس کو جھٹلایا پھر ہم نے بچا لیا اس کو

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ

اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کیے جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں وہ

كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع ۸ ۲ ۱۵

لوگ تھے اندھے۔

قصۂ اوّل نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ... الٰى ... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾﴾

ربط: اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور پھر اسی ذیل میں فتنہ شیطان سے بچنے کی تاکیدِ اکید فرمائی اور بعد ازاں اس عہد قدیم کو یاد دلایا کہ جو حق تعالیٰ نے اولادِ آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا۔ اب اس کے بعد دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے برعایت ترتیب بیان کرتے ہیں جو متعدد فوائد کو متضمن ہیں۔

① اوّل یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے سرکشی اور سرتابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں قدیم زمانہ سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے۔

② دوم یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کا انجام ہمیشہ خراب ہی رہا دنیا میں بھی خوار و ذلیل ہوئے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔

③ سوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمی ہونے کے انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات اور حالات کو صحیح صحیح بیان کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ملہم من اللہ ہونے کی دلیل ہے بغیر وحی ربانی کے ہزار ہا اور صدہا سال قبل کے واقعات کا علم عقلاً محال ہے۔

② نیز یہ بتلانا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو توحید اور رسالت اور قیامت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ انبیاء سابقین علیہم السلام بھی اپنی اُمتوں کو یہی تعلیم دیتے رہے جس کو انہوں نے نہ مانا تو انہوں نے اس کا خمیازہ بھی بھگتا۔

③ نیز گزشتہ آیات میں بنی آدم کو یہ خطاب فرمایا تھا: ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ... الاٰیة﴾ اس لیے حسبِ وعدۂ سابق انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت دنوں تک لوگ شریعت الٰہیہ پر قائم رہے ایک عرصہ کے بعد بت پرستی شروع ہوئی تو نوح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ان کو اپنی قوم سے بہت تکلیفیں پہنچیں ساڑھے نو سو برس تک آپ ان کو تبلیغ کرتے رہے اور وہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے رہے۔ بالآخر اللہ پاک نے ان کی قوم پر عذاب نازل کیا پانی کا طوفان بھیجا جس سے ایک کافر بھی جانبر نہ ہو سکا۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے وہ بچ گئے باقی سب ہلاک اور برباد ہوئے اور نوح علیہ السلام کی کشتی بنانے اور طوفان عام کے آنے کا مفصل قصہ ان شاء اللہ سورۂ ہود میں آئے گا۔

نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نو سو برس قوم کو تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ طوفان آیا اور سوائے اہل ایمان کے سب غرق ہوئے طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ آبادی کثیر ہو گئی۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۳۳ ج ۷)

البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کی بارانِ موعظمت سے دلوں کی زمین بقدر اپنی صلاحیت کے زندہ اور سرسبز اور شاداب ہو سکے۔ پس نوح علیہ السلام غایت شفقت سے بولے اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بت پرستی کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی معبود برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تحقیق میں ڈر رہا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے یا طوفان کا دن مراد ہے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا اے نوح (علیہ السلام) تحقیق ہم تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں یعنی جو ہم کو بتوں کی پرستش سے چھڑاتا ہے اور صرف ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ تیری عقل ماری گئی۔ نوح علیہ السلام نے کہا: اے میری قوم! مجھ میں ذرہ برابر گمراہی نہیں۔ گمراہی نے تو مجھے مَس [1] بھی نہیں کیا۔ معبود کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حیطہ ادراک و احساس سے بالاتر اور برتر ہو اور اپنے پرستاروں کا تراشیدہ نہ ہو لیکن میں پروردگارِ عالم کا فرستادہ ہوں جس میں کسی قسم کی گمراہی کا احتمال اور امکان نہیں۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں تا کہ تم گمراہی سے نجات پاؤ اور محض تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور عقل کا تقاضا ہے کہ خیر خواہ کی بات کو سنا جائے خاص کر ایسا خیر خواہ جس میں اس کی کوئی دنیوی غرض نہ ہو اور علاوہ ازیں میں خدا کی طرف سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے یعنی مجھ پر وحی آتی ہے جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے اُمور کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ منجملہ اس کے مجھے

---

[1] یہ ترجمہ ﴿لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ﴾ کی با کا ہے اس لیے کہ باء الصاق کے لیے ہوتی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

بذریعہ وحی کے یہ خبر دے دی گئی ہے کہ جو ایمان نہیں لائے گا۔ اس پر عذاب الٰہی نازل ہوگا میں نے بحق خیر خواہی تم کو اُس آنے والے عذاب سے خبردار کر دیا کیا تم میری نبوت و رسالت اور نزول وحی کے منکر ہو اور تم کو اس سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک مرد کی معرفت جو تمہاری ہی جنس میں سے ہے ایک نصیحت اور ہدایت آ گئی۔ سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب تم آدمی ہو تو تمہارے ڈرانے کے لیے پیغمبر بھی آدمیوں میں سے ہی ہوگا۔ اگر فرشتوں میں سے پیغمبر ہوتا تو تم اسے دیکھ بھی نہ سکتے اس لیے تمہیں میں کا ایک مرد کامل۔ خدا کا پیغام لیکر تمہارے پاس آیا تا کہ وہ مرد تم کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور تا کہ تم اس کے ڈرانے سے ڈر جاؤ اور تقویٰ کو اختیار کرو۔ اور تا کہ تم پر مہربانی کی جائے۔ تقویٰ رحمت اور سعادت کا ذریعہ ہے کفار کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کو وحی الٰہی اور رسالت خداوندی کا مستحق خیال نہ کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے اسی اعتراض کے جواب میں یہ کہا مطلب یہ ہے کہ ارسال رُسل سے مقصود انذار ہے اور انذارِ بشریت کے منافی نہیں۔ پس منذر کے بشر ہونے سے تعجب کرنا حماقت ہے۔ تم لوگ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کی پرستش کرتے ہو اور باوجود حجریت کے ان کی الوہیت کے قائل ہو۔ حجریت (پتھر ہونا) تو الوہیت کے منافی نہ ہوئی عجیب بات کہ بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھتے ہو۔ پس وہ لوگ باوجود اس ہدایت اور نصیحت کے ان کی تکذیب پر جمے رہے اور برابر ان کو جھٹلاتے رہے۔ پس اس وقت ہم نے نوح علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے وہ عذاب بھیج دیا جس کی انہوں نے پہلے خبر دے دی تھی اور نوح علیہ السلام کو اور ان کے صحابہ کو جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے طوفان اور غرق سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور ہدایتوں اور نصیحتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا تحقیق وہ لوگ دل کے اندھے تھے ان کو حق اور باطل کا فرق نظر نہ آیا۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمین سے مراد یہ ہے کہ وہ دل کے اندھے تھے نہ کہ آنکھوں کے ان کو ایمان اور حق نظر نہ آیا یا یہ معنی ہیں کہ نزول عذاب سے اندھے تھے۔ مفصل قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں آئے گا۔

وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور عاد کی طرف بھیجا انکا بھائی ہود۔ بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ

صاحب اس کے سوا کیا تم کو ڈر نہیں؟ بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم میں

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ

ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہماری اٹکل میں تو جھوٹا ہے بولا

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

اے قوم میں کچھ بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے ربّ کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر کیا تم کو تعجب ہوا

اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَ

کہ آئی تم کو نصیحت تمہارے ربّ کی ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ تم کو ڈر سنائے؟ اور

اذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي

یاد کرو کہ تم کو سردار کر دیا پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ دیا تم کو

الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا

بدن میں پھیلاؤ سو یاد کرو احسان اللہ کا شاید تمہارا بھلا ہو بولے

اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَ نَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ

کیا تو اس واسطے آیا ہم پاس کہ بندگی کریں ہری اللہ کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

تو لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو اگر تو سچا ہے کہا تم پر پڑ

عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّ غَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ

چکی ہے تمہارے ربّ کے ہاں سے بلا اور غصہ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے کئی ناموں پر

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ

کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کچھ سند

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ

سو راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں پھر ہم نے بچا دیا اس کو جو اس کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ مَا

ساتھ تھے اپنی مہر سے اور بچھاڑی کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں اور نہ

ع ۹ ۸ ۱۶

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

تھے ماننے والے

قصّہ دوم حضرت ہود علیہ السّلام با قوم عاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ ... الٰى ... وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾﴾

ربط: اب دوسرا قصہ قوم عاد کا بیان کرتے ہیں۔ یہ قوم طوفانِ نوح علیہ السّلام کے بعد ملک عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں آباد تھی۔ یمن میں ایک مقام احقاف تھا وہاں یہ لوگ رہتے تھے اور اس قوم کے لوگ بڑے قدآور اور تنومند تھے اور حضرت نوح علیہ السّلام کے بعد ہود علیہ السّلام اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ یہ قوم بت پرست تھی اور صنم تراشی میں ماہر تھے اور اس قوم کے لوگ نہایت سرکش اور ظالم تھے اور ان کو اپنی قوت پر ناز تھا اور یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی قوی نہیں۔ ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾ (حٰمٓ سجدہ: ۱۵)

ہود علیہ السّلام نے ان کو نصیحت کی اور شرک اور ظلم سے منع کیا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا مگر کچھ اثر نہ ہوا جسم کی طرح ان کے دل بھی سخت تھے کچھ اقل قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثروں نے ان کی تکذیب کی اور ملک میں فساد برپا کیا اور شرارت حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک ان سے بارش کو روک لیا جس سے ان کا ناک میں دم آ گیا اس زمانے میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی بلا یا مصیبت نازل ہوتی تو سب کے سب مکہ معظّمہ میں بیت اللہ کے مقام پر جمع ہو کر خدا تعالیٰ سے اس مصیبت کے دفعیہ کی دعا کرتے اس دستور کے مطابق یہاں کے لوگوں نے کچھ لوگوں کو مکہ معظّمہ بھیجا کہ وہاں جا کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ قحط دُور کرے اور پانی برسائے اس زمانے میں مکہ معظّمہ میں عمالقہ کی قوم کے کچھ لوگ رہتے تھے ان دنوں عمالقہ کا سردار اور رئیس معاویہ بن بکر تھا یہ لوگ وہاں جا کر ٹھہرے معاویہ نے ان کی خوب مہمان داری کی یہ قحط زدہ بھوکے جب وہاں پہنچے اور کھانے پینے کو خوب ملا تو دُعا وغیرہ سب بھول گئے۔ ایک ماہ تک یہ لوگ اس کے یہاں پڑے رہے اور خوب شرابیں پیتے رہے جب معاویہ بن بکر نے دیکھا کہ یہ لوگ اس کے یہاں سے کسی طرح نکلتے ہی نہیں اور جس کام کے لیے ان کی قوم نے بھیجا ہے اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں تو معاویہ بوجہ شرم کے خود تو کچھ کہہ نہ سکا مگر اس نے گانے والی چھوکریوں کو چند اشعار سکھا دیئے جن کا مطلب یہی تھا کہ اے لوگو قومِ عاد کے لیے دعا کرو شاید اللہ کی رحمت ان پر نازل ہو تم تو یہاں عیش و عشرت میں مبتلا ہو مگر قوم عاد کی حالت وہاں بہت خراب اور خستہ ہے۔ یہ سن کر وہ لوگ چونکے اور دعا کرنے کے لیے کعبہ کے سامنے حاضر ہوئے جا کر دعا کی اس وقت تین ابر نمودار ہوئے ایک سفید اور ایک سیاہ اور ایک سرخ پھر آسمان سے ایک آواز آئی کہ اپنی قوم کے لیے ان تین بادلوں سے جس بادل کو چاہو اختیار کر لو۔ تو ان لوگوں نے اس خیال سے کہ سیاہ بادل میں پانی زیادہ ہوگا سیاہ کو اختیار کر لیا وہ بادل قومِ عاد کی طرف چل دیا جب وہ بادل عاد کے قریب پہنچا تو اسے دیکھ کر خوش ہوئے اور سمجھے کہ بادل ہم پر پانی برسائے گا ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾ (الاحقاف: ۲۴) مگر وہ بادل درحقیقت مجسم قہر الٰہی تھا۔ جب ان کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ بادل تو آندھی ہے اس میں سے آندھی نمودار ہوئی کہ آدمیوں کو اوپر لے جاتی تھی پھر انہیں سر کے بل زمین پر گرا دیتی تھی اور سر بدن سے ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتا تھا۔ ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ

كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ (الاحقاف: ۲۴) وہ آندھی ان لوگوں پر سات آٹھ دن رہی جس نے قومِ عاد کا خاتمہ کر دیا۔ بڑے بڑے قد آور اور شہ زور ایسے پڑے تھے جیسے جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت۔ ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ ... الآية﴾ (الحاقہ) مگر مومنوں کو خدا تعالیٰ نے اس آندھی سے بچا لیا صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور اہل ایمان اس قہر الٰہی سے محفوظ رہے۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۵ جلد ۲ و صفحہ ۲۲۶ ج ۲ و روح المعانی صفحہ ۱۴۰ ج ۸ و صفحہ ۱۴۱ ج ۸)

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہود علیہ السلام مکہ میں آ کر آباد ہو گئے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔ یہ تو عاد اولیٰ کا انجام ہوا اور اسی قوم کی دوسری شاخ ثمود ہے جسے عاد ثانیہ کہتے ہیں اس کا ذکر آئندہ آیات میں آتا ہے۔

تفسیر: اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادری یا وطنی بھائی ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا ان آیتوں میں قوم عاد کا ذکر ہے جو عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک بڑی مغرور اور متکبر قوم تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا یہ لوگ یمن کے مشہور ریگستان احقاف میں عمان اور حضر موت کے درمیان آباد تھے انہی کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور یہ قوم، قوم نوح کے بعد سب سے پرانی قوم ہے ان کے بعد ایک قوم عاد اور بھی ہوئی ہے جو عاد ثانیہ کے نام سے مشہور ہے جن کا قصہ اس کے بعد آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام اگرچہ ملّت اور مذہب کے اعتبار سے اُس قوم سے بالکل جُدا تھے مگر چونکہ نسب اور خاندان میں ان کے شریک تھے اس لیے حق تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا۔ اور تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہود علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم تک محدود تھی عام نہ تھی جیسا کہ ﴿وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ﴾ سے یہ بتلانا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فقط بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے عالم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم کو چاہیے کہ میرے مثل خدا کے پرستار ہو جاؤ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو یوں بے باکانہ کفر اور شرک کر رہے ہو۔ ان کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تجھ کو بے عقلی اور بے وقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ کہ تو نے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر دیا جو عقلاء کا دین تھا اور اگر بالفرض ہم تجھ کو کمال عقل کے ساتھ بھی موصوف دیکھتے تب بھی تیرا اتباع نہ کرتے اس لیے کہ ہم اپنے گمان اور خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے یعنی تو جو ہم کو ایک خدا کے پوجنے کی دعوت دیتا ہے اور بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے اور آبائی دین کی مخالفت کرتا ہے یہ تیری جہالت اور حماقت ہے اور یہ جو تو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اس میں تو جھوٹا ہے ایک بشر کیسے نبی اور رسول ہو سکتا ہے اور تم جھوٹ موٹ ہم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو۔ ہود علیہ السلام بولے اے قوم بحمدہٖ تعالیٰ مجھ میں تو ذرہ برابر بے عقلی اور بے وقوفی نہیں بے وقوف تو تم ہو کہ اپنے خود تراشیدہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو ولیکن میں تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہوں تمہاری صلاح اور فلاح کا پیغام لے کر آیا ہوں اور خدا کا فرستادہ اور پیغامبر کبھی بے عقل ہو ہی نہیں سکتا۔ میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں تا کہ تمہاری اصلاح ہو اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور خدا کے پیغام میں امانت دار ہوں میری نصیحت اور خیر خواہی اور امانت اور دیانت تم کو بھی معلوم ہے کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو اور تم کو اس سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے تم ہی میں سے ایک مرد کی زبانی ایک نصیحت اور ہدایت آئی تا کہ تم کو عذاب الٰہی سے

ڈرائے سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آدم اور ادریس اور نوح علیہم السلام پر وحی نازل کی جو تمہاری ہی جنس سے تھے۔ اور عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے اور یاد کرو تم اللہ کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو قوم نوح کے ہلاک کرنے کے بعد ان کا جانشین بنایا اور ان سے زیادہ تم پر انعام کیا کہ جسامت میں تم کو زیادہ پھیلاؤ دیا کہ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول اور تن توش میں تم کو ان سے زیادہ بنایا۔ پس تم اللہ کی نعمتوں کو زیادہ یاد کرو۔ اور زیادہ شکر کرو تا کہ تم زیادہ فلاح پاؤ اس لیے کہ ذکر اور شکر ہی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے ہود! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی بندگی کریں اور اُن بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ پس تو ہمارے پاس وہ عذاب اور قہر لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود علیہ السلام نے کہا کہ جب تمہاری سرکشی اور ڈھٹائی یہاں تک پہنچ گئی ہے تو سُن لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہوا ہی چاہتا ہے جو عنقریب آ کر تمہاری اس سرکشی اور ڈھٹائی کو ختم کر دے گا کیا تم مجھ سے ایسے بے حقیقت ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے جن کے بارہ میں اللہ نے کوئی دلیل اور سند نہیں اُتاری یعنی واقع میں وہ معبود نہیں مگر تم نے بلا دلیل ان کا نام معبود رکھ لیا ہے۔ پس اب تم نزول عذاب کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ اس کا منتظر ہوں پس چندے انتظار کے بعد عذاب آیا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ تھے یعنی مومنین تھے اپنی رحمت اور مہربانی سے عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی یعنی ان کو بالکل ہلاک کر دیا اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ان کی قساوت قلبی انتہا کو پہنچ چکی تھی یعنی اگر بالفرض وہ ہلاک بھی نہ ہوتے تب بھی وہ ماننے والے نہ تھے ان کی سنگدلی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس لیے ہم نے بمقتضائے حکمت ان کا خاتمہ ہی کر دیا اور بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر ان کو پھینک دیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ کما قال تعالیٰ: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الانعام)

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ

صاحب اس کے سوا، تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اونٹنی

اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

اللہ کی اس سے ہے تم کو نشانی سو اس کو چھوڑ دو کھاوے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بُری طرح

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ

پھر تم کو پکڑے گی دکھ کی مار۔ اور وہ یاد کرو جب تم کو سردار کیا

بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا

عاد کے پیچھے اور ٹھکانہ دیا زمین میں بناتے ہو نرم زمین میں محل

وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو

الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

زمین میں فساد کہنے لگے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا

میں سے غریب لوگوں کو جو ان میں یقین رکھتے تھے یہ تم کو معلوم ہے کہ صالح

مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ

بھیجا ہے اپنے رب کا بولے ہم کو جو اس کے ہاتھ بھیجا یقین ہے کہنے لگے

اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا

بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے پھر کاٹ ڈالی اونٹنی اور پھرے

عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

اپنے رب کے حکم سے اور بولے اے صالح! لے آ ہم پر جو وعدہ دیتا ہے اگر تو

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

بھیجا ہے۔ پھر پکڑا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا اے قوم! میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور بھلا چاہا

لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

تمہارا لیکن تم نہیں چاہتے بھلا چاہنے والوں کو۔

قصّہ سوم حضرت صالح علیہ السّلام با قوم ثمود

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ... الٰی ... وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝۷۹﴾

ربط : اب یہ تیسرا قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السّلام کا بیان فرماتے ہیں، ثمود۔ قومِ عاد کے بعد ہوئے ہیں یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے مدینہ اور شام کے درمیان ان کا وطن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ۹ میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں ان کے شہر اور مکانات پر سے گزر ہوا اور وہاں کچھ قیام کا بھی اتفاق ہوا لوگوں نے ان کے کنوئیں سے پانی بھرا اور اس سے آٹا گوندھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جس قدر پانی بھرا گیا ہے پھینک دیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے کوچ فرمایا اور اس کنوئیں کے قریب جا کر قیام کیا جہاں سے صالح علیہ السّلام کی ناقہ پانی پیتی تھی۔ اس کنوئیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پینے کا حکم دیا۔ یہ قوم نہایت مُرفہ الحال تھی مگر یہ بدنصیب بت پرست اور بدکار تھے اور علانیہ فواحش کے مرتکب تھے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السّلام کو مبعوث فرمایا۔ صالح علیہ السّلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور احکام الٰہی کی دعوت دی تو انہوں نے امتحاناً ایک خاص معجزہ کا سوال کیا کہ اگر تم اس صخرہ (سنگ سخت یعنی چٹان) سے ایک حاملہ اونٹنی نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے نماز پڑھ کر دُعا کی یکا یک وہ پتھر ہلا اور پھٹا اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی جس کے شکم میں اس کا بچہ جنبش کرتا تھا۔ اس معجزہ کے ظاہر ہونے پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثر لوگ کفر پر قائم رہے۔ پھر اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے لوگوں سے کہہ دیا کہ دیکھو اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ وہ اونٹنی نہایت قوی ہیکل اور ہیبت ناک تھی لوگوں کے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ جس دن وہ پانی پیتی اس دن کوئی جانور پانی نہیں پیتا تھا اور ایک دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اور دوسرے دن اور لوگوں کے مواشی کا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿لَھَا شِرْبٌ وَّ لَکُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ جاننا چاہیے کہ خدا کی قدرت کے اعتبار سے ماں کا بطن اور صخرہ (چٹان) کا باطن سب برابر ہیں۔ جو خدا اپنی قدرت سے ایک انڈے میں سے چوزہ نکال سکتا ہے، وہ پتھر میں سے اونٹنی بھی نکال سکتا ہے، اس کی قدرت کے لحاظ سے چوزہ اور ناقہ سب برابر ہیں خوب سمجھ لو کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں میں نہ پڑو۔

اس معجزے کو دیکھ کر جندع بن عمرو جو کہ رؤساء ثمود میں سے تھا وہ اور اس کے رفقاء ایمان لے آئے اور بقیہ اشراف اور رؤساء اور اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ کفر اور عداوت میں اور شدید ہو گئے اور دشمنی پر تل گئے۔ بالآخر لوگوں نے جوش عداوت میں اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور اس کو ذبح کر ڈالا اونٹنی کے بچہ نے جب یہ حال دیکھا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جس پتھر سے صالح علیہ السّلام کا ناقہ نکلا تھا وہ کشادہ ہو گیا وہ بچہ اس کے اندر گھس گیا اور غائب ہو گیا۔ حضرت صالح علیہ السّلام کو جب یہ خبر ملی تو سخت ملول ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا وقت اب پورا ہو چکا ہے۔ اب تم تین دن تک جو چاہو کرو چوتھے دن تم پر عذاب آئے گا بعض لوگوں نے ارادہ کیا کہ عذاب آنے سے پہلے ہی صالح علیہ السّلام کو مار ڈالا جائے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم سے پہلے مارا جائے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو اس کی ناقہ سے ملا دیا جائے۔

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ وَ اَھْلَہٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِیِّہٖ مَا شَھِدْنَا مَھْلِكَ اَھْلِہٖ وَ

اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (النمل)

چنانچہ انہوں نے جب یہ فعل کیا تو پنجشنبہ کی صبح کے وقت ان کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعہ کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور شنبہ کے روز ان کے چہرے سیاہ ہو گئے تین دن گزرنے کے بعد چوتھے روز بروز یکشنبہ ان پر عذاب اس طرح آیا کہ آسمان کی طرف سے ایک صَیْحَه (چنگھاڑ) یعنی ایک سخت ہولناک آواز آئی اور زمین کی طرف سے ایک رَجْفَةْ (سخت زلزلہ) نمودار ہوا جس سے ایک دم میں سب کی جانیں نکل گئیں۔ کوئی شخص ان میں سے نہ بچا چھوٹا بڑا مرد عورت بوڑھے جوان بچے۔ سب کے سب مر کر رہ گئے سب اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے۔ اس عذاب سے اس قوم کا صرف ایک شخص ابورغال نامی بچا جو حرم میں رہ گیا تھا لیکن جب وہ حدودِ حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی عذاب سے ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۷ ج ۲ تا ص ۲۲۹ ج ۲۔ وروح المعانی ص ۱۴۵ ج ۸ تا ص ۱۴۷ ج ۸)

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمان مکہ معظّمہ آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد انہیں بستیوں میں آباد رہے۔

تنبیہ : قوم ثمود کی ہلاکت کے بارے میں اس جگہ تو رَجْفَه کا لفظ آیا ہے یعنی ایک عظیم اور شدید زلزلہ آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور سورۂ ہود میں صَیْحَه کا لفظ آیا ہے یعنی ایک چنگھاڑ اور سخت ہولناک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں اس طرح آیا ہے:

﴿ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَ اَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ﴾ (هود)

اور سورۃ الحاقہ میں لفظ طاغیہ آیا ہے ﴿ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴾۔ سو ان آیات میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں اس قوم پر نیچے سے یعنی زمین سے زلزلہ آیا اوپر سے یعنی آسمان سے ایک سخت ہولناک آواز آئی یا یوں کہو کہ اس زلزلہ ہی میں سخت آواز تھی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور یہ دونوں باتیں ان کی ہلاکت کا سبب بنیں اور لفظ طاغیہ جس کے معنی حد سے گزرنے والی چیز کے ہیں سو وہ دونوں باتوں کو شامل ہے زلزلہ کو بھی اور ہولناک آواز کو بھی۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۴۴ ج ۸)

تفسیر : اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ان کی قوم نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ آپ پتھر کی اس ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں۔ چنانچہ آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا سے ایسا ہی کر دیا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس میں سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ (رواہ محمد بن اسحاق)

صالح علیہ السلام نے قوم کو اوّل دعوتِ توحید دی اور بعد ازاں ان کی فرمائش کے مطابق ایک معجزہ ظہور میں آیا جو ان کی نبوت کی دلیل تھی۔ اس فرمائشی معجزے کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تحقیق تمہارے پروردگار کی طرف سے میری نبوت کی ایک واضح دلیل آ چکی ہے وہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے میری نبوت کی ایک نشانی ہے جو بغیر نر اور مادہ کے ایک ٹھوس پتھر سے نکلی ہے اور کامل الخلقت ہے اور بغیر حمل اور بغیر تدریج کے ظاہر ہوئی ہے۔ اور میری دعا سے خدا تعالیٰ نے غیر معتاد طریقہ سے اس کو پتھر سے نکالا

ہے۔پس تم اس کے حقوق کی رعایت کرو مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس سے اس کو نہ روکو۔غرض یہ کہ جس نشان کو تم نے خدا تعالیٰ سے خود مانگ کر حاصل کیا ہے اس کے ساتھ برائی سے نہ پیش آؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

نکتہ: اس معجزہ میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو خدا اپنی قدرت سے اور اپنے رسول کی دُعا کی برکت سے ایک سخت چٹان میں حیات اور زندگی کے آثار پیدا کر سکتا ہے۔اسی طرح جو دل پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔نبی کی دُعا و برکت سے اور ان کی متابعت سے ان میں بھی زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں۔پس تم اس اونٹنی کو چُھٹا چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے کھاتی اور چرتی پھرے کیونکہ یہ اونٹنی اللہ کی ہے اور یہ زمین اور گھاس بھی اللہ ہی کی ہے۔تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں۔اور تم اس کو بُرے ارادہ سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا۔اس لیے کہ جو شخص اس درجہ سنگدل ہو کہ اللہ کی نشانی کو مٹانا چاہے وہ بلاشبہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔

اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ قوم عاد کے ہلاکت کے بعد تم کو ان کا جانشین کیا۔تا کہ اس حیات دنیویہ کو حیات اخرویہ کا ذریعہ بناؤ اور زمین میں تم کو ٹھکانہ دیا کہ اس کی نرم زمینوں میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں پتھروں میں سے گھر تراشتے ہو قوم ثمود بڑی مالدار اور خوشحال اور صناع تھی گرمیوں میں رہنے کے لیے نرم زمینوں میں گھر بناتے تھے اور جاڑوں کے لیے پہاڑوں میں پتھر کے گھر تراشتے تھے۔پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر کرو اور کم از کم زمین میں فساد تو نہ مچاتے پھرو۔اور کفر اور شرک اور نبی کی مخالفت سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں ان کی قوم کے سرداروں نے جو متکبر تھے۔اُن ناتواں اہل ایمان سے جو ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے یہ کہا کہ کیا تم کو یہ یقین ہے کہ صالح علیہ السلام اپنے پروردگار کی طرف سے ہماری جانب پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔اہل ایمان نے جواب میں کہا کہ ان کی نبوت میں کوئی شبہ ہی نہیں۔تحقیق ہم ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو وہ منجانب اللہ دیکر بھیجے گئے تم مسئلہ ان کی نبوت کا نہ پوچھو وہ تو بالکل بدیہی ہے تم تو مسئلہ ایمان کا پوچھو اور ان پر ایمان لانے کی سوچو ہم تو ان کی ہدایتوں پر بے چون و چرا ایمان لا چکے ہیں چاہے اُن کی باتیں ہماری عقلوں میں آئیں یا نہ آئیں۔جو لوگ متکبر اور سرکش تھے وہ بولے کہ ہم ان تمام چیزوں کے جن پر تم ایمان اور اعتقاد رکھتے ہو ہم اس کے کافر اور منکر ہیں۔ہم نہ ان کی نبوت و رسالت کو مانتے ہیں اور نہ ان کے اس معجزہ یعنی ناقہ کے معجزہ کو مانتے ہیں اور نہ اس کو مانتے ہیں کہ ناقہ کو مار ڈالنے سے کوئی عذاب آ جائے گا۔پھر انہوں نے صلاح مشورہ کر کے اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی اور صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور کہا: اے صالح! تو اس عذاب کو لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو واقعی رسولوں میں سے ہے اور تیرا گمان یہ ہے کہ خدا اپنے رسولوں کی، دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرتا ہے۔پس جب ان کی جرأت اس درجہ پہنچ گئی کہ خدا کے پیغمبر کا برملا مذاق اڑانے لگے تو غیرت خداوندی جوش میں آ گئی اور ایک زلزلہ نے ان کو آ پکڑا نیچے سے ایک زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک صَیْحَۃْ (چنگھاڑ یعنی سخت آواز) آئی جس سے سب کا دم نکل گیا۔پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں اپنے گھٹنوں پر اوندھے پڑے ہوئے تھے یعنی جب صبح ہوئی تو جو جہاں تھا وہیں اپنے گھٹنوں پر مرا پڑا تھا۔پس صالح علیہ السلام نے ان کے مرنے کے بعد ان سے منہ پھیرا اور ان مردُودوں سے بطور ملامت یہ کہا اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری پوری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔اپنے ناصح کی ایک نہ سُنی بالآخر یہ روز بد دیکھا صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے ہلاکت کے بعد یہ خطاب ایسا تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے کہا تھا: ((هل وجدتم ما وعد ربكم حقا)). مقصود اس سے دوسروں کو سنانا تھا تا کہ ماننے والوں کے ایمان میں زیادتی ہو اور دوسرے لوگ عبرت پکڑیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط کو بھیجا جب کہا اپنی قوم کو کیا کرتے ہو بے حیائی؟ تم سے پہلے نہیں کی

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ

یہ کسی نے جہان میں۔ تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے

النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ

عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد پر نہیں رہتے۔ اور کچھ جواب نہ دیا اس کی قوم نے

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

مگر یہی کہا نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرائی چاہتے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھروالوں کو مگر اس کی عورت رہ گئی رہنے والوں میں۔ اور برسایا

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۱۰ ۱۲ ۱۷

ان پر برساؤ پھر دیکھ آخر کیسا ہوا حال گنہگاروں کا۔

قصہ چہارم حضرت لوط علیہ السلام با قومِ او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ ... الٰی ... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾﴾

ربط: یہ چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ یہ شہر شرق اردن کے علاقہ سے قریب ہے یہ لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی بدبخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی اس سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا اور یہ لوگ لٹیرے بھی تھے تاجروں کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیا اس قدر تھے کہ بھری مجلسوں میں بے حیائیوں کے مرتکب ہوتے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور اس بدکاری اور بے حیائی سے منع کیا۔ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ﴾ (العنکبوت:۲۹) مگر بد نصیبوں نے کچھ نہ سنا تب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور چند فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے جب ان کی قوم کو یہ خبر ہوئی تو لوط علیہ السلام کا مکان آ کر گھیر لیا اور اُن سے کہا کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ

ایسا ظلم نہ کرو میری لڑکیاں موجود ہیں ان سے نکاح کرلو مگر میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ۔ انہوں نے بالکل نہ مانا تب فرشتوں نے کہا: اے لوط (علیہ السلام)! تم گھبراؤ نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں انہیں غارت کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنے تمام کنبے کو اور مسلمانوں کو لے کر نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ نکل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور عذاب میں مبتلا ہوئی۔ حسبِ وعدۂ خداوندی صبح کے وقت اس قوم پر یہ عذاب آیا کہ وہ تمام بستیاں الٹا دی گئیں اور پھر اُوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آسمان کی طرف لے جا کر ان کو اوپر سے نیچے گرایا پھر اُوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا۔ یہ قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

تفسیر: اور ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے لوط بن ہاران بن تارخ جب اس نے اپنی قوم اہل سدوم سے کہا جن کی طرف وہ نبی بنا کے بھیجے گئے تھے کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو قباحت میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس کو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اس گناہ کے تم ہی موجد ہو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں (یعنی لڑکوں) کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ تمہارا مقصود صرف شہوت رانی ہے نسل اور اولاد تمہارا مقصود نہیں نسل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پیدا کیا ہے کہ مرد اوپر ہوں اور عورتیں نیچے اور تم نے جو طریقہ اختیار کیا وہ سراسر خلاف فطرت ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والی قوم ہو۔ یعنی صرف اتنا ہی نہیں کہ تم اس فعل سے گناہ یا غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ تمہارا یہ خلاف فطرت فعل اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو اور اس نصیحت کے بعد ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بعض بعض سے کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں کہ ہم کو گندہ بتلاتے ہیں یعنی یہ لوگ اپنی پاکی کے مدعی ہیں تو ہم ناپاکوں میں ان پاکوں کا کیا کام ان کو یہاں سے نکال دو۔ خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے خدا تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو عزت اور راحت کے ساتھ صحیح وسالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان نکالنے والوں پر عذاب مسلط کر دیا۔ پس جب ان کے تمسخر کی نوبت یہاں تک پہنچی تو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو عذاب سے بچا لیا، مگر ان کی بیوی ان لوگوں میں رہ گئی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا۔ اور دوسری جگہ یہ آیا ہے کہ وہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ ان پر برسایا گیا: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾ (ھود:۸۲) چونکہ ان لوگوں نے بھی عالی (مرد) کو سافل بنایا اور نیچے لٹا کر اس سے لواطت کی اس لیے اس فعل شنیع کی سزا میں پوری بستی کو زیر وزبر، تہہ وبالا کیا گیا اسی بناء پر ان بستیوں کو مؤتفکات کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی بلند مقام پہاڑ یا منارہ وغیرہ سے گرا دیا جائے یا اسے سنگسار کیا جائے اور اُوپر سے پتھر مارے جائیں تا آنکہ وہ مر جائے۔ جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اور بعض علماء کے نزدیک اس کی سزا مثل زنا کے ہے کہ اگر لوطی محصن ہے تو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا اور اگر محصن نہیں تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور بعض علماء کے نزدیک صرف قتل کر دینا کافی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تم کسی کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۱ ج ۲)

اور اسی طرح یہ فعل عورتوں کے ساتھ بھی بالاجماع حرام ہے۔ پس اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا خراب ہوا اس لیے فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں لواطت کی حرمت زنا کی حرمت سے کہیں زیادہ شدید ہے اس لیے لواطت کی سزا حنفیہ کے نزدیک زنا

کی سزا سے بڑھ کر ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

وَ اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کو بھیجا ان کا بھائی شعیب۔ بولا اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

صاحب اس کے سوا پہنچ چکی تم کو دلیل تمہارے رب کی طرف سے سو پوری کرو ماپ

وَ الْمِيْزَانَ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَ لَا تُفْسِدُوْا فِى

اور تول اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ ج

زمین میں اس کے سنوارے پیچھے یہ بھلا ہے تمہارا اگر تم کو یقین ہے۔

وَ لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور مت بیٹھو ہر راہ پر ڈر کے، اور روکتے اللہ کی راہ سے اس کو

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ج وَ اذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

جو کوئی یقین لاوے اس پر اور ڈھونڈتے اس میں عیب اور وہ یاد کرو جب تھے تم تھوڑے

فَكَثَّرَكُمْ ص وَ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اِنْ كَانَ

پھر تم کو بہت کیا اور دیکھو آخر کیسا ہوا ہے حال بگاڑنے والوں کا۔ اور اگر تم

طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ طَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

میں ایک فرقہ نے مانا ہے جو میرے ہاتھ بھیجا، اور ایک فرقے نے نہیں تو

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ج وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے بیچ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

قصّہ پنجم شعیب علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ... الٰی ... وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸۷﴾

ربط : یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو قوم لوط کی تباہی کے بعد پیش آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ مدین اصل میں حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے ان کی نسل کے لوگ اس جگہ رہتے تھے اس لیے اس بستی کو یا اس قبیلہ کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر آتا ہے اور یہ قبیلہ حجاز میں شام کے قریب آباد تھا یہ حجاز کا آخری حصہ ہے۔ اسی قبیلہ میں سے اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم۔ یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے پاس رہے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا پھر مصر کی طرف واپس ہوئے اور راستہ میں کوہ طور کے قریب اللہ کی تجلی دیکھی اور نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے ماپ تول میں کمی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی ان کا دستور تھا، راہزن تھے راستہ چلنے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ راست کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ان کو تعلیم دی تو ان لوگوں نے یہ ناشائستہ جواب دیا کہ ہم آپ کو اور آپ کے متبعین کو اپنے شہر سے نکال دیں گے نہیں تو آپ ہمارے مذہب میں آجایئے۔ شعیب علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا۔ بہت تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثر اپنے اعمال بد پر مُصر رہے۔ بالآخر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ﴿فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ﴾ (العنکبوت:۳۷) یعنی اس قوم کو ایک عظیم زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ اوندھے منہ گر کر مر گئے اور دوسرے مقام پر یہ ہے: ﴿فَاَخَذَھُمْ عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ اِنَّہٗ کَانَ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ﴾ (الشعراء:۱۸۹) یعنی ان کو ایک سخت اور تاریک دھوئیں نے پکڑ لیا۔ اس قوم پر جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ نے ان پر ایک سخت اور تاریک دھواں اٹھایا جس کی گرمی اور ظلمت نہایت مہیب تھی اس دھوئیں کو اللہ تعالیٰ نے ظلہ سے تعبیر کیا ہے یعنی ان کو بادل والے عذاب نے پکڑ لیا جس میں آگ تھی۔ اور تیسری جگہ یہ آیا ہے: ﴿وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَۃُ﴾ (ھود:۹۴) ان ظالموں کو ایک سخت عذاب اور ہولناک آواز نے آ پکڑا سو جاننا چاہیے کہ ان تینوں عذابوں میں کوئی تعارض نہیں زمین سے ایک زلزلہ آیا جس میں ہیبت ناک آواز تھی اور آسمان کی طرف سے ایک ابر آتشیں آیا اس میں دھواں اور چنگاریاں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور لپٹ تھی۔ جب اس طرح اُوپر اور نیچے سے عذاب آیا تو سب کا دم نکل گیا اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور اللہ نے دکھلا دیا کہ جو لوگ رسول کو شہر سے نکالنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ سب کے سب نہایت ذلت وخواری سے تباہ ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین اس عذاب سے محفوظ رہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۳۲ ج ۲)

تنبیہ : قرآن کریم میں کسی جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اور کسی جگہ اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اس لیے بعض علماء دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دونوں الگ الگ ہیں اللہ تعالیٰ نے

حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قبیلوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا مدین کے قریب گنجان درختوں سے گھری ہوئی ایک آبادی تھی جس کا نام ایکہ تھا اور شرک اور بت پرستی اور تولنے اور ناپنے میں کمی کرنے کی بیماری میں دونوں شریک تھے۔ شعیب علیہ السلام اوّل اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے اور سورۂ فرقان وسورۂ قاف میں اصحاب الرّس کا لفظ آیا ہے کہ شعیب علیہ السلام اصحاب رس کی طرف مبعوث ہوئے یہ کنوئیں والے اہل مدین اور اصحاب ایکہ کے علاوہ کوئی جدا قبیلہ ہے اس لیے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ شعیب علیہ السلام تین قبیلوں کی طرف مبعوث ہوئے اور قرآن کریم میں جو قومِ شعیب کے لیے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے۔ رَجْفَه ، صَیْحَةٌ اور ظلّہ یہ تین قسم کے عذاب تین قبیلوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تھے۔ یا سب پر یہ تینوں عذاب نازل ہوئے اس لیے کہ شرک اور بت پرستی اور بدمعاملگی کا مرض سب میں مشترک تھا۔ واللہ اعلم (دیکھو روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۸)

تفسیر: اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جو قطورہ کے بطن سے تھا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کی تھی وہاں رفتہ رفتہ ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اور وہ شہر مدین ہی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یہ شہر حجاز عرب میں کوہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم کے کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا۔ اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے۔ البتہ اس کے کھنڈرات اور نشانات اب تک موجود ہیں خدا تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو اس شہر کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی کہ اے قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے میری نبوت کی نشانی آچکی ہے یعنی میرے معجزات تم دیکھ ہی چکے ہو اور یہ سمجھ چکے ہو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں پس جو حکم دوں اس کی اطاعت کرو۔ پیمانہ اور ترازو کو پورا رکھو اور ماپ تول میں لوگوں کو چیزیں کم نہ دو اور ملک میں درستی کے بعد خرابی نہ ڈالو۔ یعنی دین خداوندی کی مخالفت نہ کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے یعنی توحید اور ناپ تول میں عدل دین و دنیا میں تمہارے لیے نافع ہے۔ اگر تم کو آخرت اور میری نبوت کا یقین ہے اور نہ بیٹھو ہر راہ پر کہ چلنے والوں کو ڈراؤ اور جو اللہ پر ایمان لائے ہیں ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اللہ کی راہ میں کجی نکالو ان لوگوں کی عادت تھی کہ دو دو چار چار اشخاص راستوں پر بیٹھ جاتے تو راہ گیروں کو ڈراتے دھمکاتے اور جو ان کے پاس ہوتا وہ ان سے چھین لیتے اور جو شخص شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتا اس سے کہتے کہ جس کے پاس تو جانا چاہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے اور طرح طرح کی شبہات نکالتے اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ مذہب کا راستہ سیدھا نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اور یاد کرو اس وقت کو کہ تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو کثرت بخشی تو اس کا شکر کرو اور دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ خدا کی نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خدا کی گرفت سے ڈرتے رہو قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات سے عبرت پکڑو کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو کس طرح ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور اگر تم میں سے ایک فریق ان باتوں پر ایمان لے آیا ہے جن کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک فریق ایمان نہیں لایا تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے یعنی حق تو یہ تھا کہ تم سب حق پر متفق ہو جاتے لیکن جب تم نے اختلاف ہی کی ٹھان لی تو فیصلہ کا انتظار کرو کہ منجانب اللہ آسمان سے میرے اور تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے کہ عذاب الٰہی سے تم کافر تو ہلاک ہو جاؤ اور ہم مسلمان نجات پا جائیں اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اس کے فیصلہ میں نہ ظلم کا امکان ہے اور نہ اس کے فیصلہ کو کوئی ردّ کر سکتا ہے۔

الحمد للہ آٹھویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

بولے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم کے ہم نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ

اور جو یقین لائے ہیں تیرے ساتھ اپنے شہر سے یا تم پھر آؤ ہمارے دین میں۔ بولا کیا

لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

ہم بیزار ہوں تو بھی؟ ہم نے جھوٹ باندھا اللہ پر اگر پھر آویں تمہارے دین میں

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ

جب اللہ ہم کو خلاص کر چکا اس سے۔ اور ہمارا کام نہیں کہ پھر آویں اس میں مگر کبھی

يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ

اللہ چاہے رب ہمارا ہمارے رب کی سمائی میں ہے سب چیز کی خبر اللہ پر ہم نے بھروسا کیا ہے۔

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَ

اے رب فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے بیچ انصاف کا اور تو ہے بہتر فیصلہ کرنے والا۔ اور

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا

بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے اگر چلے تم شعیب کی راہ بے شک تو تم

لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ ۚ

خراب ہوئے۔ پھر پکڑا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو جیسے کبھی نہ رہے تھے وہاں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

وہی ہوئے خراب۔ پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا اے قوم! پہنچا چکا تم کو

ع ۱۱ ۹ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع

پیغام اپنے ربّ کے اور بھلا چاہا تمہارا اب کیا غم کھاؤں؟ نہ مانتے لوگوں پر۔

بقیہ قصہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ... الٰی ... فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾﴾

شعیب علیہ السلام کے قوم کے متکبر سرداروں نے جواب دیا کہ اے شعیب علیہ السلام ہمیں صبر کرنے کی اور فیصلہ کی انتظار کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو تم پر غلبہ دیا ہے اور ہم کو تمہارے نکالنے کی قدرت دی ہے۔ اے شعیب علیہ السلام! یاد رکھو ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ تو پھر ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں کے اعتبار سے ہے کہ جو شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے کفر کے طریقہ پر تھے اور کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصوّر بھی نہیں ہوسکتا کہ معاذ اللہ وہ پہلی ملّت کفار میں داخل تھے۔ پھر مسلمان ہوئے اس لیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ابتداء ولادت ہی سے کفر اور شرک سے معصوم ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص نبوت سے پہلے کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہو اور بعد میں نبی بنا دیا گیا ہو۔ بہرحال یہ خطاب تغلیبی ہے۔ عام مؤمنین کے اعتبار سے یہ الفاظ استعمال کئے گئے یا یوں کہو کہ یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے مطابق کہا گیا کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ شروع نہ کی تھی اس لیے ان کی خاموشی اور سکوت سے اہل مدین یہ سمجھے کہ یہ ہمارے ہی دین اور مذہب پر ہیں یا یوں کہو کہ ﴿لَتَعُوْدُنَّ﴾ میں عود سے مطلق صَیرورَت (ہوجانے) کے معنی مراد ہیں یعنی تم ہمارے ہم مذہب بن جاؤ۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے دین میں داخل ہوجائیں۔ اگرچہ ہم تمہارے دین سے ناخوش اور بیزار ہوں یعنی دلیل اور حجّت اور چشم بصیرت سے ہم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جن کفریات میں تم مبتلا ہو وہ سمِ قاتل ہیں پھر جان بوجھ کر یہ زہر کا پیالہ کیسے پی لیں بالفرض اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہوجائیں بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے نجات دے چکا ہے تو ضرور ہم نے اللہ پر بہتان باندھا یعنی اگر ہم تمہارے دین میں شامل ہوجائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب تک جو ہم پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے اور تم کو اللہ کے پیغامات سناتے تھے اور تمہارے دین کو بُرا کہتے تھے اور اپنے دین کو خدا کا دین کہتے تھے۔ اس میں ہم نے خدا پر بہتان باندھا اور گویا ہم نے یہ تسلیم کرلیا کہ اب تک جو ہم اپنی حقانیت کا دعویٰ کر رہے تھے وہ سب کا سب جھوٹ اور افتراء تھا۔ اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ کفر وشرک کی ملت میں داخل ہوجائیں۔ مگر یہ کہ خداوند پروردگار ہی کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو وہ اور بات ہے اس کی قضاء وقدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم کفر کی قباحت اور شناعت اور اس کے انجام بد سے بخوبی واقف ہیں تو پھر کفر کیونکر اختیار کر سکتے ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو ہماری ہدایت منظور نہ ہو اور اسی نے ہماری قسمت میں کفر لکھ دیا ہو تو ہم مجبور ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور گمراہی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی مشیت انسان کے ارادہ پر غالب ہے انسان کی سعادت اور شقاوت اس کے اختیار میں ہرگز نہیں دل جو تمام افعال انسانی کا محرک ہے وہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس طرف چاہے اس کو پھیر دے چاہے ہدایت کی طرف اور چاہے گمراہی کی طرف ہمارا پروردگار علم کے

لحاظ سے ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قضاء وقدر کی حکمتیں اور مصلحتیں اسی کو معلوم ہیں ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا وہی اپنی عنایت سے ہم کو اپنے دین پر قائم رکھے گا۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق فیصلہ کر دیجیے یعنی کافروں پر عذاب نازل فرماتا کہ ان کا باطل پر ہونا اور ہمارا حق پر ہونا اعلانیہ طور پر واضح ہو جائے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ دعا شعیب علیہ السلام نے اس وقت کی کہ جب وہ قوم کے ایمان سے نا اُمید ہو گئے اور ان کی یہ تقریر دل پذیر سُن کر ان کی قوم کے سرداروں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم نے شعیب علیہ السلام کا اتباع کیا تو تم بڑے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی اگر تم نے باپ دادا کا دین چھوڑا تو یہ دین کا خسارہ ہوگا اور اگر تجارت ماپ تول پورا رکھا تو یہ دنیا کا خسارہ ہوگا غرض یہ کہ وہ اپنے کفر اور ظلم پر جمے رہے۔ پس اللہ کا عذاب آیا اور ان کو ایک زلزلہ نے آ پکڑا پس انہوں نے اس حال میں صبح کی کہ اپنے گھروں میں اپنے زانوؤں پر اوندھے مرے پڑے تھے جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا ایسے ہو گئے کہ گویا وہ کبھی وہاں بسے بھی نہ تھے جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ میں رہے دنیا میں برباد اور آخرت میں دائمی عذاب کے ہمیشہ کے لیے مستحق ہوئے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو نکالنے کی دھمکی دی تھی نہ وہ رہے اور نہ ان کی بستیاں رہیں اور جو یہ کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے سو خود ہی خائب وخاسر ہو کر رہ گئے زلزلہ نے ان کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔ پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے قوم! میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی اور دنیا اور آخرت کے نفع نقصان سے تم کو آگاہ کر دیا مگر تم نے ایک نہ مانی اور کیفر کردار کو پہنچے۔ پس میں کافر قوم کی ہلاکت پر کیوں غم کھاؤں۔ خود اپنی کرتوتوں سے ہلاک ہوئے نہ شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کرتے نہ ہلاک اور برباد ہوتے کافروں کی ظلم اور شرک پر ہٹ دھرمی کرنے والوں کی اور انبیاء کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کی تباہی اور بربادی لائق حزن وغم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ زمین اللہ کے نافرمانوں سے پاک ہوئی اور اہل ایمان کی نگاہیں کفر وشرک کی نجاستیں دیکھنے سے محفوظ ہو گئیں ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانعام:۴۵) کافر خدا کی نظر میں ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں۔ لہٰذا کسی مچھر کے مرنے پر غم کرنا اور کسی مچھر کے مرنے یا مارے جانے پر تاردینا عاقل اور دانا کا تو کام نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں

لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى

شاید وہ گڑ گڑاویں۔ پھر بدل دی ہم نے بُرائی کی جگہ بھلائی جب تک کہ

عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ

بڑھ گئے اور کہنے لگے پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا

ان کو ناگہاں اور وہ خبر نہ رکھتے تھے۔ اور کبھی بستیوں والے یقین لاتے اور بچ چلتے تو

لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ

ہم کھول دیتے ان پر خوبیاں آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلانے لگے تو پکڑا ہم نے

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا

ان کو بدلہ ان کی کمائی کا اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے؟ کہ آپہنچے ان پر آفت

بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا

ہماری راتی رات جب سوتے ہوں۔ یا نڈر ہیں بستیوں والے؟ کہ آپہنچے ان پر آفت

ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا

ہماری دن چڑھتے جب کھیلتے ہوں کیا نڈر ہوئے؟ اللہ کے داؤ سے۔ سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر

الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ ع ۱۲ ۶ ۲

جو لوگ خراب ہوں گے اور کیا سوجھ نہیں آئی ان کو جو قائم ہوتے ہیں ملک پر پیچھے وہاں کے

اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

لوگ جاکر کہ ہم چاہیں تو ان کو پکڑیں ان کے گناہوں پر اور ہم مہر کرتے ہیں ان کے دل پر

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَ

سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو کچھ احوال ان کا اور

لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا

ان پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ ہوا کہ یقین لاویں جو پہلے بات جھٹلا چکے

مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا

یوں مہر کرتا ہے اللہ منکروں کے دل پر اور نہ پایا

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ان کے اکثروں میں ہم نے نباہ اور اکثر ان میں پائے بے حکم۔

بیانِ اجمالی حال و مآل امم سابقہ برائے عبرت و نصیحتِ امم حاضرہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ ... الٰى ... وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوعات میں امم سابقہ کے واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے اب ان کا اجمالی خلاصہ بیان کرتے ہیں تا کہ موجودہ زمانے کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ بنیں کہ اے لوگو تمہیں ان واقعات سے انبیاء کرام کی تکذیب کے بُرے نتائج کا علم ہو گیا مگر یاد رکھو کہ یہ سزائیں ان کو دفعۃً نہیں دی گئیں بلکہ تنبیہات کے بعد دی گئیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہیں تو ہم شروع میں تنبیہ کے طور پر بیماری اور قحط اور مختلف قسم کی سختیوں اور تکلیفوں کو ان پر مسلّط کرتے ہیں تا کہ یہ مکذبین اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں اور بارگاہِ الٰہی کی طرف جھکیں اور جب ان کی سخت طبیعتیں تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتیں تو ہم ان سے مصیبتوں اور سختیوں کو ہٹا کر ان پر اپنی نعمتوں اور احسانات کے دروازے کھول دیتے ہیں کہ شاید ان احسانات سے شرما کر ہماری طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مصیبتوں کو دور کیا اور ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور خوشحالی بخشی مگر وہ عیش و عشرت میں اس قدر مست ہو جاتے ہیں کہ تضرع اور زاری کی طرف آنے کے بجائے اپنے حال کو یوں تاویل کرنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں زمانہ کی گردش ہے کبھی یوں ہے اور کبھی ووں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ سب اللہ کی آزمائش ہے زمانہ کے اتفاقات نہیں۔

پس جب لوگ غفلت کی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت ناگہانی طور پر خدا کا عذاب غافلوں کو بحالت غفلت آ کر پکڑ لیتا ہے جبکہ وہ عیش و عشرت میں غافل اور مست ہوتے ہیں۔ پس اے گروہ قریش تم کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ امم سابقہ کی طرح ناگہانی عذاب الٰہی تم کو نہ آ دبائے یہ نہ سمجھنا کہ عذاب الٰہی صرف انبیاء سابقین کے منکرین پر ہوا تھا تم پر بھی انکار و تکذیب کے بعد اسی قسم کا عذاب آ سکتا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ ان واقعات کے ذکر کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تم عبرت پکڑو۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ رکوعات میں اُمم سابقہ کا حال اور ان کی تکذیب کا عبرت ناک مآل ذکر کیا۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین اور مکذبین کے بارے میں سنّت الٰہیہ اور طریقۂ خداوندی یہ ہے کہ اوّل ان کو تنگی اور سختی میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ عبرت پکڑیں اور ہوش میں آ جائیں اور پھر ان پر رزق کے دروازے کھولتے ہیں تا کہ شکر کریں اور اطاعت کی طرف مائل ہوں لیکن جب ان پر کسی طرح اثر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو یکایک پکڑ لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کو فقط تنبیہ قولی کے بعد ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ فعلی اور عملی تنبیہات کے بعد بھی جب وہ متنبہ نہ ہوئے تب ہلاک کیے گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی اور اس بستی والوں نے اس نبی کو جھٹلایا مگر یہ کہ ہم نے اس بستی کو بالکلیہ تباہ اور برباد کرنے سے پہلے اس کے باشندوں کو بطور تنبیہ تنگی اور سختی میں یعنی فقر اور تنگدستی میں اور رنج اور بیماری میں مبتلا کیا کہ شاید وہ اس سے ڈر کر ہمارے آگے گڑگڑائیں اور ہمارے نبی کی نصیحت اور دعوت کو قبول کریں تا کہ ان سے یہ بلا دفع کر دی جائے پھر جب وہ ان

بلاؤں اور مصیبتوں سے بھی متنبہ نہ ہوئے اور اسی طرح اپنے تکبر اور تکذیب پر قائم رہے تو ہم نے بطور استدراج اور بطریق مکر ان پر مال و دولت کے دروازے کھول دیئے اور بجائے شدت اور محنت کے ان کو صحت اور سلامتی اور راحت دے دی یہاں تک کہ وہ لوگ مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہو گئے اور اپنی گزشتہ تنگی اور سختی کو بالکل بھول گئے اور اپنی غفلت اور سخت دلی کے باعث یہ کہنے لگے کہ اسی طرح کی تکلیف اور راحت ہمارے بڑوں کو پہنچتی رہی ہے۔ یعنی ہم جس تکلیف میں مبتلا تھے وہ کچھ ہم پر خدا کا عتاب نہ تھا اور اب جو ہم سے وہ تکلیف جاتی رہی اور اس کے بدلہ ہم کو راحت ملی وہ ہم پر خدا کا کچھ انعام نہیں یہ سب زمانہ کے اتفاقات اور انقلابات ہیں قدیم زمانے سے یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ آدمی کو کبھی راحت پہنچتی ہے اور کبھی تکلیف اس میں ایمان اور کفر کو کوئی دخل نہیں جیسے موسم کبھی اچھا آتا ہے اور کبھی خراب اس میں اچھے اور بُرے اعمال کو کوئی دخل نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ راحت اور مصیبت سب اللہ کے حکم سے ہے۔ پس جب یہ لوگ ان ضراء اور سراء کے عملی تنبیہات کے بعد بھی اپنے تمرد اور تکبر پر قائم اور مضبوط رہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑا یعنی ایسی حالت میں ان کو پکڑا کہ ان کو کسی قسم کا خوف نہ تھا اور وہ جانتے نہ تھے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ ہم یکا یک اس عیش و عشرت سے محروم ہو جائیں گے۔ اور یہ حسرت اور ارمان لے کر مرے کہ کاش اگر نزول عذاب کے کچھ آثار پہلے نظر آ جاتے تو شاید توبہ کر لیتے اور یہ ساری بلا کفر اور تکذیب کی وجہ سے آئی اگر ان بستیوں کے لوگ پیغمبروں پر ایمان لے آتے اور ان کی تکذیب اور مخالفت سے پرہیز کرتے تو ہم ضرور اُن پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا اس لیے ہم نے ان پر قہر اور عذاب کے دروازے کھول دیے پس ہم نے ان کو ان کے اعمالِ خبیثہ کی سزا میں پکڑ لیا اور عذابِ مہلک سے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا کیا ان عبرتناک قصوں کے سننے کے بعد پھر بھی ان موجودہ بستیوں کے رہنے والے جو نبی اکرم ﷺ کے دورِ نبوت میں موجود ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں پس کیا یہ موجودہ بستیوں والے اس بات سے نڈر اور بے خوف ہو گئے ہیں کہ سابقین کی طرح رات کے وقت ان پر ہمارا عذاب آئے اور یہ سوتے ہوئے ہوں یعنی غفلت کے وقت میں عذاب کا شب خون ان پر آئے کیا یہ بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آ جائے۔ درآنحالیکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی تکذیب کے بعد عذاب سے بے خوف نہ رہنا چاہیے نہ رات کو نہ دن کو نہ معلوم کہ رات اور دن میں کس وقت ان پر عذاب آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ خدا سے غفلت برتی۔ غفلت کی حالت میں پکڑے گئے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے خدا کے داؤ اور مکر سے بے خوف ہو گئے ہیں۔ عیش و عشرت اور خواب استراحت میں یکا یک پکڑ لینا کہ جہاں سے کسی مصیبت کا وہم و گمان بھی نہ ہو یہ اللہ کا مکر یعنی اس کا داؤ ہے۔ پس نہیں بے خوف ہوتے مکر الٰہی سے مگر وہی لوگ جو زیاں کار ہیں اور نقصان کے مارے ہوئے ہیں کیا واضح نہیں ہوا ان لوگوں کے لیے کہ جو زمین کے پہلے باشندوں کے ہلاک ہونے کے بعد زمین کے وارث ہو رہے ہیں۔ کہ اگر ہم چاہیں تو پہلے ہلاک شدہ لوگوں کی طرح ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیں اور پہلوں کی طرح ان کو بھی کفر کا مزہ چکھا دیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں جو حق سے دیدہ و دانستہ اعراض کرتے ہیں پس ایسے لوگ حق کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی طرف توجہ اور التفات کریں اگر دل کھلا ہوا ہوتا تو حق کو سنتا اور سمجھتا اور جب دل پر مہر لگ گئی تو گوشِ دل کیا سُنے اور کیا سمجھے۔ کلام حق کا سننا اصل کام دل کے کان کا ہے اس آب و گل کے کان کا کام نہیں۔

ایں سخن از گوشِ دل باید شنود — گوشِ گِل ایں جاندارد ہیچ سود
گوشِ سَر باجملہ حیوان ہمدم است — گوشِ سِر مخصوص نسل آدم است
گوش سَر چوں جانب گویندہ است — گوشِ سِر سہل است گر آگندہ است

اب آئندہ آیات میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں جو تمام گزشتہ مضمون کا خلاصہ ہے۔ یہ مذکورہ بستیاں یعنی قومِ نوح اور عاد و ثمود اور قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں جن کا اوپر ذکر ہوا جیسے احقاف اور حجر اور مؤتفکات وغیرہ ان کی بعض خبریں ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ مکذبین کا اخیر انجام ہلاکت ہے اور تحقیق ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے پس نہ تھے ایسے کہ ایمان لے آتے اس بات پر جس کو وہ پہلی ہی بار جھٹلا چکے تھے اللہ تعالیٰ یونہی کافروں کے دل پر مہر کر دیتا ہے جسے نمونہ دیکھنا ہو وہ ان بدبختوں کو دیکھ لے اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی وفاء اور نباہ نہیں پائی عہد سے مراد یا تو عہد الست ہے یا وہ عہد مراد ہے کہ جو مصیبت آنے کے وقت یہ لوگ کر لیا کرتے تھے کہ اگر ہم نجات پائیں تو ایمان لے آئیں گے اور تحقیق ہم نے ان میں سے اکثر کو بدعہد اور بدکردار پایا جب مصیبت ٹلی تو سب عہد و پیمان ختم ہوا اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے۔ الغرض ہمیشہ سے کافروں کا یہ طریقہ اور شیوہ ہے پس آپ ان کی تکذیب اور اعراض سے اور ان کی عہد شکنی سے غم نہ کریں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں پاس پھر زبردستی کی

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى

ان کے سامنے سو دیکھ! آخر کیسا ہوا حال بگاڑنے والوں کا۔ اور کہا موسیٰ نے

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ۙ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ

اے فرعون میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔ قائم ہوں اس پر کہ نہ کہوں

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ

اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے کہ لایا ہوں تم پاس نشانی تمہارے رب کی سو رخصت دے میرے ساتھ

بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ؕ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ كُنْتَ

بنی اسرائیل کو۔ بولا اگر تو آیا ہے کچھ نشان لے کر تو وہ لا اگر تو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَنَزَعَ

سچا ہے۔ تب ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ ہوا اژدہا صریح۔ اور نکالا اپنا

يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع ۱۳ ۹ ۳

ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آیا دیکھنے والوں کو۔

قصّۂ ششم حضرت موسیٰ علیہ السلام باسبطیان وقبطیان

ربط: گزشتہ رکوعات میں پانچ پیغمبروں کے قصّے بیان ہوئے اور ان کے بعد بطور نتیجہ اور خلاصہ یہ بتلایا کہ مکذبین کے متعلق سنتِ الٰہی کیا ہے؟ اب ان پانچ قصوں کے بعد چھٹا قصّہ موسیٰ علیہ السلام کا بیان کرتے ہیں جو ان سب انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائے یہ قصہ بظاہر ایک قصّہ ہے مگر اپنے اندر بہت سے قصّوں کو لیے ہوئے ہے اور یہ قصّہ بہ نسبت اور قصّوں کے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر یہ قصّہ نصف پارہ تک چلا گیا ہے اور صرف اس مقام پر نہیں قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اکثر و بیشتر آیا ہے اور یہ قصّہ متعدد مطالب اور مختلف مقاصد کے بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں بہت جگہ آیا ہے اور تکرار اور تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات انبیاء سابقین کے معجزات سے زیادہ قوی ہیں اور نہایت عظیم اور عجیب ہیں جن سے سحر اور معجزہ کا فرق خوب واضح ہو جاتا ہے اور فرعون اور فرعونیوں کا ظلم اور عناد اور تکبر بھی شدید ہے جس سے ظلم کے انجام بد کا بخوبی علم ہو جاتا ہے اور بنی اسرائیل کی جہالتیں بھی عجیب ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کے سامنے لب کشائی جہالت اور حماقت ہے اس لیے یہ امور اس قصّہ کی تکریر اور تفصیل کو مقتضی ہوئے۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصّہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور آپ کے دشمن ذلیل و خوار ہوئے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اُمتِ محمدیہ کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسی بادشاہت ملی۔

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ چند واسطوں سے یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ کے والد کا نام عمران تھا قبطی زبان میں مُوْ کے معنی مَاء یعنی پانی کے ہیں اور سا کے معنی شجر یعنی درخت کے ہیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام پانی اور درخت کے درمیان پائے گئے۔ اس لیے ان کا نام موسیٰ ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی اور ان کے اور یوسف علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے سات سو سال بعد ہوئے اور فرعون اس بادشاہ کا نام نہ تھا بلکہ اس زمانہ میں ہر شاہ مصر کا یہ لقب تھا جیسا کہ بادشاہان فارس کا لقب کسریٰ اور شاہانِ روم کا لقب قیصر تھا اس طرح اس بادشاہ کا لقب تو فرعون تھا اور اصل نام قابوس تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا یہ قوم قبط کا بادشاہ تھا جو مصر میں رہتی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ تین سو سال تک زندہ رہا۔ واللہ اعلم۔

فرعون مصر کا بادشاہ تھا ربوبیت اور الوہیت کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا خدا اور معبود نہیں جانتا جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اہل مصر نے اس کو قبول کیا مگر بنی اسرائیل نے اس کو قبول نہ کیا۔ فرعون بنی اسرائیل سے یہ کہتا کہ تمہارا باپ یوسف علیہ السلام تھا جو میرے آباؤ اجداد کا زر خرید غلام تھا اور تم سب میرے غلام زادے ہو یہ کہہ کر بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا اور ان سے ذلّت آمیز خدمتیں لینے لگا۔ فرعون اپنی ظاہری شان وشوکت پر مغرور تھا حق تعالیٰ نے اس کی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا جو بالکل درویش تھا اور ظاہری شان وشوکت سے بالکل خالی تھا صوف کا عمامہ اور صوف کا جبّہ اس کا لباس تھا جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسماء و الصفات میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ ان کو ایک عصا عطاء فرمایا جس سے فرعون جیسے سراپا عصیان وطغیان کی تنبیہ مقصود تھی اور تا کہ جب معجزۂ عصا ظاہر ہو تو متکبرین اور مغرورین سمجھ جائیں کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے جس کے ہاتھ سے ایسے افعال کا ظہور ہوتا ہے جو طاقتِ بشریہ کی حدود سے باہر ہیں یہ دنیا دارِ امتحان ہے اور حق اور باطل کے معرکہ کا میدان ہے اس لیے من جانب اللہ تعالیٰ اکثر و بیشتر نبوت ورسالت کا ظہور برنگ فقیری و درویشی ہوتا ہے اور ظاہری اور مادی شان وشوکت باطل کی جانب ہوتی ہے مقصود امتحان ہوتا ہے کہ کون ظاہری اور مادی شان وشوکت دیکھ کر باطل کی طرف جاتا ہے اور کون حق کے حقیقی اور باطنی حسن و جمال کو دیکھ کر حق کو قبول کرتا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی شان وشوکت ہوتی تو پھر فرعون کو کون پوچھتا۔

ذکرِ بعثتِ موسیٰ علیہ السلام ومکالمۂ او با فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى ... الیٰ ... فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝۱۰۸﴾

ربط: موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سب سے پہلے ان کی بعثت کا واقعہ اور فرعون کے ساتھ ان کے مناظرہ اور مکالمہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ پھر ہم نے ان انبیاء مقدم الذکر کے بعد موسیٰ بن عمران کو اپنی نشانیاں دے کر یعنی معجزات اور دلائل نبوت دے کر فرعون اور اس کی قوم کے بڑے لوگوں کی طرف دعوت وتبلیغ کی خاطر بھیجا پس انہوں نے دلائل اور براہین رسالت یعنی معجزات کے ساتھ ظلم کیا معجزات کا حق یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق سے اپنی اصلاح کرتے لیکن بجائے تصدیق کے ان کی تکذیب کی۔ پس دیدۂ بصیرت اور چشم عبرت سے دیکھ کہ حق کے ساتھ بے انصافی کرنے کے بعد مفسدوں کا کیسا انجام ہوا کہ آخر کار سب غرق ہوئے اور ان کی زمین اور ملک کا ان کے دشمنوں کو وارث بنادیا گیا۔ مفسدین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور اُن کے آیات اور معجزات کے ساتھ ظلم کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روپوش ہوئے تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہاں ان کی صاحبزادی صفورا سے نکاح فرمایا ایک عرصہ بعد پھر مصر جانے کا قصد فرمایا۔ اثناء راہ میں خلعت پیغمبری ملا اور عصا اور یدِ بیضاء کا معجزہ عطاء ہوا اور حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مصر جا کر فرعون کو راہِ خداوندی کی دعوت دیں اور تکبر اور دعوائے خداوندی سے منع کریں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مصر آئے اور مدت کے بعد جب فرعون سے ملاقات ہوئی تو اس کو حق کی دعوت دی اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے فرعون! اس میں شک نہیں کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہوں اور جو خداوند پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہو اس کی بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔ میں لائق اور سزاوار ہوں اس بات کے کہ خدا پر سوائے حق اور سچ بات کے کچھ نہ کہوں۔ یعنی میری شان کے لائق نہیں کہ میں خدا کی طرف کوئی غلط بات منسوب کروں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی قائم اور

ثابت کے ہیں یعنی میں بلا کسی تزلزل اور تذبذب کے قول حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور رسول کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہہ سکتا اور نہ ان کے پائے ثبات واستقامت میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی حق لازم اور حقِ مؤکدہ اور واجب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں من جانب اللہ قول حق پر واجب اور لازم کر دیا گیا ہوں۔ یعنی قول حق کو اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ میری ہی زبان سے نکلے کسی اور زبان سے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں اور جس کی شان یہ ہو اس کی زبان سے خلافِ حق کیسے نکل سکتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کا ذکر ہوا۔ اب آگے اپنی نبوت و رسالت کا ذکر فرماتے ہیں۔

تحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے اپنی نبوت ورسالت کی روشن دلیل لے کر آیا ہوں پیغمبری کا خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دلیل اور برہان بھی ہے یعنی معجزات بھی ہیں جو میری رسالت کی صحت پر گواہ ہیں۔ سو جب میں رسول مع الدلیل ہوں اور بدون وحی الٰہی کے کچھ نہیں کہتا تو میں جو کہوں اس کو دل وجان سے قبول کرو۔ چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک امر یہ ہے کہ تو بنی اسرائیل کو جن کو تو نے ناحق غلام بنا رکھا ہے اور اپنی بیگار لینے کی وجہ سے ان کو اپنے اصلی وطن ملک شام جانے سے روک رکھا ہے ان کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ ❶ میں ان کو ارض مقدسہ جو ان کے آباؤ اجداد کا وطن ہے وہاں لے جاؤں فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا ان سے اینٹیں پتھواتا اور مٹی ڈھلواتا اور پانی بھرواتا اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا اس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں اور پوتوں کے مصر میں آئے اور وہیں آباد ہو گئے اور اولاد بہت ہو گئی اور یعقوب اور یوسف علیہما السلام انتقال فرما گئے اور ان کے زمانہ کا فرعون جس کا نام ریان تھا وہ بھی انتقال کر گیا۔ ریان کے بعد اس کا بیٹا مصعب فرعون مصر ہوا وہ بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کرتا تھا وہ بھی مر گیا۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون ولید تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ (النازعات: ۲۴) کی ڈینگ ماری۔ بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ قبول نہ کیا تو بولا کہ تم ہمارے بزرگوں کے زرخرید غلام ہو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کو حق کی دعوت دی اور یہ کہا کہ اے فرعون بنی اسرائیل کو اس ظلم وستم سے آزاد کر اور ان کو میرے ساتھ کرتا کہ میں انہیں ارض شام لے جا سکوں جو ان کا آبائی وطن ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ "تو بنی اسرائیل کو اپنی قید سے چھوڑ دے اور میرے ساتھ ان کو ملک شام بھیج دے" بحکم خداوندی تھا معاذ اللہ کوئی قومی تحریک نہ تھی بعض دلدادگانِ قومیت وحریت اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد قومی اور وطنی آزادی تھا۔ سو یہ ایک مجنونانہ اور مخبوطانہ خیال ہے۔ فرعون اسی ملک کا باشندہ تھا اور قوم قبط بھی اسی ملک کی باشندہ تھی اور انہی کی اکثریت تھی اور بنی اسرائیل اقلیت میں تھے قومی اور وطنی نظریہ کے لحاظ سے فرعون کی حکومت قومی اور وطنی حکومت تھی۔ اس سے معارضہ کی کیا ضرورت تھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا وہی مقصد تھا جو تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت کا مقصد رہا ہے منجملہ ان مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل (جو کہ اس زمانہ کے مسلمان تھے) ان کو ایک ظالم

---

❶ قال ابوالسعود قوله تعالیٰ: ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ای فخلهم حتی یذهبوا معی الی الارض المقدسة التی هی وطن آباء هم وکان قد استعبدهم بعد انقراض الاسباط یستعملهم ویکلفهم الاعمال الشاقة فانقذهم الله تعالیٰ بموسیٰ علیه الصلوٰة والسلام۔ تفسیر ابی السعود ص ۳۹۲ ج ۴ بر حاشیۂ تفسیر کبیر وروح المعانی ص ۱۸ ج ۹۔

کے پنجہ سے نکال کر ملک شام لے جائیں تا کہ وہاں جا کر بلا کسی خوف وخطر کے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کر سکیں۔ باقی جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانا تھا سو وہ سراسر تحریف ہے۔ اعاذنا اللہ من سوء الفھم۔

فرعون نے کہا کہ آپ اگر من جانب اللہ اپنے دعوائے نبوت ورسالت کی کوئی واضح اور روشن دلیل لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کیجیے اگر آپ اپنے دعوے میں سچ ہیں یعنی اگر آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچ ہیں تو کوئی معجزہ دکھلایئے جس سے یہ ثابت ہو کہ پروردگار عالم کے پیغمبر اور فرستادہ ہیں اور اس نشانی کو دیکھ کر میں سمجھ لوں کہ آپ سچے ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے سنتے ہی فوراً اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو کہ لکڑی کا تھا سو وہ ڈالتے ہی دفعتاً بلا کسی سبب کے ایک صریح اژدہا تھا جس کے اژدہا ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ دم کے دم میں ایک بے جان لکڑی حقیقتاً حیوان بن گئی اور یہ اژدہا صریح اژدہا تھا کوئی خیال یا شبیہ اور مثال نہ تھا۔

ابن عباس اور سعید بن جبیر اور سُدی اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب وہ عصا زمین پر ڈالا تو وہ ایک مارِ عظیم بن گیا اور منہ کھول کر فرعون کی طرف متوجہ ہوا فرعون ڈر کر اپنے تخت سے بھاگا اور ڈر کے مارے اس کا پیشاب اور پاخانہ بھی خطا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد چاہی۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اٹھا لیا تو وہ پھر حسب سابق عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۶ ج ۲)

اور فرعون کا خوف دُور ہوا تو آ کر پھر اپنے تخت پر بیٹھا۔ ایک عصا نے فرعون کی ساری الوہیت کا خاتمہ کر دیا خیر ایک نشانی تو یہ ہوئی اور دوسری نشانی یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا پس وہ ناگہاں دیکھنے والوں کے لیے ایسا سفید تھا کہ دیکھنے والوں نے جان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی اندرونی نورانیت کا ایک نمونہ اور کرشمہ ہے اور للناظرین کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیضاء کا معجزہ سب دیکھنے والوں نے دیکھا اور بلا کسی اشتباہ کے سب نے اس کو آنکھوں سے دیکھا کہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہی دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں کا ذکر فرمایا ان دو کے علاوہ اور بھی معجزات ہیں جو دوسری آیات میں مذکور ہیں۔

فائدہ: اس آیت میں معجزۂ عصاء کے متعلق یہ فرمایا ﴿فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ﴾ یعنی بڑا اژدہا ہو گیا اور دوسری آیت میں ﴿كَاَنَّهَا جَآنٌّ﴾ (النمل:۱۰) فرمایا اور ﴿جَآنٌّ﴾ چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ بڑائی میں تو مثل اژدہا کے تھا اور تیز رفتاری میں چھوٹے سانپ کی مانند تھا۔ یا شروع میں سانپ بنا پھر بعد میں اژدہا بن گیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو منجملہ دیگر معجزات کے یہ دو بڑے معجزے عطاء فرمائے ایک عصاء کا اور ایک ید بیضاء کا معجزۂ عصاء ان کی نبوت کی خارجی نشانی تھی اور معجزہ ید بیضاء ان کی نبوت کی ذاتی اور داخلی اور باطنی نشانی تھی جو خود ان کی ذات بابرکات میں تھی کہ ہاتھ جب گریبان میں ڈال کر نکالا تو روشن نکلا یہ ان کے نور باطن کا نمونہ تھا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ

بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ بے شک کوئی پڑھا جادوگر ہے۔ نکالا چاہتا ہے

مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ اَرْسِلْ فِي

تم کو تمہارے ملک سے اب کیا مشورہ دیتے ہو۔ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَ جَآءَ السَّحَرَةُ

برگنوں میں نقیب کہ لاویں تجھ پاس جو ہو پڑھا جادوگر۔ اور آئے جادوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ

فرعون پاس بولے ہماری کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے۔ بولا ہاں

وَ اِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ

اور تم پاس رہا کرو گے۔ بولے اے موسیٰ! یا تو ڈال یا

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ

ہم ڈالتے ہیں۔ کہا ڈالو پھر جب ڈالا باندھ دیں لوگوں کی آنکھیں

النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَ جَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى

اور ان کو ڈرا دیا اور کر لائے بڑا جادو۔ اور ہم نے حکم بھیجا

مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۚ فَوَقَعَ

موسیٰ کو ڈال اپنا عصا تبھی وہ لگا نگلنے جو سانگ وہ بناتے تھے۔ تب داؤ پڑا

الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا

حق کا اور غلط ہوا جو وہ کرتے تھے۔ تب ہارے اس جگہ اور پھرے

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ ۚ وَ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ذلیل ہو کر۔ اور ڈالے گئے ساحر سجدہ میں۔ بولے ہم نے مانا جہان کے صاحب کو۔

رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ

جو صاحب موسیٰ اور ہارون کا۔ بولا فرعون تم نے مان لیا اس کو ابھی میں نے حکم نہیں دیا

لَكُمْ ؕ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ

تم کو یہ مکر ہے کہ باندھ لائے ہو شہر میں کہ نکالو یہاں سے اس کے لوگ

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

سو اب تم جانوگے میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَ مَا

پھر سولی چڑھاؤں گا تم سب کو۔ بولے ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ اور تو

تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ

ہم سے یہی بیر کرتا ہے کہ مانیں ہم نے اپنے رب کی نشانیاں جب ہم تک پہنچیں اے رب! دہانے کھول دے

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴ ۱۸ ۴

ہم پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان۔

ذکر مقابلۂ ساحران فرعون با موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ... اِلٰى ... وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾

ربط: فرعون نے جب یہ دونوں معجزے دیکھے تو گھبرا گیا اور مشورہ کے لیے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی شعبدہ یا جادو ہے اس لیے مشورہ یہ دیا کہ مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کیا جائے تا کہ جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے ﴿اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۸﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ ... الاٰية﴾ (طٰہٰ)

اس قصہ کے ذکر کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا اثبات مقصود ہے اور فرعون کے دعوائے الوہیت کا ابطال مطلوب ہے کہ فرعون کا یہ دعویٰ ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ بالکل غلط تھا وہ تو خدا کا پیدا کردہ ایک عاجز اور ناتواں انسان تھا اور اگر وہ خدا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کیوں ڈرتا اور گھبراتا اور جادوگروں سے کیوں مدد چاہتا۔ غرض یہ کہ فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں

مشورہ کرنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا تو قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ موسیٰ بڑا دانا جادوگر ہے۔ یعنی یہ جو اس نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا اور اپنے ہاتھ کو سفید دکھایا یہ سب اس کے جادو کا کرشمہ ہے اور اپنے فن میں ماہر ہے فقط دعوائے نبوت و رسالت پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اور خود بادشاہ بن جائے۔ فرعون نے کہا اب تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ یعنی کیا تدبیر کریں جس سے یہ شخص اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو جائے اے ارکانِ دولت جو مجھے مشورہ دو گے اس پر عمل کروں گا۔ انہوں نے مشورہ یہ دیا کہ سر دست موسیٰ کو اور ان کے بھائی کو ذرا ڈھیل دو اور ان کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ اور یہ مشورہ مجبوری کا تھا۔ فرعون کو باوجود غیظ و غضب کے موسیٰ علیہ السلام کے نہ قتل پر قدرت ہوئی اور نہ ان کے قید کرنے پر قدرت ہوئی حالانکہ فرعون نے ان کو دھمکی دی تھی۔ ﴿لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ اور ارکان دولت نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں نقیب بھیج دو کہ ہر دانا جادوگر کو آپ کے پاس لے کر آئیں۔ ان سے اس کا مقابلہ کرایئے وہ اسے نیچا دکھائیں گے۔ چنانچہ اس رائے پر عمل کیا گیا اور شہروں میں آدمی بھیج دیئے گئے اور جادوگر فرعون کے پاس آئے تو بولے کہ ہم کو کچھ صلہ اور انعام بھی ملے گا۔ اگر ہم اس شخص پر غالب آ گئے اور اس کو نیچا دکھا دیا فرعون بولا ہاں ضرور تم کو اس کا انعام بھی ملے گا اور مزید برآں یہ ہوگا کہ تم بلاشبہ میرے خاص مقربین میں سے ہو جاؤ گے یعنی اگر تم غالب آ گئے تو صرف انعام اور اجرت پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ قرب شاہی کی عزت و وجاہت بھی تم کو ملے گی مال و دولت اور عزت و وجاہت دونوں جمع ہو جائیں گے جو دنیا میں کامل ترین خوش نصیبی سمجھی جاتی ہے اس گفتگو کے بعد ایک دن مقابلہ کے لیے طے ہو گیا اور جب وقت مقابلہ کا آیا تو ساحروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: اے موسیٰ! یا تو آپ پہلے اپنی لاٹھی ڈالیں یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم سب مل کر اپنی لاٹھیاں ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السلام حیران اور دنگ رہ جائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے از راہ خلق و کرم فرمایا اچھا تم ہی پہلے ڈالو مجھے اس کی کچھ فکر اور پرواہ نہیں کہ کون پہلے ڈالے موسیٰ علیہ السلام کو یقین کامل تھا کہ غلبہ اللہ کے رسول ہی کو ہوگا خواہ ابتداء کسی جانب سے ہو اور سحر کسی حال میں بھی معجزہ پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا پہلے تم ہی اپنے کمال کا مظاہرہ کر لو اور دل کی حسرت نکال لو۔ پس جب ان ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ یعنی لوگوں کو ان کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھلائی دیں ورنہ حقیقت اور اصلیت کچھ نہ تھی اور لوگوں کو اپنے جادو سے ڈرایا اور بڑا بھاری جادو لائے جسے دیکھ کر لوگ اوّل وہلہ میں ڈر گئے اور یہ خیال کیا کہ ایسے سحر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ تیس ہزار جادوگر تھے۔ ہر ایک کے پاس عصا و رسن تھا انہوں نے ایک میل طول میں اور ایک میل عرض میں سانپ ہی سانپ بھر دیئے تھے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے موسیٰ اب تو اپنا عصا زمین پر ڈال دے، جیسا کہ آپ ڈالا کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اعجاز موسوی سحر فرعونی کو کس طرح نگل جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا۔ پس وہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور ان کے بنے بنائے سانگ اور ڈھونگ کو نگلنے لگا دم کے دم میں عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔ پس حق کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور ان کے عمل سحر کا غلط اور باطل ہونا ظاہر ہو گیا اور سب نے بچشم سر دیکھ لیا کہ نبی کا معجزہ سحر عظیم کو کس طرح یک لخت نگل جاتا ہے۔ پس اس جگہ فرعون کی تمام قوم مغلوب ہو گئی اور نہایت ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے تکبر اور غلبہ کے خیال کو لے کر میدان مقابلہ میں آئے تھے مگر ذلّت اور ناکامی اور نامرادی کو لے کر واپس ہوئے۔ اور چوں کہ جادوگروں نے بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کے ادب کو ملحوظ رکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا کہ ڈالنے میں آپ ابتداء کریں یا

ہم۔تو اس ادب کی برکت سے توفیق ایزدی نے ان کی دستگیری کی اور تکوینی طور پر یہ جادوگر جبراً وقہراً سجدہ میں ڈال دیئے گئے۔ گویا کہ توفیق ایزدی نے سر پکڑ کر ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ ساحروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہمارے اس سحر عظیم کو یک لخت نگل گیا تو سمجھ گئے کہ یہ امر آسمانی ہے سحر نہیں سحر سحر پر غلبہ پا سکتا ہے لیکن سحر کو نیست اور نابود نہیں کر سکتا اور موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی سحر سے بالا اور برتر حقیقت ہے اور سحر کی حد اور احاطہ سے بالکل باہر ہے اس لیے فوراً ایمان لے آئے اور اس خدائی نشان کو دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے لفظ ﴿اُلْقِيَ السَّحَرَةُ﴾ (جادوگر ڈال دیئے گئے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان پر غیبی طور پر کوئی خاص حالت اور خاص کیفیت طاری ہوئی کہ جس کے بعد بجز خضوع اور استسلام کے کوئی چارہ نہ رہا ابھی نبی کے مقابلہ پر کھڑے تھے ایک گھڑی نہ گزری کہ سجدہ میں گرے اور سر اٹھانے سے پہلے ولی کامل اور عارف باللہ بن گئے اور سجدہ ہی کی حالت میں ان کو جنت اور جہنم دکھلا دی گئی۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۳۷ ج ۲)

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝﴾ (الحدید:۲۱)

غرض یہ کہ جادوگر اس حالت کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور بطور لذت یہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جادوگروں نے ربّ العٰلمین کے ساتھ ربّ موسیٰ و ہارون کا لفظ اس لیے بڑھایا تا کہ قوم فرعون میں سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انہوں نے یہ سجدہ فرعون کو کیا ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رَبّ اَعلیٰ کہتا تھا فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا دام فریب تو سارا تار تار ہو گیا تو ذرا بہادر بن کر بولا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی رَبّ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر ایمان لے آئے بے شک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تمہارا مکر ہے جو اس شہر میں تم سب نے (آپس میں مل کر) کیا ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس سے پہلے ہی موسیٰ کے ساتھ سازش کر لی تھی جب ہی تو تم جلدی سے اس پر ایمان لے آئے۔ یہ اس ملعون کا صریح جھوٹ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام تو ابھی مدین سے آئے تھے اور سیدھے فرعون کے پاس گئے اور اس کو حق کی دعوت دی اور معجزے ظاہر فرمائے وہ تو ان جادوگروں کو پہچانتے بھی نہ تھے اور نہ ان میں سے پہلے کسی کو دیکھا تھا یہ سب فرعون کے حکم سے جمع ہوئے تھے فرعون نے یہ لفظ اپنی کمزوری کی پردہ پوشی اور قوم کو فریب دینے کے لیے کہا: کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾ (الزخرف:۵۴) اور تم نے یہ سازش اس لیے کہ ہے کہ تم اس شہر سے اس کے باشندوں کو نکال دو اور اپنی سلطنت قائم کرو اچھا اب عنقریب تم اپنی سازش کا نتیجہ معلوم کر لو گے وہ یہ کہ میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا۔ مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کہ اس سے سارا دھڑ بیکار ہو جاتا ہے پھر تم کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو ساحروں نے جواب دیا کہ تو ہمیں موت اور قتل سے کیا ڈراتا ہے ہم تو موت کے مشتاق ہیں اس لیے کہ تحقیق ہم تو اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں اور اس کی لقاء کے مشتاق ہیں اور موت اس کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کی لقاء کے بعد ہم کو ایسی پاکیزہ اور لذیذ حیات ملے گی جو اس دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہوگی جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جانہائے بستہ اندر آب و گل — چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
در ہوائے مہر حق رقصاں شوند — ہمچوں قرص بدر بے نقصاں شوند

چوں نقاب تن برفت ازروئے روح　　از لقائے دوست داں رد صد فتوح
میزند جاں در جہان آ بگوں　　نعرۂ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ

اور اے فرعون تجھے ہم سے کیا عیب نظر آتا ہے سوائے اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جبکہ اس کی قدرت کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں اور ہم نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ محض سنا نہیں بلکہ آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا۔ بعد ازاں یک لخت ان ساحروں نے فرعون سے منہ پھیر لیا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا اے ہمارے پروردگار پانی کی طرح ہم پر صبر ڈال دے کہ سر سے پیر تک صبر میں نہا جائیں تا کہ بلاء اور مصیبت کے وقت بے صبری نہ کریں اور ہم کو مسلمان مار یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہیں اور کسی فتنہ اور بلا سے ہمارے پائے استقلال میں تزلزل نہ آئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی اور سدی رحمۃ اللہ علیہما سے منقول ہے کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرعون ان کے عذاب دینے پر قدرت نہ پا سکا کیونکہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا ﴿فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵﴾ (القصص) یعنی فرعون والے تم دونوں بھائیوں پر دست درازی نہ کر سکیں گے۔ ہماری نشانیاں لے کر جاؤ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔ (روح المعانی صفحہ ۲۵ ج ۹)

نکتہ: اس آیت میں بجائے ﴿اَنْزِلْ عَلَیْنَا صَبْرًا﴾ کے ﴿اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا﴾ کہا گیا سو لفظ افراغ بہ نسبت لفظ انزال کے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ انزال کے معنی اتارنے کے ہیں اور افراغ کے معنی برتن سے اس طرح پانی بہا دینے کے ہیں کہ برتن میں کچھ نہ رہے اور علیٰ کا لفظ استعلاء اور احاطہ کے لیے ہے۔ سو مطلب یہ ہوگا کہ ہم پر صبرِ کامل کا ایسا پانی بہا دے کہ جو سر سے پیر تک یہ صبر کا پانی ہمارے تمام بدن پر سے گزر جائے اور کوئی حصّہ بدن کا ایسا نہ رہ جائے کہ جس میں بے صبری کی کوئی کدورت باقی رہ جائے اور سر سے پیر تک صبر کے پانی میں ایسے نہا جائیں کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور صبر اگرچہ بندہ کا فعل ہے مگر حق تعالیٰ سے درخواست کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ بندے کے افعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے اور ﴿تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا

اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے موسیٰ کو اور اس کی قوم کو؟ کہ دھوم اٹھاویں

فِی الْاَرْضِ وَ یَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ

ملک میں اور موقوف کرے تجھ کو اور تیرے بتوں کو۔ بولا اب ہم ماریں گے ان کے بیٹے اور جیتی رکھیں گے

نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝۱۲۷ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا

ان کی عورتیں اور ان پر ہم زور کریں گے موسیٰ نے کہا اپنی قوم کو مدد مانگو

بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

اللہ سے اور ثابت رہو زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کرے جس کو چاہے اپنے بندوں میں

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ

اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔ بولے ہم پر تکلیف رہی تیرے آنے سے پہلے اور جب تو ہم میں

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ

آ چکا کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا کھپا دے تمہارے دشمن کو اور

يَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۳ ۵

نائب کرے تم کو ملک میں پھر دیکھے تم کیسا کام کرتے ہو۔

ذکر اضطراب و پریشانی قبطیان از اندیشہ غلبہ سبطیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى ... الٰى ... فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزۂ عظیمہ ظاہر ہوا اور حق کے اس نشان کو دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور عام طور پر قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعون ڈر گیا۔ اور اس کی قوم کے سردار گھبرا گئے اور اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ درپئے آزار ہوا۔ نہ قتل کیا اور نہ قید کیا تو اس وقت قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ کو اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو اسی حالت میں چھوڑے رکھے گا کہ وہ زمین مصر میں فساد پھیلاتے پھریں یعنی تیری مخالفت اور بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کریں اور تیری اطاعت سے برگشتہ کریں اور وہ موسیٰ علیہ السلام تجھے اور تیرے مقرر کردہ معبودوں کو چھوڑ دے اور لوگ تیری عبادت سے اور تیرے تجویز کردہ بتوں کی عبادت سے منہ پھیر لیں۔ فرعون دہری تھا اور صانع عالم کا منکر تھا اور تاثیر کو اکب کا قائل تھا خود چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتا تھا اور لوگوں سے اپنی عبادت کراتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ زمین میں میں ہی تمہارا سردار اور پروردگار اور رب اعلیٰ ہوں اور اپنی صورت کے بت بنوا کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے اور اُن سے اُن کی عبادت کراتا تھا۔ اور اپنے کو سب کا سردار بتاتا تھا اور اسی وجہ سے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ یعنی یہ بت تمہارے چھوٹے خدا ہیں اور میں تمہارا بڑا خدا ہوں بہر حال وہ اپنے آپ کو بڑا معبود کہلواتا تھا اور ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ﴾ کہہ کر وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتا تھا۔ غرضیکہ ارکان سلطنت نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس طرح بے دارو گیر چھوڑنا مناسب نہیں اس کا انسداد اور انتظام ضروری ہے۔ فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے تاکہ ان کی نسل منقطع ہو جائے اور ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھیں گے۔ جیسا کہ ہم پہلے کیا کرتے تھے اور یہ حکم (یعنی قتل ابناء اور استحیاء نساء) جو چند روز سے ملتوی تھا، اس کو پھر جاری کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے فرعون نے قتل ابناء اور استحیاء

نساء کا حکم دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا تابوت جب غیبی طور پر فرعون کے گھر پہنچ گیا اور فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا اور موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانا ایک اسرائیلی عورت کے سپرد ہوگیا تو اس وجہ سے بنی اسرائیل کی اولاد کا قتل ترک کر دیا۔ پھر ایک عرصہ دراز کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب پیغامِ رسالت لے کر آئے اور ساحروں سے مقابلہ ہوا تو فرعون نے حسب سابق پھر اس حکم کو دوبارہ جاری کیا اور یہ کہا کہ تحقیق ہم بنی اسرائیل پر غالب ہیں اور وہ مغلوب ہیں اور ہمارے زیر حکم ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں مگر یہ نہیں کہا کہ ہم موسیٰ کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ اس کو یقین ہوگیا تھا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر قدرت نہیں۔ جب اس گفتگو اور مشورہ کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو مضطرب اور پریشان ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے آ کر اپنی پریشانی بیان کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اس کے ظلم وتشدد کے مقابلہ میں اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو اور گھبراؤ مت جو شخص اللہ سے مدد مانگتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اس کو قہر اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بیشک تمام زمین اللہ ہی کی ہے وہی وقتاً فوقتاً جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کو وارث بناتا رہتا ہے کبھی صالح سے لے کر طالح کو دیتا ہے اور کبھی طالح سے چھین کر صالح کو دیتا ہے اور وہ زمین مصرفی الحال اگرچہ ایک طالح کے قبضہ میں ہے لیکن تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو عنقریب تم اُس زمین کے وارث بنا دیئے جاؤ گے۔ اس لیے کہ اخیر کامیابی اور نیک انجام متقیوں کے لیے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اشارۃً اور کنایۃً بنی اسرائیل کو خوشخبری سنائی مگر وہ نہ سمجھے اور حکایات اور شکایات کا سلسلہ شروع کیا اور بولے کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں رہی۔ بلا اور مصیبت بہت شدید اور مدید ہو چکی ہے اے موسیٰ ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کے آنے کی بعد بھی آخر کہاں تک صبر کریں۔

مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رکھا تھا۔ جبکہ منجموں نے اس کو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحب جاہ وجلال لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس خوف کی بناء پر اس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ماجدہ نے بادشاہ کے خوف سے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق بادشاہ کی بیٹی کے ہاتھ لگا۔ اور وہ اپنی ماں کے پاس لے گئی اور اس پاکیزہ بی بی نے بادشاہ کی اجازت سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو بنی اسرائیل سے ان مظالم کو دور کر دیا۔ جو پہلے سے چلے آ رہے تھے۔ بادشاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت خاطر کرتا تھا اور ان کے احکام ملک میں شہزادہ کی طرح جاری ہوتے تھے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی کو مار دیا اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ڈر سے مصر سے مدین چلے گئے اور وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا جب ایک عرصہ کے بعد مدین سے واپس ہوئے تو راستہ میں نبوت ورسالت کا خلعت ملا۔ اور فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا چنانچہ فرعون کے پاس آئے اور اس کو احکامِ الٰہی سنائے اور معجزات دکھائے جن کو دیکھ کر جادوگر ایمان لے آئے اس وقت فرعون کو اندیشہ ہوا کہ ملک میں موسیٰ علیہ السلام کا اثر، زور اور قوت نہ پکڑ جائے اس لیے فرعون نے اسی اگلے ظلم کی دھمکی دی کہ جو درمیان میں ملتوی ہوگیا تھا اور یہ کہا کہ جیسے میں پہلے تمہارے لڑکوں کو قتل کراتا تھا اب بھی اسی طرح کروں گا اور قتل ابناء کا حکم جو ایک عرصہ سے ملتوی تھا اب دوبارہ اس کو جاری کر دوں گا بنی اسرائیل اس ظالمانہ اور سفاکانہ تجویز کو سُن کر ڈر گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں اُمید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو یعنی فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرے اور ان کے بجائے تم کو اس زمین میں حکمران بنادے

پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کہ اس نعمت کا شکر کرتے ہو یا معصیت اور غفلت کی راہ اختیار کرتے ہو۔

لطائف ومعارف

① خداوند ذوالجلال کی سنت یہ ہے کہ جب کسی برگزیدہ بندہ کو خلعت نبوت ورسالت سے سرفراز فرماتے ہیں تو اس کے ہاتھ پر ایسے خارق عادت افعال ظاہر فرماتے ہیں کہ جو قوت بشریہ کی حدود سے بالکل خارج ہوتے ہیں اور تمام افراد بشر اس کے مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسے افعال کو معجزہ کہتے ہیں جیسے آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں بَرد اور سلام ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیر دینے سے کوڑھی اور مادرزاد اندھے کا اچھا ہو جانا اور صالح علیہ السلام کی دعا سے صخرہ میں سے ایک حاملہ اونٹنی کا برآمد ہو جانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔

پس جب اس قسم کے افعال انبیاء کرام علیہم السلام سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا مثل صادر کرنے سے کل عالم عاجز ہوتا ہے اور وہ افعال حدِ بشریت اور امکان مخلوقیت سے بالا اور برتر ہوتے ہیں تو لوگوں پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ فرستادگانِ خدا ہیں اور اس قسم کے خوارق ان کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ پس جو امر خارق للعادت بلا کسی سبب کے محض اللہ کی قدرت اور مشیت سے خدا کے کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ظہور میں آئے اس کو معجزہ کہتے ہیں کہ کل عالم اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جاتا ہے رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور ان کی صورت اور دوسرے انسانوں کی صورت میں بظاہر فرق نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اللہ پاک ان کو معجزات عطا کرتا تھا تا کہ وہ ان کی صداقت کی دلیل بنیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے۔ ﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (القصص: ۳۲) "یعنی تیرے رب کی طرف سے تیری نبوت ورسالت کی یہ دو روشن دلیلیں ہیں۔"

② سحر کی حقیقت یہ ہے کہ جو خارق عادت امر ایسے اسباب خفیہ کے استعمال سے ظاہر ہو کہ جسے دیکھ کر عام طور پر عقل اور وہم حیران رہ جائے۔

جمہور علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی چند اقسام ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت ہوتی ہے اور بعض قسمیں وہ ہیں کہ جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ محض خیال اور نظر بندی ہوتی ہے اور جمہور معتزلہ اور بعض علماء اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ سحر بالکل ایک بے حقیقت شے ہے۔ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ محض تمویہ اور تخییل ہوتی ہے یعنی محض ملمع کاری اور نظر بندی ہوتی ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۴۶ جلد ۲۔ وفتح الباری)

اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہے کہ سحر ایک بے حقیقت شے ہے اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اُن ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحرین فرعون نے جو شعبدہ دکھلایا فی الواقع اس سے حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے: ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ (طٰہٰ: ۶۶) سو جاننا چاہیے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر قسم کا سحر محض خیال اور نظر بندی ہی ہو۔ سحر کی بعض قسمیں ایسی ہیں جن سے حقیقت ہی بدل جاتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جو محض خیال اور نظر بندی ہوتی ہیں ایک قسم کے ذکر کرنے سے دوسری قسم کی نفی نہیں ہو جاتی۔ شاید ساحروں نے سحر کی

اس قسم کو اس لیے اختیار کیا ہو کہ ظاہر نظر میں یہ سحر عظیم ہے اور لوگ جب دیکھیں گے کہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں تو مرعوب ہو جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام اس عجیب وغریب سحر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور اگر بالفرض کیا بھی تو پھر ہم اس سحرِ عظیم سے بڑھ کر سحرِ اعظم کا شعبدہ دکھلائیں گے مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

③ سحر اور معجزے میں فرق:

سحر اور شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم و تعلم سے حاصل ہو سکے حتیٰ کہ معجزے میں نبی کا اختیار ہی نہیں اور بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے اسی طرح معجزہ درحقیقت فعل اللہ کا ہے مگر اس کا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔

نقش باشد پیش نقاش وقلم عاجز و بستہ چو کودک در شکم

نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دے برخلاف فنون سحریہ کے کہ وہ جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعے اس کے نتائج ظاہر کر سکتے ہیں مگر آج تک معجزہ کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزے کی تعلیم کے لیے کوئی درسگاہ کھولی گئی دیکھیے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آگ لینے کے لیے گئے یکا یک پیغمبری ملی اور اس کی تصدیق کے لیے عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطاء ہوا اور جب ساحرانِ فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً﴾ پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرتا اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے ان کے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے۔ جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلّا اُٹھے کہ ہم ربِّ موسیٰ وہارون علیہما السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

حکایت بامزہ مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

یک * حکایت بشنو اکنوں بامزہ تا بدانی فرق سحر و معجزہ

عارف رومی قدس سرہٗ السامی نے مثنوی کے دفتر سوم از صفحہ ۹۷ تا صفحہ ۱۰۰ میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے ہم اس حکایت کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں وہ حکایت یہ ہے کہ۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے تمام جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے ان کے

---

* یہ شعر اس ناچیز مؤلف کی طرف سے ہے جو بمنزلہ عنوان کے ہے۔

پاس بادشاہ کا قاصد خاص طور پر پیغام لے کر پہنچا کہ بادشاہ کی مصیبت دفع کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرو اس لیے کہ دو فقیر۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام ملک مصر میں آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ کیا ہے۔ اور ان دو فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں نہ کوئی فوج و سپاہ ہے اور نہ کوئی لاؤ لشکر ہے صرف ایک عصا ہے جو ایک درویش کے ہاتھ میں ہے اور وہ عصا نہایت عجیب و غریب عصا ہے جو اس کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے ان دو درویشوں سے بادشاہ اور اس کا لشکر عاجز آ گیا ہے۔ قاصد نے یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوئی تجویز تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت کچھ انعام ملے گا۔

فرستادہ فرعون بہ مدائن در طلب ساحران

(فرعون کا شہروں میں جادوگروں کے بلانے کے لیے قاصد روانہ کرنا)

چوں کہ موسیٰ بازگشت واو بماند　　اہل رائے و مشورت راپیش خواند

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزۂ عصا دکھا کر فرعون کے پاس سے واپس آئے اور فرعون اکیلا رہ گیا تو اس نے مشورہ کے لیے اپنے مشیروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ یہ شخص بڑا دانا جادوگر معلوم ہوتا ہے اور تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے اور قبل اس کے کہ اس کا جادو اور جھوٹ لوگوں پر چلے ملک کے جادوگروں کو بلا کر اس کا مقابلہ کرایا جائے۔

مجتمع گشتند و بہ فشر دند پائے　　ہر کسے کردند عرض فکر و رائے

ارکان دولت جمع ہو گئے اور مضبوطی کے ساتھ جم کر کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی رائے اور تجویز پیش کی۔

عاقبت ہامان بے سامان دوں　　رائے پیش آورد کردش رہ نموں

بال آخر فرعون کے وزیر ہامان بے سامان کمینے نے فرعون کے سامنے اپنی رائے پیش کی اور فرعون کی رہنمائی کی۔

کائے شہ صاحب ظفر چوں غم فزود　　ساحراں را جمع باید کرد زود

اے فتح مند بادشاہ چونکہ پریشانی برابر بڑھتی جارہی ہے اس لیے اس درویش کے مقابلہ کے لیے جلدی ہی جادوگروں کو جمع کرنا چاہیے۔

در ممالک ساحراں داریم ما　　ہر یکے در سحر فرد و پیشوا

ہم اپنی قلمرو میں بہت سے جادوگر رکھتے ہیں جن میں سے ہر ایک فنِ سحر میں یکتا اور پیشوا ہے۔

مصلحت آنست کز اطرافِ مصر　　جمع آرد شانِ شہ و صرّاف مصر

مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اطرافِ مصر سے بادشاہ اور اس کے نائب جو اس ملک میں متصرف اور حکمران ہیں جادوگروں کو جمع کریں۔

او بسے مردم فرستاد آں زماں　　درنواحی بہر جمع جادواںؔ ساحراںؔ

فرعون نے اسی وقت تمام اطراف و جوانب میں جادوگروں کے جمع کرنے کے لیے قاصد روانہ کر دیئے کہ ان کو بلا کر لائیں۔

دو جواں بودند ساحر مشتہر سحر ایشاں در دلِ شہ مستمر

دو جوان ملک مصر میں فن ساحری میں بہت مشہور تھے اور ان کا سحر بادشاہ کے دل میں خوب راسخ تھا۔

چوں بر ایشاں آمد آں پیغام شاہ کز شما شاہ است اکنوں چارہ خواہ

چنانچہ ان کے پاس بادشاہ کا پیغام پہنچا کہ بادشاہ تم سے چارہ خواہ ہے اور مدد چاہتا ہے۔

از پئے آنکہ دو درویش آمدند برشہ و بر قصر او موکب زدند

اس لیے کہ بادشاہ کے پاس دو درویش آئے اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے محل پر حملہ کر دیا اور قصر شاہی میں آ کر اپنا ڈیرہ جمالیا جس وجہ سے بادشاہ سخت پریشان ہے۔

نیست با ایشاں بغیر یک عصا کہ ہمی گردد بامرش اژدھا

اس درویش کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا اس درویش کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے۔

شاہ و لشکر جملہ بے چارہ شدند زیں دو کس جملہ با فغاں آمدند

ان دونوں درویشوں سے سب نالاں ہیں اور بادشاہ اور اس کا لشکر ان کے سامنے مجبور اور لاچار ہیں حالانکہ ان درویشوں کے پاس نہ کوئی فوج ہے اور نہ کوئی لشکر ہے۔

چارہ جویاں بندہ ازپیش شما شاہ ازاں ارسال فرمود است تا

قاصد نے کہا کہ بادشاہ نے اس مشکل کی چارہ جوئی کے لیے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔

چارۂ سازید اندر دفع شاں گنج ہا بخشد عوض شہ بیکراں

تاکہ تم اس مشکل کو دفع کرنے میں بادشاہ کی چارہ سازی کرو بادشاہ اس کی صلہ میں تم کو بے شمار خزانے بخشے گا۔

آں دو ساحر را چو ایں پیغام داد ترس و مہرے در دلِ ہر دو فتاد

جب قاصد نے ان دونوں ساحروں کو فرعون کا یہ پیغام پہنچایا تو یہ پیغام سُن کر ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کا کچھ خوف و ہراس بھی اور کچھ محبّت بھی دل میں پیدا ہوئی اور خوف تو اس لیے پیدا ہوا کہ جن درویشوں نے بادشاہ کو ناک چنے چبوا دیئے نہ معلوم ان میں کس بلا کی طاقت ہوگی اور یہ سن کر کہ ان درویشوں کا عصا اژدہا بن جاتا ہے خوفزدہ ہو گئے اور محبت اس لیے ہوئی کہ باوجود درویشی اور فقیری کے بادشاہ ان سے لرزاں اور ترساں ہے تو ضرور یہ خدا کے خاص بندے ہوں گے۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتاؤ کہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری باتیں دریافت کریں۔ ماں ان کو باپ کی قبر پر لے گئی۔ وہاں جا کر دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے، تین روزے رکھنے کے بعد باپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر بولے اے بابا یعنی اے بابا کی روح بادشاہ نے ہمارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھے سخت پریشان اور حیران کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھے بے آبرو کر دیا ہے اور یہ دونوں عجیب درویش ہیں نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار ہے اور نہ فوج۔ بجز ایک عصا کے اور کچھ بھی نہیں اور سارا شور و شر اسی ایک عصا کے اندر ہے اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں۔ اگرچہ بظاہر آپ مٹی میں سوتے ہیں آپ سے ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ ہم کو ان درویشوں کی

سچی حقیقت سے آگاہ فرمادیں۔ اگر ان کا یہ عصا کوئی جادو ہے تو یہ بتادیجیے اور اگر خدائی قوت اور کرشمۂ ایزدی ہے تو وہ بتلادیجیے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہوجائیں جس خدا نے یہ کرشمہ ان درویشوں کو عطا کیا ہے اور کیمیاء خداوندی سے مل کر کیمیا ہوجائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آئے اور ضلالت کی شب تاریک میں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع کرآئے اور ہم ہدایت پر آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے غرض یہ کہ آپ ہم کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایئے آپ اس وقت سچوں کے ملک میں ہیں جو بتلائیں گے وہ سچ ہوگا۔

بعد ازاں گفتند اے مادر بیا گور بابا کو تو مارا راہ نُما

جب ان دونوں جادوگروں کو بادشاہ کا پیغام پہنچا تو یہ دونوں پیغام سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں آ اور چل کر ہمیں ہمارے باپ کی قبر بتلا کہ وہ کہاں ہے اور تو ہماری رہنما ہے قبر کی رہنمائی کر۔

بُرد شاں برگور او بنمود راہ پس سہ روزہ داشتند از بہر شاہ

پس ان کی ماں ان کو اُن کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں جا کر ان دونوں نے بادشاہ کے نام کے تین روزے رکھے۔

بعد ازاں گفتند اے بابا بَما شاہ پیغامے فرستاد از وَحَا

اس کے بعد انہوں نے کہا اے بابا۔ بادشاہ نے خوفزدہ ہوکر ہمیں ایک پیغام بھیجا ہے۔

کہ دو مرد اورا بہ تنگ آوردہ اند آبرویش پیش لشکر بردہ اند

کہ دو درویشوں نے اس کو تنگ کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے بے آبرو کردیا ہے۔

نیست با ایشاں سلاح و لشکرے جز عصا و در عصاء شورے شرے

ان کے پاس کوئی ہتھیار اور لشکر نہیں صرف ایک عصا ہے اور اسی ایک عصا میں سارا شور و شر بھرا ہوا ہے۔

تو جہانِ راستاں در رفتۂ گرچہ در صورت بخا کے خفتۂ

تو سچوں کے جہان میں چلا گیا ہے اگرچہ بظاہر تو خاک میں سو رہا ہے تو جو کہے گا وہ سچ ہوگا۔

آں اگر سحر است دہ مارا خبر ور خدائی باشد اے جان پدر

ہم خبر دہ تاکہ ما سجدہ کنیم خویش را بر کیمیائے بر زنیم

یعنی کوئی کرشمۂ خداوندی ہے تو اس کی بھی ہم کو خبر دے تاکہ ہم اس کے سامنے سجدہ کریں اور اپنے آپ کو اس کیمیاء الٰہی پر لگا کر کیمیا بن جائیں کیمیا کا خاصہ ہے کہ اس پر اگر تانبے کو لگائیں تو وہ تانبہ بھی کیمیا بن جاتا ہے۔

نا اُمید انیم اُمیدے رسد در شب دیجور خورشیدے رسد

ہم اس وقت نا اُمیدی کی حالت میں ہیں۔ شاید کوئی امید آن پہنچے اور حیرت کی شب تاریک میں کوئی آفتاب ہماری رہنمائی کے لیے پہنچے۔

از ضلال آئیم در راہِ رَشَدْ راند گانیم و کرم مارا کشد

اور شاید گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر آجائیں اور ہم راندۂ درگاہ ہیں شاید خدا کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے۔

جواب گفتن ساحرِ مُردہ با فرزندانِ خود

(مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو ان کے استفسار کا جواب دینا)

گفت شاں درخواب کاے اولادِ من　　نیست ممکن ظاہر ایں را دم مزن
فاش مطلق گفتن دستور نیست　　لیک راز از پیش چشمم دور نیست

اس مردہ ساحر نے خواب میں کہا اے میرے بیٹو اس راز کا صاف صاف کہنا ممکن نہیں۔ میں اس کام کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں یہ راز میری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں مگر مجھے صاف صاف کہنے کی اجازت نہیں۔

یک نشانے وا نمایم با شما　　تا شود پیدا شمارا ایں خفا

لیکن میں تم کو ایک نشانی اور علامت بتلاتا ہوں جس سے یہ پوشیدہ راز تم پر ظاہر ہو جائے گا۔

نور چشمانم چو آنجا می روید　　از مقام خواب شاں آگہ شوید

اے میرے نور چشمو تم دونوں جاؤ اور اس درویش کی خواب گاہ معلوم کرو کہ کس جگہ سوتا ہے۔

آں زماں کہ خفتہ باشد آں حکیم　　آں عصا گیرید و بگذار ید بیم

جب تم اس عصا والے دانا اور حکیم کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کی کوشش کرو کہ کسی طرح ان کی عصا کو چُرا لو یا اٹھا لو اور دیکھو ڈرنا نہیں ورنہ راز منکشف ہو جائے گا۔

گر بدز دیدش عصا آں ساحر است　　چارۂ ساحر شمارا حاضر است

پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام ساحر اور جادوگر ہے اور سحر کا رد اور توڑ تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں ہر سحر کا علاج تمہارے پاس موجود ہے۔

ورنہ بتو انید ہاں آں ایزدی است　　او رسول ذوالجلال و مہتدی است

اور اگر تم اس عصا کے چُرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو خوب سمجھ لینا کہ وہ کوئی خدائی قوت اور غیبی کرشمہ ہے اور یقین کر لینا کہ وہ شخص جادوگر نہیں بلکہ خداوند ذوالجلال کا فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

گر جہاں فرعون گیرد شرق و غرب　　سر نگوں آید خدارا گاہ حرب

فرعون اگر مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرے تب بھی وہ خدا سے نہیں لڑ سکتا جنگ کے وقت وہ سر کے بل گرے گا۔

ایں نشانِ راست دادم جاں بآب　　بر نویس اللہ اعلم بالصواب

اے باپ کی جان یہ میں نے تم کو ٹھیک اور سچی نشانی بتلا دی ہے اس کو لکھ لو یعنی خوب یاد کر لو آگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سحر اور جادو ساحر اور جادوگر کا ایک فعل اور تصرف ہے جو اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے۔ جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس جادو کا کوئی رہبر نہیں رہتا لہٰذا وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے اس لیے کہ چرواہے کے سونے سے اس کی تدبیر رُک جاتی ہے بخلاف اس شے کے کہ جس کا محافظ اور نگہبان خدا تعالیٰ ہو۔ وہاں بھیڑیے کی رسائی

ممکن نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہوسکتی پس اگر تم ان کے عصا کو نہ چُرا سکے تو سمجھ لینا کہ یہ خدائی طلسم ہے جس کا کوئی توڑ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ سچے نبی ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے اور ایسی قطعی ہے کہ سونا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند ہی فرمائیں گے اور کبھی بھی مغلوب نہ ہوں گے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتادی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب

دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سُن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ وہ دونوں ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور عصا قریب میں رکھا ہوا ہے ان دونوں نے موقع غنیمت جانا اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے عصا نے یکا یک حرکت کی اور اژدہا بن کر ان پر حملہ آور ہوا یہ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے۔

مولانا بحر العلوم شرح مثنوی صفحہ ۲۹ جلد ۳ میں فرماتے ہیں کہ مولانا روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح فرمایا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا کیونکہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر بھی ختم ہوا بخلاف معجزے کے کہ وہ اللہ کا فعل ہے جس کو اس نے محض اپنی قدرت سے بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر پیدا کیا ہے تا کہ اس کی صداقت ظاہر ہو اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کبھی ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ارادۂ الٰہی اس کو باقی رکھنا چاہے وہ باقی رہے گی رسول کی غفلت کو معجزہ کی بقاء اور عدم بقا میں کوئی دخل نہیں۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہی اس کا نگہبان ہے۔ رسول کے دشمنوں کو عاجز کرنے کے لیے خدا نے یہ اعجاز ظاہر فرمایا۔ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا کہ اس میں نبی کے تصرف اور ہمت کو دخل ہو توجہ تو درکنار نبی کو تو بسا اوقات اس کا علم بھی نہیں ہوتا رسول کو کبھی اس کا علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا کہ میرا عصا ہے فرمایا اس کو زمین پر ڈال دو وہ اژدہا بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرو مت۔ پس اگر عصا کا سانپ ہونا موسیٰ علیہ السلام کی توجہ اور ہمت سے ہوتا تو ان کو ڈر کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے جس قدر معجزات ظاہر ہوئے ان میں نبی کی توجہ اور ہمت کو کوئی دخل نہیں وہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے تھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (الانعام:۱۰۹)

خلاصۂ کلام یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا اس لیے کہ وہ اس کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہوتا ہے اور جو چیز مخلوق کی ہمت اور توجہ سے ظہور میں آئے گی اس کے لیے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اس چیز سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست اور معدوم ہو جائے گی۔ بخلاف معجزے کے کہ اس کے باقی رہنے کے لیے صاحب معجزہ کی بیداری اور عدم غفلت شرط نہیں۔ اس لیے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ اللہ کے ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے نبی کی توجہ اور ہمت سے اس کا ظہور نہیں ہوتا پس معجزہ اس امرِ الٰہی کو کہتے ہیں جو امر اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر بغیر نبی کے کسی تصرف اور توجہ کے پیدا فرمادیں اس امر کا پیدا ہونا نبی کی دعا کے بعد ہو یا بلا دُعا کے بہر حال معجزہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کو یہ معلوم نہیں کہ دریا پر عصا مارنے سے کس طرح دریا میں راستے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا پر عصا مارا اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بارہ راستے پیدا کر دیے اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر گزر گئے مگر ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا اللہ کی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

قدرت تھی کہ بذاتِ خود جس وقت چاہیں اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کرلیں غرض یہ کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ اس میں نبی کی قدرت اور تصرف اور ہمت کو دخل نہیں بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ خدائے تعالیٰ جب اور جس طرح چاہتا ہے اس کو رسول کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے اور سحر ساحر کا فعل اور تصرف ہوتا ہے۔ پہلے سے اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جانِ بابا چوں بجسپد ساحرے　　سحر و مکرش را نباشد رہبرے

اے جانِ پدر خوب سمجھ لو کہ جب جادوگر سوجاتا ہے تو پھر اس کی سحر اور مکر کا کوئی رہنما باقی نہیں رہتا جس کے سہارے سے وہ سحر اور مکر چل سکے۔

چوں کہ چوپاں خفت گرگ ایمن شود　　چونکہ خفت آں جہدِ آں ساکن شود

جب گڈریا سوجاتا ہے تو اس کی نگرانی بھی سوجاتی ہے سو ایسی حالت میں بھیڑیا بے خوف ہوجاتا ہے۔ جب چرواہا سوگیا تو اس کی کوشش اور نگرانی بھی ساکن ہوگئی۔

لیک حیوانیکہ چو پانش خداست　　گرگ را آنجا اُمید و رہ کجاست

لیکن جس حیوان اور جانور کا رکھوالا خدا ہے وہاں بھیڑیئے کو کوئی امید اور طمع نہیں اور نہ وہاں اس کے لیے کوئی راہ ہے۔

جادوئیکہ حق کند حق است و راست　　جادوئے خواندن مرآں حق را خطا است

جو جادو حق تعالیٰ کرے وہ درحقیقت حق اور درست ہے اس فعل حق کو جادو کہنا غلطی ہے۔

جانِ بابا ایں نشانِ قاطع است　　گر بمیرد نیز حقش رافع است

اے جانِ پدر یہ نشان قطعی ہے صاحب نشان اگر مر بھی جائے تو حق تعالیٰ اس نشان کو بلند کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے کیونکہ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ جب تک چاہے گا اس کو باقی رکھے گا اس کے بقاء اور عدم بقاء میں نبی کے خواب اور وفات کو دخل نہیں کیونکہ جب اس معجزہ کے وجود اور ظہور میں نبی کی ہمت اور تصرف کو دخل نہیں تو اس کی بقاء اور محفوظیت میں بھی نبی کے تصرف اور ہمت و بیداری اور غفلت کو بھی دخل نہ ہوگا۔ دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم دفتر سوم ص ۱۰۰ و ص ۱۰۱۔ اور دیکھو حاشیہ بحر العلوم بر مثنوی ص ۵۰ دفتر سوم۔ بقیہ حکایت کے لیے مثنوی کی مراجعت کریں۔

وَ لَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے پکڑا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں شاید وہ

یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ

دھیان کریں۔ پھر جب پہنچی اُن کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے واسطے اور اگر پہنچے

سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

برائی شومی بتاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھ والوں کی، سُن لو شومی ان کی اللہ ہی پاس ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ

پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے جو تو لاوے گا ہم پاس نشانی

لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ

کہ ہم کو اس سے جادو کرے سو ہم تجھ کو نہ مانیں گے۔ پھر بھیجا ان پر غرقاب

وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ قف فَاسْتَكْبَرُوْا

اور ٹڈی اور چیچڑی اور مینڈک اور لہو کتنی نشانیاں جدی جدی پھر تکبر کرتے رہے

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا

اور تھے وہ لوگ گنہگار۔ اور جس بار پڑا ان پر عذاب بولے

يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا

اے موسیٰ پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا سکھا رکھا ہے تجھ کو اگر تو نے اٹھایا ہم سے

الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ ۚ فَلَمَّا

عذاب تو بیشک تجھ کو مانیں گے اور رخصت کریں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب

كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

ہم نے اٹھا لیا اُن سے عذاب ایک وعدے تک کہ ان کو پہنچنا تھا تبھی منکر ہو جاتے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا

پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے پھر ڈبو دیا گہرے پانی میں اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور کر رہے

عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ

ان سے تغافل۔ اور وارث کیے ہم نے جو لوگ کمزور ہو رہے تھے

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ

اس زمین کے مشرق کے اور مغرب کے جس میں برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہوا نیکی کا وعدہ

رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙۛ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ

تیرے رب کا بنی اسرائیل پر اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے اور خراب کیا ہم نے جو

یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور انگور چڑھاتے چھتریوں پر۔

ذکر نزولِ مصائب عبرت بر قبطیان تا آخر ہلاکت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ ... الٰی ... وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ وعدہ ذکر فرمایا: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ عنقریب خدا تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کرے گا۔ اب ان آیات میں اس اہلاک موعود کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ قوم فرعون کس طرح بتدریج ہلاک کی گئی اور وقتاً فوقتاً ان پر کیا کیا مصیبتیں اور کیا کیا بلائیں یکے بعد دیگرے نازل کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ان پر بلائیں نازل کیں تاکہ متنبہ ہو جائیں اور عبرت اور نصیحت پکڑیں کہ انبیاء کرام کی تکذیب اور مقابلہ کا انجام ایسا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب کسی طرح متنبہ نہ ہوئے تو بال آخر غرق کر دیئے گئے۔ یہ غرقابی ان کی ہلاکت کی آخری منزل تھی۔ (تفسیر کبیر ص ۲۸۶ جلد ۴)

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بتدریج ان پر سات بلائیں اور مصیبتیں نازل کیں سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا۔ پھر پانی کا طوفان آیا پھر ٹڈیاں مسلّط کیں تاکہ کھیت تباہ ہو جائیں پھر گھن کا کیڑا پیدا کر دیا کہ گھروں میں جو غلہ کا ذخیرہ تھا گھن کے کیڑوں نے اس کو ختم کر دیا، پھر مینڈک پیدا کر دیئے مینڈکوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تمام مکانات اس سے بھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک کے تمام پانیوں کو قبطیوں کے حق میں خون کر دیا۔ چنانچہ قبطی جس کنوئیں اور دریا سے پانی بھرتے تو وہ پانی خون ہو جاتا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بلائیں ان پر نازل ہوئیں جب کبھی کوئی بلا ان پر نازل ہوتی تو گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے اور یہ کہتے کہ اگر آپ کی دعا سے یہ بلا دُور ہو جائے تو ہم آپ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے اور آپ کی دُعا سے وہ بلا دُور ہو جاتی اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی تو پھر وہ اپنی سابق سرکشی کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے کہ جس کے دل پر مہر کر دیں اسے کون ہدایت کر سکتا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لیے چند بار عذاب نازل کیا مگر پھر بھی ان کو تنبہ نہ ہوا بلکہ سرکشی میں اور زیادتی ہوتی رہی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اور ان کا کام تمام کیا۔ اور ان کے تمام ملک کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا۔ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ اور ﴿وَ یَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ وہ دونوں وعدے پورے کر دیئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے دشمنوں کے ہلاک کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ اب ان آیات میں ان مصیبتوں اور آفتوں کا بیان ہے جو ان کو آخری ہلاکت سے پہلے یکے بعد دیگرے پیش آئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور البتہ تحقیق ہم نے قوم فرعون کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں مبتلا کر دیا کہ آسمان سے مینہ برسنا بند ہو گیا اور درختوں پر آفتیں ڈالیں کہ جن سے پھلوں کی پیداوار کم ہو گئی حتیٰ کہ کسی نخلہ میں کھجور کا ایک ہی دانہ لگتا۔ مطلب یہ ہے کہ کھیتیاں بھی برباد ہوئیں اور باغات بھی تباہ ہوئے شاید وہ متنبہ ہو جائیں اور اپنی سرکشی سے رجوع کریں مگر اُن کو کچھ تنبہ نہ ہوا بلکہ اور سخت دل ہو گئے سو جب ان کو کوئی بھلائی اور خوشحالی اور فراغت اور ارزانی پہنچتی تو یہ کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے یعنی ہم اس کے مستحق ہیں بجائے شکر کے اس نعمت کو اپنی خوش بختی سمجھتے اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی جیسے قحط اور بیماری وغیرہ تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی نحوست بتلاتے اور یہ خیال نہ کرتے کہ یہ سب ہمارے کفر اور بُرے اعمال کی نحوست ہے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ نحوست موسیٰ علیہ السلام کی نہیں بلکہ ان کی نحوست اور شومئی قسمت کا سبب اللہ کے علم میں ہے یعنی ان کو جو تکلیفیں پہنچیں یہ ان کے بُرے اعمال کی نحوست ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ وہ تو اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں ان کی طرف نحوست کی نسبت ممکن نہیں۔ تمہاری نحوست کا اصلی اور واقعی سبب خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہاری سرکشی اور بغاوت ہے جس کی وجہ سے دنیا میں نحوست کا کچھ حصہ وقتی طور پر بطور سزا و تنبیہ تم کو پہنچ رہا ہے کیونکہ سختیوں سے دل نرم ہو جاتا ہے اور سرکشی سے عاجزی کی طرف مائل ہو جاتا ہے باقی تمہارے کفر اور ظلم کی اصل نحوست خدا کے پاس محفوظ ہے وہ تم کو آخرت میں پہنچے گی لیکن ان میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ یہ آیات اور معجزات سب سحر ہیں اور یہ ان کی نحوست ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اے موسیٰ تو جب کبھی بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لے کر آئے گا تا کہ اس سے ہم پر جادو کرے تو ہم تیرے لیے باور کرنے والے نہیں یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو سحر سمجھتے تھے اور بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کے علاوہ دوسری عقوبتیں نازل کیں۔ پس ہم نے ان پر پانی کا طوفان بھیجا یعنی ان پر ایک ہفتہ متواتر بارش ہوئی۔ جس سے جان اور مال اور کھیتوں کی تباہی کا اندیشہ ہو گیا اور بھیجی ہم نے ان پر ٹڈیاں جنہوں نے ان کے کھیتوں کو خراب کر ڈالا اور بھیجی ہم نے ان پر جوئیں یا گھن کے کیڑے اتنی جوئیں پیدا ہو گئیں کہ تمام مکانوں اور کھانے کی چیزوں میں بھر گئیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے گھن کے کیڑے پیدا کر دیئے کہ جو غلہ ان کے مکانوں میں بھرا ہوا تھا اسے خدا کے حکم سے گھن کا کیڑا لگ گیا جس سے سارا غلہ تباہ ہو گیا اور بھیجے ہم نے ان پر مینڈک یعنی مینڈک اس قدر پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کھانا اور پینا اور گھر میں بیٹھنا مشکل ہو گیا اور خون کا عذاب ان پر مسلّط کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کے حق میں تمام ملک کے پانی کو خون بنا دیا کنوئیں سے پانی بھرتے تو وہ خون اور دریا سے پانی لیتے تو وہ خون قبطی جو پانی لیتا وہ اس کے منہ میں جا کر خون ہو جاتا۔ غرض یہ کہ یہ سات عذاب ہم نے ان پر مسلّط کیے درآنحالیکہ یہ سب ہماری قدرت اور قہر کی کھلی کھلی نشانیاں تھیں جن میں سحر کا شائبہ بھی نہ تھا جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ ﴿لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ یا یہ معنی ہیں کہ یہ نشانیاں جدا جدا تھیں یعنی ان جدا جدا عذابوں میں سے ہے۔ ایک عذاب ان پر ایک ہفتہ تک رہا۔ اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ہفتہ کا وقفہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی جانب سے ان پر قہر کی یہ نشانیاں جُدا جُدا آئیں تا کہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔ پس باوجود ان واضح نشانیوں کے اور مختلف قسم کے عذابوں کے بھی ان لوگوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور تھے ہی یہ لوگ جرائم پیشہ جرم اور سرکشی کے خوگر اور عادی ہو چکے تھے کہ باوجود سختی کے بھی جرم سے باز نہ

آئے۔غرض یہ کہ یہ سات بلائیں موسیٰ علیہ السلام کے سات معجزے تھے اور یہ ساتوں عصا اور ید بیضاء کے ساتھ مل کر آیات تسعہ کہلاتے ہیں اور اُن کے مجرم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی ان پر مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی عذاب نازل ہوتا تو اس وقت مجبور ہو کر یہ کہتے اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمارے لیے اپنے رب سے اس قہر کے ٹلنے کی دعا کیجیے جیسا کہ خدا نے تجھ سے قبولیت کا عہد کیا ہے۔یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تو اس سے دعا کرے گا تو وہ اسے قبول فرمائے گا۔البتہ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تو نے اپنی دعا سے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ضرور تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔جب بھی کوئی عذاب آتا تو موسیٰ علیہ السلام سے آ کر دعا کی درخواست کرتے اور پختہ وعدہ کرتے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔پھر جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک خاص مدت تک کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی اپنے عہد کو توڑ ڈالتے۔اس اجل سے وہ مدت مراد ہے جو دو عذابوں کے نزول کے درمیان گزرتی تھی۔اور جس میں وہ چین اور امن سے رہتے تھے۔جب وہ وقت گزر جاتا تو حسب سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگتے۔پس اب تک تو ہم نے تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا عذاب نازل کیا لیکن جب باوجود ان سخت تنبیہوں کے بھی سرکشی سے باز نہ آئے اور برابر بدعہدی کرتے رہے تو ہم نے ان کے دائمی عذاب اور ابدی ہلاکت کا ارادہ کر لیا اور ان مجرمین سے ان کی سرکشی اور بدعہدی کرتے رہے تو ہم نے ان کے دائمی عذاب اور ابدی ہلاکت کا ارادہ کر لیا اور ان مجرمین سے ان کی سرکشی اور بدعہدی کا پورا پورا بدلہ لے لیا سو ہم نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلایا اور تھے یہ لوگ ہماری آیتوں سے تغافل برتنے والے کہ تکبر کی وجہ سے ان میں غور و فکر بھی نہ کیا اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور اور ناتواں سمجھے جاتے تھے یعنی بنی اسرائیل کو اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے بظاہر اس برکت والی سرزمین سے مصر کی زمین مراد ہے۔یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو زمین مصر کا وارث بنا دیا اور اے نبی تیرے پروردگار کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوا کہ انہوں نے شدت اور مصیبتوں پر صبر کیا اور ہم نے خراب اور برباد کر دیا اس چیز کو جس کو فرعون اور اس کی قوم بناتی تھی اور جو بلند عمارت وہ بناتے تھے اس کو بھی ہم نے ملیا میٹ کر دیا یعنی ان کے محلات اور مکانات سب کو منہدم کر دیا۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جب ان کی سرکشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور باوجود اس قدر متواتر تنبیہات کے بھی وہ متنبہ نہ ہوئے تو ہم نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اور ان کے تمام ملک کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا اور جو سچا وعدہ ہم نے ان سے کیا تھا وہ پورا کر دیا اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا﴾ سے زمین شام کے مشرقی اور مغربی حصے مراد ہیں۔واللہ اعلم

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی

اور پار اتارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ پہنچے ایک لوگوں پر کہ پوجنے میں لگ رہے تھے

اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ

اپنے بتوں پر بولے اے موسیٰ! بنا دے ہم کو بھی ایک بُت جیسے ان کے بت ہیں

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَ

کہا تم لوگ جہل کرتے ہو۔ یہ لوگ جو ہیں تباہ ہونا ہے ان کو جس کام میں لگے ہیں اور

بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ

غلط ہے جو کر رہے ہیں۔ کہا کیا اللہ کے سوا لادوں تم کو کوئی معبود؟ اور اس نے

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

تم کو بزرگی دی سب جہان پر۔ اور وہ وقت یاد کرو جب بچا لیا ہم نے تم کو فرعون والوں سے دیتے تھے تم کو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ

بُری مار۔ مار ڈالتے تمہارے بیٹے اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں۔ اور اس میں

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ ۱۲ ۶

احسان ہے تمہارے رب کا بڑا۔

ذکر بعض جہالت بنی اسرائیل باینہمہ انعام جلیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ ... الٰى ... وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے انعامات جلیلہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں ان کی بعض جہالتوں کا ذکر ہے کہ بت پرستوں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے ویسی ہی درخواست کرنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس جاہلانہ درخواست پر انہیں سخت سرزنش کی اور حق جل شانہٗ کے انعامات اور احسانات یاد دلائے کہ باوجود ان احسانات کے تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے عظیم الشان منعم اور محسن کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا معبود بناؤ اور پتھروں کے سامنے اپنا سر جھکاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو صحیح سالم سمندر کے پار اتار دیا۔ پس ان کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش پر جمے بیٹھے تھے کہ اس بت کدے کے مجاور اور معتکف بنے ہوئے تھے ان بتوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے کہا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہمارے لیے بھی ایک مورت اور بُت بنا دیجیے جیسے اس قوم کے لیے معبود ہیں کہ انہیں یہ لوگ پوجتے ہیں یعنی جس طرح اس قوم کا معبود مجسم ہے اسی طرح ہمارے لیے بھی ایک مجسم معبود بنا دیجیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تحقیق تم عجیب قوم ہو کہ وقتاً فوقتاً نئی نئی جہالتوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہو۔ تم جاہلوں کو اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر نہیں کہ اللہ ہر شبہیہ اور مثال سے پاک اور منزہ ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل موحّد تھے ان کو توحید میں شک نہ تھا مگر اپنی جہالت سے یہ خیال کر بیٹھے کہ جب تک کوئی صورت اور مجسم شے سامنے نہ ہو اس وقت تک خدا کی عبادت نہیں

ہوسکتی اس لیے انہوں نے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی بت یا کوئی صورت بنا دیجیے جس کو ہم اپنے آگے رکھ کر خدا کی عبادت کیا کریں اس لیے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک محسوس چیز کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے اور ان لوگوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے یہ خیال کیا کہ یہ امر دیانت اور وحدانیت کے منافی نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کے عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ (ان لوگوں نے) وہ قوم دیکھی کہ گائے کہ صورت پوجتی تھی۔ ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔ (موضح القرآن)

بنی اسرائیل مدّت تک مصری بت پرستوں کے ساتھ رہے ان کی بُری صحبت کے اثر سے یہ جاہلانہ خیال دل میں آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے ہی سخت جاہل ہو جو ایسی درخواست کرتے ہو تم نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی اور نہ اس کی عبادت کے وقت کسی محسوس اور مجسم شے کو سامنے رکھا جاسکتا ہے یہ سب مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات ہیں۔

تنبیہ: جاننا چاہیے کہ یہ بے ہودہ بات بنی اسرائیل کے بعض جاہلوں کے منہ سے نکلی تھی نہ کہ سب کی طرف سے یہ درخواست کی گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل میں احبار اور ربانیین بھی تھے ان کی زبان سے ایسی بے وقوفی کی بات کا نکلنا ممکن نہیں تحقیق بت پرستوں کی یہ جماعت جس مذہب میں لگی ہوئی ہے وہ تباہ اور برباد ہونے والا ہے۔ عنقریب حق تعالیٰ اس دین باطل کو حق کے غلبہ سے تباہ و برباد کریں گے اور جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی سرتاپا غلط اور لغو ہے کیونکہ شرک کے باطل اور غلط ہونے میں کیا شبہ سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا خدا کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود ڈھونڈوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے خدا تعالیٰ نے انواع و اقسام کی جو نعمتیں خاص تم کو دیں وہ اہل عالم میں کسی اور کو نہیں دیں۔ پس ایسے محسن معبود کو چھوڑ کر دوسرے معبود تلاش کرنے کی درخواست بڑی ہی حماقت ہے اور اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی کہ وہ تم کو بُری طرح سے عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ ان احسانات کی یاد دلانے سے مقصود توبیخ اور سرزنش ہے کہ جس خدا نے تم پر یہ احسانات کیے اسے چھوڑ کر دوسرے معبود کو کیوں تلاش کرتے ہو۔

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ
اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو دس سے تب پوری ہوئی مدت
رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ
تیرے رب کی چالیس رات اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو میرا خلیفہ رہ
قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى
میری قوم میں اور سنوار اور نہ چل بگاڑنے والوں کی راہ۔ اور جب پہنچا موسیٰ

لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ

ہمارے وقت پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے' بولا اے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں کہا تو ہرگز

تَرٰىنِيْ وَ لٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ

مجھ کو نہ دیکھے گا لیکن دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف جو وہ ٹھہرا اپنی جگہ تو آگے تو دیکھے گا مجھ کو

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ

پھر جب نمودار ہوا رب اس کا پہاڑ کی طرف کیا اس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش

اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ

پھر جب چونکا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔ فرمایا

يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ

اے موسیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے

اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ

جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ۔ اور لکھ دی ہم نے اس کو تختوں پر ہر

شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ

چیز میں سے سمجھوتی اور بیان ہر چیز کا سو پکڑ ان کو زور سے اور کہہ اپنی قوم کو کہ

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُوْرِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ

پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں اب میں تم کو دکھاؤں گا گھر بے حکم لوگوں کا۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے

الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا

ان کو جو بڑائی ڈھونڈھتے ہیں ملک میں ناحق اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں

بِهَا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَ اِنْ يَّرَوْا

ان کو اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی۔ وہ نہ ٹھہراویں راہ۔ اور اگر دیکھیں

سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا

راہ الٹی اس کو ٹھہراویں راہ یہ اس واسطے کہ انہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور ہو رہے

عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ

ان سے بے خبر۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور آخرت کی ملاقات' ضائع ہوئیں

اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع ۱۷ ۶ ۷

اُن کی محنتیں وہی بدلہ پاویں گے جو کچھ عمل کرتے تھے۔

ذکر مکالمۂ خداوندی با موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وعطاء تورات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ... الٰى ... هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع﴾

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تمہیں ان کا جانشین اور ان کے ملک کا وارث بنائے گا اور اس وقت میں تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب ہدایت مآب لا کر دوں گا جو تمہارے لیے دستور العمل ہوگی۔ چنانچہ جب فرعون ہلاک ہوگیا اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجۂ ظلم سے نجات ملی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کتاب کی درخواست کی۔ حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آ کر اعتکاف کریں اور تیس روزے رکھیں اس کے بعد کتاب عنایت ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے آخری روزہ میں منہ کی بو دفع کرنے کے لیے مسواک کر لی تو فرشتوں نے کہا: کہ اے موسیٰ علیہ السلام تمہارے منہ سے جو مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جاتی رہی اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ دس دن اور روزے رکھیں تا کہ چلہ پورا ہو جائے۔

اکثر اسلاف کے نزدیک یہ چلہ یکم ذیقعدہ سے شروع ہو کر دس ذی الحجہ کو پورا ہوا غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چالیس دن ٹھہرے۔ اس کے بعد ان کو توریت عطا ہوئی ان آیات میں عطاء تورات اور مکالمۂ خداوندی کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے اور جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے تا کہ اب ہم فراغِ خاطر کے ساتھ اس پر عمل کریں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کے لیے تیس رات کا وعدہ کیا کہ کوہ طور پر آ کر اعتکاف کرو اور تیس روزے رکھو تو ہم تم کو تورات دیں گے اور بعد ازاں ان میں دس اور ملا کر پورا چالیس کر دیا۔ جمہور مفسرین کے نزدیک وہ تیس راتیں ذیقعدہ کی تھیں اور دس راتیں ذی الحجہ کی تھیں اس بنا پر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو کلام الٰہی نصیب ہوا اور اسی روز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دین کو مکمل کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (المائدہ: ۳)

جب موسیٰ علیہ السلام تیس روزے رکھ چکے تو روزے میں خشکی کی وجہ سے منہ میں جو بدبُو پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بونا گوار معلوم ہوئی اس بو کے دفع کرنے کے لیے مسواک کر لی۔ فرشتوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تمہارے منہ سے مشک کی خوشبو سونگھتے تھے مسواک کرنے سے وہ خوشبو جاتی رہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دس روزے اور رکھیے تا کہ چلہ پورا ہو جائے۔ پس اس طرح ان کے پروردگار کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کو جاتے وقت اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا کہ میں تو توریت لینے کے لیے طور سینا کی طرف جا رہا ہوں میں جب تک واپس آؤں میری قوم میں تو میرا قائم مقام رہ اور ان کی اصلاح کرتا رہ یعنی صلاح اور تقویٰ کے کاموں میں ان کو لگائے رکھ اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا یعنی اگر میرے پیچھے یہ لوگ کسی قسم کا فتنہ وفساد برپا کریں اور تیرا کہنا نہ مانیں تو اس وقت تو ان سے علیحدہ ہو جانا اور ان کی پیروی نہ کرنا۔ اور نہ کسی بات میں ان کی موافقت کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی اصلاح ممکن نہ ہو تو ان سے علیحدگی اختیار کر لینا اور اس کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے بلا واسطہ فرشتہ کے ان سے کلام کیا جیسا کہ وہ خداوند قدوس جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام کو غایت حلاوت کی وجہ سے اللہ کا کلام سُن کر شوق پیدا ہوا کہ اس کلام کے متکلم کو دیکھوں تو زیادتی شوق سے مجبور ہو کر بولے اے میرے پروردگار! مجھے اپنے جمال بے مثال کا ایک جلوہ دکھا کہ تیری طرف ایک نظر اٹھا سکوں تا کہ کلام اور گفتار کے ساتھ دیدار کی نعمت اور کرامت بھی جمع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب [1] میں کہا کہ اے موسیٰ! تو مجھے اس دار فانی میں ان کمزور آنکھوں کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھ سکے گا یعنی تجھ سے میرے جمال بے مثال کا تحمل نہیں ہو سکے گا۔ انسان ضعیف البنیان ہے اس دار فانی میں خداوند ذوالجلال کے جلوہ کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے جمال بے مثال کی تاب نہیں لا سکتا ولیکن تمہاری تسلی اور تشفی کے لیے یہ کرتا ہوں کہ پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی کرتا ہوں۔ پس تم پہاڑ کی طرف نظر کرو کہ جو وجودِ جسمانی میں تم سے کہیں زیادہ قوی ہے اور تحمل کی قوت اس میں تم سے زیادہ ہے پس اگر ہماری اس تجلی کے بعد یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو قریب ہے یعنی ممکن ہے کہ تو بھی مجھے دیکھ سکے گا اور میری تجلی کا تحمل کر سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کا فانی اور کمزور وجود اس دار فانی میں اس کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتا لیکن خیر ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنے جمال دلربا کی ایک جھلک اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ پس اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے کہ تم بھی اس کو برداشت کر سکو۔ جیسے انسان ضعیف البنیان نے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا جس کو آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (الاحزاب:۷۲)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر:۲۱)

اور اگر پہاڑ جیسی قوی اور مضبوط چیز بھی تحمل نہ کر سکے تو سمجھ لیجیے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے تو انسان ضعیف البنیان سے اس کا تحمل کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے کہ دیدار کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہے اور ظاہری وجود کے اعتبار سے انسان بہت کمزور ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ (النساء:۲۸)

و قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (المومن:۵۷)

---

[1] فرمود پروردگار ہرگز بچشم فانی مرا نتوانی دید کہ قوائے عنصری تحمل آں ندارند۔ (دیکھو تیسیر القاری شرح بخاری ص ۳۴۰ ج ۳)

مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! انسان کے اعتبار سے تمہارا وجود کمزور ہے تم سے اس کا تحمل نہ ہو سکے گا۔ دیدار کے حق میں ہماری طرف سے کوئی مانع نہیں مانع تمہاری طرف سے ہے یعنی تمہارا ضعف رؤیت باری کے تحمل سے مانع ہے پھر جب ان کے پروردگار نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی یعنی اس پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی تو اس تجلی کے سبب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اس حصے کو جس پر تجلی ہوئی ریزہ ریزہ کر دیا یعنی اس تجلی کی عظمت سے پہاڑ کا ایک حصہ پارہ پارہ ہو گیا اور پہاڑ کا ایک حصہ زمین کے برابر ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھیے کہ جس چیز پر بجلی گرتی ہے وہ چیز جل کر ایک آن میں خاک ہو جاتی ہے اور جو لوگ اس کے قریب ہوتے ہیں کم و بیش ان کو صدمہ پہنچتا ہے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو یہ بولے۔ ﴿سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اس سے کہ دُنیا میں تجھے کوئی دیکھ سکے اگر دیکھے تو مر جائے دُنیا کی فانی آنکھوں میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے دیدار کا تحمل کر سکیں میں فرطِ شوق میں یہ درخواست کر گزرا لیکن آئندہ کے لیے میں توبہ کرتا ہوں کہ اس دار فانی میں آئندہ کبھی رویت کا سوال نہ کروں گا اور میں سب سے پہلے تیرے عظمت اور جلال پر یا تیرے ارشادِ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ پر ایمان لانے والا ہوں یا اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ دار فانی میں کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے دیکھ سکے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ دار دنیا میں قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا یعنی مجھ پر شہودی اور عیانی طور پر یہ امر منکشف ہو گیا کہ اس دار فانی میں ان ظاہری آنکھوں سے تیرا دیدار ممکن نہیں اور میں پہلا مؤمن ہوں جو اس بات کا قائل ہوا کہ اس دار فانی میں اس چشم فانی سے کوئی شخص بھی قیامت تک اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکتا۔

بے فناء خود میسر نیست دیدارِ شما می فروشد خویش را اوّل خریدارِ شما

فائدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام سے اگر کوئی ذرا سی بھی لغزش اور سہو سے برائے نام خلاف ادب کوئی امر سرزد ہو جاتا ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام اس بھول چوک سے گناہوں کی طرح توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے سوالِ دیدار سے توبہ اور معذرت کی اور کہا کہ پہاڑ کے حال کے مشاہدہ سے مجھ کو اس بات کا ایمانِ شہودی حاصل ہو گیا کہ بشر کی چشم حادث میں یہ قوت اور طاقت نہیں کہ وہ آپ کے جلوہ کا تحمل کر سکے بندہ آپ کو اس دارِ فانی میں اپنی قوت اور طاقت سے نہیں دیکھ سکتا البتہ جب آخرت میں آپ اس کو قوت اور قدرت عطا کریں گے تو وہ آپ کو آپ کی قدرت سے دیکھ سکے گا۔ ﴿لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ﴾ حدوث کے قدم بارگاہِ قدم میں بدون خداوند کریم کی تائید اور تقویت کے نہیں ٹھہر سکتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تسلی

موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ کے جواب سے اور دیدار کی محرومی سے رنج اور قلق ہوا۔ اس لیے اب آئندہ آیت میں ان کی تسلی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ (علیہ السلام)! تم ہمارے اس جواب ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہونا اگر اس وقت تجھے میرا دیدار میسر نہ ہو سکا تو نہ سہی کیا تیرے شرف اور امتیاز کے لیے یہ کافی نہیں کہ تحقیق میں نے تجھ کو اپنے پیغامات اور بلا واسطہ کلام کے ذریعے لوگوں پر برگزیدگی اور برتری کی یعنی تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کا خلعت پہنایا اور بلا واسطہ تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو توریت عطا کی۔ پس کیا یہ شرفِ امتیاز کچھ کم ہے۔ پس جو شرف اور امتیاز میں نے تجھ کو عطاء کیا اس کو لے لے اور شکر کرنے والوں میں

سے ہوجا۔ یعنی خدا کے خاص الخاص شکر گزاروں میں سے ہوجا جو دیدیا اس کا شکر کر اور جو نہیں دیا اس کے رنج وفکر میں نہ پڑ اور جو چیز تیری طاقت اور تحمل سے باہر ہے اس کا سوال نہ کر اور رؤیت کے حاصل نہ ہونے کا افسوس نہ کر یہ نعمت صرف آخرت کے لیے مخصوص ہے۔

لَنْ تَرٰىنِیْ می رسد از طور موسیٰ را جواب ہر چہ آں از دوست آید سر بنہ گردن متاب

اور علاوہ رسالت اور کلام کے ہم نے یہ شرف بخشا کہ ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ کر ان کو دی یعنی دین کے بارہ میں جتنی نصیحتوں کی ضرورت تھی وہ سب لکھ کر دی اور ہر چیز میں اوامر اور نواہی کی تفصیل کر دی پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان تختیوں کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ صدق اور عزیمت کے ساتھ الواح توریت میں جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں ان میں سے بہتر چیز کو پکڑیں یعنی جس چیز کا اجر اور ثواب دوسرے سے بڑھ کر اور بیشتر ہے اس کو لیویں اور اختیار کریں۔ منجملہ احسن کے ایک یہ ہے کہ عزیمت اور افضل پر عمل کریں اور حتی الوسع رخصت اور مفضول یعنی کمتر کو اختیار نہ کریں۔

اور میں عنقریب تم کو نافرمانوں کے مکانات دکھلاؤں گا اور قوم ثمود کی بستیاں دکھلاؤں گا کہ کیسی ویران اور تباہ پڑی ہیں تا کہ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑو۔

قطعہ

چشم عبرت بیں چرا در قصر شاہاں ننگرد تا چہ ساں از حادثاتِ دور گردوں شد خراب

پردہ داری می کند بر طاق کسریٰ عنکبوت چغد نوبت می زند بر قلعۂ افراسیاب

مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تجھ کو دکھلاؤں گا کہ فاسق اور فاجر۔ فسق وفجور کر کے کس بربادی اور تباہی کے گھر میں بستے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دارِ فاسقین سے فرعونیوں کے مکانات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تم کو فرعون اور قبطیوں کے مکانات کا وارث بناؤں گا اور تم کو یہ دکھلا دوں گا کہ خدا دشمنوں کے مکانات کا دوستوں کو کیسے وارث بناتا ہے۔

ان آیات میں اطاعت کی ترغیب تھی۔ اب آئندہ آیات میں تکبر اور سرکشی سے ترہیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں: کہ عنقریب اپنی آیتوں کے قبول کرنے اور ان کے سمجھنے سے ان لوگوں کے دلوں کو پھیر دوں گا اور اپنے احکام سے برگشتہ کر دوں گا جو زمین میں ناحق اور بلا وجہ کے تکبر کرتے ہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم متکبروں کے دل پر مہر کر دیتے ہیں تا کہ وہ حق بات کو نہ سمجھ سکیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ﴾ (الصّف:۵) اور تکبر کی وجہ سے وہ عقل اور فہم سے اس قدر دُور ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ساری نشانیاں بھی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان کا یقین نہ کریں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس راہ کو نہ پکڑیں اور اگر یہ متکبر الٹی راہ دیکھ لیں تو اس کو پکڑ لیں یہ اُن کے دلوں کی کجی اور بے راہی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور عناد کی وجہ سے دیدہ ودانستہ ہماری آیتوں سے غافل بن گئے اس لیے ان کو یہ سزا ملی کہ ان کے دل حق سے پھیر دیئے گئے اور ان کی عقل الٹی ہوگئی یہ سزا تو دنیا میں ملی اور آخرت میں یہ سزا ملے گی کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات اور پیشی کو جھٹلایا یعنی جزاء وسزا کے منکر ہوئے ان کے وہ سب کام جن پر وہ نفع کی اُمید لگائے بیٹھے تھے۔ سب تباہ اور غارت ہوئے نہیں بدلہ پاویں گے آخرت میں مگر جو دنیا میں کرتے تھے۔ ان آیات سے مقصود تنبیہ ہے کہ آیات خداوندی کے مشاہدہ کے بعد ان سے غفلت اور اعراض

تباہی اور بربادی کا موجب ہے۔

لطائف ومعارف

① اس آیت ﴿وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ سے خداوند تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہوا مگر خدا کے کلام کی اصل صفت اور کیفیت سوائے اس خدا کے جس نے جس سے کلام کیا ہو اور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتی۔ جس طرح خدا کی ذات بے چون وچگون اور بے مثال ہے ہم نہ اس کی ذات کی کُنہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ اس کی صفات کی کُنہ کو۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد نہ غورت بفکر صفاتش رسد

اس لیے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث بلکہ تمام کتب سماویہ سے خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہے اور کلام اس کی صفت قدیمہ اور ازلیہ ہے اور اس کے کلام میں حرف اور صوت نہیں اللہ کا کلام انسان کے کلام کے مشابہ نہیں جو حرف اور صَوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور زبان اور ہونٹ اور حلقوم سے نکلتا ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ (الشوریٰ:۱۱) اور حنابلہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدا کا کلام حروف اور الفاظ اور اصوات سے مرکب ہے اور یہ الفاظ اور اصوات سب قدیم ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ خدا کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ کلام اس کی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے بلکہ اس کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام کو کسی دوسری چیز مثلاً درخت یا لوح محفوظ یا فرشتہ یا نبی میں پیدا کر دیتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے بخاری کی کتاب التوحید کی شرح میں کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حضرات متکلمین اور اولیاء اور عارفین فرماتے ہیں: کہ کلام دراصل ان حروف اور اصوات کا نام نہیں۔ بلکہ کلام اصل میں مَابِہٖ اِفَادَۃُ مَافِیْ عِلْمِہٖ کا نام ہے۔ یعنی جس شے کے ذریعے سے اپنے علم میں آئی ہوئی چیز کا افادہ اور افاضہ کیا جائے تو اس کو کلام کہتے ہیں اور ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور اصوات یا کاغذ پر لکھے ہوئے نقوش یہ کلامِ خداوندی کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ کو اور ہمارے ہاتھ کے لکھے ہوئے نقوش کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عین کلام قدیم ہیں جو ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں جس طرح ہماری سخن اور ہماری آواز ہمارے تصورات یا صور ذہنیہ کی ترجمان ہے ان کا عین نہیں۔ اسی طرح ہمارے حروف اور ہماری اصوات خداوند قدوس کے کلمات قدسیہ وغیبیہ کے ترجمان ہیں اور اس بے نشان کے ایک قسم کے نشان ہیں اور کلام الٰہی کی دلالات اور عبارات ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنِ کریم کے مرتب ہوجانے کے بعد ان اوراقِ منتشرہ کو جلا دیا کہ جن میں آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی تھیں کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے بعد قدیم نوشتوں کو جلایا تو کیا معاذ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عین کلام خداوندی کو جلا دیا یا فنا کر دیا۔ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق کی کیا مجال کہ قدیم اور غیر مخلوق کو جلا دے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ اور ہمارے قلم سے لکھے ہوئے نقوش جو اصل کلام قدیم کا آئینہ اور مظہر ہیں جن کے پردے میں کلام قدیم کا جلوہ نظر آتا ہے وہ جلا دیے گئے۔ آئینہ کے جل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کا عکس آئینہ میں پڑ رہا ہے وہ شے بھی جل جائے۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات بابرکات صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے مگر قیامت کی دن لوگ اس بے چون و چگون ذات کو صورت کے پردہ اور لباس میں دیکھیں گے۔ اسی طرح اللہ کا کلام بے چون و چگون ہے اور حروف اور اصوات سے پاک ہے مگر اس کا ظہور اور اس کا جلوہ حروف اور الفاظ کے لباس اور پردہ میں ہوتا ہے۔ اللہ کا کلام انسان کی زبان سے سنا جائے یا پلیٹوں سے سنا جائے یا کاغذ پر لکھا ہوا دیکھا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ کلام کی حقیقت سب جگہ ایک ہے مگر ہر جگہ صورت اور لباس بدلا ہوا ہے۔ لہٰذا نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف صورتیں اور مختلف قسم کے لباس اس اصل حقیقت کا بالکل عین ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا غیر ہیں تمام متکلمین اور سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ کا جو کلام انسان کی زبان سے سنا جائے اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ایسا کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یہ جو کچھ سنا جارہا ہے وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے جو انسانی حروف اور اصوات کے پردہ میں ظاہر ہورہا ہے۔

دم مزن چوں در عبارت نایدست　　آں مگو چوں در اشارت نایداست

عارف جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

شنید آنکہ کلامے نے بآواز　　معانی در معانی راز در راز

نہ آگاہی از و کام و زباں را　　نہ ہمراہی بہ او نطق و بیان را

② اہل سُنّت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آخرت میں مؤمنین حق تعالیٰ کو بلا کیف اور بلا جہت کے دیکھیں گے اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہل ایمان کو دیدار کی نعمت نصیب ہوگی۔ چنانچہ اس عقیدہ پر کتاب اور سنت اور اجماع امت سے کافی دلائل بیان کیے گئے ہیں جو تفصیل کے ساتھ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں اور مختصراً بقدر ضرورت ہم آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) کی تفسیر میں ان کا ذکر کرچکے ہیں اور معتزلہ اور اس کے پیرو جنت میں بھی دیدار الٰہی کے منکر ہیں اور اس کو محال قرار دیتے ہیں اور اس آیت ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ سے دنیا اور آخرت میں نفی رؤیت پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ﴿لَنْ﴾ نفی تابید کے لیے وضع کیا گیا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظ ﴿لَنْ﴾ کلام عرب میں نفی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے نہ کہ نفی تابید کے لیے اور اگر بالفرض یہ لفظ نفی تابید کے لیے بھی ہو تو نفی تابید باعتبار دنیا کے ہے نہ باعتبار آخرت کے اس لیے کہ آخرت میں مومنین کا خدا تعالیٰ کو دیکھنا آیاتِ قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے حق میں فرمایا ہے ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ (الانعام: ۹۵) یہ لوگ کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے حالانکہ وہ قیامت کے دن موت کی تمنا کریں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ (الزخرف: ۷۷) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ (الحاقہ: ۲۷) وَغَيْرُ ذَالِكَ مِنَ الْاٰيٰتِ.

معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ حرف ﴿لَنْ﴾ لغت میں تابید اور دوام کے لیے ہے غلط ہے۔ بلکہ اہلسنّت والجماعت اس آیت سے رؤیت باری تعالیٰ کا جواز اور امکان ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت ﴿رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ یعنی اے اللہ! مجھے اپنی ذات بابرکات دکھادے تاکہ تجھے ایک نظر دیکھ سکوں۔ معتزلہ پر حجت ہے اس لیے کہ اگر خدا تعالیٰ کی رؤیت ناممکن اور محال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم اس کا سوال ہی کیوں کرتے یہ بات کیسے قیاس میں آسکتی ہے کہ نبی معصوم خدا تعالیٰ سے ناممکن اور محال کی درخواست کرے۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

﴿اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ۝۴۶﴾ (ھود) "اے نوح میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں جیسی بات نہ کرو۔"

بخلاف اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ سے رؤیت کی درخواست کی تو خدا نے ان کو کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا بلکہ ان کو تسلی دی اور یہ فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا یعنی میری رؤیت سراپا عظمت و ہیبت کا اس دار فانی میں تجھ سے تحمل نہ ہو سکے گا۔ اور بعد ازاں رؤیت کو ایک امر جائز الوقوع پر معلق کیا اور تسلی کے لیے یہ فرمایا کہ اے موسیٰ تو پہاڑ کی طرف نظر کر اگر میری تجلی کے بعد وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو ممکن ہے کہ تو بھی دیکھ سکے اور ظاہر ہے کہ پہاڑ کا اپنی جگہ پر قائم رہنا ممکن ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف اور معلق ہوگی وہ بھی ممکن ہوگی معلوم ہوا کہ ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس دار فانی میں تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ اس دارِ فانی میں چشم فانی سے کوئی بشر مجھ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں چشم باقی سے میرے دیدار کا تحمل کر سکے گا۔

کیا معتزلہ اپنی عقل کو موسیٰ علیہ السلام کی عقل سے زائد جانتے ہیں کہ معتزلہ کو تو خدا تعالیٰ کے متعلق ممکن اور محال کا علم ہو اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو۔ اگر رؤیت باری فی نفسہٖ محال تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا سوا کیوں کیا معتزلہ کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی رؤیت کا محال ہونا معلوم نہ تھا لیکن ان بندگانِ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو باوجود رسول اور کلیم ہونے کے رؤیت خداوندی کا محال ہونا معلوم نہ ہوا تو تم کو کس طرح معلوم ہو گیا۔ آخر تم نے اس بات کو اپنی عقل ہی سے معلوم کیا۔ کیا اس خدا کے اُس برگزیدہ نبی کی عقل تمہاری عقل سے کم تھی پس موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے معلوم ہوا کہ دنیا میں رؤیت باری عقلاً ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے جواب ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ سے معلوم ہوا کہ شرعاً ممتنع الوقوع ہے۔

نیز ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی بصر میں یہ قابلیت اور صلاحیت نہیں کہ دنیا میں خدا کو دیکھ سکے ہاں اگر ﴿لَنۡ اُرٰی﴾ بصیغہ مجہول ہوتا تو ممکن تھا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ خدا کی رؤیت نہیں ہو سکتی اور آیت ﴿لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ﴾ (الانعام: ۱۰۳) یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ میں "ادراک" کی نفی کی گئی ہے جس کے معنی دریافت کرنے کے ہیں۔ رؤیت کی نفی نہیں کی گئی ادراک (کسی چیز کو پالینا) اور چیز ہے اور رؤیت (کسی چیز کو دیکھ لینا) اور چیز ہے۔ اگر بالفرض ادراک سے رؤیت ہی کے معنی مراد لیے جائیں تو اس سے ظاہری اور عادی طریقہ پر دیکھنے کی نفی مراد ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ ظاہری طور پر اور بطریق عادت کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ ﴿اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ﴾ سے شیاطین اور جنات کے دیکھنے کی نفی کی گئی ہے سو اس کا مطلب یہی ہے کہ عادی طریقہ اور ظاہری طور پر کوئی شخص شیطان اور جنات کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ بطور خرق عادت اپنے کسی برگزیدہ اور مقبول بندہ کو نہ دکھائے تو جنات اور شیاطین اور فرشتوں کو کوئی شخص خود بخود ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتا مگر بطور خرق عادت انبیاء اور بعض اولیاء کے لیے شیاطین اور ملائکہ کا دیدار بچشم سر ثابت ہے اور مرتے وقت تو کافر بھی فرشتہ اور شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔

③ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح یعنی تختیاں عطاء کی گئیں وہی توریت پر مشتمل تھیں یعنی انہی میں توریت لکھی ہوئی تھی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ﴾ (القصص: ۴۳) اور بعض

یہ کہتے ہیں کہ یہ تختیاں توریت کے علاوہ تھیں جو نزول توریت سے پہلے عطا ہوئی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۶ ج ۲)

ان الواح (تختیوں) کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ دس تھیں اور بعض کہتے ہیں سات تھیں اور بعض کہتے ہیں دو تھیں اور الواح جو صیغہ جمع کا ہے اس سے مافوق الواحد مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی ص ۵۱ ج ۹)

نیز اس میں اختلاف ہے کہ وہ تختیاں کس چیز کی تھیں بعض کہتے ہیں کہ سبز زمرد کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ٹھوس پتھر کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنت کی بیری کی خشک لکڑی کی تھیں جیسا کہ بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ وہ بیری کی لکڑی کی تھیں۔ (روح المعانی ص ۵۱ ج ۹)

بہر حال جس چیز کی بھی ہوں وہ آسمان سے ہی لکھی ہوئی نازل ہوئی تھیں جیسا کہ ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے رہا یہ امر کہ ان کی کتابت خود دست قدرت نے کی تھی یا بحکم خداوندی کسی فرشتے نے کی تھی اس بارے میں سند صحیح سے کوئی بات ثابت نہیں اس بارہ میں جس قدر روایتیں کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہ اسرائیلیات ہیں اور حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ لہٰذا آج کل کے مصنّفین نے جو قاعدہ بنالیا ہے کہ جو اسرائیلی روایت ہو وہ بالکل غلط اور نا قابل اعتبار ہے یہ ان کا بنایا ہوا قاعدہ غلط ہے جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر کوئی اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے مطابق ہوگی، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور جو قرآن اور حدیث اور اصول اسلام کے خلاف ہوگی اس کی تکذیب کی جائے گی اور جو اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے نہ موافق ہو اور نہ مخالف ہو بلکہ ایسی شے کے متعلق ہو کہ جس کے بیان سے کتاب وسنت ساکت ہیں تو ایسی اسرائیلی روایت کی بابت ہمیں حدیثِ نبوی میں یہ حکم آیا ہے کہ ایسی روایت کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ سکوت کرو۔ لہٰذا الواح توریت کے بارے میں جب اسرائیلی روایات شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر درمنثور میں ذکر کی ہیں وہ سب حسبِ ارشادِ نبوی ((حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج)) ذکر کی ہیں اور ان کا حکم یہ ہے: ((لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم)) یعنی ان پر سکوت واجب ہے اور زبان طعن و تشنیع کا دراز کرنا ناجائز ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ
اور بنالیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ایک دھڑ اس میں گائے کی
خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ
آواز۔ یہ نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور نہ دکھاوے راہ۔ اس کو ٹھہرا لیا (معبود)
وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ
اور وہ تھے بے انصاف۔ اور جب پچتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے۔

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم کو رب ہمارا اور نہ بخشے تو بیشک ہم خراب ہوں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ

اور جب پھر آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصے بھرا اور افسوس بولا کیا بُری جگہ رکھی تم نے میری

مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ

میرے بعد کیوں جلدی کی اپنی رب کے حکم سے اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر

اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا

اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اپنی طرف وہ بولا کہ اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ

يَقْتُلُوْنَنِيْ ۠ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ

مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۠ وَ

گنہگار لوگوں میں۔ بولا اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور ہم کو داخل کر اپنی رحمت میں۔ اور

ع ۱۸/۴/۸ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ

تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا۔ البتہ جنہوں نے بچھڑا بنالیا ان کو پہنچے گا

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

غضب ان کے رب کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں۔ اور یہی سزا دیتے ہیں ہم

الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۙ

جھوٹ باندھنے والوں کو۔ اور جنہوں نے کیے بُرے کام پھر بعد اس کے توبہ کی اور یقین لائے

اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى

تیرا رب اس کے پیچھے بخشتا ہے مہربان۔ اور جب چُپ ہوا موسیٰ سے

الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

غصہ اٹھائیں تختیاں اور ان کی نقل جو لکھی اس میں راہ کی سوجھ ہے اور مہر ان کے واسطے

هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

قصۂ اتخاذ عجل وانجام آن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا ... الٰى ... لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوع میں بنی اسرائیل کی ایک جہالت کا بیان تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کی جاہلانہ درخواست کی۔ اب ان آیات میں ان کی ایک اور حماقت اور سفاہت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ نادان اپنے ایک خود ساختہ ڈھانچہ کی آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ اسے خدا سمجھ بیٹھے۔

ربط دیگر: گزشتہ آیت یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ میں اس امر کا بیان تھا کہ تکذیب آیات کی وجہ سے ان کے اعمال حبط ہو گئے اب ان آیات میں حبط اعمال کے ایک اور سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ اتخاذ عجل بھی حبط اعمال کا سبب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یعنی سامری اور اس کے متبعین نے موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد اپنے ان زیوروں سے جو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے عید یا شادی کے بہانہ سے مستعار لیے تھے بچھڑے کی ہیئت پر ایک بدن بلا روح کے بنا کر کھڑا کیا جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی یعنی جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ ایک قالب بلا روح تھا جس سے بچھڑے کی مانند آواز نکلتی تھی حیوان بھی نہ تھا بلکہ حیوان کے مشابہ تھا۔ ان نادانوں نے اس کو خدا بنا لیا۔ بنی اسرائیل کی ایک عید تھی انہوں نے قبطیوں سے چاندی اور سونے کے بہت سے زیورات مستعار مانگ لیے تھے مگر جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہو گئی تو جہاں بنی اسرائیل ان کی دیگر املاک کے وارث ہوئے تو ان کے زیوروں کے بھی وہی مالک اور وارث ہوئے بنی اسرائیل میں سامری نامی ایک شخص بڑا کاریگر تھا اس نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لے کر بچھڑے کا بت ڈھال لیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کی قدم کی خاک اس کو مل گئی تھی وہ اس نے اس کے شکم میں ڈال دی اس لیے اس میں بیل کی آواز پیدا ہو گئی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود یہ ہے کہ تم اس کو پوجو۔ چنانچہ سب اس کی پرستش کرنے لگے اس بچھڑے کے بدن کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بچھڑا بن گیا تھا اور اس کا دھڑ گوشت اور پوست والا ہو گیا تھا۔ اور اصل گائے کی طرح وہ جاندار بن گیا تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا جسم تو سونے اور چاندی کا تھا لیکن اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی اس کے منہ میں ہوا کی آمد و رفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۸۴ جلد ۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۲)

اور دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں ﴿وَهُوَ عَلٰى مَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ﴾

اب آئندہ آیت میں ان کی جہالت اور حماقت کو بتلاتے ہیں کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تحقیق یہ بچھڑا ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہ ان کو راہ دکھاتا ہے کہ راہ کی جگہ پر پہنچیں کیسے بے عقل ہیں کہ ایک مصنوعی دھڑ کو خدا بنا لیا اور بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنی عبادت کو بے محل رکھ دیا کسی چیز کو بے موقع رکھ دینا یہ ظلم ہے۔ لہٰذا بجائے خدا برحق کے بچھڑے پر اپنی عبادت کو رکھ دیا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا؟ اور جب وہ ہوش میں آئے اور اپنی حماقت پر متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر نادم اور پشیمان ہوئے گویا کہ ندامت اور پشیمانی ان کے ہاتھوں میں آ کر اس طرح گری کہ جیسے کوئی چیز سامنے ہو اور سمجھ گئے کہ تحقیق وہ اس حرکت سے گمراہ ہو گئے تب انہوں نے ندامت کے مارے یہ کہا کہ اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہم کو نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہ قول انہوں نے اس وقت کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اس جہالت اور حماقت پر ان کو ملامت کی تو عقل اور ہوش ٹھکانے آئے اور گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔ چنانچہ آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی اسی تنبیہ اور توبیخ اور غصہ کا ذکر فرماتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو غصہ اور افسوس میں بھرے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور ہی پر یہ خبر دے دی تھی کہ ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا کر گمراہ کر دیا ہے۔ اس لیے اس خبر کو سُن کر غصہ میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے لوٹے کہ میری قوم فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیسے بے عقل ہیں ایک بیل کو خدا بنا بیٹھے معاذ اللہ! معاذ اللہ! خدا تو بیل نہیں ہو سکتا۔ یہی بیل بن گئے ہیں تو غصہ سے کہا کہ تم نے میرے بعد میری بُری جانشینی کی کہ توحید کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی میں پڑ گئے کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم سے جلدی کی یعنی خدا کا حکم جو میں تمہارے پاس لانے والا تھا اس کا انتظار نہ کیا اور اس سے پہلے ہی گوسالہ کو اپنا معبود بنا بیٹھے اور اس کے غضب کے مستحق ہوئے اور یہ کہہ کر جوش غضب میں وہ تختیاں جن میں احکام الٰہی لکھے ہوئے تھے ایک طرف ڈال لیں اور یہ غصہ محض خدا کے لیے تھا۔ جب آ کر قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا تو دینی حمیت اور غیرت جوش میں آ گئی اور جلدی میں زور سے وہ تختیاں ایک طرف ڈال دیں یا ایک طرف رکھ دیں جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ ڈال رہا ہے ورنہ فی الحقیقت وہ تختیاں پھینکی نہ تھیں بلکہ عجلت میں ایک طرف رکھ دیں۔ غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم پر غصہ ہونے کے بعد تختیاں ایک طرف رکھ دیں اور اس کے بعد اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے تا کہ ان سے دارو گیر کریں کہ یہ گوسالہ پرستی کیسے ظہور میں آئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو گمان یہ ہوا کہ ہارون علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی تقصیر یا تساہل ہوا۔ اس لیے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے موسیٰ علیہ السلام چونکہ نشۂ توحید سے سرشار تھے اس لیے ان سے یہ شرک کا منظر برداشت نہ ہوا اور گمان یہ کیا کہ ہارون علیہ السلام نے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی اس لیے دارو گیر میں سختی کی اور یہ سختی بطور اہانت نہ تھی بلکہ اس گمان اور خیال کی بناء پر تھی کہ ہارون علیہ السلام نے ان کو بچھڑے کے پوجنے سے کیوں نہیں روکا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے! تم یہ خیال نہ کرو کہ میں نے وعظ اور نصیحت میں کوئی کمی کی میں نے ان کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر کچھ کارگر نہ ہوا وجہ اس کی یہ ہوئی کہ تحقیق ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا ان لوگوں کی نظر میں میری وہ وقعت اور ہیبت نہ تھی جو آپ کی تھی اور نہ آپ جیسا ان پر رعب تھا اور جب میں نے ان پر سختی کی تو قریب تھے کہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں کیونکہ میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ اور اصرار کیا کہ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے۔ اگر زیادہ سختی کرتا تو بالکل ہی مار

ڈالتے بہر حال میں نے اپنی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں کی ان لوگوں کو روکنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دی یہاں تک کہ میں مقہور اور مجبور ہو گیا۔ پس اے میرے بھائی! مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دو اور مجھ کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی سے میری تذلیل اور اہانت چاہتے تھے بلکہ میرے قتل کے درپے تھے۔ لہٰذا آپ میرے ساتھ ایسی سختی کا معاملہ نہ کیجیے کہ جس سے ان کی آرزو پوری ہو اور مجھے ان ظالموں کے زمرہ میں شمار نہ کیجیے میں ان سے بری اور بیزار ہوں یہ سُن کر موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ہارون علیہ السلام معذور اور بالکل بے قصور ہیں اور مجھ سے اپنے بھائی کو پکڑ کر کھینچنے میں اور الواح توریت کو ڈال دینے میں کوتاہی ہوئی۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں کہا: اے میرے پروردگار! مجھ سے جو بھول ہو گئی اور جوش ایمانی میں بھائی کے معاملہ میں یا توریت کے ادب اور احترام میں جو بے اعتدالی یا کوئی کوتاہی یا غلطی ہو گئی وہ مجھے معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما۔ اگر اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمی ہوئی ہے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما کہ آئندہ کو سہو اور غفلت سے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ ہو جائیں اور اپنی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہم کو تیرا غضب اور غصہ نہ پہنچے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں جو بھی رحم ہے وہ تیری ہی رحمت کا اثر ہے ؎

قطعہ

تو بر اہلِ سخا انعام کر دی
کہ بر بیچارگاں اکرام کردند
بہ ہر جا جوئے از رحمت روان است
زِ دریا ہائے جودت دام کردند

بھائی کو خوش کرنے کے لیے بھائی کو بھی دعائے مغفرت و رحمت میں شریک کیا تحقیق جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا اور اس کی محبت ان کے دلوں میں پلا دی گئی اور وہ برابر اس کی عبادت پر قائم ہیں اور گوسالہ پرستی سے توبہ نہیں کی عنقریب ان کو پہنچے گا ان کے رب کا غضب اور دنیا میں عظیم ذلت یعنی دنیا میں ان میں سے بہت سے قتل کیے جائیں گے اور بہت سے جلاوطن کیے جائیں گے جہاں جائیں گے ذلیل اور خوار ہو کر رہیں گے۔ اور کچھ انہیں کی خصوصیت نہیں۔ ہم اسی طرح افتراء پردازوں کو سزا دیا کرتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور ذلت بھی ان پر نازل ہوتی ہے اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے اور پھر بعد میں توبہ کی اگرچہ وہ کتنے ہی زمانہ بعد کی ہو اور صحیح طریقہ پر ایمان لے آئے تو اے توبہ کرنے والے بیشک تیرا پروردگار اس توبہ کے بعد البتہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ توبہ سے گزشتہ گناہ کو معاف کرتا ہے اور آئندہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھولتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ خاموش ہو گیا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا۔ جن کو ڈالا تھا اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کو ایک انسان ناطق کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب گوسالہ پرستی کو دیکھا تو ان کا غصہ جوش میں آ گیا اور ان کو یہ حکم دینے لگا کہ ان لوگوں پر سختی کی جائے لیکن ہارون علیہ السلام کی معذرت سے اور قوم کی توبہ سے غصہ خاموش ہوا تو ان تختیوں کو اٹھایا جن کو غصہ کی حالت میں ایک طرف ڈال دیا تھا معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بالکل زائل نہ ہوا تھا بلکہ خاموش ہو گیا تھا۔

فائدہ: ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تختیاں موسیٰ علیہ السلام نے ڈالی تھیں ان میں سے کوئی تختی نہ تو ٹوٹی اور نہ کوئی

آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ تختیاں ڈالنے کے وقت ٹوٹ گئی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمیٹ کر جمع کیا۔ واللہ اعلم۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۹ ج ۲ و روح البیان صفحہ ۲۴۹ ج ۳ و تفسیر قرطبی ص ۲۸۸ جلد ۷)

اور جو مضامین ان تختیوں میں لکھے ہوئے تھے ان میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ نسخۂ ہدایت سے شفاء اسی کو ہوتی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد لانے کو ہمارے وعدہ کے وقت پھر جب ان کو لرزے

الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا

نے پکڑا بولا اے رب! اگر تو چاہتا پہلے ہی ہلاک کرتا ان کو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرے گا

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاۗءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاۗءُ

ایک کام پر جو کیا ہمارے احمقوں نے؟ یہ سب تیرا آزمانا ہے۔ بچلاوے (بھٹکاوے) اس میں جس کو چاہے

وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

اور راہ دے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش ہم کو اور مہر کر ہم پر اور تو سب سے بہتر

الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا

بخشنے والا۔ اور لکھ دے ہمارے واسطے اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں ہم

هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ

رجوع ہوئے تیری طرف فرمایا میرا عذاب جو ہے سو ڈالتا ہوں جس پر چاہوں اور میری مہر

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

شامل ہے ہر چیز کو سو وہ لکھ دوں گا ان کو جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ

ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتیں یقین کرتے ہیں۔ وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے

الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ

اُمی جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنی پاس توریت اور

الْاِنْجِیْلِ ۫ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ

انجیل میں بتاتا ہے ان کو نیک کام اور منع کرتا ہے بُرے کام سے اور حلال کرتا ہے

لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ

ان کے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک اور اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے

وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ

اور پھانسیاں جو اُن پر تھیں۔ سو جو اس پر یقین لائے اور اس کی رفاقت کی اور

نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹ ۶ ۹

مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی پہنچے مراد کو۔

ذکر میقات توبہ ومعذرت از عبادت عجل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا ... الٰی ... اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوع میں میقات مناجاۃ وتکلیم کا ذکر کیا اور اس کے بعد گوسالہ پرستی کا قصہ ذکر کیا اب ان آیات میں میقات توبہ ومعذرت کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کو منتخب کیا کہ وہ کوہ طور پر حاضر ہوں اور عبادت عجل سے معذرت کریں جب یہ لوگ کوہ طور پر پہنچے تو ایک ابر نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ سب سے پہلے اس ابر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور قوم سے کہا کہ تم قریب آجاؤ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کلام اور پیغام سے ان کو خبردار کیا تو یہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) ہم کو تو یقین نہیں آتا کہ واقع میں خدا تم سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کہنے پر ان پر ایک بجلی گری جس سے سب مر کر رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ سب عذابِ الٰہی میں پکڑے گئے تو نہایت عاجزی سے ان کی رہائی کی درخواست کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ (تفسیر کبیر)

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو من جانب اللہ عطاء توریت کے لیے مقرر ہوا تھا۔ اور آیاتِ حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی کے بعد پیش آیا اور یہ میقات گوسالہ پرستی سے معذرت کے لیے مقرر ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اولاً میقات کلام کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد قصہ اتخاذ عجل ذکر کیا اور پھر گوسالہ پرستی کے واقعہ کے بعد یہ

قصہ ذکر کیا معلوم ہوا کہ یہ قصہ گزشتہ قصہ کے مغائر ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ یہ قصہ اور سورتوں میں بھی مذکور ہوا ہے اور اکثر و بیشتر ترتیب ذکری و بیانی میں باعتبار وقوع کے ترتیب زمانی بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

اور چونکہ یہ میقات عبادت عجل سے معذرت کے لیے مقرر ہوا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس میقات کو میقات التوبۃ و المعذرۃ کے نام سے موسوم کیا جائے اور پہلے میقات کو میقات کلام و مناجاۃ سے تعبیر کیا جائے تا کہ فرق واضح ہو جائے۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ واقعہ بھی میقات اوّل ہی کا ہے اور اسی کا بقیہ اور تتمہ ہے اور یہ قصہ اسی وقت کا ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لیے گئے تھے تو اسی وقت ستر لوگوں کو اس لیے اپنے ہمراہ لے گئے تھے کہ یہ بھی خدا کا کلام سنیں اور واپس آ کر بنی اسرائیل کے سامنے شہادت دیں مگر جب ان لوگوں نے وہاں جا کر یہ گستاخی کی کہ ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرہ:۵۵) کہا تو منجانب اللہ اُن کو ایک صاعقہ نے پکڑ لیا بعد میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معافی ہوئی اور سورۂ نساء کی یہ آیت ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ (النساء:۱۵۳) صراحتاً اس پر دلالت کرتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ میقات، گزشتہ میقات کے علاوہ اور مغائر ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر دیکھیں اور شیخ الاسلام ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور جو لوگ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس واقعہ کو گوسالہ پرستی کے بعد بتلاتے ہیں وہ آیت نساء کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ میں ﴿ثُمَّ﴾ ترتیب زمانی کے لیے نہیں بلکہ ترتیب رتبی یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لیے ہے کہ بے محابا اللہ کی رویت کی درخواست اگرچہ ظلم عظیم ہے لیکن فی حد ذاتہٖ دیدارِ خداوندی ممکن ہے محال نہیں مگر اتخاذ عجل تو اس درجہ قبیح اور شنیع ہے کہ جس کی کوئی حد اور انتہاء نہیں۔ اس لیے کہ شریک باری تو عقلاً ونقلاً محال اور ممتنع بالذات ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے مقررہ وقت پر لانے کے لیے ستر آدمی منتخب کیے تا کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جا کر گوسالہ پرستی سے توبہ کریں اور یہ ستر اشخاص وہ تھے جنہوں نے خود تو گوسالہ پرستی نہیں کی تھی لیکن گوسالہ پرستی [1] پر انکار بھی نہ کیا تھا اور نہ اُن سے علیحدگی اختیار کی۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی ''تا عذر گویند از عبادت گوسالہ ایں جماعت اگرچہ عبادت نکردہ بودند بر عبادت کنندگاں انکار ہم نکردند پس خدا تعالیٰ ہلاک ساخت'' واللہ اعلم (کذا فی فتح الرحمٰن)

اور وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ [2] سے یہ منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب الواح توریت لے کر آئے تو بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے یہ کہا

---

[1] قال ابن عباس انما اخذتهم الرّجفة لانهم لم ينهوا من عبدالعجل ولم يرضوا عبادته وقيل هٰؤلاء السبعون غير من ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۵ جلد ۷)

[2] قال ابوحيان اختلفوا فى هذا الميقات اهو ميقات المناجات و نزول التوراة اوغيره فقيل هو الاوّل بين فيه بعض ماجرى من احواله و روى هذا عن ابن عباس رضى الله عنهما وقيل هو ميقات آخر غير ميقات المناجاة ونزول التوراة فقال وهب بن منبّه رحمۃ اللہ تعالیٰ قال قال بنواسرائيل لموسٰى عليه السلام ان طائفة تزعم ان الله لايكلمك فخذ منا من يذهب معك ليسمعوا كلامهٗ فيؤمِنوا فاوحى الله تعالىٰ اليه ان يختار من قومه سبعين من خيارهم ثُمّ ارتق بهم الجبل انت و هارون عليه السلام واستخلف يوشع عليه السلام ففعل فلمّا سمعوا سألوا موسٰى عليه السلام ان يريهم الله جهرة فاخذتهم الرّجفة الى ان قال ابوحيان. والذى يظهر ان هٰذا الميقات غير ميقات موسٰى الّذى قيل فيه ﴿وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى . =

کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ الواح توریت اللہ تعالیٰ کی خطا فرمودہ ہیں۔ ہم آپ کی بات کا جب یقین کریں گے کہ جب آپ ہمارے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لے جائیں اور وہ خود جا کر اللہ کا کلام سُن لیں اور واپس آ کر گواہی دیں تب ہم یقین کریں گے۔ (دیکھو تفسیر البحر المحیط ص ۳۹۹ ج ۴ لابی حیان رحمۃ اللہ علیہ)

مطلب یہ ہے کہ توریت لانے کے بعد قوم نے مطالبہ کیا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم تمہاری بات کا اس وقت یقین کریں گے جب تم ہمارے منتخب آدمیوں کو لے جا کر اللہ کا کلام سناؤ جب وہ آ کر گواہی دیں گے تب ہم آپ کا یقین کریں گے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو کوہ طور پر لے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ کا کلام سنا تو اب اس میں یہ شاخسانہ نکالا کہ معلوم نہیں پس پردہ کون کلام کر رہا ہے ہم تو جب ایمان لائیں گے کہ جب خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: حاکیا عنھم... ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرہ:۵۵)۔ اس پر ایک زلزلہ آیا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ پس جب ان ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ڈرے کہ بنی اسرائیل مجھ پر تہمت لگائیں گے کہ اس نے لے جا کر مروا دیا۔ تو کہا: کہ اے میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھ کو یہاں آنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے اور بنی اسرائیل مجھ کو متہم نہ کرتے کیا تو ہم کو اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بے وقوف اور نادان ہیں ان کی خطاء معاف فرما دیجیے۔ نہیں ہے یہ واقعہ مگر آپ کی آزمائش اور امتحان۔ کہ آپ نے ان کو اپنا کلام سنایا جس سے وہ دیدار کی طمع میں پڑے اور دائرۂ ادب سے باہر نکل گئے یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے اپنی قدرت سے ان کی ایک خود ساختہ بچھڑے میں آواز پیدا کر دی جس سے یہ بے وقوف فتنہ میں مبتلا ہو گئے یہ آپ ہی کی طرف سے فتنہ اور امتحان تھا۔ اس قسم کے فتنہ اور امتحان سے آپ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں آپ کی مشیت اور حکمت کا کسی کو علم نہیں تو تو ہمارا آقا ہے پس تو ہماری خطا کو معاف کر اور ہم پر مہربانی کر اور تو سب معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والا ہے تو بغیر کسی غرض اور نفع کے محض اپنے فضل و کرم سے معاف کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دعا

﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾

یہ موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دُعا کا ذکر ہے پہلی دُعا دفع مضرت اور رفع مصیبت کے لیے تھی اور یہ دعا تحصیلِ منفعت کے لیے ہے جس میں دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست ہے اور اے اللہ اس دُعا کے ساتھ ایک دُعا یہ ہے کہ لکھ دے تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دستاویز اور قبالہ میری امت کے لیے لکھ دیجیے۔ مطلب یہ تھا کہ میری اُمت

= لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ یظاھر تغائر القصتین وما جری فِیھَا اذ فی تلك ان موسٰی کلمه الله وسأله الرؤیة واحاله فی الرؤیة علی تجلیه للجبل وثبوته فلم یثبت وصار وکاد صعق موسیٰ وفی ھٰذہٖ اختیر السبعون لمیقات اللهِ واخذتھم الرجفة ولم تأخذ موسٰی وللفصل الکثیر الَّذی بَین اجزاء الکلام لو کانت قصة واحدة۔ کذا فی البحر المحیط صفحہ ۳۹۹ ج اور ابوحیان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۳۰۶ ج ۴ کی مراجعت کریں۔

سب اُمتوں پر فائق رہے اس لیے کہ ہم تیری طرف رجوع ہوئے ہیں تجھ سے ہر خیر کے اُمیدوار ہیں۔

جوابِ خداوندی

حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا میرا عذاب جو ہے اس کو میں جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کرسکتا سب میری مِلک اور سب میرے غلام ہیں اور مالک کو اپنے ملک پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور میری رحمت اور مہربانی ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اللہ کی رحمت دنیا میں مومن اور کافر کو شامل ہے اگر اللہ کی یہ رحمت عامہ نہ ہوتی تو کوئی کافر و فاجر اور کوئی نافرمان زندہ نہ رہتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (الفاطر:۴۵)۔ اللہ کی اس رحمت عامہ سے مومن و کافر سب کو حصہ مل رہا ہے اور اس رحمت عامہ کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے اور اس رحمت عامہ میں سے آپ کی امت کو بھی حصہ مل چکا ہے یہ رحمتِ عامہ بلاسوال کے اور بلا استحقاق کے سب کو پہنچ رہی ہے۔

اے بدادہ رائیگاں صد چشم و گوش — نے زرشوت بخش کردہ عقل و ہوش
در عدم ما مستحقاں کے بدیم — کہ بدیں جان و بدیں دانش شدیم
ما نبودیم و تقاضا ما نبود — لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اور اس رحمت عامہ کے علاوہ خدا تعالیٰ کی ایک رحمت خاصہ بھی ہے جس کا خاصان خاص پر نزول ہوتا ہے اس رحمت خاصہ کے حصول کے لیے تین شرطیں ہیں تقویٰ اور ایتاء زکوٰۃ اور ایمان بالآیات یعنی اللہ کے تمام احکام کو ماننا جس میں یہ اوصاف مذکورہ پائے جائیں گے وہ اس رحمت خاصہ کا مستحق ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ اے موسیٰ علیہ السلام میری ایک رحمت تو عام ہے جس میں کوئی قید و شرط نہیں اس میں سے آپ کی قوم کو بھی حصہ مل رہا ہے اور میری ایک رحمتِ خاص ہے جو چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ پس البتہ میں اس رحمت خاصہ کو جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کو جامع ہو۔ جس کا آپ سوال کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو ① خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی ان کے قلوب خدا کی عظمت اور جلال سے لبریز ہیں اور ② زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں یعنی ان کے نفوس مال کی محبت سے پاک اور صاف ہو چکے ہیں ③ اور ہماری تمام آیتوں پر یقین رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بعض آیتوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ پس اس رحمت خاصہ اور کاملہ میں سے بنی اسرائیل میں سے اس شخص کو حصہ ملے گا جو متقی اور پرہیزگار ہو اور زکوٰۃ گزار ہو اور ایمان کامل رکھتا ہو۔ یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانتا ہو ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے بارے میں۔ نازل ہوئی رحمت خاصہ کے یہ شرائط تو ان لوگوں کے لیے ہیں جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہوں گے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ رحمت خاصہ ان لوگوں کے لیے ہوگی جو توریت اور انجیل کی پیشین گوئیوں کے مطابق اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔ اور اس کی مدد کریں گے ان کو اس رحمت خاصہ میں سے حصہ ملے گا۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۴۰۲ ج ۴)

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ رحمت خاصہ اور کاملہ جس کا آپ نے سوال کیا ہے میں اس رحمت خاصہ کو خاص متقیوں اور مومنوں کے لیے لکھوں گا اور اخیر زمانہ میں اس کا مصداق وہ لوگ ہوں گے جو صدق دل سے اس رسول کی پیروی کریں گے جو نبی اُمی ہے یعنی وہ نبی نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا جانتا ہے اور باوجود بے پڑھے لکھے ہونے کے علم و حکمت کے چشمے اس کی زبان سے جاری ہوں گے اور یہ اس

کی نبوت ورسالت کی دلیل ہوگی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ؎

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت بغمزہ مسئلہ آموز صدر مدرس شد

جس کو وہ یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جس رحمت خاصہ اور دینی اور دنیوی بھلائی کا تو خواستگار ہے۔ اخیر زمانہ میں اس رحمت خاصہ میں سے ان لوگوں کو حصہ ملے گا جو توریت اور انجیل کے پیش گوئیوں کے مطابق اس نبی امی کا اتباع کریں گے جس کے اوصاف وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھے ہوئے پائیں گے حالانکہ اس وقت تک انجیل نازل نہیں ہوئی تھی اشارہ اس طرف تھا کہ جب انجیل نازل ہوگی تو اس میں بھی آپ کا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور مخریق اور بحیرا راہب اور نسطورا راہب اور نجاشی شاہ حبشہ مع قسیین اور رہبان یہ سب انہی بشارات کی بناء پر مسلمان ہوئے اور ضفاطر رومی یعنی بشب روم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یہ کہہ کر مشرف باسلام ہوا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی توریب اور انجیل میں بشارت دی گئی۔ مگر رومیوں نے اس کو شہید کر دیا ہرقل شاہ روم نے بھی اس کی تصدیق کی مگر سلطنت کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا۔ مقوقس شاہ مصر نے بھی اس کا اقرار کیا اسلام تو نہیں لایا مگر ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ تحفے بھیجے اور وہ نبی اُمی ان کو ہر پسندیدہ کام کا حکم دے گا اور ہر ناپسندیدہ کام سے ان کو منع کرے گا۔ اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دے گا۔ مراد وہ پاکیزہ چیزیں ہیں جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی سزا میں توریت میں ان پر حرام کی گئی تھیں جیسے اُونٹ کا گوشت اور بھیڑ اور بکری اور گائے کی چربی اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کر دے گا۔ جیسے مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جیسے رشوت اور سود اور ان سے وہ بوجھ اور مشقتوں کے طوق دور کر دے گا جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان پر تھے جیسے توبہ میں جان کا مارنا اور قصاص کا واجب ہونا اور دیت کا ممنوع ہونا اور مال غنیمت کا جلا دینا مطلب یہ ہے کہ اگلی شریعتوں میں جو سختیاں تھیں انہیں دور کر دے گا۔ اور شریعت کو ان پر آسان اور ہلکا کر دے گا۔ پس جو لوگ اس نبی امی موصوف بصفات مذکورہ پر ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر اس کی مدد کریں گے اور اس نور ہدایت یعنی کلام الٰہی کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ آسمان سے زمین پر اتارا گیا ہے ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اخیر زمانے میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ایسے ہی لوگوں کو ملے گی۔ یہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا گروہ ہے جن کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی پہلے ہی سے مقدر ہو چکی تھی دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہوئی اور شام اور ایران کی سلطنتوں پر قابض ہوئے اور آخرت میں نجات اور مغفرت اور درجات عالیہ کی بشارتوں سے سرفراز کیے گئے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

لطائف ومعارف

① حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی تھی مراد یہ تھی کہ میری اُمت سب اُمتوں پر مقدم اور فائق رہے دنیا اور آخرت میں خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میرا عذاب اور میری رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے۔ لیکن وہ رحمت خاصہ جو تم طلب کر رہے ہو وہ ان لوگوں کے نصیب میں لکھی ہے جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں یا اپنے نفس کا

تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں یعنی آخری اُمت کو جو سب کتابوں پر ایمان لاوے گی سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لایا اس کو یہ نعمت پہنچی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ان کو لگی۔ انتہیٰ کلامہٗ بتوضیح یسیر۔ (منقول از تفسیر عثمانی)

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لیے جو مانگا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو عطا کر دیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۹۶ / ۲۹۷ ج ۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دُعا اپنی اُمت کے لیے مانگی تھی وہ ان کی اُمت کے حق میں قبول نہ ہوئی بلکہ بجائے ان کی اُمت کے اُمتِ محمدیہ کے حق میں قبول ہوگئی اور مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جس دنیا اور آخرت کی بھلائی کا تم سوال کر رہے ہو وہ اُمت محمدیہ کو ملے گی اور تمہاری یہ دعا خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر پوری ہوگی کہ وہ ولی کامل بھی ہوں گے اور بادشاہ عادل بھی ہوں گے اور ولایت آخرت کی نیکی ہے اور بادشاہت دنیا کی بھلائی ہے اور اس کے مجموعہ کا نام خلافت راشدہ ہے۔ اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں: کہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی اُمت کے لیے یہ دعا ایسی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا کی۔ ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ کہ اے اللہ! میری ذریت کو بھی امامت میں حصہ ملے تو حق تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا: ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری دُعا اور درخواست قبول ہے مگر اس منصب امامت کے حصول کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے ظالم اور فاسق کو یہ منصب نہیں ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ تم نے اپنی امت کے لیے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کی ہے وہ منظور ہے مگر اس رحمت خاصہ کے حصول کے لیے تقویٰ اور زکوٰۃ اور ایمان بال آیات شرط ہے۔ پس آپ کی امت میں سے جو اس رحمت خاصہ کے مورد اور محل بننا چاہتے ہیں وہ ان اوصاف مذکورہ کو اختیار کریں تا کہ اس رحمت خاصہ کے مستحق ہو جائیں جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا اسی درجہ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ رحمت کاملہ کا استحقاق اہل اطاعت کاملہ ہی کو ہے اس کے بعد یہ بتلایا کہ اخیر زمانہ میں جب نبوت محمدیہ کا دور دورہ ہوگا اس وقت اس رحمت کاملہ اور خاصہ کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو اس نبی اُمی فداہ نفسی وابی واُمی پر ایمان لائیں گے اور دل و جان سے اس کی مدد کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے اہل کتاب کو سنانے کے لیے یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ اس زمانے کے اہل کتاب اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اللہ کی رحمت خاصہ ان لوگوں کے واسطے جو نبی امی کا اتباع کریں گے خواہ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا غیروں سے ہوں۔

② آیت ﴿الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس نبی آخر الزمان کا عہد مبارک پائیں ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں تا کہ ان کو رحمت خاصہ میں سے بقدر ایمان اور تقویٰ کے حصہ مل جائے۔

③ اس آیت میں اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نو وصف تو صراحتاً ذکر کیے اور ایک وصف ضمناً ذکر فرمایا یعنی اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب نازل ہوگی جو نور ہدایت ہوگی اور رہروانِ آخرت کے لیے مشعل ہوگی مطلب یہ ہے کہ اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے ایک

کتاب نازل ہوگی جسے وہ پڑھ کر سنائے گا توریت کی طرح لکھی ہوئی کتاب اس کو عطاء نہ ہوگی۔ اور وہ نو صفتیں یہ ہیں:

① وہ رسول ہوگا۔ ② وہ نبی ہوگا۔

③ وہ اُمی ہوگا یعنی نوشت وخواند سے ناواقف ہوگا مگر علم اور حکمت کا چشمہ اس کی زبان سے جاری ہوگا۔ اور یہ اس کی نبوت کی بڑی دلیل ہوگی ورنہ مخالفین کو یہ گنجائش ہوتی کہ وہ یہ کہتے کہ آپ کتب سابقہ کو دیکھ کر اگلے زمانے کے حالات بیان کرتے ہیں اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے صحیفوں کی مدد سے آپ اپنے دین کے قواعد اور احکام مرتب کرتے ہیں سو سزاوار رحمت خاصہ وہی لوگ ہوں گے جو اس نبی امی کا اتباع کریں گے۔

④ علماء یہود اور نصاریٰ اس نبی اُمی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ توریت اور انجیل میں آپ کی بالتفصیل صفات مذکور تھیں اور اس وقت کے یہود اور نصاریٰ ان مضامین سے واقف تھے اور اگر یہ مضامین توریت وانجیل میں موجود نہ ہوتے تو تمام یہود اور نصاریٰ شور مچاتے اور قرآن کریم کی اس قسم کی آیتوں کی تکذیب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ سراسر افتراء ہے اور یہ شخص کذاب اور مفتری ہے توریت وانجیل میں کہیں بھی آپ کا ذکر نہیں اور جن مجلسوں میں ﴿النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ﴾ جیسی آیتوں کی تلاوت کی جاتی۔ وہاں جا کر علماء اہل کتاب کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود و نصاریٰ مشرکین مکہ کو جو آپ کے دشمن خاص تھے اس سے آگاہ کرتے۔ نیز آپ کا علماء یہود و نصاریٰ کے مدارس میں جا کر تحدّی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں جس کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا جزم اور یقین تھا۔ چنانچہ بہت سے علماء یہود اور علماء نصاریٰ اور بہت سے راہب اور عابد وزاہد اسی بناء پر ایمان لائے جیسے شاہِ حبشہ اور جو ایمان نہیں لائے جیسے ہرقل شاہِ روم وغیرہ سو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے۔

حق یہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کا ذکر موجود تھا مگر معاندین نے ان میں تحریف کر دی اور اس قسم کی تمام عبارتیں توریت اور انجیل سے نکال دیں اگرچہ اب بھی بعض اناجیل قدیمہ میں فارقلیط کا لفظ موجود ہے جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی بشارات کے متعلق اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے اہل علم اس کو دیکھیں جو چھپ چکا ہے۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں ؎

بود در انجیل نام مصطفیٰ — واں سرِ پیغمبراں بحرِ صفا
بود ذکر حلیہا و شکل او — بود ذکر غزو صوم و اکل او
طائفہ نصرانیاں بہرِ ثواب — چوں رسیدندے بداں نام وخطاب
بوسہ دادندے بداں نام شریف — رونہا دندے بداں وصفِ لطیف

⑤ پانچویں صفت آپ ﷺ کی یہ بیان کی کہ آپ ﷺ لوگوں کو تمام نیک باتوں کا حکم دیں گے۔

⑥ چھٹی صفت آپ ﷺ کی یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ لوگوں کو تمام بُری باتوں سے منع کریں گے۔ یہ دونوں صفتیں اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہیں مگر علی وجہ الکمال آپ میں پائی جائیں گی۔ آپ ﷺ کی تعلیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام

جزئیات کو حاوی ہوگی۔

⑦ ساتویں صفت آپ ﷺ کی یہ بیان کی کہ آپ ﷺ لوگوں کے لیے پاکیزہ اور ستھری چیزوں کو حلال کریں گے جس سے انسانی طبیعت کراہت اور نفرت نہیں کرتی بلکہ انسان کے لیے موجب لذت اور منفعت ہے اگرچہ مشرکین نے اپنی جہالت سے ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔

⑧ اور آٹھویں صفت آپ ﷺ کی یہ فرمائی کہ وہ نبی گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا۔ جن کے استعمال میں سراسر مضرت اور نقصان ہے جیسے مُردار اور خنزیر اور قمار اور شراب وغیرہ اگرچہ مشرکوں نے اپنی جہالت سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر رکھا ہے۔

⑨ اور نویں صفت آپ ﷺ کی یہ بیان فرمائی کہ آپ ﷺ یہودیوں پر سے ان کے بوجھ اتاریں گے اور ان کے طوقوں کو دور کریں گے یعنی ان کی شریعت میں جو سخت احکام جو ان کی پیٹھوں پر بمنزلہ بھاری بوجھوں کے تھے اور گلوں میں بمنزلہ طوقوں اور پھندوں کے تھے ان کو منسوخ کر کے ان کی جگہ سہل احکام دیں گے یعنی اس کی شریعت سہل اور آسان ہوگی۔

۱۔ مثلاً توریت میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر تم سے گناہ ہو جائے تو اس کی توبہ قتل ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو اسلام میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ توبہ کے لیے گزشتہ گناہ پر ندامت اور شرمساری اور آئندہ کے لیے یہ عزم کہ اب یہ کام نہیں کروں گا توبہ کے لیے فقط اتنا کافی ہے۔

۲۔ توریت میں یہ حکم تھا کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو جتنا ناپاک ہوا ہے اتنے کو قینچی سے کاٹ ڈالا جائے۔ یہ حکم اسلام میں منسوخ ہو گیا اور کپڑے کا پانی سے دھونا کافی قرار دیا گیا۔

۳۔ توریت میں قصاص فرض تھا اور دیت حرام تھی اسلام نے اس کی جگہ یہ حکم دیا کہ اگر ورثہ قصاص معاف کر دیں اور اس کی جگہ دیت پر راضی ہو جائیں تو پھر قصاص ضروری نہیں۔

۴۔ توریت میں حکم تھا کہ ہفتہ کے دن دنیا کا کوئی کاروبار نہ کرو۔ اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا۔

۵۔ توریت میں حکم تھا کہ کنایس (یعنی مسجد اور معبد) سے باہر نماز نہ پڑھو اسلام نے اس کی جگہ حکم دیا کہ نماز ہر جگہ صحیح ہے۔

⑩ دسویں صفت اس نبی اُمی ﷺ کی یہ بیان کی کہ اس نبی پہ ایک نورِ ہدایت یعنی قرآن نازل ہوگا جو اس کا اتباع کرے گا وہ فلاح پائے گا اور ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ میں اسی صفت کے ساتھ اشارہ ہے اور توریت سفر پنجم باب ۱۸ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا....الخ

اس آخری جملہ میں قرآن کریم کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مطلب بالاختصار یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ اے پروردگار ملاء اعلیٰ میں میری اُمت کے لیے دنیا اور آخرت کی نیکی مقدر کر دے۔ رب الارباب سے جواب ملا یہود ایک حال پر نہ رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض کو میرا عذاب پہنچے گا۔ اور یہ وہ لوگ تھے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ﴾ (بنی اسرائیل: ۴)

اور بعض رحمت الٰہی کے مورد ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (المائدہ:۲۱)

پھر فرمایا: ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾

یعنی پس ان لوگوں کے لیے میں دنیا اور آخرت کی نیکی لکھ دوں گا جن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہوں گے زکوٰۃ دیں گے اور اس کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے۔

پس ان آیات سے مفہوم ہوا کہ یہ لوگ جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہوں زمانۂ آئندہ میں پیدا ہونے والے تھے دنیا میں فتح ونصرت حاصل ہو اور دیگر سلطنتیں ان کی مطیع اور باجگزار ہوں اور آخرت میں نجات اور مغفرت حاصل ہو اور درجات اور مناصبِ عالیہ ان کو حاصل ہوں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خصوصاً یہ وہ لوگ ہوں گے جو نبی امی کے تابعدار ہوں گے جس کی تعریف وتوصیف کتب الٰہیہ میں پائی گئی اور انبیاء سابقین نے ان کی بعثت کی خبر دی جس سے کافۂ انام پر حجت پوری ہوئی اور منکرین عنداللہ معذور نہ رہے اور کتبِ الٰہیہ میں اللہ نے جو آنحضرت ﷺ کی تعریف کی وہ یہ ہے کہ وہ نبی امّی ﷺ نیکی کا حکم کرے گا اور برائی سے منع کرے گا۔ تمام پاک چیزیں حلال کرے گا اور خبائث حرام کرے گا اور ان کے سر سے بارگراں اور گردن سے ان کے طوق اتار دے گا یعنی شرائع شاقہ کو منسوخ کردے گا اور ملت حنفیہ اور شریعت سہلہ کو جاری کرے گا۔ پس آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کمال رأفت ورحمتِ الٰہیہ ہے۔

ان آیات میں ضمناً اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اتباع کرنے والوں کی اور آپ کے اعوان وانصار کی مدح فرمائی اور ان کی صلاح کونین اور فلاح دارین کی خبر دی ہے اور شک نہیں کہ خلفاء راشدین آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور جان ومال سے آپ کی مدد کی۔ پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تازیست اسی طرح ساعی اور کوشاں رہے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔ وہذا ہوالمقصود (ازالۃ الخفاء)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس دعاء موسوی کا ظہور خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس رحمت خاصہ کے مورد بنے اور یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ کتب الٰہیہ میں اس نبی اُمّی کے تابعداروں اور مددگاروں کی جو تعریف وتوصیف کی گئی اس کا مصداق صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ جن کو دنیا کی نیکی تو یہ ملی کہ فتح ونصرت ہوئی اور دنیا کی سلطنتیں اور ریاستیں ان کی باجگزار بنیں اور آخرت کی نیکی یہ ملی کہ خوشنودی اور رضاء خداوندی اور جنت اور مغفرت اور قسم قسم کی عزت وکرامت کا پروانہ ان کو دنیا ہی میں مل گیا اور اخیر آیات میں مہاجرین اور انصار کی خاص طور پر مدح فرمائی: ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ اور ان کے صلاح اور فلاح دارین کی خبر دی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا نِ الَّذِيْ لَهٗ

تو کہہ لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا

حکومت ہے آسمان اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے جلاتا ہے اور مارتا ہے سو مانو

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ

اللہ کو اور اس کے بھیجے نبی اُمّی کو جو یقین کرتا ہے اللہ پر اور اس کے سب کلام پر اور اس کے تابع ہو

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

شاید تم راہ پاؤ۔

ذکر عموم بعثت نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ... الٰى ... لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر تھا اور یہ بتلایا تھا کہ ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ... الخ﴾ میں متقین کے لیے جس رحمتِ خاصہ کا وعدہ ہے وہ ان متقین کے لیے مخصوص ہے کہ جو اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوں جس کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اب اس آیت میں اس نبی اُمی کی عموم بعثت کا ذکر ہے کہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہوگی یعنی تمام عالم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور رسول ہوں گے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح آپ کی بعثت کسی قوم اور قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سب پر لازم ہوگی اہل کتاب میں سے جو شخص اس رحمت خاصہ میں شامل ہونا چاہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اس کو چاہیے کہ اس رسول برحق پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ بغیر آپ کے نور کے اتباع کیے فلاح نہیں پا سکتا۔ نیز آئندہ آیات میں یہ بتلانا ہے کہ اس پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت اگرچہ توریت اور انجیل میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ نبی اُمی ہوگا مگر اس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فقط اُمیین یعنی عرب کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے بلکہ اس کی بعثت کل عالم کی طرف ہوگی۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری خبر پا کر مجھ پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ (رواہ مسلم)

اے نبی اُمی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے علی العموم اور علی الاعلان یہ کہہ دیجیے کہ اے دنیائے جہان کے لوگو! تحقیق میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں بخلاف پہلے پیغمبروں کے کہ وہ کسی خاص فرقہ یا خاص اُمت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام مخلوق اور کافۃ الناس کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم۔ روم ہوں یا فارس چینی ہوں یا ہندی غرض یہ کہ میری بعثت تمام دنیا کے لیے ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عنایت کی ہیں جو

کسی اور نبی کو عنایت نہیں فرمائیں۔

① ہر نبی خاص اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تھا مجھ کو اللہ نے ہر سیاہ و سفید یعنی عرب و عجم کے لیے بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

② مجھ پر نبوت ختم ہوگئی یعنی میرے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام جو اخیر زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے ان کو منصب نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سو سال پہلے مل چکا ہے ان کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں۔

③ مجھ کو شفاعت کا مقام عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اوّلین اور آخرین کے لیے شفاعت کروں گا۔

④ میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں کی گئیں۔

⑤ تمام روئے زمین میرے لیے پاک اور موضع صلاۃ قرار دے دی گئی میری اُمت کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے۔

⑥ ایک مہینہ کے راہ کے فاصلہ پر میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا۔

⑦ اور مجھ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے جامع کلمات کہ جن کے لفظ تو بہت تھوڑے اور معنی بہت یہ مضمون بخاری اور مسلم کی روایتوں سے ثابت ہے غرض یہ کہ میری بعثت تمام جہان کے لیے ہے میں تم سب کی طرف اس خدائے برحق کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ جس کے لیے آسمان اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ پس اے لوگو! ایمان لاؤ اس خدا پر جس کی صفت تم نے سن لی اور نیز ایمان لاؤ اس کے اُس رسول پر جو نبی اُمی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور بے چون و چرا اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور فرمانبرداری کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ معلوم ہوا کہ جو نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہ کرے وہ گمراہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہدایت اور فلاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر فرما دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں اسی نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کیے تھے اب ان آیات میں اس نبی کے اتباع اور پیروی کا حکم دیا کہ بغیر اس کے اتباع کے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک فرقہ راہ بتاتے ہیں حق کی اور اسی پر انصاف کرتے ہیں اور بانٹ کر ان کو ہم نے کیا

اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ

کئی فرقے، بارہ دادوں کے پوتے اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اس سے

قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

اس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ

عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَ

چشمے پہچان لیا ہر ایک لوگوں نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور

اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ

اتارا ان پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو اور

مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَ اِذْ قِيْلَ لَهُمُ

ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا بُرا کرتے رہے۔ اور جب حکم ہوا ان کو کہ

اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَ كُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَ قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّ

بسو اس شہر میں اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہو گناہ اترے اور

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

پیٹھو (داخل ہو) دروازے میں سجدہ کرتے تو بخشیں ہم تمہاری تقصیریں آگے اور (بہت) دیں گے نیکی والوں کو

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا

سو بدل لیا بے انصافوں نے اُن میں سے اورلفظ سوا اس کے جو کہہ دیا تھا پھر بھیجا ہم نے

عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۰ ۵ ۱۰

ان پر عذاب آسمان سے بدلہ ان کی شرارت کا۔

ذکر احوال بنی اسرائیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ ... الٰى ... بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ ع﴾

ربط: اوپر سے سلسلۂ کلام موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں چلا آ رہا ہے اب یہ بتاتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں اب بھی بعضے لوگ خدا پرست اور انصاف دوست ہیں جو لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی نبی اُمّی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے اور ایسے ہی حق پرست اس رحمت خاصہ میں داخل ہوئے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ﴿وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ میں دعا کی تھی اور انہی اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ظالم اور سرکش بھی ہیں باوجودیکہ ان پر اللہ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے مگر پھر بھی دن بدن نافرمانیاں اور سرکشیاں ہی کرتے رہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور اسی حق کے ساتھ انصاف کرتا ہے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں پر بانٹ دیا گروہ گروہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی نسل کو سِبط کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ایک دادا کی اولاد پر تقسیم کر دیا جس سے ان کے بارہ گروہ ہو گئے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف جب ان کی قوم نے جنگل میں ان سے پانی مانگا کہ اے موسیٰ علیہ السلام تو اپنی لاٹھی کو پتھر پر مار۔ پس ان کے مارتے ہی اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے کیونکہ بارہ ہی سِبط تھے۔ اس لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے ہر سبط کے لیے علیحدہ علیحدہ چشمہ متعین ہو گیا۔ سب آدمیوں نے یعنی ہر سبط نے اپنا جدا جدا گھاٹ معلوم کر لیا۔ ایک سبط دوسرے سبط کے گھاٹ سے پانی نہیں لیتا تھا اور ایک انعام ہم نے ان پر یہ کیا کہ جنگل میں ابر کو ان پر سائبان بنا دیا تا کہ بنی اسرائیل کو آفتاب کی گرمی کی تکلیف نہ ہو۔ اور ایک انعام ان پر یہ کیا کہ خزانۂ غیب سے ان پر من وسلویٰ اتارا۔ ''من'' ترنجبین کے مانند ایک میٹھی چیز تھی اور ''سلویٰ'' مرغ اور بٹیر کی مانند کوئی جانور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے یہ کھانا اتارا جن میں سے ایک شیریں اور دوسرا نمکین تھا اور اُن سے یہ کہہ دیا کہ جو پاکیزہ روزی ہم نے محض اپنی عنایت سے بلا سبب ظاہری کے تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو اور ذخیرہ نہ کرو اور ان لوگوں نے ذخیرہ کر کے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن ذخیرہ کر کے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے نافرمانی کر کے اپنا ہی نقصان کیا اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا کہ اس بستی یعنی بیت المقدس یا اریحاء میں جا کر رہو اور اس کے پھلوں اور کھیتی اور پیداوار کھاؤ جہاں سے چاہو جتنی رغبت ہو کھاؤ کوئی پابندی نہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اس شہر میں جانے لگو تو زبان سے لفظ حِطَّةٌ کہو۔ یعنی اے اللہ! ہماری درخواست حِطَّۃٌ ذنوب اور وضع معاصی ہے۔ یعنی اے اللہ! ہمارے کاندھوں سے گناہوں کا بوجھ اتار دے اور اس شہر کے دروازے میں تواضع اور عاجزی کے ساتھ جھکے جھکے داخل ہونا تو ہم تمہاری اس توبہ اور نیازمندی کی بناء پر تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور جو تم میں سے نیکوکار اور مخلص ہیں ان کو مزید انعام اور ثواب سے نوازیں گے۔ پس جو ان میں سے ظالم اور سرکش تھے وہاں پہنچ کر سرکشی کرنے لگے اور جو قول اور لفظ ان کو بتلایا گیا اس کو دوسرے قول سے بدل دیا۔ جو اس کے بالکل برعکس تھا یعنی انہوں نے بجائے حِطَّۃٌ کے ''حنطة فی شعرة'' کہا جس کے معنی ہیں کہ بالوں میں گیہوں دے اور بجائے سجدہ کرنے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔ پس اس سرکشی کی سزا میں ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا یعنی طاعون آیا یا کوئی اور عذاب آیا جس سے ایک وقت میں ستّر ہزار آدمی مر گئے اس لیے کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے یعنی ان کا قول اور فعل سب بے محل تھا۔ اس لیے آسمان سے ان پر بلا نازل ہوئی اور برمحل نازل ہوئی یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور پوچھ ان سے احوال اس بستی کا کہ تھی کنارے دریا کے جب حد سے بڑھنے لگے

فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا

يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

ہفتہ نہ ہو نہ آویں یوں ہم آزمانے لگے ان کو اس واسطے کہ بے حکم تھے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ

اور جب بولا ایک فرقہ ان میں کیوں نصیحت کرتے ہو ایک لوگوں کو کہ اللہ چاہتا ہے ان کو ہلاک کرے یا

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ

ان کو عذاب کرے سخت؟ بولے الزام اتارنے کو تمہارے رب کے آگے اور شاید وہ

يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ

ڈریں۔ پھر جب بھول گئے جو ان کو سمجھایا تھا۔ بچا لیا ہم نے جو منع کرتے تھے بُرے کام سے

وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں بدلہ ان کی بے حکمی کا۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

پھر جب بڑھنے لگے جس کام سے منع ہوا تھا، ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر پھٹکارے۔

قصۂ اصحاب سبت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ ...الیٰ... كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بیان کیا اب ان آیات میں بنی اسرائیل کے آباء واجداد کی کفرانِ نعمت اور ان کی سرکشی اور تمرد کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو یہود کو بخوبی معلوم ہے جس سے غرض یہ بتانا ہے کہ احکامِ خداوندی سے دیدہ ودانستہ انحراف ان کی جبلی اور آبائی خصلت ہے جس کی ہمیشہ ان کو سزا ملتی رہی اور اسی وجہ سے ان کو بندر بنایا گیا اور انسانی صورت سے حیوانی صورت میں مسخ کیے گئے جو انتہائی ذلت ہے اور عبرتناک سزا ہے اور یہ قصہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا منع تھا اس وقت ان میں تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ کہ جو نافرمانی کرتے تھے دوسرے وہ کہ جو خود نافرمانی نہیں کرتے تھے مگر دوسروں کو منع بھی نہ کرتے تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو خود بھی نافرمانی نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو نافرمانی کرنے سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ منع کرنے والوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا اور بستی کے درمیان ایک دیوار بھی قائم کر دی

تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان بستی والوں کے حال سے خبر دی کہ کس گروہ پر عذاب آیا اور کس گروہ نے عذابِ الٰہی سے نجات پائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپ ﷺ ان ظالم یہودیوں سے جو اپنے ظلم اور فسق کے منکر ہیں بطور تہدید و توبیخ اس شہر کا حال پوچھئے کہ جو دریا کے روبرو تھا اس شہر کا نام اَیلَہ تھا جو بحرِ قلزم کے کنارہ پر واقع تھا ان پر ہفتہ کی دن کی تعظیم فرض تھی اور اس دن مچھلیوں کا شکار ان پر حرام تھا۔ ان کو یہ حکم تھا کہ اس دن دنیا کے کاموں میں مشغول نہ رہیں۔ مگر ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی اور داؤد علیہ السلام کی زبان پر ملعون اور بندر اور لنگور بنے اور ﴿وَسْـَٔلْهُمْ﴾ میں جو استفہام کا حکم دیا گیا وہ بغرض حصول علم نہیں بلکہ اس سے مقصود یہودیوں کو ملامت اور سرزنش کرنا ہے۔ اور اُن کے تمرد اور سرکشی کے ایک واقعہ کو یاد دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم ﷺ! آپ ان یہود بے بہبود سے جن میں ظلم اور فسق پشت ہا پشت سے چلا آ رہا ہے۔

اس بستی والوں کا حال پوچھئے جو کہ سمندر کے کنارہ پر تھی کہ جب وہ ہفتہ کے بارہ میں حد سے تجاوز کرنے لگے یعنی ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی ان لوگوں نے اس کی حرمت کو توڑ ڈالا جبکہ آتی تھیں اُن کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن جس دن انہیں مچھلی کا شکار منع تھا۔ اُسی دن مچھلیاں آتیں ظاہر ہو کر کہ پانی کے اوپر اپنا سر اٹھائے ہوئے۔ تا کہ وہ ان کو دیکھ کر للچائیں اور جس دن ہفتہ نہ ہو اس دن نہیں آتی تھیں یوں ہی ہم ان کا امتحان لینے لگے کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں آتیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو مچھلی کی صورت بھی نظر نہ آتی اس لیے یہ لوگ نافرمان تھے۔ یعنی چونکہ یہ لوگ نافرمانی کے عادی ہو گئے تھے اس لیے ہم نے ان کا امتحان لیا۔ تا کہ حجت پوری ہو جائے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں بکثرت پانی پر ظاہر ہوتیں اور ہفتہ کے بعد غائب ہو جاتیں یہ دیکھ کر صبر کرنا مشکل ہوا اور سوچا کہ ہفتہ کے دن کہ جب مچھلیاں پانی پر ظاہر ہو جاتی ہیں اس دن شکار کرنا ممنوع ہے اس لیے متردد ہوئے اور حیران ہو کر یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے حوض بنا دیئے اور سمندر سے حوضوں میں پانی آنے کے لیے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دیں جب ہفتہ کی صبح ہوتی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سمندر کا پانی اُن حوضوں میں بھر لیتے پانی کے ساتھ بے شمار مچھلیاں بھی اُن حوضوں میں جمع ہو جاتیں شام کو حوضوں کا منہ بند کر کے نالیوں کا سلسلہ ان سے منقطع کر دیتے تا کہ مچھلیاں پھر نہ سمندر میں چلی جائیں۔ دوسرے دن جب اتوار آتا تو ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے اور تاویل یہ کرتے کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار نہیں کیا۔

قاعدہ ہے کہ بستی کے تمام آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ اس بستی کے آدمی بھی تین فریق ہو گئے ایک فریق تو وہ کہ جو ہفتہ کے دن شکار کرتا تھا۔ دوسرا فریق وہ کہ جو ان کو اس بُرے عمل سے منع کرتا تھا حتیٰ کہ جب وہ نہ مانے تو شہر کے اندر دیوار قائم کر کے اپنا ٹکڑا الگ کر لیا۔ تیسرا فریق وہ کہ جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بستی والوں کے ایک گروہ نے جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا اس گروہ سے جو اوروں کو شکار کرنے سے منع کرتا تھا نا اُمید ہو کر یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جن پر تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا اگر بالکلیہ ان کو ہلاک نہ کیا تو ان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ تو منع کرنے والے گروہ نے کہا کہ ہمارا یہ نصیحت کرنا پروردگار کے سامنے عذر کرنے کے لیے ہے کہ پروردگار نے ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا ہے سو ہم اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے روبرو یہ کہہ سکیں کہ اے پروردگار ہم معذور ہیں اور شاید وہ کسی وقت اس فعل سے باز آ جائیں اور ہماری نصیحت کا اثر آئندہ کسی وقت میں ظاہر ہو کر وہ خدا سے ڈر جائیں اور گناہ کو چھوڑ دیں۔ مگر وہ کب باز آنے

والے تھے پس بال آخر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ان کو بُرے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پس جب انہوں نے سرکشی کی اور جس بات کی ان کو ممانعت کی گئی تھی اس میں حد سے بڑھ گئے۔ یعنی مچھلی کے شکار کو نہ چھوڑا تو ہم نے از راہ قہر و غضب ان کے لیے حکم دے دیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل چنانچہ وہ بندر اور لنگور بن گئے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے در منشور میں روایتیں نقل کی ہیں کہ تین دن کے بعد یہ سب بندر مر گئے اور ان کی نسل نہیں چلی۔

ان آیات کے ظاہری سیاق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں اور فاسقوں کو اولاً کسی عذاب بئیس (عذاب شدید) میں پکڑا تا کہ متنبہ ہو جائیں اور باز آ جائیں مگر جب یہ دلیر ہو گئے اور سرکشی میں حد سے نکل گئے تو ان کو بندر بنا دیا گیا۔ سو یہ عذاب مسخ اس عذاب بئیس کے علاوہ ہے جس کا پہلی آیت میں ذکر ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے اور گزشتہ آیت میں جو عذاب بئیس کا ذکر تھا اس سے یہی عذاب مسخ مُراد ہے۔

لطائف و معارف

① اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے۔ البتہ اگر ناصح بالکل مایوس ہو جائے اور اس کو نصیحت کے اثر کی اُمید نہ رہے تو پھر نصیحت واجب نہیں رہتی مگر عزیمت اور فضیلت اسی میں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری رکھا جائے اس زمانے میں جو لوگ بے باک لوگوں اور آزاد منشوں کے ساتھ خلا ملا رکھتے ہیں ان کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

② جو لوگ ڈارونؒ کی تھیوری پر بلا دلیل ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اصل مین بندر تھا ترقی کر کے انسان بن گیا ان کے سامنے جب خدا کے نافرمانوں اور سرکشوں کے بندر بنائے جانے کی خبر دی جاتی ہے تو اُن کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحب آپ کے نزدیک جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو انسان تنزلی کر کے بندر بھی بن سکتا ہے خاص کر آپ کے نزدیک کہ جب انسان کی اصل ہی بندر ہے تو شے کا اپنے اصل کی طرف لوٹ جانا کیوں محال ہے۔ جس دلیل سے حیوان کا انسان بننا ممکن ہے اسی دلیل سے انسان کا حیوان بننا بھی ممکن ہے دلیل بیان کیجیے کہ کس دلیل سے انسان کا بندر بن جانا عقلاً محال ہے۔ کوئی عقلی دلیل پیش کیجیے یا کسی زمانہ کا تجربہ اور مشاہدہ پیش کیجیے کہ فلاں زمانے میں اتنے بندر انسان بنے تھے۔

کہ برہاں قوی باید و معنوی زرگہائے گردن نہ حجت قوی

اور مسخ کی تحقیق سورۂ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں یعنی ﴿قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵﴾ (البقرہ) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

③ اس آیت میں حق جل شانہٗ نے ظالمین کے عذاب اور واعظین اور ناصحین کی نجات کا ذکر فرمایا مگر جو لوگ از اوّل تا آخر ساکت رہے حق تعالیٰ نے ان کے ذکر سے سکوت فرمایا نہ ان کے عذاب کا ذکر کیا نہ ان کی نجات کا ذکر کیا اس لیے کہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے یہ ساکتین کا گروہ نہ مستحق مدح کا ہوا کہ ان کی مدح کی جاتی اور نہ مرتکب نہی کا ہوا جو ان کی مذمت کی جاتی۔ اس لیے علماء نے اختلاف کیا کہ ساکتین کا گروہ ناجین (نجات پانے والوں میں) رہا یا ہالکین اور معذبین میں رہا۔ اس لیے ادب کا مقتضا یہ ہے کہ

جس کے ذکر سے حق تعالیٰ نے سکوت کیا ہم بھی اس کی ذکر سے سکوت کریں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۸ ج ۲)

④ واعظین نے اپنے اور سرکشوں کے درمیان شہر میں ایک دیوار قائم کر لی تھی جس سے شہر اس طرح تقسیم ہو گیا تھا مگر اس درمیانی دیوار میں آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ کھول لیا تھا۔ جو رات کے وقت بند کر دیا جاتا تھا جس رات کو نافرمان لوگ ذلیل و خوار بندر بنا دیئے گئے تو وہ دروازہ بند تھا صبح ہوئی تو دوسری جانب سے کوئی آواز نہ آئی صالحین نے ایک شخص کو دیوار پر چڑھایا۔ دیکھا تو دم دار بندر بنے ہوئے ہیں۔ پس جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو یہ لوگ تو اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں پہچانتے تھے مگر وہ بندر اپنے اہل قرابت کو پہچان کر آتے اور ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے اور یہ لوگ کہتے کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو سر ہلاتے کہ ہاں بیشک تم نے منع کیا تھا۔ بالآخر تین روز کے بعد سب ہلاک ہو گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۶ ج ۷)

⑤ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین فرقے تھے ایک ظالمین اور فاسقین کا یعنی نافرمانوں کا۔ دوسرا واعظین اور ناصحین کا اور تیسرا ساکتین کا' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ جو فرقہ ساکت رہا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ہلاک نہیں ہوا کیونکہ اس نے ان نافرمانوں کے فسق اور معصیت کو برا جانا اور ان کی مخالفت کی اور اسی وجہ سے یہ کہا ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا... الخ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عکرمہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول پسند آیا اور خوش ہو کر ان کو ایک خلعت پہنایا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ سے اور ﴿وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ﴾ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف فرقۂ عادیہ اور عاصیہ ہلاک ہوا۔ باقی دو فرقے ہلاک نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۷ ج ۷)

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ

اور وہ وقت یاد کر کہ خبر دی تیرے رب نے' البتہ کھڑا رکھے گا یہود پر قیامت کے دن تک کوئی شخص کہ دیا کرے ان کو

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

بُری مار۔ تیرا رب شتاب سزا دیتا ہے اور وہ بخشتا بھی ہے مہربان۔

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ

اور متفرق کیا ہم نے ان کو ملک میں فرقے فرقے بعضے ان میں نیک اور بعضے اور طرح

ذٰلِكَ ۫ وَ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

کے اور آزمایا ان کو خوبیوں میں اور برائیوں میں شاید وہ پھر آویں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ یَاْخُذُوْنَ عَرَضَ

پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف وارث کتاب کے لیتے اسباب

هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ

ادنیٰ زندگی کا اور کہتے ہیں کہ ہم کو معاف ہو گا اور اگر ایسا ہی اسباب پھر

يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

آوے تو لے لیویں۔ کیا ان پر عہد نہیں لیا؟ کتاب کے حق میں کہ نہ بولیں

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

اللہ پر سوا سچ کے اور پڑھا انہوں نے جو لکھا ہے اس میں اور پچھلا گھر بہتر ہے

يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا

ڈر والوں کو کیا تم کو بوجھ نہیں۔ اور جو لوگ پکڑ رہے ہیں کتاب اور قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ

نماز ہم ضائع نہ کریں گے ثواب نیکی والوں کا۔ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ

فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ

ان کے اوپر جیسے سایہ بان اور ڈرے کہ وہ گرے گا ان پر پکڑو جو ہم نے دیا ہے

بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱ ۹ ۱۱

زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید تم کو ڈر ہو۔

ذکر تسلیط عذاب ذلّت بر یہود تا روز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ... اِلٰى ... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں یہود کے بعض شنائع اور قبائح کا بیان تھا اور یہود کی ایک خاص جماعت کی ایک وقتی ذلّت کا ذکر تھا کہ ذلیل و حقیر بندر اور لنگور بنا دیئے گئے۔ اب ان آیات میں تمام یہود کی دائمی ذلّت کا بیان ہے کہ تمرد اور سرکشی کی وجہ سے قیامت تک ان پر ذلت اور حقارت کی مہر لگا دی گئی۔ قیامت تک دوسرے لوگ ان پر مسلّط رہیں گے اور ان کی کہیں حکومت نہ ہوگی۔ دوسروں کی حکومتوں میں رہیں گے اور طرح طرح کی ذلتیں سہتے رہیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کم بختوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ کرنا اور یہ عہد ان کی کتاب میں موجود ہے اور ان کو خوب معلوم ہے مگر باوجود اس کے اس عہد کو توڑا اور محض دنیاوی طمع کی وجہ سے احکام میں

تحریف کی اور خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور دن رات اسی میں مشغول رہے اس لیے یہود پر یہ عذاب مسلّط کیا گیا کہ وہ ہمیشہ مقہور اور مغلوب اور محکوم رہیں گے۔ چنانچہ ابتداء میں یہود یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے محکوم رہے اور بعد میں بختِ نصر کے مظالم کا تختۂ مشق بنے آخر میں نبی اکرم ﷺ کے عہد تک مجوسیوں کے باجگزار رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کا محکوم بنا دیا اور تقریباً چودہ سو سال تک مسلمان حکومتوں کے باجگزار رہے اور اب بیس سال سے جو فلسطین میں برائے نام اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہوئی ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی ہے اور اس مختصر رقبہ کے یہودی باشندے امریکہ اور برطانیہ کے سہارے سے زندہ ہیں۔ اور امریکی حکومت کے غلام ہیں اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کا یہ اجتماع خروج دجّال اور نزولِ عیسیٰ بن مریمؑ کا پیش خیمہ ہو۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجّال قوم یہود سے ہوگا اور جب وہ ظاہر ہوگا تو یہودی اس کے مددگار ہوں گے۔ اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور تمام یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں تہہ تیغ کیے جائیں گے۔ جیسا کہ یہ مضمون احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں نہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کریم ﷺ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تیرے پروردگار نے انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام کی معرفت اس بات سے آگاہ کر دیا کہ ان یہودیوں پر ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی سزا میں قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلّط رکھے گا جو ان کو بُری طرح کا عذاب پہنچاتے رہیں یعنی ان کی شرارت اور خباثت کی وجہ سے ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل اور دوسروں کے محکوم رہیں گے بعث سے یہاں تسلّط کے معنی مراد ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِي بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ﴾ (بنی اسرائیل:۵) چنانچہ ابتداء سے لے کر اب تک یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم اور مقہور ہی چلے آتے ہیں۔ بیشک تیرا پروردگار جب چاہے جلد سزا دینے والا ہے کہ جب گستاخی اور سرکشی میں حد سے گزر گئے تو دم کے دم میں بندر اور لنگور بنا دیا اور بیشک وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا مہربان ہے کہ مغفرت کے بعد مہربانی بھی فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار پر دنیا میں عذاب نازل کرتا ہے اور اہلِ ایمان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازتا ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا میں متفرق اور پراگندہ کر دیا فرقے فرقے تاکہ ان کی شوکت باقی نہ رہے دنیا میں متفرق ہو گئے کوئی کسی طرف نکل گیا اور کوئی کسی طرف کوئی اجتماعی قوت اور شوکت نہ رہی اور مختلف جماعتیں اور مختلف مذاہب بن گئے بعضے ان میں سے شائستہ اور نیکوکار تھے جنہوں نے دین میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کی تھی یہ لوگ زیادہ تر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے پہلے تھے اور بعض ان میں سے اس کے برعکس اور برخلاف تھے۔ جنہوں نے دین موسوی کو بدل دیا تھا اور تنبیہ کے لیے ہم نے ان کو راحتوں اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں۔ راحت اور مصیبت دونوں میں انسان کی آزمائش ہے نعمت اور راحت کی حالت میں اللہ کا شکر کرنا چاہیے اور مصیبت کے وقت میں اللہ سے ڈرنا چاہیے یہ حال تو ان کے سلف کا ہوا پھر اُن کے بعد بُرے جانشین آئے جو توریت کے وارث ہوئے یعنی توریت کے عالم کہلائے لیکن حالت یہ ہوئی کہ علم دین کو فروخت کرنے لگے کہ اس خسیس اور حقیر دنیا کا مال و متاع حاصل کرتے ہیں یعنی لوگوں سے رشوت لے کر ان کی خاطر احکام الٰہی میں تبدیلی کرتے ہیں۔ اس سے آنحضرت ﷺ کے زمانے کے اَحبار یہود مراد ہیں اور اس درجہ بے باک ہو گئے ہیں کہ جرم کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے ان کا گمان یہ تھا کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اور اس کے مقبول بندے ہیں ہمارے دن کے گناہ رات کو اور رات کے گناہ دن کو معاف ہو جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ رشوت لینے کو گناہ جانتے تھے اور حال یہ تھا کہ اگر ان کے پاس پھر اسی قسم کا حرام مال آجائے تو اس کو بھی بے دھڑک لے لیں گے مطلب یہ کہ گناہ پر دلیر ہیں اور کبھی اس کے چھوڑنے کا خیال بھی نہیں آتا اور بایں ہمہ خُدا سے باطل امید لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائیں گے۔ کیا ان رشوت لینے والوں سے کتاب (توریت) میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف سوائے حق کے کوئی بات منسوب نہ کریں اور یہ لوگ دن رات اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور اس کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کا کلام نہیں۔ نیز یہ لوگ اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ان بدکاروں کو بخش دے گا اور حالانکہ ان لوگوں نے اس مضمون کو پڑھا بھی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو اس امر کا بخوبی علم ہے کہ اللہ کے کلام میں تحریف کفر ہے اور معصیت خداوندی کو ضعیف اور حقیر سمجھنا اور بے دھڑک اس کو کیے چلے جانا یہی کفر ہے اور یہ کہنا کہ اللہ ہمارے ان جرائم کو بخش دے گا۔ یہ اللہ پر بہتان باندھنا ہے یہ سب باتیں ان کو معلوم ہیں اور خوب مستحضر ہیں۔ جاہل اور بے خبر نہیں اس لیے کہ اللہ کی کتاب یعنی توریت کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں مگر باوجود اس علم کے دیدہ ودانستہ جرائم پر دلیر اور بے باک بنے ہوئے ہیں صرف دنیا ہی دنیا ان کے پیش نظر ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ دارِ آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے جو حرام سے بچتے ہیں دنیائے فانی کے مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے اے یہود بے بہبود کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دارِ بقاء کا ثواب اس دارِ فانی کے مال ومتاع سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم خُدا کی نافرمانی کر کے حاصل کرتے ہو بڑے ہی نادان ہیں کہ انجام پر نظر نہیں۔ اور ارتکابِ معاصی پر مغفرت کی اُمید لگائے بیٹھے ہیں۔

وانگہے پندارد آں تاریک رائے　　خواہد آمرزیدنش آخر خُدائے

اور ان میں سے جو لوگ کتاب توریت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں یعنی اس میں تحریف نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ تو ہم ایسے نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہ کریں گے بلکہ ان کو ہم مزید انعام دیں گے۔ گزشتہ آیات میں جس عہد اور میثاق کا ذکر کیا تھا اب آئندہ آیت میں اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ وہ کس شد ومد سے لیا گیا تھا کہ ان کے سروں پر پہاڑ مثل سائبان کے اٹھا لیا گیا اور یہ سمجھے کہ اب پہاڑ ہم پر گرا اس وقت ان سے عہد لیا گیا مگر انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ ڈالا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب ان لوگوں نے توریت کے عہد اور میثاق کو پس پشت ڈال دیا تو اس وقت ہم نے پہاڑ کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر ایسا معلّق کر دیا کہ گویا وہ ایک سائبان تھا اور انہوں نے گمان کیا کہ اگر انہوں نے توریت کے حکم کو نہ مانا تو وہ پہاڑ ان کے سروں پر گر پڑے گا اس وقت ہم نے اُن سے کہا کہ جو کتاب یعنی توریت ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور گستاخوں اور بیباکوں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش لوگ ہیں جب تک خدا کا قہر نازل نہیں ہوتا اس وقت تک سیدھے نہیں ہوتے اور یہ نتق جبل کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارک کا ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

نکتہ: جاننا چاہیے کہ پہاڑ کو کسی کے سر پر معلق کھڑا کر دینا عقلاً محال نہیں جو خدا آسمان جیسے عظیم جسم کو سارے عالم کے سر پر معلق کر سکتا ہے اسے کسی پہاڑ کو معلق کر دینا کیا محال ہے پہاڑ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر آسمان سے تو بڑا نہیں نیز موسم برسات میں بسا اوقات ایسا کہر اور غلیظ بادل سر پر معلق ہوتا ہے جو میلوں تک دکھائی دیتا ہے اور اتنا کثیر پانی بادلوں میں بھرا ہوتا ہے جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا

کسی کو نہیں ہے اور ایک ایک ہفتہ تک لوگوں پر برستا رہتا ہے۔ بسا اوقات بلدیہ کی ٹنکی ٹوٹ کر گر جاتی ہے مگر کیا مجال کہ کوئی بادل اُوپر سے نیچے گرِ پڑے حالانکہ ایک بادل میں جو پانی بھرا ہوا ہے وہ ہزار ہا ہزار ٹنکیوں سے کہیں زیادہ ہے مگر دست قدرت اس کو تھامے ہوئے ہے ۔سب کو معلوم ہے کہ جو بادل ہزار ہا بلکہ لکھو کھا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے اور تین تین اور چار چار میل تک پھیلا ہوا ہے وہ خلاء میں لوگوں کے سروں پر معلق ہے کیا اتنا طویل عریض بادل پہاڑ سے کم ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ

اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا

اُن کی جان پر کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا بولے البتہ! ہم قائل ہیں کبھی کہو

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ۙ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ

قیامت کے دن ہم کو اس کی خبر نہ تھی۔ یا کہو کہ شریک تو کیا ہمارے

اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

باپ دادوں نے پہلے اور ہم ہوئے اولاد ان کے پیچھے تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے ایک کام پر کہ کیا ہے

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

خطا والوں نے اور یوں ہم کھولتے ہیں باتیں شاید وہ لوگ پھر آویں۔

عہدِ الست

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ ... اِلٰی ... وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا تھا جو خاص بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور جس کی خلاف ورزی سے عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ... وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ ... وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾

اب ان آیات میں اُس عہد کا ذکر فرماتے ہیں جو عالم ارواح میں تمام بنی آدم سے لیا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو جو تا قیام قیامت پیدا ہونے والی ہے نکالا اور انہیں عقل اور تکلم کی قوت عنایت فرمائی اور ان سے پوچھا

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ﴾ ”کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟“ ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾ سب نے کہا کیوں نہیں بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ توحید امر فطری ہے ہر فرد بشر کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذریت کو پشت آدم علیہ السلام سے نکالا اور ان سے اپنی خالقیت اور ربوبیت کا قول وقرار لیا اور خود ان کی جانوں کو اس قول وقرار پر گواہ ٹھہرایا کہ ان کا رب وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔ دار دنیا میں آنے کے بعد اور عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے اکثر کو اس عہد سے ذہول ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اس عہد قدیم کی تذکیر اور یاد دہانی کے لیے مبعوث فرمایا تا کہ قیامت کے دن ذہول اور غفلت کا عذر نہ کر سکیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾ یعنی اگر بالفرض والتقدیر قیامت کے دن کافر یہ عذر کریں کہ یہ عہد ہم کو یاد نہیں رہا۔ تو جواب ملے گا کہ اے غافلو! اگر تم اس عہد کو بھول گئے تھے تو کیا ہم نے اس عہد کی یاد دہانی کے لیے پیغمبروں کو نہیں بھیجا اور علاوہ ازیں کائنات کا ہر ہر ذرّہ ہماری الوہیت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا تھا اور تم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا تھا پھر بھی تم نے کوئی توجہ نہ کی نہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنی اور نہ دلائل اور براہین کی طرف التفات کیا۔ غرض یہ کہ یہ آیت غافلوں کو عہد الست کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے نازل ہوئی۔ باقی جو بڑے ہوشمند اور بیدار دل تھے وہ دنیا میں آنے کے بعد اس عہد سے غافل نہیں ہوئے۔

اَلَسْتُ از ازل ہمچنا نش بگوش بفر یاد قَالُوْا بَلٰی درخروش

عالم دنیا میں انسان پر سینکڑوں حالات اور واقعات گزرتے ہیں اور انسان ان کو بھول جاتا ہے۔ انسان بسا اوقات کوئی دستاویز لکھتا ہے اور عدالت میں اس کی رجسٹری بھی کرا لیتا ہے مگر بعض اوقات مرور زمانہ کی وجہ سے بالکل بھول جاتا ہے اور بعد میں جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور گواہ گواہی دیتے ہیں تو اس وقت یہ عذر مسموع نہیں ہوتا کہ میں بھول گیا تھا اور مجھ کو یہ بات یاد نہ رہی تھی۔ انسان کو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا بھی یاد نہیں لوگوں کے کہنے سے ماں کو ماں سمجھتا ہے اگر کوئی شخص ماں کا حق ادا نہ کرے اور عذر یہ کرے کہ مجھے اپنا پیدا ہونا یاد نہیں تو میں اس کو کیسے ماں جانوں تو سب اس کو احمق کہیں گے۔

اسی طرح عہد الست کو سمجھو کہ انسان سے عالمِ ارواح میں جو عہد لیا گیا تھا وہ اس قفس عنصری میں آنے کے بعد اسے بھول گیا اور جب اس قفس عنصری سے رہا ہو گا اور یہ حجابات جسمانی مرتفع ہو جائیں گے تو وہ بھولا ہوا سبق اس کو یاد آ جائے گا اور یادداشت اور سہو و نسیان اور بھول چوک سب اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہے اور اس کی حکمت سے ہے وہ اپنی حکمت سے ہزاروں چیزیں ہمارے حافظہ سے نکال دیتا ہے اسی طرح اگر وہی خدا اپنی کسی حکمت سے عہدِ الست کو بھلا دے اور پھر اس پر باز پرس کرے تو اسے حق ہے عہد الست کو یہ مضمون احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ معتزلہ جو عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں وہ اس واقعہ کو بعید از عقل سمجھتے ہیں اور آیت میں نہایت رکیک تاویلیں کرتے ہیں جو مع جوابات کے تفسیر کبیر میں مذکور ہیں۔ اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

عہدِ الست کے بارے میں معتزلہ کا مذہب:

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان سے عالم ارواح میں کوئی عہد نہیں لیا گیا اور اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں توحید اور ربوبیت کا اقرار ودیعت رکھا ہے اور اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر بے شمار دلائل قائم کر

دیئے ہیں تو گویا کہ یہ سب دلائل خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی ربوبیت کے لیے بمنزلہ عہد کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ان دلائل کو تمہارے انفس اور آفاق میں پیدا کرنا گویا کہ تم سے اس کا عہد لینا اور تم کو اس پر گواہ بنانا ہے۔

اہلسنت والجماعت کا مذہب:

اہلسنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تاویل احادیث صحیحہ اور صریحہ کے صریح خلاف ہے اور اجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے اس لیے کہ صحابہ وتابعین سے بالاتفاق عالمِ ارواح میں عہد لینا ثابت ہے لہٰذا معتزلہ کی یہ تاویل کسی طرح بھی قابلِ التفات نہیں۔

نیز میثاق حالی۔ میثاق قالی اور ازلی کے منافی نہیں۔ میثاق حالی اور عقلی دلائل عقلیہ اور فطریہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر میثاق قالی اور ازلی طورِ عقل سے بالا اور برتر ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں اس قسم کی چیز انبیاء کرام علیہم السلام ہی کی تعلیم اور بیان سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اس لیے احادیث میں اسی میثاق قالی اور ازلی کو بیان کیا گیا جو عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ معتزلہ میثاق حالی اور عقلی کے تو قائل ہیں لیکن کتاب وسنت نے جس میثاق کی خبر دی ہے وہ میثاق قالی ہے اور دلائل ربوبیت کا میثاق۔ میثاق حالی اور عقلی ہے جو اس میثاق قالی اور ازلی کا مؤید اور مذکر ہے۔ اور کتاب وسنت نے اس میثاق قدیم کی خبر دی ہے کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں اور معتزلہ کے نزدیک اگر میثاق قالی اور ازلی کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ یاد نہیں رہا تو بہت سے لوگوں کو میثاق عقلی اور حالی بھی یاد نہیں۔ میثاق حالی کے دلائل عقلیہ یعنی دلائل آفاقیہ اور دلائل انفسیہ ان کی نظروں کے سامنے ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کو وہ واقعہ یاد دلایئے کہ جب تیرے پروردگار نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذرّیت کو نکالا اور پھر اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کو توالد اور تناسل کی ترتیب کے مطابق نکالا یعنی جس ترتیب سے دنیا میں نسلاً بعد نسل پیدا ہوں گے اسی ترتیب سے ان کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو عقل وشعور عطاء کیا اور جس قدر ملائکہ اور مخلوقات اس وقت موجود تھے سب کے سامنے یہ عہد لیا تا کہ سب گواہ رہیں اور حجت قائم کرنے کے لیے خود انہی کو ان کی ذات پر گواہ بنایا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں انہوں نے کہا کیوں نہیں بیشک تو ہمارا رب ہے اور ہم فقط مقر اور معترف نہیں بلکہ ہم اپنے اس اقرار کے خود ہی گواہ بھی ہیں اور بنی آدم سے یہ اقرار اور شہادت ہم نے اس لیے لیا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ تحقیق ہم تیری ربوبیت اور الوہیت اور وحدانیت سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء واجداد نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل تھے جیسا ہم نے ان کو کرتے دیکھا ویسا ہی ہم نے بھی کیا ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو ربّ العالمین اور وحدہٗ لاشریک ہے پس کیا تو ہم کو دوزخ میں ڈال کر اس جرم کی پاداش میں ہلاک کرتا ہے جو ہم سے اگلے ناحق پرستوں نے کیا سو اس عہد اور اقرار اور ذاتی شہادت کے بعد تمہارا یہ عذر ختم ہوا۔ اب قیامت کے دن تم یہ عذر نہیں کرسکتے کہ ہم سے غفلت ہوئی اس لیے کہ جب خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی اس عہد کو یاد دلا دیا تو پھر عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی کیونکہ جب دلائل قطعیہ سے یاد دہانی کرادی گئی تو بمنزلہ تذکر ہی کے ہے انبیاء کرام علیہم السلام کی یاد دہانی کے بعد نہ انکار کی مجال ہے اور نہ شک وشبہ کی گنجائش ہے اور جس طرح ہم نے عہد الست کو بیان کیا اسی طرح ہم کھول کھول کر اپنی ربوبیت اور الوہیت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں تا کہ ان میں غور و فکر کریں اور تا کہ معلوم ہوجانے کے بعد ہماری ربوبیت اور الوہیت کے اقرار کی طرف رجوع کریں اور کفر وشرک سے باز آجائیں اور فطرتِ سابقہ کی طرف لوٹ جائیں۔

لطائف ومعارف

① یہ آیت عام اصطلاح میں آیت میثاق کہلاتی ہے اور جس عہد کا اس میں ذکر ہے اس کو عہدِ اَلست کہتے ہیں۔

② جمہور مفسرین اور محدثین اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی ان کی پشت سے نکالا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے اقرار کیا اور بَلیٰ کہا کہ بے شک تو ہمارا پروردگار ہے پھر ان کو آدمؑ کی پشت میں واپس کر دیا اور یہی مضمون بیشمار احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

معتزلہ اور مدعیان عقل اس آیت کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ خُدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی ذریت کو نکالا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریات کو نکالا۔ پس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشتوں سے توالد اور تناسل کے طریقہ سے ان کی اولاد کو نکالا اس طرح پر کہ ان کے نطفے عورتوں کے رحم میں واقع ہوئے پھر وہ خون بنے پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور کئی تغیرات کے بعد وہ انسانی صورت میں رحم مادر سے باہر آئے پھر جب وہ سن تمیز کو پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان میں عقل پیدا کی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے دلائل ربوبیت اور وحدانیت کو پہچاننے لگے اور ان کے دل نے اس بات کی شہادت دی کہ بے شک کوئی ان کا خالق اور پروردگار ہے گویا خدا تعالیٰ نے بواسطہ ان دلائل قدرت کے جو ان کی نظروں کے سامنے تھے ان سے یہ سوال کیا کہ میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے بزبان حال اس کا جواب دیا کہ بلیٰ بے شک تو ہمارا پروردگار ہے اور ہم اپنے اس اقرار پر گواہ ہیں پس ان لوگوں کے نزدیک اس آیت کا تمام مضمون بطور تمثیل ہے نہ بطور حقیقت اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر وہ اپنی خلقت کے عجائب اور اپنی صنعت کے غرائب پر نظر کرے جو خود اس کے اندر موجود ہیں تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت پر گواہ ہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تمام تاویلات نہایت رکیک اور بے معنی ہیں۔ جن کی احادیث صحیحہ اور صریحہ اور اجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

③ اس آیت میں بنی آدم کے پشتوں سے ان کی اولاد اور ذریت کا نکالنا ذکر کیا ہے اور آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں اور سب انہی کی پشت سے نکلے ہیں اور مسند احمد اور نسائی اور مستدرک حاکم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور سامنے بکھیر دیا جیسے چیونٹیاں اور پھر ان سے بالمشافہ کلام کیا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ سب نے جواب میں ﴿بَلٰى﴾ کہا۔ الیٰ آخر الآیۃ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۶۱ ج ۲)

اور یہی مضمون حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی احادیث میں آیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۱۵ ج ۷)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو

قیامت تک پیدا ہونے والی ذریت ان کی پشت سے نکل پڑی اور ہر شخص کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی پھر سب کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا گیا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تیری ذریت ہے۔ پھر آدم علیہ السلام کی ایک انسان پر نظر پڑی جس کی آنکھوں کے درمیان کا نور بہت چمک رہا تھا۔ پوچھا کہ اے پروردگار یہ کون ہے؟ فرمایا: کہ یہ ایک آدمی ہے جو تیری ذریت کے پچھلی اُمتوں میں ہوگا اس کا نام داوٗد علیہ السلام ہے عرض کیا کہ اے پروردگار! اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ سال۔ عرض کیا: اے پروردگار! میری عمر میں سے اس کو چالیس سال دے دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کی۔ الیٰ آخر الحدیث رواہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح.

نکتہ: حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت داوٗد علیہ السلام کی پیشانی میں جو نور دیکھا شاید وہ نور خلافتِ الٰہیہ کا ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام کے نور خلافت سے ملتا جلتا ہوگا۔ واللہ علم

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان ارواح کو اصلاب آباء میں لوٹا دیا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ثم ردهم فی اصلاب آباء هم حتّی اخرجهم قرنا بعد قرن اخرجه ابو الشيخ۔

④ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سفید اور نورانی تھی اور بائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سیاہ اور ظلماتی تھی اور آیت ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾ (آل عمران:۱۰۶) میں اسی طرف اشارہ ہے دائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الیمین ہیں اور بائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الشمال ہیں۔ ابو طاہر قزوینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصحاب یمین پر تجلی رحمت تھی انہوں نے شوق اور رغبت سے بلیٰ کہا اور اصحابِ شمال پر تجلی ہیبت و قہر تھی اس لیے انہوں نے جبراً و قہراً ﴿بَلٰی﴾ کہا اس لیے دنیا میں آکر دوسری راہ پر پڑ گئے۔

⑤ جمہور مفسرین رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد ہبوط من السماء سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ہبوط یعنی آسمان سے اترنے کے بعد زمین پر لیا گیا۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں تطبیق و توفیق مشکل ہے حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ مختلف مواضع میں مختلف قسم کے عہد اور میثاق لیے گئے واللہ اعلم۔ (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ ج ۹)

⑥ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا تو پھر کیا حاصل تو اس کو یوں سمجھئے کہ وہ عہد اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اس کا نشان تو ہر ایک دل میں موجود ہے انسان کے دل میں قدرتی طور پر حق تعالیٰ کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے جب کبھی کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو دل خدا کی طرف دوڑتا ہے اور اس سے اس مصیبت کے دفعیہ کا طلبگار اور امیدوار ہوتا ہے۔ پس انسان کا دل خود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ کوئی میرا پروردگار ضرور ہے بہر حال یہ میلان تمام طبیعتوں میں پایا جاتا ہے کسی میں کم اور کسی میں زیادہ خواہ وہ اس میلان کے منشاء کو سمجھے یا نہ سمجھے اور اس کے مقتضا پر عمل کرنے کو آمادہ ہو یا نہ ہو۔ اب رہا یہ امر کہ اس طبعی اور فطری میلان کا منشاء کیا ہے سو معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس پیدائش سے پہلے انسان کو جناب باری تعالیٰ کی کسی قسم کی تجلی ضرور میسر آئی ہے جس کے سبب اس کے دل میں خدا کی محبت اس قدر جم گئی ہے کہ صدہا تکالیف اٹھاتا ہے اور پھر بھی خدا ہی کی طرف جھکتا ہے ورنہ کسی چیز کی محبت بے دیکھے اور بے برتے پیدا نہیں ہو سکتی۔ بس یہ طبعی میلان روز اَلَسْت یا یوم میثاق کا ایک نشان ہے کہ اس وقت اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اور اسی ایک جلوہ

نے سب کو پروردگار کا عاشق بنا دیا ہے تمام افراد بشر کا اقرار ربوبیت پر متفق ہونا اور یقین کے ساتھ اقرار کرنا کہ کوئی ہمارا پروردگار ہے سو یہ طبعی میلان اور فطری اذعان اسی پرانے عہد میثاق کا دھندلا سا نشان ہے کہ جو ایک لمحہ دو لمحہ یا ایک گھڑی دو گھڑی کے لیے پیش آیا سو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی یا دو گھڑی کے قصہ کو مرور زمانہ اور انتقال مکانی سے بھول جانا کوئی مستبعد نہیں تھوڑی دیر کے لیے عہد الست کے وقت سب نے اپنے خدائے پروردگار کے جمال بے مثال کو دیکھا ہے اس لیے خدا کی محبت فطری طور پر دلوں میں ایسی راسخ اور پختہ ہوگئی کہ کسی طرح نکالے نہیں نکلتی اور اگر کسی شخص میں یہ دیکھو کہ اس میں خدا کا میلان بالکل نہیں تو سمجھ لو کہ اس کی انسانی فطرت بالکل مسخ ہو چکی ہے اور خارجی اثرات کی وجہ سے انسانی خصلتیں سلب اور نابود ہو جاتی ہیں جیسے بعض اوقات خارجی اثرات سے خدا کا میلان طبیعت سے بالکل نکل جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ اس منکر خدا کی فطرت انسانی مسخ ہو چکی ہے اکثر عالم بلکہ تمام عالم کا اس میلان پر متفق ہو جانا اس امر کی نشانی ہے کہ کبھی نہ کبھی یہ بات کان میں پڑی ہے۔ جو ہر ایک کی زبان پر آتی ہے مگر یہ امر کہ یہ بات کس موقع اور محل پر کان میں پڑی ہے وہ یاد نہیں رہا مکان اور زمان اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اس کا نشان تو موجود ہے مرور زمانہ کی وجہ سے یہ عہد یاد نہیں رہا جس وقت عہد لیا گیا تھا اس وقت ذریت چھوٹے چھوٹے ذرات کی مقدار میں تھی اس وقت سے لے کر توالد اور تناسل تک ایک طویل عرصہ گزرا اور ذرات مختلف اطوار اور ادوار سے گزرتے رہے یہاں تک کہ اس عالم فانی میں داخل ہوئے تو مدت مدیدہ کا یہ عہد بھول گئے۔ (دیکھو الیواقیت والجواہر ص ۱۱۵ ج ۱)

اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ﴿وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الذاریات) .... ﴿فَذَكِّرْ ۫ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝﴾ (الغاشیہ) اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس قسم کی آیتوں میں تذکیر کا حکم دیا گیا ہے اور تذکیر کے اصل معنی لغت میں بھولی ہوئی بات کو یاد دلانے کے ہیں۔ اسی طرح سمجھو کہ عہد الست کے بھولے ہوئے سبق کو انبیاء کرام علیہم السلام نے یاد دلایا اس وجہ سے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ کافر کا جو بچہ شعور اور ادراک سے پہلے مر جائے وہ جنت میں جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے عہد اور میثاق میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ البتہ کافر کی جو اولاد بالغ ہو کر یہودی یا نصرانی ہو جائے اور اسی پر وہ مر جائے تو وہ جہنم میں جائے گی اس لیے کہ اس نے روزِ اوّل کے میثاق کو توڑ دیا۔

⑦ اور عہد الست میں سب سے پہلا خطاب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تھا۔ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ربوبیت کے متعلق سوال تھا۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں پہلا سوال اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی کے متعلق ہوتا ہے قبر میں منکر نکیر سب سے پہلے یہی سوال کرتے ہیں ﴿مَنْ رَّبُّكَ﴾ تیرا رب کون ہے ازل میں بھی ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ فرمایا اور قبر میں بھی رب ہی کے متعلق سوال ہوا۔

⑧ نفحات میں مذکور ہے کہ علی سہیل اصفہانی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو روز ﴿بَلٰى﴾ یاد ہے؟ تو فرمایا: کیوں نہیں۔ مجھے روز ﴿بَلٰى﴾ ایسا یاد ہے جیسے کل گزشتہ۔ کسی نے یہ کلام شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اس جواب میں نقصان ہے جو کل گزر گئی یا جو کل آئے گی اس سے صوفی اور درویش کو کیا مطلب اس روز کی تو ابھی شام بھی نہیں ہوئی اور صوفی اور درویش تو ابھی اسی دن میں ہے۔

روز امروز است اے صوفی و شان — کے بود ازدی واز فردا نشان
آنکہ از حق نیست غافل یکنفس — ماضی و مستقبلش حال است و بس

⑨ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آدم علیہ السلام کی پشت کی بالوں کی مسامات کی راہ سے نکالا پھر ان سے کہا کہ کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں انہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور ﴿بَلٰی﴾ کہا اور وہ اسی حالت میں زندہ اور صاحب عقل تھے اور عقلاً یہ امر محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دیدے۔ آخر وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین نظر آتے ہیں کسی قدر ادراک اور شعور ان کو بھی حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور ان میں توالد اور تناسل بھی ہے اور وہ ایذا رساں چیزوں سے بچتے ہیں اور اگر کوئی ان کی راہ میں آجاتا ہے تو اس سے کترا جاتے ہیں تو جب یہ باتیں اہل سائنس کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو عہد الست کے واقعہ سے کیوں تعجب کرتے ہیں۔ خدا کی قدرت کے لحاظ سے اس میں کوئی استبعاد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ذرات انسان کی صورت پر ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور لغت میں ذریت کا اطلاق اسی چیز پر آتا ہے جس کی صورت بن چکی ہو باہمی امتیاز کا ذریعہ یہی صورت اور شکل ہے۔

⑩ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ یہ امر مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے کہ ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بدن کے اجزاء میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے ابتداء ولادت کے وقت بدن دو بالشت تھا اور اخیر عمر میں سات آٹھ بالشت کا ہو گیا۔ بدن کبھی فربہ ہوتا ہے اور کبھی لاغر مگر ہر حال میں یہ شخص وہی کہلاتا ہے کہ جو ابتداء ولادت کے وقت تھا پس جو اجزاء اوّل عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں وہ اجزاء اصلیہ ہیں اور جن اجزاء بدن میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے وہ اجزاء زائدہ ہیں پس اس آیت اور جن احادیث میں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کا نکالنا آیا ہے سو وہ اجزاء اصلیہ کا نکالنا مراد ہے اور اصلی اور حقیقی انسان یہی اجزاء اصلیہ ہیں اور روح کا تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے وہ یہی ذرات ہیں جن کے ساتھ روح متعلق ہے اور قیامت کے دن درحقیقت انہی اجزاء اصلیہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح متعلق کر کے حساب و کتاب و عذاب و ثواب دیا جائے گا جس طرح دنیاوی زندگی میں روح کا اصل تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ تھا اسی طرح بعث بعد الموت کے وقت بھی زائد اجزاء ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔ (امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

⑪ حکمت جدیدہ نے کلاں بینوں اور مائیکرومیٹر سے (جو باریک اجسام کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ہے) یہ دریافت کیا ہے کہ پانی کے ایک چھوٹے قطرہ میں اتنے حیوانات ہوتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر اتنے آدمی نہیں ہوتے اور ان میں توالد اور تناسل بھی جاری ہے اور باوجود اس کثرت کے نہ ان میں اژدھام معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی کسی سے ٹکراتا ہے حالانکہ ان کی حرکت نہایت سریع ہے اور یہ وہ حیوانات ہیں جو موجودہ کلاں بینوں سے نظر آتے ہیں اگر ان کلاں بینوں سے زیادہ قوت والی کلاں بین ہو تو معلوم نہیں کہ اور کتنے محسوس ہوں گے۔ (دیکھو! مقاصد الاسلام حصہ سوم ص ۳۲ ج ۳ و حصہ ہفتم ص ۳۹ ج ۷۔ مصنفہ مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدرآبادی)

نیز حکمت جدیدہ کی رُو سے ایک تخم میں کروڑہا کروڑ متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو آئندہ درختوں کا تخم بنتے ہیں اور ایک قطرہ منی میں کروڑہا کروڑ ایسے متمائز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو صدہا سال کی آنے والی نسلوں کا مادہ بنتے ہیں یہ دلدادگان مغربیت یہ سب کچھ بلا دلیل ماننے کے لیے تیار ہیں۔ مگر خُدا تعالیٰ نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت نکالنے کی خبر دی ہے اس کے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ

اور سنا ان کو احوال اس شخص کا کہ ہم نے اس کو دی ہیں اپنی آیتیں پھر ان کو چھوڑ نکلا پھر پیچھے لگا اس کو

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗٓ

شیطان، تو وہ ہوا گمراہوں میں۔ اور ہم چاہتے تو اس کو اٹھا لیتے ان آیتوں سے لیکن وہ

اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ

گرا پڑے (جھک پڑا) زمین پر اور چلا اپنی چاؤ پر۔ تو اس کا حال جیسے کتا۔ اس پر تو

عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی، کہ جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا

ہماری آیتیں سو تو بیان کر احوال شاید وہ دھیان کریں۔ بری کہاوت

الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ

اُن لوگوں کی کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ جس

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

کو اللہ راہ دے وہی پاوے راہ۔ اور جس کو وہ بھٹکا دے سو وہی ہیں زیان میں۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور ہم نے پھیلا رکھے دوزخ کے واسطے بہت جن اور آدمی، جن کو دل ہیں ان سے

لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ

سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں ان سے

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

سنتے نہیں وہ جیسے چوپائے بلکہ اُن سے زیادہ بے راہ۔ وہی لوگ

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا

غافل۔ اور اللہ کے ہیں سب نام خاصے سو اس کو پکارو وہ کہہ کر، اور چھوڑ

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

دو ان کو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کیے کا۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ع وَالَّذِيْنَ ۲۲ ع ۱۰ ۱۲

اور ہماری پیدائش میں سے ایک لوگ ہیں کہ راہ پاتے ہیں سچی، اور اسی پر انصاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ ۙ وَاُمْلِيْ

جھٹلائیں ہماری آیتیں ان کو سہج سہج پکڑیں گے جہاں سے وہ نہ جانیں گے ۔ اور ان کو فرصت

لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

دوں گا۔ بے شک میرا داؤ پکا ہے۔

دیدہ ودانستہ حق سے انحراف اور ہوا پرستی کا حال اور مآل اور اس کی مثال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ... الٰى ... وَاُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے عہود اور مواثیق کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ایسے ہوا پرستوں اور گرفتاران حرص وطمع کا حال اور انجام اور مثال بیان کرتے ہیں جو حق کو قبول کر لینے اور پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع کی بناء پر احکامِ خداوندی سے منحرف ہو جائیں اور شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد اور میثاق کی پرواہ نہ کریں ایسوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ اس لیے بطور تذکیر اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا حال مذکور ہے جس کا نام بلعم بن باعوراء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ علم دیا تھا اور مستجاب الدعوات بھی بنایا تھا آخر میں اس نے ایک عورت کے اغواء سے اور مال ودولت کی لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی جس سے وہ مردود ہو گیا ساری کرامتیں اس کی چھن گئیں اور اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس آیت میں اُمیہ بن ابی الصلت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ شخص توریت اور انجیل کا زبردست عالم تھا اور صاحب شعر وحکمت تھا اور

اس کو معلوم تھا کہ اخیر زمانہ میں فارقلیط کا ظہور ہوگا۔ اور آنحضرت ﷺ کے حالات اور صفات بخوبی جانتا تھا اور لوگوں میں یہ وعظ کہتا تھا کہ جس نبی آخر الزمان ﷺ کی ظہور کی انبیاء سابقین علیہم السلام نے خبر دی ہے اس کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے مگر جب حضور پُرنور ﷺ کا ظہور ہوا تو از راہ حسد آپ سے برگشتہ ہو گیا اور کفار کا طرفدار بن گیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اُمیہ کا شعر تو مسلمان ہے مگر اس کا دل کافر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں ابو عامر راہب کی طرف اشارہ ہے جو ایک نصرانی عالم تھا۔ اس نے منافقوں کے بہکانے سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی غرض سے مسجد ضرار بنوائی۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ تمام روایتیں اس کے شانِ نزول کے متعلق نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ آیت بلعم بن باعوراء کے بارے میں نازل ہوئی اور یہی مناسب ہے کیونکہ اس سے مقصود بنی اسرائیل کو سنانا ہے کہ ایک ایسا عالم اور صاحب تصرف درویش نبی ﷺ کی مخالفت سے مردود ہو گیا۔ پس تم نبی ﷺ کی مخالفت نہ کرو ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہوگا بہر حال شانِ نزول جو بھی ہو اس قصّہ میں علماء کے لیے خاص تنبیہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ علم اور ہدایت سے نوازے اُسے چاہیے کہ نفسانی خواہش کا ہرگز ہرگز اتباع نہ کرے اور یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے ہر ہوا پرست عالم کو شامل ہے ہر عالم کو اس سے سبق لینا چاہیے اور خدا سے پناہ مانگنی چاہیے۔ اَللّٰھُمَّ انی اعوذبك من علم لا ينفع و من قلب لا يخشع و من نفس لا تشبع و من دعاء لا يسمع اعوذبك من شر هٰؤلاء الاربع ۔آمین

اور اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کو نصیحت اور عبرت کے لیے اس شخص کا حال اور قصّہ سنایئے جسے ہم نے اپنی آیتوں کا علم عطاء کیا۔ پس وہ ان آیات کے علم سے ایسا باہر نکل گیا۔ جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے باہر آتا ہے اور کینچلی سے اس کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔ پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا کہ وہ اس کو چھوڑتا ہی نہیں سو وہ آیتوں کا عالم ایسے گمراہوں میں سے ہو گیا جس کی ہدایت کی کوئی توقع نہیں رہی مشہور قول کی بناء پر ان آیات میں بلعم بن باعوراء کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل میں ایک زبردست مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات شخص تھا اس نے بعض شریروں کے بہکانے سے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بد دعا کی کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی کرامت چھن گئی اور راندۂ درگاہ ہو گیا اور کتے کی طرح اس کی زبان باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے سبب اس کو رفعت اور بلندی مرتبہ عطاء کرتے یعنی اگر وہ ان آیتوں پر عمل کرتا تو اس کا مرتبہ اور بلند ہوتا اور اتنا بلند ہوتا کہ شیطان وہاں تک نہ پہنچ سکتا۔ ولیکن وہ بجائے بلندی کے پستی کی طرف یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا اس لیے ہم نے اس کو توفیق اور عنایت کے بلند مقام سے دناءت اور خست کی طرف پھینک دیا۔ پس خست اور رذالت میں اس کی مثال کتے کی سی مثال ہے اگر تو اس پر حملہ کرے یا اس پر کوئی بوجھ اور مشقت ڈالے تو وہ زبان باہر نکال دیتا ہے یا تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے تو بھی زبان باہر لٹکا دیتا ہے اور ہانپتا ہے مطلب یہ ہے کہ کتا دونوں حالتوں میں یکساں ہے کسی حال میں اپنی عادت نہیں چھوڑتا تمام حیوانات کا قاعدہ ہے کہ جب ان پر کوئی مشقت پڑتی ہے یا پیاس اور تشنگی ان کو لاحق ہوتی ہے تو اپنی زبان باہر نکال دیتے ہیں ورنہ جب سکون اور آرام کی حالت میں ہوتے ہیں تو نہیں نکالتے بخلاف کتے کے کہ اس پر مشقت پڑے یا نہ پڑے وہ ہر حال میں اپنی زبان باہر لٹکائے رہتا ہے جو اس کی خِست اور دناءت کی نشانی ہے اور یہ اس کا طبعی خاصہ ہے کتے کا زبان کو لٹکانا اور ہانپتے رہنا یہ اس کی اندورنی حرص اور طمع کی ظاہری نشانی ہے جو کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہوتی پیاسا جانور تو فقط پیاس کے وقت زبان لٹکاتا ہے مگر کتا ہر

وقت زبان کو لٹکائے رہتا ہے اور حرص اور طمع اور اضطراب کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہوا پرست عالم کی زبان حرص و طمع کی وجہ سے ہر وقت لٹکی پڑی رہتی ہے اور بدحواسی اور پریشانی سے ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور یہ قلق اور اضطراب اور بے آرامی کبھی اُس سے جدا نہیں ہوتی یہ آیت ہوا پرست عالم کے لیے غایت درجہ کی عبرت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو ایک نہایت خسیس اور ذلیل وحقیر حیوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو عالم علم اور ہدایت سے باہر نکل کر نفسانی شہوتوں کی طرف متوجہ ہوا وہ کتے کے مشابہ ہے جو خسیس ترین اور حریص ترین جانور ہے جسے نجاست اور مردار حلوے سے زیادہ لذیذ ہے۔ (اے اللہ تیری پناہ)

حکایت : کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ ہواء تقدیر کا عجب حال ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کدھر سے چلتی ہے اور کیا تماشہ دکھاتی ہے اگر فضل کی طرف سے چلتی ہے تو بہرام گبر کے زنار کو عشق خداوندی کا کمر بند کر دیتی ہے اگر عدل کی طرف آتی ہے تو بلعم کی رسم توحید کو اڑا کر کتے کے برابر کر دیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ **رُباعی**

آنرا بری از صومعہ در دیر گبراں افگنی ویں را کشی از بتکدہ سر حلقۂ مرداں کنی
چون و چرا در کار تو عقل زبوں را کے رسد فرماں دہ مطلق توئی حکمے کہ خواہی آں کنی

یہی حال اور مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے دیدہ و دانستہ از راہ تکبر و عناد ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی کچھ علماء ہی کی خصوصیت نہیں یہ مثال تمام کفار معاندین اور مکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کتے کی طرح دنیا کی حرص اور طمع میں پڑے رہے اور ہوا پرستی کا شکار بنے رہے پس اے نبی آپ ان کو یہ قصے سنایئے شاید وہ کچھ غور و فکر کریں اور بُرے انجام سے ڈریں۔ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جان بوجھ کر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور یہ لوگ تکذیب کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا پرستی کی بناء پر یہ لوگ دنیا میں کتوں کے مشابہ بنے اور آخرت میں بھی کتوں جیسا معاملہ ہوگا۔ آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آیات اگرچہ ہدایت کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ مگر جب تک توفیق یزدانی اور عنایت ربانی دستگیری نہ کرے اس وقت تک ہدایت نہیں ہوتی۔

چنانچہ فرماتے ہیں جس کو اللہ توفیق دیتا ہے وہی آیاتِ خداوندی سے راہ یاب ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنی توفیق سے محروم کر دے سو ایسے ہی لوگ ابدی خسارہ میں پڑ جاتے ہیں اور باوجود علم و فضل کے ان کو ہدایت نہیں ہوتی اور آیات خداوندی ہدایت ہی کے لیے اتاری گئیں اور بظاہر ہدایت کا سبب ہیں لیکن ہدایت اور گمراہی کا اصل سبب قضاء وقدر ہے اس لیے کہ تحقیق ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں تا کہ وہ خدا کے تنور (دوزخ) کا ایندھن بنیں جس طرح ہم جنت کے رزاق ہیں اسی طرح ہم جہنم کے بھی رزاق۔ ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے رزق کے لیے پیدا کیا ہے ہم مالک مطلق اور خالق مطلق ہیں جو چاہیں کریں بندہ کا فرض بندگی اور بے چون و چرا اطاعت ہے بندہ کو چاہیے کہ اس کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجالائے قضاء وقدر کے اسرار کو خدا کے سپرد کرے۔ ان منکرین اور معاندین کے لیے دل ہیں مگر ان دلوں سے حق کو نہیں سمجھتے اور ان کے واسطے آنکھیں ہیں مگر ان سے آیات قدرت اور دلائل نبوت کو نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں مگر ان سے کوئی حق بات سننا نہیں چاہتے دل بھی ہے اور آنکھ بھی ہے اور کان بھی ہے مگر توفیق نہ ہونے کی وجہ سے ہدایت گم ہے ایسے لوگ جو حواس اور قوائے ادراکیہ کو دنیائے فانی کی لذتوں اور شہوتوں کی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ مانند چوپاؤں کے ہیں۔ جن کا مقصودِ زندگی ہی کھانا اور پینا اور سونا ہے بلکہ یہ لوگ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں چوپائے اپنے مالک کو اور اپنے

نفع اور ضرر کو تو پہچانتے ہیں اور یہ لوگ باوجود انسان ہونے کے آخرت کے نفع اور ضرر کو نہیں پہچانتے یہ لوگ وہ ہیں کہ جو باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے بالکل غافل ہیں اس لیے کہ ان کی شہوت ان کی عقل پر غالب ہے ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے جن کی یہ صفات مذکور ہوئیں ان کے دوزخی ہونے کا سبب یہ صفات ہیں قضاء وقدر اللہ کا فعل ہے وہ جو چاہے مقدر کرے وہ مالک مختار ہے اس کی تقدیر کا کسی کو علم نہیں کہ اس نے تقدیر میں کیا لکھا اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی عنایت سے اس کو عقل اور قدرت اور ارادہ عطاء فرمایا انسان دنیا کے مشکل سے مشکل کام اسی خداداد عقل اور قدرت سے کرتا ہے اور دنیا کے کاموں میں دوڑتا پھرتا ہے مگر جب آخرت کے کام کا ذکر آتا ہے تو مجبور بن جاتا ہے اور تقدیر کا حوالہ دینے لگتا ہے کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہے یہ سب بہانے ہیں جو قابل شنوائی نہیں مسئلہ قضاء وقدر کی تحقیق بقدر ضرورت ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ (البقرہ:۷) کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اہل ایمان کو نصیحت اور توحید اور دُعا کی ترغیب

گذشتہ آیت میں غافلوں کا ذکر کیا۔ اب اس آیت میں مومنوں کو ذکر الٰہی کی ترغیب دیتے ہیں اور متنبہ کرتے ہیں کہ تم غفلت نہ اختیار کرنا اور حکم دیتے ہیں کہ غفلت سے دور رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ یادِ الٰہی میں لگے رہو اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام جو اس کی صفات کمالیہ پر دلالت کرتے ہیں کوئی نام اس کی عظمت وجلالت شان پر دلالت کرتا ہے اور کوئی اس کے جُود ونوال پر اور کوئی اس کی تنزیہ وتقدیس پر۔ پس اے مسلمانو! تم اللہ کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارا کرو اور اس کے ہر نام سے وہ حاجت طلب کرو جو اس نام کے مناسب ہو مثلاً: یا رحمٰن ارحمنی۔ یا رزاق ارزقنی۔ یا ھادی اھدنی۔ یا فتاح افتح لی۔ یا تواب تب علی یعنی اے رحمٰن مجھ پر رحم فرما اور اے رزاق مجھ کو رزق عطاء فرما۔ اس طرح اسماء حسنیٰ کے ذریعہ سے دعائیں اور حاجتیں مانگو اور ان لوگوں کے طریقہ کو چھوڑو جو اللہ کے ناموں میں کج راہی کرتے ہیں یعنی ٹیڑھے چلتے ہیں اسماء الٰہیہ میں الحاد (کج روی) کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ مشرکین۔ غیر اللہ کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں۔ اور الٰہ سے لات اور عزیز سے عُزیٰ وغیرہ بنا کر بتوں کے نام رکھتے ہیں۔ دوم یہ کہ اللہ کو غیر مناسب اسماء وصفات کے ساتھ موسوم کیا جائے جیسا کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو اب یعنی باپ کہتے ہیں۔ سوم یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایسے نام اور وصف سے پکارا جائے جو خلاف ادب ہو جیسے یوں کہہ کر پکارے اے ضرر رساں اے محروم کرنے والے اے بندر کے خالق، اے کیڑوں کے پیدا کرنے والے اگرچہ حق تعالیٰ سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں مگر دعا میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے اور علیٰ ہذا جو نام اور صفت شریعت سے ثابت نہیں یا نامعلوم المعنی ہیں ایسے ناموں کا اطلاق بھی کجروی میں داخل ہے مثلاً خدا تعالیٰ کو یا کریم کہنا تو صحیح ہے اور سخی کہنا صحیح نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو عالم اور حکیم کہنا صحیح ہے مگر عاقل اور طبیب کہنا صحیح نہیں شریعت میں خدا تعالیٰ پر ان ناموں کا اطلاق وارد نہیں ہوا عنقریب ان ملحدین کو اپنے کیے کی سزا ملے گی کہ اللہ کے اسماء وصفات میں کیوں کجراہی کرتے تھے۔ مشرکین عرب اللہ پاک کو یا ابا المکارم اور یا ابیض الوجہ کہہ کر پکارتے تھے اور نصاریٰ یا ابا المسیح اور یا ابا الملائکہ کہتے تھے اور حکماء فلاسفہ علت اُولیٰ بولتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس قسم کے ناموں کے اطلاق کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمائی اور من جملہ ان لوگوں کے جن کو ہم نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کی راہ

بتاتی ہے اور حق کے ساتھ لوگوں کا انصاف کرتی ہے یہ مہاجرین اور انصار کی جماعت ہے اور جو لوگ قیامت تک ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔ یہ آیت اُمت محمدیہ کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ اُمت موسویہ کے حق میں ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو درجہ بدرجہ یعنی آہستہ آہستہ اور بتدریج ہلاکت کے مقام تک پہنچائیں گے۔ اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی کہ جب کوئی معصیت کریں گے تو ان کے واسطے دنیاوی نعمت اور کرامت اور زیادہ کردیں گے جس سے وہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور یہ نعمتیں کبھی ہم سے زائل نہ ہوں گی۔ پھر جب وہ نعمتوں میں خوب مست ہوجائیں گے تب یک لخت ان کو پکڑ لیں گے اور غفلت کی حالت میں ان کو ہلاک کردیں گے۔ استدراج کے معنی تدریج یعنی درجہ بدرجہ اور آہستہ آہستہ پکڑنے کے ہیں کہ بتدریج ان کو ہلاکت کی طرف لے جایا جائے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمت عطاء کرنا اور شکر کا بھلا دینا یہ استدراج ہے اور میں ان لوگوں کو ڈھیل بھی دوں گا یعنی اُن کی شرارتوں پر فوراً نہیں پکڑوں گا بلکہ مہلت دوں گا کہ دل کھول کر دُنیا کے مزے اُڑالیں اور جرم کا پیمانہ لبریز ہوجائے۔ تحقیق میری تدبیر بڑی محکم اور مضبوط ہے۔ کیداس تدبیر کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو استدراج کو کید اس لیے فرمایا کہ ظاہر میں انعام اور اکرام ہے اور باطن میں تذلیل وتحقیر ہے یعنی ناکامی اور رسوائی ہے۔

فائدہ: گزشتہ آیت یعنی ﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ میں ملحدین کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلایا کہ جو لوگ حق جل شانہٗ کے نزدیک مبغوض ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ انہیں فوراً عذاب دیا جائے بلکہ بطور استدراج ان کو مہلت ملتی ہے۔

ایک شبہ: شبہ یہ ہے کہ اس جگہ تو یہ فرمایا ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ ہم نے بہت سے جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا۔ اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵۶) کہ جن اور انس سب کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔

جواب: یہ ہے کہ اس جگہ اپنی تقدیر اور تکوین کو بیان فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری طور پر بہت سوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں اور دوسری جگہ اپنی تشریع اور تکلیف کو بیان فرمایا کہ بندوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اپنے معبودِ برحق کی عبادت اور اطاعت کریں اور خداوند قدوس نے جو ان کو عقل اور فہم اور قدرت اور اختیار دیا ہے اس کو اسکی عبادت اور اطاعت میں خرچ کریں خدا اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں اسکو استعمال نہ کریں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ایک جگہ غایت تشریعی کا بیان ہے اور ایک جگہ غایت تکوینی اور تقدیری کا بیان ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ سکتة مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
کیا دھیان نہیں کیا انہوں نے؟ ان کے رفیق کو کچھ جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے
مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ
صاف۔ کیا نگاہ نہیں کی سلطنت میں آسمان اور زمین کے اور جو بنائی ہے

اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّ اَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ

اللہ نے کوئی چیز اور یہ کہ شاید نزدیک پہنچا ہو اُن کا وعدہ سو اُس کے پیچھے کس

حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَ

بات پر یقین لاویں گے؟ جس کو اللہ بھٹکا دے اسے کوئی نہیں راہ دینے والا اور

يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

ان کو چھوڑ رکھتا ہے اُن کی شرارت میں بہکتے۔

تہدید برعدم نظر وفکر وتذکیر موت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَوَ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۗ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ ... الیٰ ... وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں گمراہوں اور آخرت سے غافلوں کی تہدید وتوبیخ کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں انکی غفلت اور گمراہی کے سبب کا ذکر ہے کہ وہ یہ ہے غور وفکر سے کام نہیں لیتے اس لیے کبھی نبوت ورسالت کے بارہ میں ان کو شبہ لاحق ہوتا ہے اور کبھی خداوند ذوالجلال کی الوہیت اور ربوبیت میں شبہ پیش آتا ہے اگر یہ لوگ حضور پُرنور ﷺ کے حالات اور معجزات میں غور کرتے تو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت میں ان کو شبہ نہ ہوتا اور اگر آسمان وزمین کی خلقت میں غور کرتے تو خدا کی وحدانیت میں کوئی شبہ نہ رہتا ان کو چاہیے کہ اس بات میں غور کریں کہ شاید ان کی موت اور ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے اس لیے ان کو چاہیے کہ موت آنے سے پہلے سنبھل جائیں اور مابعد الموت کی تیاری کریں۔

ربط دیگر: گزشتہ آیات میں ان کے قصور کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان کے بیہودہ شبہات کا جواب ہے۔ ایک شبہ تو آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق کرتے تھے کہ یہ مدعی نبوت کوئی دیوانہ شخص معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شبہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے متعلق تھا۔ اب ان آیات میں ان کے بیہودہ شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ نادان آنحضرت ﷺ کی طرف جنون کی نسبت کرتے ہیں اور انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق محمد ﷺ کو جنون سے ذرہ برابر کوئی مس بھی نہیں ہمیشہ سے آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے بخوبی واقف ہیں دنیاوی لذات سے کنارہ کش اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ ہیں دن رات حکمت وموعظمت کی باتیں بتلاتے ہیں آپ ﷺ تو صرف صاف طور پر آئندہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ایسی علم وحکمت کی باتیں ایک مجنون سے سرزد نہیں ہوسکتیں جس کو یہ مجنون کہتے ہیں دل سے ان کو بھی یقین ہے کہ مجنون کی باتیں ایسی نہیں ہوتیں کیا ان لوگوں نے دیدہ عقل سے آسمانوں اور زمین کے ملک عظیم میں نظر نہیں کی یعنی نجوم اور کواکب اور شمس وقمر اور کوہ ودریا میں نظر نہیں کی اور ان کے علاوہ خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کو نہیں دیکھا جس سے صانع کی کمال قدرت اور

مُبدع کی جمال وحدت ان پر ظاہر ہوجاتی کیونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور نہ ان لوگوں نے اس بات کا خیال کیا کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو اور اس ڈر سے توبہ کرلیں کہ کہیں کفر کی حالت میں نہ مرجائیں۔ پس اس قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے اس کے بعد تو قیامت تک کوئی کتاب نازل ہونی ہی نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیین ہیں اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے جس سے تمام پہلی کتابیں منسوخ ہوگئیں جس کو اللہ گمراہ کرے اور توفیق سے اس کو محروم کرے پس اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور ان معاندین کو خدا تعالیٰ گمراہی سے نکالتا نہیں بلکہ ان کو ان کی گمراہی اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے کہ اسی میں برابر سرگرداں اور حیران پھرتے رہیں اور راہِ راست پر نہ آئیں اور آخرت پر ایمان نہ لائیں ان آیتوں میں استدراج کو بیان کیا جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں پر نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ عیش وعشرت میں ایسے مست ہوجاتے ہیں کہ دل کے اندھے ہوجاتے ہیں اور جس منعم حقیقی نے یہ نعمتیں دی ہیں اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں بلکہ اس کو بھلا دیتے ہیں جب غفلت کی اس منزل میں پہنچ جاتے ہیں تو پکڑے جاتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سارا ماجرا از اوّل تا آخر قضاء وقدر میں طے ہوچکا ہے۔ اب آئندہ آیت میں مشرکین کے ایک احمقانہ سوال کو ذکر کرکے اس کا جواب دیتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت (کی بابت) کس وقت ہے اس کا ٹھہراؤ تو کہہ اس کی خبر تو ہے

رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

میرے رب ہی پاس وہی کھول دکھاوے گا اس کو اپنے وقت بھاری بات ہے آسمان و زمین میں

لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

تم پر آوے گی تو بے خبر آوے گی تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اس کا تلاشی ہے تو کہہ اس کی

عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ

خبر ہے خاص اللہ پاس لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے تو کہہ میں مالک نہیں

لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ

اپنی جان کے بھلے کا نہ بُرے کا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ

تو بہت خوبیاں لیتا اور مجھ کو بُرائی کبھی نہ پہنچتی میں تو یہی ہوں ڈر اور

بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۱۳

خوشی سنانے والا، مانتے لوگوں کو۔

تذکیر آخرت وذِکر قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ ... الٰى ... اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت ﴿عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ﴾ میں انفرادی قیامت کا ذکر تھا اس لیے کہ حدیث میں ہے:((من مات فقد قامت قیامته)) جو شخص مر گیا اس کی قیامت تو قائم ہوگئی۔ اب ان آیات میں مجموعۂ عالم کی قیامت کا ذکر ہے۔ پس جس طرح کسی شخص کو اپنی شخصی قیامت یعنی اجل اور موت کا علم نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پوری دنیا کی اجل یعنی موت کا علم بھی کسی کو نہیں کون بتلا سکتا ہے کہ قیامت کس تاریخ میں اور کس دن میں اور کس وقت میں آئے گی۔ اس کا علم سوائے خداوندِ علام الغیوب کے کسی کو نہیں قریش کے ایک گروہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اے محمد ﷺ یہ بتلاؤ کہ قیامت کب آئے گی؟ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مشرکین قیامت کو یعنی دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ انکا خیال خام تھا مرنا تو کوئی محال چیز نہیں رہا مر کر زندہ ہونا سو اس میں اگر کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ نیست سے ہست ہونا کیونکر ممکن ہے سو یہ بھی دن رات مشاہد ہے اس میں بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں خداوند قدوس کی قدرت میں ذرا غور کریں تو سارے شبہات دُور ہو جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی تا کہ قیامت قائم ہونے سے کچھ دیر پہلے ایمان لے آئیں آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجیے کہ جز ایں نیست کہ قیامت کا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے جس کی خبر نہ کسی ملک مقرب کو ہے اور نہ نبی مرسل کو نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر وہی جو اسے جانتا ہے قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری اور گراں حادثہ ہے جس میں آسمان اور زمین سب کی فناء ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو مخفی رکھا جائے نہیں آئے گی تم پر قیامت مگر ناگہاں اس لیے تم کو اس سے ڈرتے رہنا چاہیے اور آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لینی چاہیے اور پہلے سے بتلا دینے میں یہ بات نہ رہے گی یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق اس طرح سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے پورے باخبر اور واقف ہیں۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے اسکے علم کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے جس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ منکرین قیامت کو آخر وقت تک قیامت کی آمد کا پتہ نہ چلے جیسے انسان کو آخر وقت تک موت کا علم نہیں کہ کب آئے گی اسی طرح کسی کو قیامت کے آنے کا وقت بھی معلوم نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کا علم حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے انکا علم انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام سے بھی روک لیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک قیامت ہے جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اسکے سوا اور کسی کو نہیں مگر اکثر آدمی یعنی کفار اپنی بے علمی کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ نبیوں کو قیامت کا علم ہی ضروری ہے اور اگر کوئی نادان یہ کہے کہ نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ غیب دان ہو تو اے نبی! آپ ﷺ اس سے کہہ دیجیے میں تو اپنی ذات کے لیے بھی چہ جائیکہ دوسروں کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے فقط اتنی مقدار مجھے اختیار حاصل ہو جاتا ہے میں نہ اختیار

مستقل رکھتا ہوں اور نہ علم محیط اور اگر میں غیب داں ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ کو کبھی کوئی برائی نہ پہنچتی یعنی اگر میں غیب داں ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز بسا اوقات لاعلمی کی وجہ سے مجھ کو ناگوار حالت بھی پیش آتی ہے اگر پہلے ہی مجھے علم ہوتا تو یہ اضطراب اور پریشانی مجھ کو لاحق نہ ہوتی انسان کو اگر پہلے سے علم ہو جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ بہت سی مشکلات کی روک تھام ممکن ہے میں نہ تو مجنون ہوں اور نہ غیب داں ہوں میں تو صرف عذابِ الٰہی سے ڈرانے والا اور ایمان والوں کو ثواب کی بشارت دینے والا ہوں یعنی میری نبوت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میں احکام خداوندی کا بشیر اور نذیر ہوں نہ مجھے علم غیب ہے اور نہ میں کسی نفع اور ضرر کا مالک ہوں مشرکین عرب آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جہاں اور شبہات نکالتے تھے وہاں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں دنیاوی مضرتوں سے بچانے کے لیے ہمیں غیب کی خبریں بتلایئے اور آنے والے مصائب سے ہمیں آگاہ کیجیے تاکہ ان سے بچنے کی تدبیر کر لی جائے ان سب مزخرفات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی! آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ میں خود اپنے ہی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ میں عالم الغیب ہوں جو تمہیں غیب کی باتیں بتاؤں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ اس پاس آرام پکڑے

اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ

پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل پھر چلتی گئی اس سے پھر جب بوجھل ہوئی دونوں

دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾

نے پکارا اللہ اپنے رب کو اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں۔

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ

پھر جب دیا ان کو چنگا بھلا ٹھہرانے لگے اس کے شریک اس کی بخشی چیز میں سو اللہ اوپر ہے

عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ ع

ان کے شریک بتانے سے کن کو شریک بتاتے ہیں جو پیدا نہ کریں ایک چیز اور آپ پیدا ہوتے ہیں؟

وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَ اِنْ

اور نہ کر سکتے ہیں ان کو مدد اور نہ اپنی مدد کریں۔ اور اگر ان کو

تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

پکارو راہ پر، نہ چلیں تمہاری پکار پر۔ برابر ہے تم کو، کہ ان کو پکارو

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ

یا چپکے رہو، جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا بندے

اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ

ہیں تم سے، بھلا پکارو ان کو تو چاہیے قبول کریں تمہارا پکارنا، اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کو

اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ

پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کو ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کو

اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ

آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں۔ یا ان کو کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ

ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ

پکارو اپنے شریکوں کو پھر برا کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو۔ میرا حمایتی اللہ ہے،

الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اس کے سوا نہیں کر سکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَ

اور اگر ان کو پکارو راہ کی طرف کچھ نہ سنیں اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور

هُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ

کچھ نہیں دیکھتے خوب کر معاف کرنا اور کہہ نیک کام کو اور کنارہ کر

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط

جاہلوں سے اور کبھی ابھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ تو پناہ پکڑ اللہ کی

اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

وہی ہے سنتا جانتا جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ج وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ

شیطان کا گزر چونک گئے پھر تبھی ان کو سوجھ آگئی اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو کھینچتے جاتے ہیں

فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

غلطی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

اثباتِ توحید وابطالِ شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ... الٰى ... ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کا ذکر تھا کہ وہی ہر نفع اور ضرر کا مالک ہے اور وہی عالم الغیب ہے اور شروع سورت میں حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔ اب سورت قریب الختم ہے اس لیے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا قصہ اجمالی طور پر دوبارہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے۔ اگرچہ گزشتہ آیات میں بھی توحید خداوندی کا مختصر سا ذکر ہوا ہے لیکن ان آیات میں اس مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہی اللہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو ایک ذات یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور پھر اسی ایک ذات سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

یعنی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا تا کہ آدم علیہ السلام اس جوڑے کے ساتھ سکون اور آرام حاصل کرے۔ یعنی عورت کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا پھر ان سے نسل کا سلسلہ چلا اور اولاد پیدا ہوئی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوئے۔ سو ان میں سے بعض کی یہ حالت ہوئی کہ جب مرد نے عورت سے مقاربت یعنی ہم بستری کی تو اس عورت نے ایک ہلکا سا بوجھ اٹھایا یعنی نطفہ نے اس کے رحم میں قرار پکڑا جو ایک ہلکا سا بوجھ تھا۔ سو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ اوّل اوّل حمل کا بوجھ ہلکا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ بے تکلیف چلتی پھرتی رہی۔ پس جب وہ بوجھل ہوئی اور میاں بیوی دونوں کو یقین ہو گیا کہ حمل ہے تو اس وقت دونوں کو طرح طرح کے خطرات اور توہمات پیش آنے لگے جیسا کہ پیش آیا کرتے ہیں تو اس وقت میاں اور بیوی دونوں اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنے لگے کہ اے پروردگار! اگر تو نے ہم کو صحیح سالم بیٹا عطاء کیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ جیسا کہ عام عادت ہے کہ نعمت ملنے سے پہلے بڑے عہد اور میثاق کرتے ہیں پھر جب نعمت مل جاتی ہے تو حالت بدل جاتی ہے پس یوں ہی ہوا کہ جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس خداداد

بیٹے میں جو اللہ نے ان کو عطاء کیا شریک ٹھہرانے لگے اور یہ کہنے لگے کہ بیٹا تو تاثیر کواکب سے پیدا ہوا ہے اور کسی نے کہا کہ ہمارے بتوں نے ہم کو بخشا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے کسی نے بچہ کا نام عبدالعزیٰ اور عبدمناف رکھا اور کسی نے عبدشمس اور کسی نے عبدالمسیح اور کسی نے عبدالنبی اور کسی نے عبدالرسول اور کسی نے بندہ علی نام رکھا۔ سو اللہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں منعم حقیقی کے نام پر تو نام نہ رکھا اور غیر اللہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا بجائے عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام رکھنے کے عبدالشمس اور عبدالعزیٰ نام رکھ دیا۔

محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابتداء آیت میں اگرچہ آدم اور حوا علیہما السلام کا ذکر تھا مگر وہ بطور تمہید تھا مگر بعد میں مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کے ذکر سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدمیوں میں نر اور مادہ کو پیدا کیا تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں جس کا ان کو شکر گزار ہونا چاہیے تھا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ آڑے وقت میں تو صرف ہم کو پکارتے ہیں اور جب وقت نکل جاتا ہے تو ہمارے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتے ہیں۔ غرض یہ کہ اصل مقصود مطلق مرد اور عورت کا حال بتلانا ہے اس لیے محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ﴾ میں تثنیہ کی تینوں ضمیریں خاص حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ ان دونوں کی اولاد کے مردوں اور عورتوں کی طرف راجع ہیں یا یوں کہو کہ ان کی نسل میں سے دو مختلف جنسوں کی طرف راجع ہیں اور تقدیر کلام الٰہی اس طرح سے ہے فلما اٰتی اللہ آدم و حواء الولد الصالح الذی تمنیاہ و طلباہ ۔ جعل کفار اولادھما ذٰلک مضافا الیٰ غیر اللہ تعالیٰ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حواء علیہما السلام کو فرزند صالح عطاء فرمایا جس کی ان دونوں نے خواہش کی تھی تو آئندہ چل کر ان کی کافر اولاد نے اس کو غیر خدا کی طرف منسوب کیا اور اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ میں لفظ یشرکون صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ اور یشرکان صیغہ تثنیہ کا نہیں لایا گیا معلوم ہوا کہ خود آدم اور حوا علیہما السلام نہیں بلکہ یہ شرک کسی جماعت سے صادر ہوا ہے جو اولادِ آدم علیہ السلام سے ہے اور مسلسل شرک میں گرفتار ہیں کیونکہ ﴿عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار تجددی کے لیے لایا گیا ہے۔ معاذ اللہ! جس کا حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ! اگر آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا شرک مراد ہوتا تو ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ بصیغہ تثنیہ آتا معلوم ہوا کہ جعلا لہ شرکاء کی ضمیر تثنیہ۔ دو جنسیں یا نوعین مختلفین کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف۔

غرض یہ کہ ان آیات میں خاص آدم اور حواء علیہما السلام کا حال بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عام آدمیوں کے مرد اور عورت کا حال بیان کرنا مقصود ہے بے شک ابتداء کلام یعنی ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم اور حواء علیہما السلام کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور قرآن کریم میں بکثرت ایسا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے ﴿وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ﴾ میں جن سیاروں کو مصابیح فرمایا آئندہ آیت ﴿وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا﴾ میں انہی کی طرف ضمیر راجع کی گئی ہے حالانکہ جن سیاروں کو مصابیح فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے نہیں جن سے شیاطین کا رجم ہوتا ہے مگر شخص مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف راجع کی گئی۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ ﴿وَ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ﴾ کی تفسیر میں کوئی اشکال نہیں رہا اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں روئے سخن آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف ہے۔ اس لیے

کہ بعض روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا حال ہے حضرت حواء علیہا السلام کے کئی بچے مر چکے تھے اس کے بعد وہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان سے آ کر کہا کہ اگر اس کا نام عبد الحارث رکھو تو یہ زندہ رہے گا۔ حضرت حواء علیہا السلام شیطان کے فریب میں آ گئیں اور اس نام کے رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر حواء علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی راضی کر لیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام عبد الحارث رکھا اور حارث ابلیس کا نام تھا اور بظاہر حضرت حواء علیہا السلام کو اس کی خبر نہ تھی کہ حارث شیطان کا نام ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ یہ مشورہ دینے والا شیطان ہے یا بھیس بدل کر آیا ہوگا اور حضرت حواء علیہا السلام نے پہچانا نہ ہوگا۔ اور اس قسم کا مکر حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ دیکھا تھا یہ پہلا موقع تھا بے خبری سے دھوکہ میں آ گئے سو یہ روایت اگرچہ ترمذی میں مذکور ہے مگر متعدد وجوہ سے معلول ہے اور حضرات محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے۔

علاوہ ازیں اسماء اعلام میں لغوی معنی کا لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا اور اگر بالفرض کچھ لحاظ ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کی طرف لفظ عبد کو مضاف کیا جائے اس کو معبود سمجھ لیا جائے عرب کا محاورہ ہے کہ میزبان کو عبد الضیف کہتے ہیں یعنی مہمان کا غلام اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مہمان اس کا معبود ہے اور یہ اس کی پوجا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کا نام عبد المطلب تھا کوئی شخص اس کا مطلب نہیں سمجھتا تھا کہ وہ مُطّلِب کے بندہ ہیں اور مُطّلِب ان کا معبود ہے۔ پس اگر عبد الحارث نام رکھنے کا واقعہ صحیح ہو تو اس سے شرک فی التسمیہ مراد ہوگا۔ معاذ اللہ یہ ممکن نہیں کہ حقیقتاً شرک کا ارتکاب کرے۔ لیکن ایسا نام رکھنا جس سے شرک کی بُو آتی ہو یہ نبی کی شان رفیع کے مناسب نہیں اور قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور مقربین کی چھوٹی سی چھوٹی باتوں اور لغزشوں اور بھول چوک کو بھی سخت عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے ﴿ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ ﴾ (الانبیاء:۸۷) اور دوسری جگہ ہے ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ (یوسف:۱۱۰) اسی طرح یہاں بھی سمجھیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے رُتبہ کے لحاظ سے اس تسمیہ کو جس میں شرک کا ایہام تھا تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا: ﴿ وَ جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ ﴾ آخر درخت سے کچھ کھا لینا وہ بلاشبہ سہو اور نسیان سے تھا اور سہو و نسیان عقلاً و نقلاً قابل مؤاخذہ نہیں مگر حضرت آدم علیہ السلام نے جو بھولے سے کھا لیا، اس پر قرآن کریم میں کس قدر عتاب آیا۔ یہ عتاب ان کی شانِ رفیع کے لحاظ سے تھا۔

ابطالِ شرک و بت پرستی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر تھا جو اس کے استحقاق معبودیت کی دلیل تھیں اب آگے آلہۂ باطلہ کے نقائص کا ذکر ہے جو ان کی عدم معبودیت کی دلیل ہیں بلکہ وہ تو اپنے پرستاروں سے بھی بدتر ہیں نہ ان کے ہاتھ ہیں نہ ان کے پیر نہ ان کے آنکھ نہ ان کے کان وہ اپنے پرستاروں کی آواز بھی نہیں سُن سکتے پھر کیوں ان کی پرستش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ خالق کائنات کے ساتھ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خالق کے ساتھ شریک کرنا کمال بے عقلی ہے اور اپنے ہاتھ کی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا کمال ابلہی ہے اور کسی چیز کا پیدا کرنا تو بڑی بات ہے یہ تو اپنے پرستش کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی مصیبت اور تکلیف ہی کو دُور کر دیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں کہ کوئی ان کو توڑنے پھوڑنے لگے تو اپنے آپ کو توڑ پھوڑ ہی سے بچا لیں یا کوئی ان پر میل یا گندگی لگانے لگے تو اسی سے اپنے آپ کو دور کر سکیں ان سے بہتر تو انسان ہی ہے کہ دوسرے

کی بھی مدد کرسکتا ہے اور اپنا بھی بچاؤ کرسکتا ہے حالانکہ عقل کا تقاضہ یہ کہ معبود عابد سے بہتر ہونا چاہیے یہاں ماجرا برعکس ہے اور اس سے بھی بڑھ کر سنو وہ یہ کہ اگر تم ان کو کسی بات کے بتلانے کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں تمہارا پکارنا اور خاموش رہنا سب برابر ہے۔ پس ایسوں کو کیوں پکارتے ہو؟ پس جو ذات اس درجہ عاجز ہو کہ پکار کو بھی نہ سُنے وہ کیسے معبود ہوسکتی ہے حالانکہ پکار کو سن لینا نہایت سہل ہے اور کسی کی مدد کرنا یا اپنی حفاظت کرنا یہ اس سے مشکل ہے۔ پس جو ذات ایسی آسان چیزوں سے عاجز ہوگی وہ پیدا کرنے سے بدرجہ اولی عاجز ہوگی تحقیق جن کو تم سوائے اللہ کے پکارتے ہو وہ تمہارے ہی مانند عاجز بندے ہیں بندہ سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح خدا کے مخلوق اور مملوک ہیں اور ایک مماثل اور مساوی دوسرے مماثل اور مساوی کے حق میں معبود نہیں ہوسکتا اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ تم سے افضل اور اکمل ہیں تو ان معبودوں کو پکارو تو سہی پس ان کو چاہیے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں اور تمہاری عرض معروض کو قبول کریں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود برحق ہیں۔ اس لیے کہ معبود برحق پر لازم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی دعا کو قبول کرے اور اس کی نداء اور دعا کا جواب دے وہ تمہاری باتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں وہ تو ان کمالات سے بھی عاری ہیں جو ایک معمولی انسان کو حاصل ہوتے ہیں کیا ان کے لیے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں اور کسی قسم کی حرکت کرسکیں یا ان کے لیے ہاتھ ہیں جن سے وہ کوئی چیز پکڑ سکیں یا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سُن سکیں۔ پس ایسے لُولوں اور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو خُدا بنانا اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے مطلب یہ ہے کہ تم خود قائل ہو کہ ان کے نہ پاؤں ہیں اور نہ ہاتھ ہیں اور نہ انکی آنکھیں ہیں بینا اور نہ کان ہیں شنوا اور تمہیں یہ سب چیزیں حاصل ہیں تو تم ان سے افضل اور بہتر ہو۔ لہٰذا تمہارا بتوں کے آگے جھکنا جو تم سے بہت کمتر اور عاجز ہیں کمال درجہ کی بے وقوفی ہے آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے تجویز کردہ شریکوں کو بلاؤ پھر سب مل کر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو مجھے تمہارے معبودوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ اس لیے کہ تحقیق میرا کارساز وہ اللہ ہے جس نے یہ مبارک کتاب مجھ پر نازل کی وہ خاص طور پر میرا کارساز اور معین اور مددگار ہے اور وہ تو عام طور پر سب نیکوکاروں کا کارساز ہے اور میں تو خدا تعالیٰ کا خاص الخاص پیغمبر ہوں وہ میری تو ضرور ہی مدد کرے گا۔ پھر مجھے کہاں کا ڈر ہے اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور پوجتے ہو یعنی بتوں کو وہ نہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کرسکتے ہیں جب کوئی ان کے توڑنے اور خراب کرنے کا قصد کرے تو وہ اپنی حفاظت نہیں کرسکتے اور مدد کرنا تو بڑی بات ہے ان کو تو اگر کسی بات کے بتلانے کے لیے پکارو تو وہ سنیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کے کان ہی نہیں (اے نبی ﷺ) آپ ان بتوں کو دیکھیں گے۔ کہ گویا وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ان پر آنکھوں کی شکل بنی ہوئی ہے حالانکہ وہ واقع میں کچھ نہیں دیکھتے کیونکہ وہ حقیقت میں آنکھ نہیں رکھتے اور اگر بالفرض والتقدیر اس بیان واضح اور برہان ساطع کے بعد بھی آپ ﷺ سے اپنے شرکاء کے بارہ میں مجادلہ کریں تو اے نبی! آپ ﷺ ان مجادلین اور معاندین سے بجائے غصہ کے درگزر کو اختیار کرو شاید نصیحت قبول کریں اور ان کو نیک کام کا حکم دیجیے اگر ذرا بھی عقل ہوگی تو قبول کریں گے اور جاہلوں سے اعراض اور کنارہ کشی کرو یعنی وہ لوگ اگر جہالت سے پیش آئیں تو آپ ﷺ ان سے اعراض کریں نہ ان پر غصہ کریں اور نہ ان کے درپے ہوں اور اگر اتفاقاً کسی وقت ان کی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپ ﷺ کو غصہ پر آمادہ کرے تو آپ ﷺ اس کے شر سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگئے بے شک اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے جوش اور غصہ کے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھنا تریاق مجرب ہے تحقیق جو لوگ خداترس ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی ایسا خیال آتا ہے جو

ان کے دل کے گرد گھوم [1] جائے اور ان کو غصہ پر آمادہ کرے تو وہ چونک جاتے ہیں پھر ناگہاں اسی دم وہ بینا ہو جاتے ہیں اور راہ صواب ان کو نظر آجاتی ہے اور اس بینائی کے ذریعہ وسوسہء شیطانی کی ظلمت اور کدورت کو اپنے دل سے دُور کرتے ہیں اور راہ صواب پر آجاتے ہیں اور اس سے وسوسہ کا اثر ان کے دل سے جاتا رہتا ہے اور اس کے برعکس برادران کفار یعنی شیاطین مشرکوں کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پھر گمراہ کرنے میں کچھ کسر نہیں چھوڑتے مطلب یہ ہے کہ مومن کو گناہ کا خیال آتا ہے تو خدا کو یاد کر کے اس خیال سے باز آجاتا ہے اور شیطانی وسوسہ اس کے دل سے نکل جاتا ہے بخلاف کفار کے کہ ان کے برادران یعنی شیاطین جب ان کے ساتھ لگ جاتے ہیں تو ان کو خوب اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور ہمیشہ ان کو معصیت میں مبتلا رکھتے ہیں

خلاصۂ کلام یہ کہ متقین کو وسوسہء شیطانی سے اگر غفلت لاحق ہوتی ہے تو فوراً چونک پڑتے ہیں اور ٹھوکر لگتے ہی سنبھل جاتے ہیں اور غفلت کا پردہ فوراً ان کی آنکھوں سے اٹھ جاتا ہے بخلاف شیطانی برادری کے کہ اس کی غفلت اور معصیت میں برابر زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ : نبی اکرم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام صغائر اور کبائر سے معصوم ہیں اور شیطان کی مجال نہیں کہ ان پر اپنا کوئی داؤ چلا سکے اور اس آیت یعنی ﴿ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ ﴾ کا مضمون عصمت نبوی کے منافی نہیں اس لیے کہ اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلم اور درگزر کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت جاہلوں کی جہالت پر آپ کو غصہ وغیرہ آجائے اور حکم سابق کے خلاف خیال آپ کے دل میں گزرے تو فوراً اللہ پاک سے پناہ مانگیے اور ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴾ پڑھیے اور ظاہر ہے کہ ایسا خیال شانِ عصمت کے ذرہ برابر منافی نہیں۔

وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَیْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ
اور جب تو لے کر نہ جاوے اُن پاس کوئی آیت کہیں کچھ چھانٹ کیوں نہ لایا؟ تو کہہ میں چلتا ہوں اسی پر
مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ
جو حکم آوے مجھ کو میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور راہ اور مہر ہے
لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

جواب شبہ کفار دربارۂ رسالت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰیَةٍ ... اِلٰی ... لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ ﴾

---

[1] اس ترجمہ میں لفظ طائف کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ عفا اللہ عنہ۔

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر تھا اب اس آیت میں کفار کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ بعض لوگ کج بحثی اور شرارت کی بناء پر آنحضرت ﷺ سے خاص معجزات طلب کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب آپ ﷺ ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی خاص فرمائشی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس معجزہ کو کیوں نہیں بنالیا جس طرح آپ اور طرح طرح کی نشانیاں بنا کر لاتے ہیں اسی طرح ہماری فرمائش کے مطابق بھی ایک نشان بنا کر دکھلا دیجیے آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ معجزہ دکھلانا میرا کام نہیں۔ یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے جز ایں نیست میرا اصلی کام یہ ہے کہ میں صرف اس چیز کی پیروی کروں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے آیتوں کا اتارنا اور معجزات کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ جب چاہتا ہے اتارتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نہیں اتارتا اور نہیں ظاہر کرتا ہاں البتہ یہ قرآن جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہو رہا ہے یہ میرا سب سے بڑا معجزہ ہے یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں ہیں جن سے راہ حق نظر آتی ہے اور خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھلائی دیتا ہے اور اہل ایمان کے لیے مشعل ہدایت اور مژدۂ رحمت ہے کہ اس کے اتباع سے گمراہی سے نجات ملتی ہے اور خدا کی رحمت اور عنایت حاصل ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس ہدایت اور رحمت سے محروم ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾
اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اس طرف کان رکھو اور چپ رہو شاید تم پر رحم ہو۔

تعلیم ادبِ قرآن

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حق جل شانہٗ نے قرآن مجید کو بصیرت اور رحمت اور ہدایت فرمایا اب اس آیت میں اس کے ادب کی تعلیم دیتے ہیں کہ قرآن کا ادب اور اس کا حق یہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو تم ہمہ تن گوش بن جاؤ اور جب تک وہ پڑھا جائے اس وقت تک تم بالکل خاموش رہو تا کہ تم خدا کی رحمت اور عنایت کے مورد بن سکو۔ قرآن جو اللہ کا کلام ہے اس کا حق یہ ہے کہ کانوں سے اس کا استماع ہو اور زبان سے انصات یعنی خاموشی ہو تا کہ تم اس کی رحمت اور مہربانی کے مستحق بن سکو اس لیے ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ میں رحمت خاصہ وعدہ مستمعین اور منصتین کے لیے ہے نہ کہ منازعین اور مخالجین کے لیے۔

ربط دیگر: نیز شروع سورت میں اتباعِ قرآن کا حکم دیا تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ اب اس سورت کے ختم پر قرآن کریم کے ایک خاص ادب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ادب بھی منجملہ اتباع کے ہے کیونکہ اس آیت میں قرآن کا حق اور ادب استماع اور انصات بتلایا گیا ہے اور قرآن کا استماع اور انصات یہی قرآن کا اتباع ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝﴾ (القیامہ) اے نبی کریم ﷺ! جب ہم آپ ﷺ کے سامنے بلا واسطہ یا بالواسطہ قرآن پڑھیں تو آپ ﷺ اس کا اتباع کیجیے۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ کے معنی ﴿فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَاَنْصِتْ﴾ کے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں فَاتَّبِعْ سے سننا اور خاموش رہنا مراد ہے۔

شانِ نزول:

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف اقوال آئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّلاً تمام اقوال ذکر کردیئے جائیں تاکہ پوری حقیقت سامنے آجائے اور ترجیح اور تنقیح میں سہولت ہو۔

قولِ اوّل: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کے متعلق نازل ہوئی لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر سکوت اور خاموشی کا حکم ہوا کہ نماز میں امام کی قراءت سنو اور خاموش رہو باتیں نہ کرو۔ مگر یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور نماز میں کلام کرنے کا نسخ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا اور جس آیت سے نماز میں سلام وکلام منسوخ ہوا وہ یہ آیت ہے ﴿وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ جیسا کہ کتب حدیث وتفسیر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

قول دوم: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اثناء نماز میں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے اس کی ممانعت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ قول بھی ضعیف ہے اور اس قول کا مآل قول اوّل ہی کی طرف ہے غرض یہ کہ شانِ نزول کے بارہ میں یہ دونوں قول نہایت ضعیف ہیں۔

قول سوم: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جمعہ کے خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی لوگ اثناء خطبہ میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر حکم ہوا کہ خاموش رہو باتیں نہ کرو (مگر) یہ قول بھی صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں ہجرت کے بعد فرض ہوا کیونکہ سورۂ جمعہ بالاتفاق مدنی ہے۔ نیز خطبہ تو خطیب کا کلام ہے جب اسکا سننا اور اس کے لیے خاموش رہنا واجب ہوا تو کلامِ خداوندی کا سننا اور اس کے لیے خاموش رہنا بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا۔

قول چہارم: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارہ میں نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو کافر یہ کہتے تھے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝﴾ (حٰمٓ السجدہ)

"یعنی اس قرآن کی طرف کان نہ لگاؤ اور اسکے پڑھنے کے وقت شور مچادیا کرو شاید تم مسلمانوں پر غالب آجاؤ۔"

تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں کفار قریش کو خطاب کیا گیا کہ اے قریش! جب آنحضرت ﷺ تمہارے سامنے قرآن پڑھیں تو تم کان لگا کر اس قرآن کو سنو اور خاموش رہو اور شور نہ مچاؤ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح شروع آیات میں کفار مخاطب ہیں اسی طرح مناسب ہے کہ آخر آیات میں بھی کفار ہی مخاطب ہوں اور لفظ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ بھی اس پر دال ہے اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شاید تم پر رحم کیا جائے اور یہ معنی کافروں کے مناسب ہیں اہل ایمان کے مناسب نہیں کیونکہ اہل ایمان تو پہلے ہی سے اہل ہدایت اور موردِ رحمت بن چکے ہیں۔ پس اس آیت کا تعلق اہل ایمان سے نہیں جیسا کہ اس کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔

اور اس قول کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے جیسا کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ اپنی تفسیر میں تمام صحیح اور سقیم اقوال ذکر کردیتے ہیں تاکہ ایک مرتبہ تمام اقوال نظروں کے سامنے آجائیں قطع نظر اس امر سے کہ یہ قول صحیح ہے یا فاسد وکاسد ہے۔

اور یہ قول۔ بظاہر اگرچہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ قول بدعت ظاہرہ ہے اجماع سلف کے سراسر خلاف ہے یہ قول صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے منقول نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوجائے گا۔

قول پنجم: جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی خاص مقتدی کے لیے یہ حکم

نازل ہوا کہ مقتدی کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کرے بلکہ اس کے لیے استماع اور انصات یعنی سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے اور اسی کو امام ابن حریر اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہما نے اختیار کیا کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں قراءت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گزشتہ آیت میں حق جل شانہٗ نے ارشاد فرمایا ﴿بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے اب اس آیت یعنی ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا ادب اور احترام یہ ہے کہ تم اس وقت بالکل خاموش رہو اور پوری توجہ کے ساتھ سنو تاکہ تم پر رحمت الٰہی کا نزول ہو ایسا نہ کرو جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے کہ قراءت قرآن کے وقت شور مچاتے تھے۔ كَمَا قال الله تعالیٰ: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ﴾ خاص کر نماز کی حالت میں مقتدی پر انصات (یعنی خاموش رہنا) فرض اور نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((انما جعل الامام ليؤ تم به فاذ اكبر فكبر وا واذا قرأفا نصتوا)). اور یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: ((اذا قمتم الى الصلاة فليؤ مكم احد كم و اذا قرأ الامام فانصتوا)).

(مسند احمد ص ٤١٥ ج ٤)

"جز ایں نیست کہ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم بالکل خاموش رہو۔" (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲)، (و تفسیر ابن جریر ص ۱۱۲ ج ۹)

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ((واذا قرأ فانصتوا)) میں انصات کا حکم مقتدیوں ہی کو ہے اور حدیث میں جو ((اَنصِتُوْا)) کا حکم آیا ہے وہ وہی حکم ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ قرآن اور حدیث دونوں کے الفاظ ایک ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم بے شک بصیرت اور ہدایت ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں۔ اوّل یہ کہ تم خود اس قرآن کو پڑھو اور اس کے حقائق اور معانی میں غور و فکر کرو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب اس قرآن کو کوئی دوسرا پڑھے تو تم اس کو کمال توجہ اور کمال ادب اور کمال احترام کے ساتھ خاموشی کے ساتھ سنو تاکہ تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ خاص کر نماز کی حالت میں جو کہ مناجات خداوندی کی حالت ہے اس وقت تو استماع اور انصات کا لزوم اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے پہلی آیت میں پہلے طریقہ کا ذکر تھا اور اس آیت یعنی ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ میں دوسرے طریقہ کا ذکر ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (دیکھو ❶ مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۵ ج ۱۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۴۳ ج ۲)

---

❶ قال ابن قدامه فى المغنى قال احمدا جمع النَّاس على ان هٰذه فى الصلاة و قال احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فى و راية ابى داؤد اجمع الناس على ان هٰذه الآية فى الصلاة اھ ص ۶۰۵ ج ۱۔ اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی ص ۱۴۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں: و قال الله تعالىٰ: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ و قد استفاض عن السلف انها نزلت فى القرآئة فى الصلاة وقال بعضهم فى الخطبة و ذكر احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ الاجماع على انها نزلت فى ذلك و ذكر الاجماع على انه لا تجب القراءة على الماموم حال الجهر. انتهٰى

اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل اور سعید بن المسیب اور ابو العالیہ اور زہری اور زید بن اسلم اور شعبی اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (تفصیل اور تخریج کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر در منثور دیکھیں)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو! جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر پوری توجہ اور التفات سے سنو اور امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھو بالکل خاموش کھڑے رہو اور اپنے گوش سر اور گوش سر یعنی گوش دل کو قرآن کے سننے کے لیے مخصوص [1] کر دو اور زبان سے خاموش رہو اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے امام کا کلام نہیں۔ امام تو محض قاری ہے یعنی کلام خداوندی کا پڑھنے والا ہے۔ پس جب امام قراءت قرآن کرتا ہے تو در پردہ متکلم اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ امام بلا تشبیہ کے یوں سمجھو کہ نماز میں اللہ کا کلام بجائے کوہ طور کے درخت کے امام کی زبان سے جلوہ افروز ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کلام خداوندی جلوہ افروز ہو تو مجال دم زدنی نہیں کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۸)۔ اُمید ہے کہ اس استماع اور انصات کی برکت سے تم پر اللہ کی خاص رحمت نازل ہوگی اور کلام خداوندی کے انوار و تجلیات کی وجہ سے تم کو ہدایت اور بصیرت بھی حاصل ہوگی۔ اور نزغات [2] شیطانی سے بھی محفوظ رہو گے اور عقل اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب کلام خداوندی پڑھا جائے تو کوئی آواز اور سانس نہ نکلنے پائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ (طٰہٰ:۱۰۸)

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة. (رواه ابن ابی شیبة)

"جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے خلافِ فطرت کام کیا۔"

کسی نے کیا خوب کہا ؎

عجب است کہ بوجودت وجود من بماند — تو بگفتن اندر آئی و مارا سخن بماند

(سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ہرچہ فرماید مطیع امر باش — طوطیائے دیدہ کن از خاک باش

اوچہ می گوید سخن تو گوش باش — تا بگوید او، مگو خاموش باش

استماع اور انصات میں فرق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مقتدی کو دو حکم دیئے ہیں ایک استماع کا دوسرا انصات کا اس لیے ضروری ہے کہ استماع اور انصات

---

[1] یہ ترجمہ لام اختصاص کا ہے کیونکہ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ میں جو ﴿لَهٗ﴾ آیا ہے وہ لام اختصاص کے لیے ہے یعنی اپنے استماع کو قرآن کے لیے ایسا مخصوص کر دو کہ کسی دوسری جانب توجہ باقی نہ رہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

[2] اس لفظ سے گزشتہ آیت ﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ طرف اشارہ ہے تا کہ ماقبل سے مزید ربط ظاہر ہو جائے۔

کے فرق کو واضح کیا جائے تا کہ آیت کا صحیح مفہوم اور مدلول معلوم ہو سکے سو جاننا چاہیے کہ کلام عرب میں مطلق سننے کو سماع کہتے ہیں خواہ وہ بالقصد والارادہ ہو یا بلا قصد اور بلا ارادہ کے ہو۔

استماع:

اور استماع اس سننے اور کان لگانے کو کہتے ہیں کہ جو بالقصد والارادہ ہو اور پوری توجہ کے ساتھ ہو اور جب استماع کا صلہ لام لایا جائے تو فائدہ اختصاص کا دیتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى﴾ "اے موسیٰ علیہ السلام اس وحی کو پوری توجہ کے ساتھ سنو جو تمہاری طرف بھیجی جا رہی ہے" اور ﴿لِمَا يُوحٰى﴾ میں جو لامِ اختصاص لایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی توجہ اور التفات کو ہماری وحی اور ہمارے کلام کے سننے کے لیے مخصوص کر دو کہ جب تک وحی کا نزول ہوتا رہے اُس وقت تک توجہ اور التفات کسی دوسری جانب مبذول نہ ہو۔

اسی طرح ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام کلام خداوندی کی قراءت کرتا رہے تو مقتدی کو چاہیے کہ پوری توجہ اور التفات کے ساتھ کلام خداوندی کو سُنے اور اپنی توجہ اور التفات کو قرآن کے سننے کے لیے مخصوص کر دے۔

انصات:

اور انصات کے معنی سکوت اور خاموشی کے ہیں مگر انصات کے معنی مطلق سکوت اور خاموشی کے نہیں بلکہ کسی متکلم کے ادب اور احترام کی بناء پر خاموش رہنے کا نام انصات ہے خواہ وہ کلام سنائی دے یا نہ دے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی خلوت اور تنہائی میں خاموش بیٹھا ہے تو لغت میں اس کو سکوت اور صموت کہیں گے مگر انصات نہ کہیں گے۔ انصاتِ لغت میں اس سکوت اور خاموشی کو کہتے ہیں کہ جو کسی متکلم کے کلام کے ادب اور احترام میں خاموشی اختیار کی جائے عام اس سے کہ متکلم کا کلام سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناکب و انصتوا فان اجر المنصت الذی لا یسمع کاجر المنصت الذی یسمع رواہ عبد الرزاق مرسلا)). (فیض القدیر للمناوی ص ۷۵ ج۲۔ والسراج المنیر ص ۲۶۶ ج۱)

یعنی صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو برابر رکھو اور نماز میں خاموش رہو اگرچہ تم کو امام کی قراءت سنائی نہ دے اس لیے کہ جو منصت (خاموش) امام کی قراءت کو نہیں سنتا اس کا اجر اُس منصت (خاموشی) کے برابر ہے (کہ جو امام کی قراءت سُن رہا ہے) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انصات کے معنی مطلق خاموش رہنے کے ہیں کہ خواہ امام کی قراءت سنائی دے یا نہ سنائی دے۔ اس لیے فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ استماع خاص ہے اور انصات عام ہے اور اس آیت میں بوقت قراءت امام مقتدی کے لیے دو حکم مذکور ہیں ایک استماع کا یہ حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور دوسرا حکم انصات کا ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے اور انصتوا کا مطلب یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش کھڑے رہو خواہ امام کی قراءت سنائی دے یا نہ دے دونوں صورتوں میں انصات کا اجر برابر ہے اور بہر صورت انصات واجب ہے قرآن اور حدیث دونوں میں انصات کا حکم آیا ہے۔

اس لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ جہری نماز میں قراءت کرے اور نہ سری نماز میں قراءت کرے

فاستمعوا کا حکم جہری نماز سے متعلق ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سرّی دونوں نمازوں سے متعلق ہے۔

(دیکھو احکام القرآن للجصاص رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۹ ج ۳)

جیسا کہ احادیث میں خطبہ کے لیے انصات کا حکم آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت انصات (خاموش) چاہیے خواہ خطیب کی آواز سنائی دیتی ہو یا نہ دیتی ہو تمام ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص خطیب کا خطبہ نہ سن رہا ہو اور خطیب سے دور ہو تو اس پر بھی انصات (خاموش) رہنا واجب یا مستحب ہے اور ہر قسم کا کلام حالت خطبہ میں ممنوع ہے معلوم ہوا کہ لفظ انصات۔ مسموع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسموع اور غیر مسموع دونوں کو عام ہے۔ غرض یہ کہ لفظ انصات باعتبار لغت کے جہر اور سر دونوں کو شامل ہے۔

حق جل شانہٗ نے آیت میں اوّل خاص جہری نماز کا حکم ذکر فرمایا فاستمعوا یعنی جب امام قراءت کرے تو سنو۔ اور اس کے بعد حکم عام ذکر فرمایا یعنی انصتوا فرمایا یعنی قراءتِ امام کے وقت خاموش رہو اور حکم عام ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خطبہ کی حالت میں سامعین اور حاضرین کو آہستہ آہستہ ذکر و تسبیح کی بھی اجازت نہیں اگرچہ حاضرین خطبہ کی آواز نہ سن رہے ہوں۔ پس جبکہ خطبہ کی حالت میں سراً کلام ممنوع ہے تو نماز میں سراً قراءت بدرجہ اَولیٰ ممنوع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ لفظ انصات عام ہے جہری اور سرّی دونوں کو شامل ہے۔

اور مالکیہ اور حنابلہ رحمۃ اللہ علیہما یہ کہتے ہیں کہ استماع اور انصات دونوں کے ایک معنی ہیں اور جملہ ثانیہ یعنی انصتوا جملہ اولیٰ یعنی فاستمعوا کی تاکید ہے اور استماع اور انصات کا حکم جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے استماع کے معنی سننے کے ہیں اور انصات کے معنی سکوت مع الاستماع کے ہیں اور استماع اور انصات کا مآل ایک ہے اور دونوں حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقہاء حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فاستمعوا کا حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سرّی دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس جب استماع اور انصات کے معنی الگ الگ ہوئے تو جملہ وانصتوا تاسیس (یعنی جدید) معنی کے لیے ہوا اور تمام ائمہ بلاغت کا اس پر اجماع ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے اور تاسیس کو چھوڑ کر تاکید کو اختیار کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ لفظ انصات بہ نسبت لفظ استماع کے عام ہے اور جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے سو جن احادیث میں مقتدی کے احکام بیان کیے گئے ہیں ان احادیث میں ((اذا قرأ فانصتوا)) کا لفظ آیا ہے اور ((واذا قرأ فاستمعوا)) کا لفظ نہیں آیا تاکہ ((واذا قرأ فانصتوا)) کا حکم جہریہ اور سریہ دونوں نمازوں کو شامل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ مقتدی پر ہر حال میں انصات یعنی خاموش رہنا واجب ہے خواہ امام کی قراءت اسکو سنائی دے یا نہ سنائی دے۔

بحمدہ تعالیٰ ہمارے اس بیان سے استماع اور انصات کا فرق خوب واضح ہو گیا۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الانصات باللسان والاستماع بالاذنین۔ (تفسیر درمنثور ص ۱۵۶ ج ۳)

مطلب یہ ہے کہ انصات کا تعلق زبان سے ہے اور استماع کا تعلق کانوں سے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو خواہ امام کی آواز تمہیں سنائی دے یا نہ سنائی دے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ﴾ (الاحقاف: ۲۹) اس آیت میں انصتوا کے معنی ہیں

کہ جب قرآن پڑھا جائے تو بالکل خاموش رہو اور کوئی حرف زبان سے نہ نکالو۔ اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سرّی دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قراءت ممنوع ہے۔ اس لیے کہ سورۂ اعراف کی اس آیت سے واضح ہو گیا کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب اور لازم ہے اور اس کے خلاف ممنوع ہے۔ اس لیے کہ امر بالشئی نہی عن ضدہٖ کو مقتضی ہے۔ پس جب بحکم خداوندی مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہو گیا تو لامحالہ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قراءت کرنا مطلقاً ممنوع اور منھی عنہ ہوگا۔ اور تا آخر یہ حکم قائم رہا اور اس کے بعد کوئی آیت اس کی ناسخ نازل نہیں ہوئی اور ذخیرہ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں کہ جس میں صراحتاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا ہو (بلکہ) جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے باز پرس کی اور بطور عتاب یہ فرمایا: ((انی اراکم تقرؤن وراء امامکم)) اور ایک روایت میں ہے: ((هل تقرؤن وراء اما مكم)) اور ایک روایت میں ہے: ((لَعَلَّكم تقرؤن)) ان سب کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو جو منصب اقتداء کے منافی ہے مقتدی کا فرض تو یہ ہے کہ امام کی قراءت سنے اور خاموش رہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ((هل قرأ معي منكم احد انفا)) کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے؟ ساری جماعت میں سے صرف ایک شخص نے کہا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے پڑھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((مالی انازع القرآن)) میں بھی تو کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز میں قراءت قرآن کے بارہ میں منازعت کی جاتی ہے اور منازعت کے معنی کشمکش اور جھگڑے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نماز میں قراءت قرآن تو حق امام کا ہے۔ تم میرے پیچھے قراءت کر کے میرے اس حق کو چھیننا چاہتے ہو۔ لہٰذا مقتدی کو چاہیے کہ قراءت خلف الامام کر کے امام کے ساتھ منازعت نہ کرے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطاب سراپا عتاب کے سننے کے بعد جہری نماز میں قراءت کرنے سے سب لوگ باز آ گئے۔ فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقراءة حين سمعوا ذلك من الرسول ﷺ. یہ تو جہری نماز کا واقعہ ہوا کہ لوگ جہری نماز میں قراءت خلف الامام سے باز آ گئے۔

اسی طرح کا واقعہ ظہر کی نماز میں پیش آیا جو سری نماز ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر بطور عتاب فرمایا: ((ایکم خالجنیها)) "کس نے مجھ کو خلجان میں ڈال دیا" اور ایک روایت میں ہے: ((لقد ظننت ان بعضكم خالجنيها)). اس وجہ سے اس حدیث کو حدیث مخالجت کہتے ہیں۔ جیسا کہ پہلی حدیث کو حدیث منازعت کہتے ہیں اور دونوں لفظوں سے مقتدی کو قراءت سے ممانعت مقصود ہے حدیث منازعت فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اور حدیث مخالجت ظہر کی نماز کا واقعہ ہے معلوم ہوا کہ جہری اور سری دونوں ہی نمازوں میں مقتدی کے لیے قراءت خلف الامام ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے آپ کے پیچھے جہری یا سری کسی نماز میں قراءت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قراءت کو منازعت اور مخالجت قرار دیا جو کراہت اور ممانعت کی صریح دلیل ہے۔ پس ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مقتدی کی قراءت خلف الامام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ہرگز نہ تھی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر تھی ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باز پرس نہ فرماتے اور مقتدی کے پڑھنے کو آپ منازعت اور مخالجت نہ قرار دیتے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس باز پرس کو نہی اور ممانعت سمجھا۔ اسی بناء پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا زہری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں: فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر فيه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے کہ لفظ انتہاء

(بمعنی باز آجانا) اسی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں پہلے نہی اور ممانعت آچکی ہو جیسے خمر اور میسر کے بارہ میں ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ کا لفظ آیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ماقبل کا کلام نہی اور ممانعت کے لیے تھا اس وجہ سے اس آیت کریمہ کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ انتهينا انتهينا ہم باز آگئے آئندہ کبھی شراب نہ پییں گے۔ اسی طرح فانتهى الناس عن القراءة کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطاب سراپا عتاب کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم قراءت خلف الامام سے باز آگئے اور آئندہ کے لیے عہد کرلیا کہ اب کبھی قراءت خلف الامام نہیں کریں گے۔

ذکر مذاہب فقہاء کرام دربارۂ قراءت خلف الامام

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ اعراف کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک خوب واضح ہوگیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں قراءت کرنا ممنوع ہے اور بقدر ضرورت اجمالاً ان احادیث کو بھی ذکر کردیا گیا جن سے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب بھی ذکر کردیئے جائیں تاکہ مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب اجمالی طور پر نظروں کے سامنے آجائیں۔ فاقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور واجب ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے: ((لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب)) یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور اس بارہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو جزء القرأۃ خلف الامام کے نام سے مشہور ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب:

امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما یہ فرماتے ہیں: کہ جہری نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنا قطعاً ممنوع ہے البتہ سری نماز میں قراءت خلف الامام جائز یا مستحب ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: کہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام کے متعلق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام حرام ہے اور اُس سے مقتدی کی نماز بھی باطل ہوجاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جہری نماز میں مقتدی کے لیے قراءت خلف الامام ناجائز تو ہے مگر اس سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول مذہب حنبلی میں زیادہ مشہور ہے۔ (دیکھو فتاویٰ * ابن تیمیہ ص ۱۴۱ ج ۲) خاص کر حضرات غیر مقلدین ضرور دیکھیں۔

بعد ازاں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر طویل کلام فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت اعراف اور احادیثِ نبویہ سے یہ ثابت ہے کہ جہری نماز میں مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا قطعاً ممنوع ہے۔ پھر آخر

---

* اصل عبارت یہ ہے: والقرأة اذا سمع قرأة الامام هل هي محرمة او مكروهة وهل تبطل الصلاة اذا قراء على قولين في مذهب احمد وغيره (احدهما) ان القرأة حينئذٍ محرمة و اذا قرأ بطلت صلاته و هذا احد الوجهين في مذهب احمد (والثاني) ان الصلاة لا يبطل و هذا قول الاكثرين و هذا هو المشهور من مذهب احمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۴۱ ج ۲)

میں فرماتے ہیں:

وایضًا فالمقصود بالجهر استماع المامومین و لهذا یؤ منون علی قراءۃ الامام فی الجهر دون السر فاذا کانوا مشغولین عنه بالقراءۃ فقد امران یقرا علی قوم لا یستمعون لقراءته و هو بمنزلة من یحدث من لا یستمع لحدیث و یخطب من لا یستمع لخطبته و هذا سفه تنزه عنه الشریعة و لهذا روی فی الحدیث مثل الذی یتکلم والامام یخطب کمثل الحمار یحمل اسفارا فهکذا اذا کان یقرا والامام یقرا علیه. (فتاوی ابن تیمیه ص ۱۴۷ ج ۲)

جہری نماز میں جہراً قراءت سے مقصود یہ ہے کہ مقتدی امام کی قراءت کو سنیں اس وجہ سے مقتدی جہری نماز میں امام کے فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتے ہیں۔ سری نماز میں آمین نہیں کہتے۔ پس اگر مقتدی جہری نماز میں امام کی قراءت کو نہ سنیں بلکہ اپنی قراءت میں مشغول رہیں تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے جہری نماز میں ایسی قوم کے سامنے امام کو جہراً قراءت کا حکم دیا ہے جو اللہ کے کلام کو سننا نہیں چاہتے (اور بجائے اللہ کا کلام سننے کے اپنی قراءت میں مشغول ہیں) یہ تو بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص ایسی قوم سے باتیں کرتا ہے جو اس کی بات کی طرف کان نہیں لگاتے یا کوئی شخص ایسے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھتا ہے جو اس کے خطبہ کی طرف کان لگانا نہیں چاہتے یہ تو سراسر سفاہت اور نادانی ہے جس سے شریعت منزہ ہے اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو کہ خطبہ کی حالت میں کلام کرتا ہو خطیب تو خطبہ دے رہا ہو اور یہ شخص اپنی باتوں میں مشغول ہو گدھے کی سی مثال ہے جو اپنے اوپر کتابوں کو لادے ہوئے ہے یہی مثال ہے اس شخص کی جو اپنے پڑھنے میں مشغول ہو درانحالیکہ امام جہراً اس کے سامنے قراءت کر رہا ہو۔ (حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

حاصل کلام یہ کہ اگر جہری نماز میں مقتدی امام کی قراءت کو نہ سنے اور خود اپنی قراءت میں مشغول رہے تو آخر اس کو یہ سوچنا چاہیے کہ امام جو جہراً قراءت کر رہا ہے وہ کس کے سنانے کے لیے کر رہا ہے اور کیا معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے ایسی قوم کے سامنے جہر کا حکم دیا ہے جو اس کا کلام سننا نہیں چاہتی۔

مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سرّی دونوں قسم کی نمازوں کا حکم یکساں ہے مقتدی کے لیے کسی نماز میں بھی قراءت جائز نہیں امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما نے جو جہری اور سری نمازوں کے حکم میں تفریق کی وہ ان کا اجتہاد ہے باقی آیت قرآنیہ یعنی ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے۔ جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اور علیٰ ہذا احادیث میں بھی قرآن کی طرح ہی سب جگہ استماع اور انصات کا عام حکم آیا ہے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی جگہ جہری اور سری کا فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ فرق واقعہ کا ہے کسی جگہ مقتدی کے پڑھنے کا واقعہ فجر کی نماز میں پیش آیا اور کسی جگہ ظہر میں پیش آیا اور سب جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی کی قراءت پر باز پرس کی اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔ کسی جگہ ناگواری کا اظہار منازعت کے لفظ سے فرمایا اور کسی جگہ مخالجت کے لفظ سے فرمایا ہر جگہ مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگواری اور باز پرس کا سبب بنا جہر اور سر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور اسی طرح کا ایک واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی ایک شخص نے جو اس کے پاس تھا اس کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جا۔ پس جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا کہ تو نے

مجھے کیوں ٹوکا تھا اور مجھ کو اشارہ سے کیوں منع کیا تھا تو اس ٹوکنے اور روکنے والے نے پیچھے پڑھنے والے سے کہا:

كان رسول الله ﷺ قدامك فكرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبى ﷺ قال من كان له امام فان قراته له قرأة.

یعنی اس منع کرنے والے نے کہا: جبکہ رسول خدا ﷺ تیرے سامنے اور آگے امامت فرما رہے تھے۔ پس میں نے مکروہ جانا کہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے کچھ پڑھے۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔ سُن کر یہ فرمایا جس کے لیے امام ہو پس تحقیق امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے۔ (دیکھو موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ص ۹۸ و کتاب الآثار للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ)

مطلب یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے مقتدی کو علیحدہ قراءت کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت:۵۱) یعنی قرآن اللہ کی کتاب ہدایت کے لیے کافی ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

پس اس حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے کی کراہت اور ناگواری اور ناپسندیدگی کو آپ ﷺ نے بہ عنوان کفایت ذکر فرمایا اور جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھنے والے کو منع کیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق اور تائید فرمائی اور یہ واقعہ عصر کا ہے یعنی سری نماز کا ہے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگوار اور ناپسند تھا۔

الغرض یہ واقعہ کبھی فجر کی نماز میں پیش آیا اور کبھی ظہر اور عصر میں پیش آیا اور ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ ﷺ نے کراہت اور ناگواری کا اظہار فرمایا اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ارشاد فرمایا نہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام ہے اور نہ سری میں۔

یہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مضمون تھا جو بلاشبہ صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ما ارى الامام اذا قرأ الا كان كافيًا)). (رواه الطبرانى واسناده حسن)

"میں نہیں جانتا کہ جب امام قراءت کرے مگر یہ کہ وہ مقتدی کے لیے کافی اور وافی ہے۔"

مذہب خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم:

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں امام المغازی موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا کرتے تھے۔ (عمدۃ القاری)

حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کا سماع موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے ممکن ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی:

امام محمد ابن الحسن مؤطا ص ۹۸ میں فرماتے ہیں:

((ان عمر بن الخطاب قال ليت فى فم الّذى يقرأ خلف الامام حجرا)).

"فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہوں جو امام کے پیچھے قراءت کرے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی:

مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((من قراخلف الامام فقد اخطأ الفطرة)).

"جس نے امام کے پیچھے قراءت کی وہ فطرت سے چوک گیا۔" یعنی قرأۃ خلف الامام خلافِ فطرت فعل ہے۔

اب ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے صرف تحقیق پر اکتفا کیا اور روایات کی جرح وتعدیل سے کنارہ کشی کی اس لیے کہ اس کا محل کتب حدیث وفقہ ہیں۔ اُمید ہے کہ تشفی قلب کے لیے یہ تحریر کافی ہوگی۔

لطائف ومعارف

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس عنوان سے ایک ترجمہ قائم کیا تاویل قولہ عزوجل ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾ اخبرنا الجارود ... الیٰ...عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ . انّما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا و اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربّنا لك الحمد۔ امام نسائی کا عنوان باب میں آیت قرآنی کو نقل کر کے اس کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مقتدی ہی کا حکم بیان کرنا ہے اور حدیث کا آغاز ہی انما جعل الامام لیؤتم بہ سے ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ آیت قرآنی ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ سے مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر مطلقاً استماع اور انصات واجب اور لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے اپنی قراءت جائز نہیں۔ اور یہ حکم عام ہے سورت کے ساتھ مقید نہیں۔

نکتہ: آیت اعراف اور حدیث انصات میں ایک لطیف فرق ہے وہ یہ ہے کہ حدیث انصات میں مقصود فقط امامت اور اقتداء کے حکم کو بتلانا ہے۔ اور آیت اعراف میں اصل مقصود قراءت قرآن کے حکم کو بتلانا ہے۔ اس لیے آیت اعراف میں دو حکم ذکر فرمائے ایک استماع کا اور ایک انصات کا اس لیے کہ قراءتِ قرآن کبھی جہراً ہوتی ہے اور کبھی سراً اس لیے جہری قراءت کے متعلق استماع کا حکم دیا گیا اور سری قراءت کے متعلق انصات کا حکم دیا گیا کہ اگر امام جہراً قراءت کر رہا ہو اور تم اس کی قراءت کو سن رہے ہو تو اس وقت تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ﴾ یعنی امام کی قراءت کو پوری توجہ اور التفات سے سنو اور اگر امام سراً قراءت کر رہا ہو اور تمہیں اس کی قراءت سنائی نہ دے رہی ہو تو اس وقت تمہارے لیے ﴿اَنْصِتُوْا﴾ کا حکم ہے یعنی خاموش رہو۔ غرض یہ کہ آیت میں قراءت قرآن کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لیے اس کے متعلق دو حکم بیان فرمائے جہاں امام کی قراءت کا علم ہو وہاں حکم استماع کا ہے اور جہاں امام کی قراءت کا علم نہ ہو وہاں حکم انصات کا ہے۔

اور حدیث مذکور میں اصلی مقصود امام اور مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے اس لیے مقتدی کے متعلق صرف ایک حکم انصات یعنی سکوت کا ذکر فرمایا کہ مقتدی پر مقتدی ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں انصات یعنی سکوت واجب ہے اور اس میں امام کے جہر یا عدم جہر کو اور مقتدی کے استماع یا عدم استماع کو کوئی دخل نہیں اس لیے حدیث میں صرف ایک حکم یعنی انصات وسکوت پر اکتفا فرمایا استماع کا حکم ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ حدیث میں مقصود قراءت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ فقط مقتدی کا فریضہ بتلانا مقصود ہے کہ مقتدی کا فرض یہ ہے کہ امام کے پیچھے بالکل خاموش کھڑا رہے اسی بناء پر جس قدر حدیثیں اقتداء کے احکام کے بارہ میں آتی ہیں۔ سب جگہ صرف فَانْصِتُوْا ہی کا لفظ

آیا ہے جو جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ اور ابتداء مشروعیت امامت سے لے کر وفات نبوی تک کسی وقت بھی مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہوئی بلکہ سنت یہ رہی کہ امام قراءت کرتا اور مقتدی سنتے اور خاموش رہتے۔ لیلۃ الاسراء میں نبی اکرم ﷺ جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم السلام آپ ﷺ کی انتظار میں مسجد اقصیٰ میں جمع تھے۔ جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے آپ ﷺ امامت کے لیے آگے بڑھے۔ آپ ﷺ نے امامت فرمائی اور قراءت قرآن کی اور انبیاء کرام اور ملائکہ عظام علیہم السلام نے آپ ﷺ کی اقتداء کی سب نے آپ ﷺ کی قراءت کو سنا کسی ایک نبی یا فرشتہ نے آپ کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اس کے بعد سے امامت اور اقتداء کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ہمیشہ یہی طریقہ رہا کہ امام پڑھتا اور مقتدی سنتے یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے اتفاقاً محض اپنی رائے سے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کر ڈالی تو اس پر سورۂ اعراف کی یہ آیت ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ نازل ہوئی جس سے مقصود ہی قراءت خلف الامام کی ممانعت تھی کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے۔ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قراءت کرنا ہرگز جائز نہیں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے کبھی قراءت نہیں کی لیکن بعض غیر معروف اشخاص نے نہ معلوم کس بناء پر آپ ﷺ کے پیچھے فاتحہ یا سورۃ کی قراءت کی تو آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر ان سے باز پرس کی اور یہ فرمایا: ((لعلکم تقرؤن خلف امامکم)) معلوم ہوا کہ یہ قراءت نہ آپ ﷺ کی اجازت اور حکم سے تھی اور نہ آپ کو اس کی خبر تھی اور قراءت خلف الامام پر تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا﴾ جس میں مطلقاً قراءت قرآن کے وقت استماع اور انصات کا حکم دیا گیا اور اس حکم کو مقید بسورت نہیں فرمایا۔ اور علیٰ ہذا مرض الوفات میں اسی طرح پیش آیا کہ آپ ﷺ کے حکم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں امامت کر رہے تھے اور صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرت ﷺ امام ہو گئے۔ (مسند احمد ص ۶۳۲ ج ۱)

اور سنن دار قطنی ص ۱۵۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی جگہ سے قراءت شروع کی جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت سورت پڑھ رہے تھے۔

پس آنحضرت ﷺ نے اس اپنی آخری نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور جتنی مقدار قراءت اور سورۂ فاتحہ آپ ﷺ سے اس نماز میں رہ گئی تھی آپ ﷺ نے اس کا اعادہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نماز میں ابتداء سے امام تھے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے۔ ان کی قراءت سب کے لیے کافی ہو گئی۔

جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے: ((من کان له امام فقراءة الامام له قراءة)). "یعنی امام کی قراءت حکماً مقتدی کی قراءت ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قراءت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک حکمی۔ نماز میں امام کی قراءت حقیقی ہے اور مقتدی کی قراءت حکمی ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ((لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب)) بالفرض اگر عام ہے اور امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے تو اس حدیث میں قراءت فاتحہ بھی عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس جو مقتدی بحکم خداوندی امام کے پیچھے استماع اور انصات میں مشغول ہے وہی مقتدی حسب ارشادِ نبوی حکماً قراءت بھی کر رہا ہے۔ ((من کان له امام فقراءة الامام له قراءة)). اور یہ

مقتدی بحالت استماع وانصات۔امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب کی بھی قراءت کررہا ہےاوراس کی یہ حکمی قراءت زیر پردۂ استماع وانصات مستور ہےاوراسی طرح مقتدی بیک وقت حکم خداوندی استماع وانصات اور ((لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب)) پرعمل کر رہاہےاور جوشخص امام کے پیچھے قراءت کررہاہے وہ حکم خداوندی استماع وانصات کے بھی خلاف کررہاہےاورجس منازعت اورمخالجت سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایاہےاس کا مرتکب ہورہاہے۔قراءت خلف الامام کرنے والا بیک وقت خدااوررسول ﷺ کے حکم کے خلاف کررہاہے خوب سمجھ لوکہ وہ بجائے استماع وانصات کے امام کی منازعت اورمخالجت میں مشغول ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایاہے۔اگرآپ ﷺ نے کسی وقت مقتدی کوقراءت کاحکم دیاہوتاتوآپ ﷺ کبھی بھی بازپرس نہ فرماتے۔

نکتۂ دیگر: نمازمیں قراءت قرآن سے مقصوددیاتواحکام خداوندی کاسننا ہے یامناجات خداوندی مقصود ہےاگراوّل مقصود ہے توامام حق تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کوپہنچادےاوراگرمقصودمناجات اوراستدعاءنیاز ہےتوامام قوم کی طرف سے وکیل ہے کہ سب مقتدیوں کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں استدعاءنیازپیش کررہاہے۔

اورظاہر ہے کہ خلافت اوروکالت کافریضہ ایک ہی شخص ادا کرسکتا ہےاس لیے قراءت کافریضہ ایک امام ہی ادا کرے گااور مقتدی اس کی قراءت پرآمین کہیں گے باقی رہے آداب عبودیت سووہ سب پرلازم ہوں گے۔مثلاً رکوع اورسجوداورتسبیح وتحمید یہ سب بارگاہِ خداوندی اورعبادت کے آداب ہیں یہ سب کوبجالانے ہوں گےاس میں وکالت اورنیابت جاری نہیں ہوسکتی اس لیے کہ ان آداب سے مقصودتعظیم خداوندی ہےاورتعظیم خداوندی سب پرلازم ہےسورۂ فاتحہ جوکہ ایک عریضہ نیاز ہے جوصراط مستقیم کی ہدایت کے استدعاء پرمشتمل ہےاورعرض مطلب میں توتوکیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ عریضہ نیاز سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مقصوداورمرادمخاطب کے سامنے پیش کردیاجائےاورایک جماعت کی طرف سے عرض مدعا کے لیے ایک شخص کافی ہےاوروہ امام ہے۔

نکتۂ دیگر: نصوص شریعت میں غوروفکر سے یہ نظرآتا ہے کہ نمازجماعت درحقیقت ایک ہی نماز ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہےاورمقتدی موصوف بالعرض ہیں جیسا کہ حدیث الامام ضامن اس پرشاہد ہے کہ امام کی نمازمقتدیوں کی نمازوں کومتضمن اور شامل ہےاسی وجہ سے اگرامام کی نماز فاسد ہوجائےتومقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہوجاتی ہےاورمقتدی کی نماز کے فاسد ہوجانے سے امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی امام کاسترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے رکوع اورسجود میں مقتدیوں کے لیے امام سے تقدیم وتاخیر ممنوع ہے یہ تمام احکام اس امر کے شاہد ہیں کہ اصل مصلیٰ امام ہےاورمقتدی ءامام سے مستفیض اورمستفید ہیں۔اصل عبادت یعنی نماز ایک ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہےاورمقتدی موصوف بالعرض ہیں۔

اورقرآن اوراحادیث میں جماعت کی نمازکوایک ہی نمازقراردیاگیاہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ (النساء:۱۴۳)اورحدیث میں ہے:((اذا اتیتم الصلاۃ فلا تأتوھا و انتم تسعون)).سب جگہ لفظ صلاۃ مفرد لایاگیاہے معلوم ہوا کہ صلاۃ جماعت واحدہ ہےاورمقتدی اس شئی واحد پرحاضر ہونے والے ہیں۔

پس اگرہرمقتدی نماز میں اپنی اپنی قراءت کرےتوصلاۃِ جماعت صلاۃِ واحدہ نہ رہے گی بلکہ صلوٰۃ متعددہ فی مکان واحد کا مجموعہ ہوگی۔یعنی چندآدمیوں نے ایک جگہ جمع ہوکراپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی ہے۔نماز جماعت اورتنہا نماز میں درحقیقت کوئی فرق نہ رہا۔نماز جماعت کا حاصل ومحصول صرف اتنارہا کہ چندلوگوں نے ایک جگہ جمع ہوکراپنی اپنی نماز ادا کرلی جس کوذوق

سلیم قبول نہیں کرتا۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (الاسراء:۱۱۰) کی تفسیر اور شان نزول میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپے ہوئے تھے یعنی پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قراءت قرآن کرتے تو مشرکین قرآن کو سن کر قرآن کو اور نازل کرنے والے سب کو بُرا کہتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قراءت میں اتنا جہر نہ کیجیے کہ مشرکین سن کر اس کو بُرا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ سنا سکیں اس کے درمیان کا راستہ اختیار کیجیے یعنی اتنی آواز سے قراءت کریں کہ مقتدی سن سکیں معلوم ہوا کہ امام کا کام مقتدیوں کو سنانے کا ہے اور مقتدیوں کا کام امام کی قراءت سننے کا ہے نہ کہ خود پڑھنے کا۔

حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کا جواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے قوی اور صحیح دلیل۔ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لا صلاة لمن لم يقر أ بفاتحة الكتاب)). (رواہ البخاری ومسلم)

"جو شخص نماز میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

جواب: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحتاً مقتدی کا کوئی ذکر نہیں محض کلمہ من کے عموم سے استدلال ہے اور سورۂ اعراف کی یہ آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا﴾ خاص مقتدی کے حق میں نازل ہوئی جن مقتدیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لاعلمی اور غلط فہمی سے فاتحہ یا سورۃ پڑھ لی تھی انہیں کے زجر اور تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے تو خبر واحد کے عموم کی تخصیص کتاب اللہ کے خصوص کے ذریعہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی اور احادیث صحیحہ میں جو خاص مقتدی کے حق میں وارد ہوئیں ان میں سے ایک حدیث مشہور یہ ہے:

((من كان له امام فقراءة الامام له قراءة)).

"یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے۔"

مقتدی کو علیحدہ قراءت کی ضرورت نہیں اور یہ حدیث مؤطا امام محمد میں دو سندوں سے مروی ہے ایک سند میں خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے راوی ہیں اور حافظ عینی اور شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہما نے نہایت مفصل طریقہ سے اس حدیث کا شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہونا ثابت کر دیا ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح القدیر میں دیکھ لیا جائے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں لمن يصلي وحده. یعنی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو۔ مقتدی کے حق میں نہیں اور علیٰ ہذا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (جو امام بخاری کے استاد ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ اس

شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو (یا دوسروں کو پڑھا رہا ہو) اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قول پر حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا اور یہ فرمایا کہ دیکھو جابر رضی اللہ عنہ ایک مرد ہیں اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سے انہوں نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قراءت کرے تو مقتدیوں کی نماز بغیر قراءت صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور اہل حجاز میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اہل عراق میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اہل شام میں اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل مصر میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ ان ائمہ دین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قراءت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے۔ (دیکھو مغنی ابن قدامہ ص ۶۰۶ ج ۱)

حضرات اہل علم اس مقام کی تحقیق کے لیے فتاویٰ ابن تیمیہ از ص ۱۴۱ ج ۲ تا ص ۱۵۰ ج ۲ دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ جہری نماز میں مقتدی پر قراءت خلف الامام کے وجوب کا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور سلف الصالحین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی قائل نہیں اس لیے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قراءت خلف الامام کے بارہ میں تشدد کیا کہ مقتدی پر قراءت کو واجب قرار دیا حالانکہ سلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ مقتدی پر قراءت فرض ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت شد و مد سے جہری نماز میں قراءت خلف الامام کا ناجائز اور حرام ہونا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے بیان کیا ہے خاص کر اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث پر لازم ہے کہ فتاویٰ ابن تیمیہ کو ضرور دیکھیں کو جو حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی نمازوں کے باطل ہونے کا جہراً و سراً فتویٰ دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب غایت درجہ قوی ہے جو آیات قرآنیہ اور ان احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ جو خاص مقتدی کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرات اہل علم اور مدرسین شروح ہدایہ اور شروح بخاری کی مراجعت کریں اور اس ناچیز کی شرح مشکوٰۃ اور شرح بخاری کو دیکھیں ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے گا اور ارباب ذوق پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔

خاتمۂ کلام

قول حق اور قراءتِ قرآن زبانِ متکلم کا فعل ہے اور سننا سامع کے کان کا فعل ہے اور خاموش رہنا یہ زبان سامع کا فعل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تینوں مسئلے بیان فرمائے ﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ زبان متکلم کے متعلق ہے اور ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ سامع کے کان کے متعلق ہے اور ﴿وَ اَنْصِتُوْا﴾ زبان سامع کے متعلق ہے۔ جیسا کہ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تو چو گوشی او زباں نے جنس تو — گوش ہا را حق بفرمود اَنْصِتُوْا
اَنْصِتُوْا را گوش کن خاموش باش — چو زبان حق نگشتی گوش باش
اَنْصِتُوْا بپذیر تا برجان تو — آید از جاناں جزائے اَنْصِتُوْا

﴿اِی لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

یعنی رحمت خاصۂ خداوندی جزائے انصات واستماع است برمنازعت ومخالجت یاامام ایں نعمت رحمت میسر نیاید اذا فات الشرط فات المشروط لہٰذا حکم استماع وانصات رابدل وجان قبول باید کرد واز منازعت ومخالجت امام احتراز کلی باید۔ واللہ علم

ایں سخن رانیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو، دِل میں گڑ گڑاتا اور ڈرتا اور پکار سے کم آواز

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

بولنے میں، صبح اور شام کے وقتوں اور مت رہ بے خبر۔ جو لوگ

عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ

پاس ہیں تیرے رب کے بڑائی نہیں رکھتے اس کی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اس کی پاک ذات کو اور اسی کو

يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدة ع ۲۴ ۱۸ ۱۴

سجدہ کرتے ہیں۔

آدابِ ذکرِ خداوندی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا ... الیٰ ... وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں قرآن کریم کے ادب اور احترام کا ذکر تھا جو سب سے بڑا ذکر ہے اور اللہ کا کلام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ کانوں سے بغورِ توجہ اس کو سنا جائے اور زبان سے سکوت اور خاموشی رکھی جائے اب ان آیات میں عام ذکر کر کے آداب کی تلقین فرماتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت کے بعد ذکر الٰہی کا درجہ ہے اس کا ادب یہ ہے۔

① آہستہ ہو بلند آواز سے نہ ہو۔ ② اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو۔ ③ اور خوف وخشیت کے ساتھ ہو۔ ④ اور صبح وشام کے وقت میں خاص طور پر اس کا اہتمام ہو یہ دو وقت عالم آخرت میں مقربین کے دیدار کے لیے ہیں کہ وہ روزانہ صبح وشام دیدار خداوندی سے مشرف ہوتے ہیں۔ ⑤ اور کسی وقت یاد خداوندی سے غافل نہ ہو۔ غفلت سے بڑھ کر کوئی خسارہ اور محرومی نہیں۔

یک لحظہ زکوئے یار دُوری
در مذہب عاشقاں حرام است

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے بندہ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کرتا رہ زاری اور عاجزی سے اور خوف و ہراس سے جس سے تیری عبدیت اور بندگی اور خاکساری کا ظہور ہو اور بغیر آوازِ بلند کے ذکر کر خاص طور پر صبح و شام اس کو یاد کرتا رہ یہ دونوں وقت خاص قبولیت کے ہیں صبح کا وقت اشراق نور اور بزوغ شمس کا ہے اور شام کا وقت اُفول اور غروب کا ہے ان دو وقتوں میں اپنے پروردگار کو یاد رکھنا اور اللہ اکبر پڑھنا خاص شان رکھتا ہے اور اس درمیان میں بھی تو بالکلیہ غافلوں میں سے نہ ہو اپنے پروردگار سے غفلت ایک قسم کا تکبر اور ایک نوع کی نخوت ہے اور یہ تکبر اور نخوت اس درجہ بُری چیز ہے کہ جس سے طالبان قرب خداوندی غایت درجہ اجتناب اور احتراز کرتے ہیں اس لیے کہ تحقیق ملاء اعلیٰ کے وہ فرشتے جو تیرے پروردگار کے نزدیک مقرب ہیں باوجود بارگاہِ عزت و جلال میں مقرب ہونے کے اللہ کی عبادت اور بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور لیل و نہار اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور دن رات اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں اور خاص اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ ہی قرب خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ اور حدیث میں ہے: ((اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد)). چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہیے۔

شرفِ نفس بجود است و کرامت بسجود
ہرکہ ایں دوندارد عدمش بہ زوجود

فائدہ: یہ آیت سجدہ کی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے۔

وہذا آخر تفسیر سورۃ الاعراف۔ و لِلّٰہِ الحمد والمنة و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سَیِّدنا مُحَمَّد و عَلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین و علینا معهم یا ارحم الرّٰحمٰن۔

الحمد للہ آج بروز پنجشنبہ۔ بوقت ۸ بجے دن کے۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ کو سورۂ اعراف کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

وللّٰہِ الحمد اولاو آخراو الحمد للہ الّذی بنعمہٖ تتم الصالحات والصلاۃ والسّلام علیٰ سیّدنا و مولانا محمّد اشرف البریات و علیٰ اٰلِہٖ و اصحابہ اولی الفضائل والدرجات.

آیاتھا ۷۵ | ⑧ سُوْرَةُ الْاَنْفَال مَدَنِيَّةٌ ⑧⑧ | رکوعاتھا ۱۰

سورۃ الانفال مدنی ہے اس کی پچھتر آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنے والے مہربان کے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو اللہ سے

وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

اور صلح کرو آپس میں اور حکم میں چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

ایمان رکھتے ہو۔ ایمان والے وہی ہیں کہ جب نام آوے اللہ کا، ڈر جاویں دل ان کے

وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲ ۚۖ

اور جب پڑھیے ان پر اس کے کلام زیادہ آوے ان کو ایمان اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ

جو کھڑی رکھتے ہیں نماز، اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ وہی ہیں

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ

سچے ایمان والے۔ ان کو درجے ہیں اپنے رب پاس اور معافی اور روزی

كَرِيْمٌ ۝۴ ۚ

آبرو کی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۃ الانفال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط ... الیٰ ... وَ مَغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝﴾

سورۂ انفال کل مدنی ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اسی وجہ سے اس سورت کو سورۂ بدر بھی کہتے ہیں۔ اس میں پچھتّر یا چھتر یا ستتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

فائدہ: انفال۔ نفل بالتحریک کی جمع ہے جس سے مراد مال غنیمت ہے۔ نفل دراصل بمعنی زیادت ہے اور نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل فرض سے زائد ہے اور غنیمت کو نفل اس لیے کہا گیا کہ وہ اللہ کی طرف سے فضل اور عطیہ ہے مال غنیمت پہلی امتوں پر حلال نہ تھا اس اُمت پر بطور فضل وزیادت حلال کر دیا گیا اور غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جہاد میں کافروں سے حاصل ہو اور فقہاء کی اصطلاح میں نفل کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو مسلمانوں کا امیر کسی غازی کو اس کافر مقتول کا گھوڑا یا ہتھیار دے دے جس کافر کو اس غازی نے قتل کیا ہے چونکہ یہ مال غازی کو اس کے اصل حصّہ سے زائد ملتا ہے اس لیے اس زائد عطیہ کو نفل کہا جاتا ہے اور اس آیت میں سے انفال سے غنائم کے معنی مراد ہیں۔

ربط: گزشتہ سورت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قوموں اور امتوں کے مقابلہ میں غلبہ اور کامیابی کا ذکر تھا۔ اب اس سورت میں زیادہ تر غزوۂ بدر کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض تائید غیبی سے فتح ونصرت اور غلبہ عطاء کیا ظاہری اسباب اور ظاہری ساز وسامان کے لحاظ سے صحابہ بالکل بے سروسامان تھے حق تعالیٰ نے ان بے سروسامانوں سے سرداران قریش کے غرور اور تکبر کو خاک میں ملا دیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مٹھی بھر جماعت جو ملائکہ مقربین علیہم السلام ﴿لَا ۞ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَ یُسَبِّحُوْنَہٗ وَ لَہٗ یَسْجُدُوْنَ ۩﴾ (الاعراف) کا نمونہ تھی متکبرین کے لشکر جرار پر غالب آئی اور یہ کامرانی اور کامیابی تقویٰ اور توکل کی برکت تھی اس لیے اس سورت کو تقویٰ اور خوف اور خشیت اور توکل سے شروع فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار اخلاص اور تقویٰ اور توکل اور اطاعتِ خدا اور رسول پر ہے۔

شانِ نزول:

سورۂ انفال مدنی ہے ہجرت کے بعد ایام جنگ بدر میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں بعنایت الٰہی فتح نصیب ہوئی اور کافروں کا بہت سا مال قبضہ میں آیا تو اس مال کی تقسیم میں لوگوں نے کچھ اختلاف کیا جوانوں کا گروہ یہ کہتا تھا کہ غنیمت کے زیادہ حقدار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے ان کو شکست دی ہے اور بوڑھے یہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے اور تم ہماری قوت سے لڑے ہو اگر خدانخواستہ شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے پاس آکر دم لیتے نیز یہ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو بھی حق نہیں فتح محض اللہ کی مدد سے

گزشتہ آیات کے خاتمہ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

ہوئی اس فتح کو تم اپنی قوت بازو کا کرشمہ نہ سمجھو۔ اللہ اس مال کا مالک ہے اور رسول اس کا نائب ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں گے تقسیم کر دیں گے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ مال سب پر برابر تقسیم کر دیا اور آئندہ کے لیے نصیحت کر دی گئی کہ جو پکے مسلمان ہیں ان کو چاہیے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں اور آپس میں صلح اور آشتی سے رہیں حرص اور طمع کو دل سے نکال دیں اور خدا کا رسول ﷺ جو حکم دے اس پر بے چون و چرا عمل کریں اور نظر اللہ پر رکھیں مغفرت اور درجات عالیہ انہی لوگوں کو ملتے ہیں جن کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم پوچھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو آپ ﷺ کے اصحاب اور احباب ہیں ان کا مطمع نظر تو فقط اجر اخروی ہونا چاہیے تھا۔ مال غنیمت اگرچہ بلاشبہ حلال ہے مگر آپ ﷺ کے محبان با اخلاص اور یاران با اختصاص کے مناسب نہ تھا کہ اس بارہ میں نزاع کرتے اور آپ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کرتے۔ اور حرف استحقاق زبان پر لاتے۔ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ مال غنیمت جہاد اور جدوجہد کا اجر اور معاوضہ نہیں جہاد کا اجر آخرت میں ملے گا اور یہ تمام اموال غنیمت خالص اللہ کی ملک ہیں۔ مشرکین کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوئے ہیں تم پر بطور انعام تقسیم کیے جائیں گے نہ کہ بطور معاوضہ و استحقاق اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہیں۔

پس یہ تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے دست تصرف میں ہیں جسے چاہتا ہے بحکم خداوندی دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت سب اللہ کا مال ہیں اور اس کا رسول نائب ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا چاہے دے تمہیں اس کے حکم پر چلنا چاہیے اور آپس میں نزاع نہیں کرنا چاہیے۔ پس اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو کہ اس کی ملک میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو صاف اور درست کرو اور باہمی اختلاف کو یاری اور غمخواری سے بدل ڈالو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کچھ حد اعتدال سے آگے نکل گیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور ان کا فیصلہ اپنے رسول کے سپرد فرمایا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مال مسلمانوں پر درست طریقہ سے تقسیم کر دیا اور اختلاف کرنے والوں نے اپنے اختلاف کی اصلاح کر لی اور فرمانبرداری کرو خدا اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو اس لیے کہ ایمان طاعت اور تقویٰ کو مقتضیٰ ہے۔ اس آیت یعنی ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ میں حرفِ اِنْ شک کے لیے نہیں بلکہ جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے کہ جب تم مؤمن ہو تو تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو جزایں نیست کو مؤمنین کاملین جو ایمان کے مقتضیٰ پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی عظمت اور ہیبت سے ان کے دل لرز جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت اور ہیبت چھا جاتی ہے اور جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ * مضبوط کر دیتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی نازل ہوئی آیتوں کا ایمان جب اس آیت کے ایمان کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تلاوت کے انوار و برکات سے ان کے باطن میں نور یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور ظاہر میں طاعت اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو اہل دل ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل کا روزن اور زیادہ وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اور عالم غیب کا نور اس میں چمکنے لگتا ہے اور غیر اللہ سے نظر اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ

---

* ایمان کی زیادتی اور نقصان کی بحث تفسیر آل عمران زیر آیت ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ میں گزر چکی ہے۔

کرتے ہیں اور ان کو ماسوی اللہ کی پروا نہیں رہتی۔ ایسے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں یعنی آدابِ عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں سچے اور پکے مومن ہیں جن کے مومن ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہوسکتا ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس بڑے درجے اور مرتبے ہیں اور ان کی تقصیرات کی بخشش ہے اور عمدہ روزی ہے جو محنت اور مشقت سے مبرا اور زوال اور حساب کے خوف سے خالی ہے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رزق کریم وہ ہے۔ جو مرزوق کو رازق کے مشاہدہ سے مانع نہ ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کاملین کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں: (اوّل) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے قلوب کا معمور ہونا۔ (دوم) تلاوت قرآن اور سماع کلام الٰہی سے ایمان میں زیادتی کا ہونا۔ (سوم) اللہ پر توکل اور اعتماد۔ (چہارم) آداب عبودیت کی بجا آوری۔ (پنجم) قلب کا حرص اور طمع اور بخل سے پاک ہونا یہ پانچ خصلتیں ایمان کے عظیم شعبے ہیں جس میں یہ پانچ صفتیں جمع ہو جائیں اس کا ایمان ثابت اور محقق ہو گیا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ایسے پکے اور سچے مومنوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے تین سو مؤمنوں کا تو تین لاکھ کافر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر اور ایک جماعت ایمان والی

لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ

نہ راضی تھی۔ تجھ سے جھگڑتے تھے درست بات میں واضح ہو چکے پیچھے گویا ان کو ہانکتے ہیں

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

موت کی طرف آنکھوں دیکھتے۔

ذکر انعامات خداوندی در واقعۂ بدر بہ برکتِ ایمان وتقویٰ وتوکل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ... الٰى ... وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶﴾

ربط: اس سورت میں عموماً غزوۂ بدر کی کامیابی کے واقعات کا ذکر ہے اور اس ضمن میں جو انعامات خداوندی مبذول ہوئے ان کی تذکیر اور یاددہانی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو تو سہی کہ باوجود بے سروسامانی کے جنگ بدر میں کس طرح از اوّل تا آخر تائید غیبی تمہاری معین اور مددگار رہی یہ سب ایمان اور تقویٰ اور توکل اور اطاعتِ خدا و رسول کی برکت تھی۔ شروع سورت میں اجمالی طور پر غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں اس غیبی کامیابی کے کچھ واقعات ذکر کرتے ہیں تاکہ ان غیبی انعامات اور آسمانی نشانات کو یاد کر کے دل میں منعمِ حقیقی کی محبت اور عظمت کا جذبہ جوش میں آجائے اور اسبابِ ظاہری سے بالکلیہ نظر اُٹھ جائے۔

شانِ نزول:

چنانچہ پہلا واقعہ جو پیش آیا وہ یہ تھا کہ کفار قریش کا تجارتی قافلہ جس کا سردار ابوسفیان تھا۔ شام سے مال تجارت لے کر مکہ واپس آرہا تھا آپ ﷺ کو اس قافلہ کی آمد کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ذکر کیا اور حال بیان کیا کہ اس قافلہ میں مال تو بہت ہے اور آدمی تھوڑے ہیں۔ اے مسلمانو! تم اس قافلہ کی طرف خروج کرو شاید اللہ تعالیٰ تم کو یہ اموال عطاء کرے آپ ﷺ نے اسی قافلہ کے ارادے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ سے خروج فرمایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے جاسوس چھوڑے کیونکہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی آنحضرت ﷺ کی طرف سے سرایا کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے اسی خدشہ کی بناء پر ابوسفیان نے مختلف طرف جاسوس روانہ کیے اور راستہ میں جو قافلہ ملتا اُس سے حال پوچھتا کہ مبادا مسلمان اس کے قافلہ پر حملہ کر دیں۔ یہاں تک کہ اس کو کسی قافلہ کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ تیرے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں۔

ابوسفیان نے اسی وقت ضمضم بن عمرو غفاری کو اُجرت دے کر مکہ کی طرف دوڑایا اور یہ پیغام دیا کہ مکہ میں جا کر یہ اعلان کر دے کہ اے قریش! جلد از جلد تم اپنے قافلہ کے بچانے کے لیے نکلو جب اہل مکہ کو یہ خبر پہنچی تو ابوجہل ایک بڑا لشکر اپنے ساتھ لے کر قافلہ والوں کی مدد کے لیے روانہ ہوا مگر ابوسفیان دوسرا راستہ اختیار کر کے قافلہ کو مسلمانوں کی زد سے بچا کر نکل گیا۔ لیکن ابوجہل لڑائی کے ارادہ سے مقام بدر پر آپہنچا۔ اِدھر آنحضرت ﷺ اس وقت وادیٔ ذفران میں تشریف فرما تھے کہ جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آئے اور آپ ﷺ کو ابوجہل کے لشکر کے آنے کی ساری اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حال یہ ہے کہ اِدھر سے تو قافلہ آتا ہے اور اُدھر سے لشکر۔ تم قافلہ سے مقابلہ پسند کرتے ہو یا لشکرِ کفار سے مقاتلہ اور محاربہ پسند کرتے ہو؟ یہ سُن کر مسلمانوں میں کچھ اختلاف رائے ہوا۔ بعض نے آنحضرت ﷺ کی مرضی پر چھوڑ دیا اور بعض نے یہ کہا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اور نہ اس کے لیے ہم نے کوئی تیاری کی بلکہ ہم تو قافلہ کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے تو ہم کو قافلہ ہی کا تعاقب کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ اس بات سے رنجیدہ ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکر اور عمر اور حضرت مقداد اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم نے اطاعت آمیز اور جاں نثارانہ تقریریں کیں اور دل وجان سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو جو حکم دیا ہے ویسا ہی کیجیے۔ خدا کی قسم! اگر آپ ﷺ ہم کو دریا میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں گھس پڑیں گے اور ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے نہ رہے گا اور ہم دشمن کے مقابلہ سے ذرہ برابر ناخوش نہیں۔ ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور ثابت قدم ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں ہم صادق اور سچے ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہم سے وہ بات دکھلائے جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ آپ ﷺ اللہ کے نام اور اس کی برکت پر چلیے آپ ﷺ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ چلو اللہ کی برکت پر اور بشارت ہو تم کو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے ایک ابوسفیان کے قافلہ کا گروہ اور دوسرا ابوجہل کے لشکر کا گروہ مجھ سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر ہو جائے گا اور تم اس پر غالب ہو گے۔ مفصل قصہ کتبِ سیر میں مذکور ہے غرض یہ کہ بعض مسلمانوں کی بوجہ بے سروسامانی کے اور بوجہ آسانی کے یہ خیال تھا کہ لڑائی نہ ہو اور قافلہ کا مالِ کثیر ان کے ہاتھ آجائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی دھاک کافروں کے دل

میں بیٹھ جائے کیونکہ اگر قافلہ پر حملہ کیا گیا تو صرف مال تو ہاتھ آجائے گا مگر کفر کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ابو جہل کے مقابلہ کو ترجیح دی۔ آئندہ آیات میں اسی بات کا ذکر ہے۔

گزشتہ آیات میں تقسیم غنائم کے بارہ میں اختلاف اور نزاع پر تنبیہ فرمائی تھی۔ اب ان آیات میں دوسرے اختلاف پر ملامت اور تنبیہ فرماتے ہیں جو ابتداء سفر میں پیش آیا اور چونکہ اس اختلاف کا منشا محض اسباب ظاہری پر نظر تھی اس لیے گزشتہ آیت ﴿ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ میں اس پر ایک لطیف تعریض بھی ہے کہ اے اصحابِ رسول ﷺ تمہارا اسباب ظاہری پر نظر کر کے جہاد و قتال سے گریز کرنا اور قافلۂ تجارت کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھانا شانِ توکل کے شایان شان نہیں۔ چنانچہ اس غزوہ میں جو من جانب اللہ مسلمانوں پر انعامات مبذول ہوئے ان کو ذکر فرماتے ہیں۔

انعام اوّل

اے نبی ﷺ! جس طرح لوگوں نے اس تقسیم انفال میں اختلاف کیا اور بعضوں کو یہ تقسیم طبعاً گراں گزری اور بعض اس سے ناخوش تھے۔ مگر بوجہ مصالح کثیرہ خیر اسی میں تھی کہ اللہ کے رسول نے اللہ کے حکم سے تم میں مال برابر تقسیم کر دیا اور تمہاری ناگواری کا لحاظ نہیں کیا۔ ﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ ﴾ (البقرہ:۲۱۶) اسی طرح جب تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے یعنی تیری بستی سے حکمت اور مصلحت کے ساتھ بدر کی طرف نکالا تو مسلمانوں نے خروج کے بارے میں اختلاف کیا اور تحقیق اہل ایمان کی ایک جماعت بوجہ بے سروسامانی اور پہلے سے تیاری نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے اس خروج کو طبعاً ناپسند کرتی تھی یعنی یہ کراہت اور ناگواری بوجہ مخالفت حکم نہ تھی۔ بلکہ بے سروسامانی کے سبب سے وہ طبیعت کی کراہت تھی جو طبیعت بشریہ کے لوازم میں سے ہے اور یہ لوگ آپ ﷺ سے امر حق کے بارہ میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا کہ کافروں سے جہاد اور قتال اور ان کی سرکوبی اور گردن کشی ہی بہتر ہے اور جب آپ کی بشارت سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہر حال میں دشمن پر فتح پائیں گے تو پھر اس علم کے بعد جنگ سے گریز اور پہلو تہی کیسی اور ظاہری اسباب کی بناء پر خوف و ہراس کیسا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے باوجود علم اور یقین کے آپ ﷺ سے مجادلہ اور اصرار میں اس قدر مبالغہ کیا کہ گویا کہ یہ لوگ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور گویا وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر بالآخر انجام اسی کا بہتر ہوا جس کو وہ ناپسند کرتے تھے اور اسی میں خیر ہوئی۔ لشکر کفار سے مقابلہ کا انجام یہ ہوا کہ اسلام غالب ہوا اور کفر مغلوب ہوا اور یہ بات قافلۂ تجارت کے مقابلہ سے حاصل نہ ہوتی مال تو مل جاتا مگر کفر ذلیل اور خوار نہ ہوتا پس جس چیز کو تم ناپسند کرتے تھے اسی میں تمہاری خیر اور بھلائی ہوئی کہ بلا قصد اور بلا ارادہ اور بلا تیاری کے تم کو تمہارے دشمن سے بھڑا دیا اور پھر تم کو فتحیاب بھی کر دیا اسی طرح تمہارے خلاف منشاء اور خلاف طبع۔ انفال کی تقسیم میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

خلاصۂ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے نبی ﷺ! بدر کی غنیمتوں میں مسلمانوں کا اختلاف کرنا ایسا ہی خطاء ہے جیسا کہ جنگ بدر کے لیے خروج کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف خطاء تھا جو لوگ ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ ﴾ کے مصداق ہوں ان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنی قلت تعداد اور قلتِ اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ سے ڈر جائیں اور ان کا یہ اختلاف اگرچہ

بطور مشورہ تھا مگر اس پر اصرار مناسب نہ تھا۔ اور ایسے پاکبازوں کے شایان شان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں غلطیاں معاف کیں۔ پہلی غلطی کا منشاء یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی قلت تعداد اور قلتِ اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ کی بناء پر خائف تھے مگر چونکہ یہ خوف طبعی تھا اور ظاہر اسباب کی بناء پر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور دوسری غلطی کا منشاء یہ تھا کہ وہ غنیمت کا مستحق اسی کو سمجھتے تھے کہ جو دشمن کو قتل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلطی کا ازالہ فرما دیا کہ تم اس مال کے مستحق نہیں۔ فتح و نصرت محض اللہ کی غیبی مدد سے ہوئی ہے تمہاری طاقت اور زور سے یہ فتح نہیں ہوئی سو یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور پیغمبر ﷺ اس کے نائب ہیں۔ اس کے حکم کے مطابق تقسیم کردیں گے بہر حال تمہارا یہ سمجھنا کہ مال غنیمت کے ہم مستحق ہیں یہ تمہاری غلطی تھی جو اللہ تعالیٰ نے معاف کردی سچے اور پکے مؤمنین کی شان کے مناسب نہیں کہ ان کے دل مال حلال (مال غنیمت) کی طرف مائل ہوں اور ظاہری اسباب پر نظر کر کے اپنی قلت سے اور کافروں کی کثرت سے ڈرنے لگیں یہ توکل کے منافی ہے۔

نکتہ: آیت مذکورہ بالا ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ میں جن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجادلہ اور اصرار کی طرف اشارہ ہے۔ سو وہ مجادلہ محبانہ اور خادمانہ اور نیاز مندانہ تھا بطور ناز تھا۔ جو محبت سے پیدا ہوا تھا۔ معاذ اللہ مخالفانہ اور عاصیانہ نہ تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قوم لوط کے بارہ میں اللہ سے مجادلہ از راہ خلت و انبساط تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾ (ھود: ۷۴) اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فریق کو ﴿فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ فرمایا کہ یہ مجادلہ ایمان کے منافی نہ تھا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ

اور جس وقت وعدہ دیتا ہے اللہ تم کو ان دو جماعت میں سے ایک کہ تم کو ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ

غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

جس میں کانٹا نہ لگے وہ ملے تم کو اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔ تا سچا کرے سچ کو، اور جھوٹا کرے جھوٹ کو

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾

اور اگرچہ نہ راضی ہوں گنہگار۔

ذکر انعامِ دوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ ... الیٰ ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۚ﴿۸﴾﴾

ربط: ان آیات میں غزوۂ بدر کے متعلق دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تم تو غیر ذی شوکت جماعت یعنی قافلہ

ابوسفیان کے طلبگار ہو اور خدا تعالیٰ کو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل مقصود ہے اور یہ بات ذی شوکت جماعت یعنی ابوجہل کے لشکرِ جرار کے مقابلہ اور جنگ سے حاصل ہوتی ہے۔ دین حق کا غلبہ اور باطل کی سرکوبی خون ریز جنگ سے ہوتی ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے یعنی ابوجہل کے لشکر اور ابوسفیان کے قافلۂ تجارت میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر اور مقدر ہے۔ دو فریق میں سے ایک فریق ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا یا قافلہ لوٹو گے۔ یا لشکرِ کفار کو قتل کرو گے؟ اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر ذی شوکت جماعت تمہارے ہاتھ لگے۔ یعنی تم قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے جس کے پاس جنگی قوت و شوکت نہ تھی اور ابوجہل کی جماعت جو ہتھیار بند تھی اور کیل کانٹے سے لیس تھی تم اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ کافروں کے اس ذلت آمیز قتل سے دین اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا ظاہر کرے اگرچہ مجرموں کو یہ ناگوار گزرے۔ اب تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس بات کو چاہو اختیار کرو بالآخر سب نے کفار سے لڑنے کو اختیار کیا اور ابوجہل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ ہو کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بے سرو سامان مٹھی بھر جماعت کفار کے لشکر جرار پر غالب آئے تاکہ خدا کے وعدوں کی سچائی اور اسلام کا معجزہ ظاہر ہو اور کفر ایسا ذلیل و خوار ہو کہ دنیا اُس کی ذلت و خواری کا تماشہ دیکھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگِ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے، جن میں ابوجہل بھی تھا جو اس اُمت کا فرعون تھا اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ⑨ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ

فرشتے جنگی پیچھے لگے آویں۔ اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں

ع ۱ ۱۰ ۱۵ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩ ع

دل تمہارے اور مدد نہیں مگر اللہ سے، اللہ زور آور ہے حکمت والا۔

انعام سوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ⑩﴾

یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہم کو اپنے دشمن پر فتح دے اور آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! اگر مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا کیونکہ یہ اُمت آخری

اُمت ہے اور یہ نبی آخری نبی ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سُن لی اور تمہاری دعا قبول کی۔ اور وعدہ فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو لگا تار یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت آئے گی۔ چنانچہ اوّلاً ایک ہزار فرشتوں سے مدد کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار ہو گئے اور پھر پانچ ہزار ہو گئے۔ اس آیت میں پہلی مرتبہ کے ہزار کا ذکر ہے اور آلِ عمران کی آیت میں دوسری بار اور تیسری بار کے تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر ہے۔ اس بات پر تو تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جنگِ بدر کے دن فرشتے مسلح ہو کر مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے جو بعض اوقات مسلمانوں کو دکھائی بھی دیئے۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ بھی کی یا نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا نزول محض مسلمانوں کی شمار بڑھانے اور ان کی تسلی کے لیے تھا۔ مگر یہ قول صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں نے جنگ بھی کی۔ جیسا کہ ظاہر آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ اور کثیرہ سے ثابت ہے اور آنے والی آیت ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾﴾ اس بارہ میں نص صریح ہے اور نہیں بنایا اللہ نے فرشتوں کی اس امداد کو مگر فتح کی خوشخبری کہ تم خوش ہو جاؤ کہ آسمانی امداد ہمارے ساتھ ہے اور تا کہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور قلت اور ذلت کا خوف تمہارے دلوں سے دُور ہو جائے اور نہیں ہے فتح اور نصرت مگر صرف اللہ کی طرف سے فرشتوں کے نزول کو فتح و نصرت کی علت نہ جانو بلکہ اس کو من جانب اللہ محض بشارت جانو وہ بغیر فرشتوں کے بھی فتح اور نصرت دے سکتا ہے۔ بیشک اللہ ہی غالب ہے وہی اپنے دوستوں کو فتح اور غلبہ دیتا ہے حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت سے تھوڑی جماعت کو کثیر جماعت پر فتح دیدی لہٰذا تم کو چاہیے کہ نظر اللہ پر رکھو نہ کہ فرشتوں پر۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى
پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم گرہ دے
قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾
تمہارے دل پر اور ثابت کرے تمہارے قدم۔

انعام چہارم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً ... اِلٰى ... وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾﴾

ربط: ان آیات میں بھی ایک خاص انعام کا ذکر ہے وہ یہ کہ جنگِ بدر میں مسلمانوں کے دل کچھ افسردہ ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے کافروں کی فوج مسلمانوں سے دوچند بلکہ سہ چند سے بھی زائد تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل مضبوط کرنے کے لیے خلاف

عادت ان پر نیند طاری کر دی جس سے ان کا تھکان دُور ہو گیا اور دلوں سے سارا خوف و ہراس کافور ہوا عین جنگ کے وقت اونگھ اور نیند کا آنا ایک خارق عادت امر ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اعتبار سے معجزہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعتبار سے کرامت تھی۔ اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جنگ کے وقت اور خاص کر جب کہ دشمن کی کثرت ہو آدمی کو نیند نہیں آتی۔ دل مضطرب رہتا ہے اہل بدر پر خُدا تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ اُن پر عین حالت قتال میں اونگھ کو مسلط کر دیا جس سے اُن کو دشمن کا ذرا اندیشہ نہ رہا۔ اور چونکہ نوم خفیف تھی اس لیے جب دشمن ان پر وار کرتا تھا تو فوراً متنبہ ہو جاتے تھے۔ پس وہ اونگھ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتال کی حالت میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہے۔ اس آیت میں اسی انعام کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: یاد کرو اس وقت کو کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو ہلکی نیند سے ڈھانک رہا تھا جو اس کی طرف سے تم کو چین اور امن دینے کے لیے طاری کی گئی۔ جس طرح فرشتے تمہارے اطمینان کے لیے اتارے گئے۔ اسی طرح تمہاری چین اور امن کے لیے ہلکی سی نیند تم پر طاری کر دی گئی اور ایسا ہی اُونگھ کے طاری ہونے کا واقعہ جنگِ اُحد میں پیش آیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۴)۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۱ ج ۲)

غرض یہ کہ اُونگھ کا واقعہ دو بار ہوا ایک بدر میں اور ایک اُحد میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے کس طرح تم پر اُونگھ ڈالدی جس کی وجہ سے تمہارا وہ تمام خوف جاتا رہا جو دشمن کی کثرت سے تم پر طاری تھا اور اسی میدانِ قتال میں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ انعام کیا کہ وہ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تا کہ اس کے ذریعے تم کو حدث اصغر اور اکبر سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی اور ناپاکی کو دُور کر دے اور تا کہ تمہارے دلوں پر صبر اور اطمینان کی گرہ لگا دے کہ خُدا کی عنایت سے دل ایسے مضبوط ہو جائیں کہ تزلزل اور اضطراب کا نام نہ رہے اس لیے کہ غیبی الطاف و عنایات دیکھ کر دل مضبوط ہو جاتا ہے اور تا کہ ظاہر میں اس بارش کے ذریعے اس ریگستان میں تمہارے قدم جما دے کہ ریت میں دھنسنے نہ پائیں یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے پائے استقلال اور قدم ثبات میں تزلزل نہ آنے پائے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۵۰)

بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک ریت کے ٹیلے کے پاس اُترے جس میں پاؤں دھنستے تھے اور بعض ان میں سے بے وضو تھے اور بعض کو نہانے کی حاجت ہو گئی تھی۔ جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر تم حق پر ہوتے اور خدا کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں نہ پھنستے خدا تعالیٰ نے ان کے اس وسوسہ کو مٹانے کے لیے بارانِ رحمت نازل کی جس سے وہاں کے تمام نالے بہہ نکلے مسلمانوں نے اس سے پانی پیا اور اپنی سواریوں کو پلایا۔ اور وضو اور غسل کیا اور اپنی مشکوں کو بھر لیا۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ اس سے تمام ریت جم گیا اور پھسلن جاتی رہی اور مسلمانوں کے پاؤں اس جگہ پر جم گئے اور ان کے دل سے شیطانی وسوسہ دور ہوا۔ اور اس غیبی امداد سے ان کو لطفِ خداوندی کا جلوہ دکھائی دیا اور یقین ہو گیا کہ ہم ضرور اپنے دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ برخلاف [1] کافروں کے کہ جس زمین میں وہ تھے وہ نرم تھی بارش کی وجہ سے اس میں کیچڑ اور پھسلن ہو گئی اور کافروں کو چلنا دشوار ہو گیا۔

---

[1] کما ذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ ص ۵۲۴ ج ۴

الحاصل اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس ریتلے میدان میں آسمان سے پانی برسایا جس سے انہوں نے حدث اصغر اور اکبر سے پاکی حاصل کی یہ ظاہر کی تطہیر ہوئی اور ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ اور قدم جم گئے اور دل شیطان کے وسوسوں سے پاک ہوا۔ یہ باطن کی تطہیر ہوئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب اہل ایمان پر کوئی خوف اور اضطراب طاری ہوتا ہے تو غیبی طور پر من جانب اللہ ان کی مدد ہوتی ہے تا کہ ان کے دل مطمئن ہو جائیں کبھی بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور کبھی ان پر نعاس (نیند) طاری ہوتی ہے اور نعاس اس نیند کو کہتے ہیں جو سر میں ہوتی ہے جس سے سر نیچے کو جھکنے لگتا ہے۔ یہ ایک قسم کا غیر شعوری سجدہ ہے اور بدر کے روز جب آنحضرت ﷺ عریش (چھپّر) میں تھے تو آنحضرت ﷺ پر نعاس (اُونگھ) کے مانند ایک خفیف نیند طاری ہو گئی تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ تم کو بشارت ہو کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے دانتوں پر غبار تھا۔ پھر آپ ﷺ عریش کے دروازے سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ (القمر:۴۵) ”عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر چلے جائیں گے“۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ
جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت کرو مسلمانوں کے میں ڈال
فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا
دوں گا دل میں کافروں کے دہشت۔ سو مارو اوپر گردنوں کے اور مارو
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ؕ
ان کے پور پور۔

انعام پنجم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ... الٰى... وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾﴾

ربط: یہ بھی اسی جنگ بدر کا ایک واقعہ ہے جو حق جل شانہٗ کے ایک خاص الخاص انعام پر مشتمل ہے۔ حق تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے ہمراہ رہو اور الہام کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط اور قوی کرو جس طرح شیاطین کو دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت اور اختیار ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وسوسہ دفع کرنے کی اور قلب میں خیر کے الہام اور القاء کی قدرت عنایت فرمائی ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں زجاج رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور فرشتہ جو نیک خیال دل میں القاء کرتا ہے اس کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں۔ قال الزّجاج كانَ بِاشياء يلقونها فى قلوبهم تصح بها عزائمهم و يتاكد جدهم وَ للملك قوة القاء الخير فى القلب و

یقال له الهام کما ان للشَّیْطَانِ قوۃ اِلقاء الشر و یقال له وسوسة. (روح المعانی ص ۱۵۷ ج ۹)

چنانچہ فرماتے ہیں: کہ یاد کرو اس وقت کو جب تیرا پروردگار ان فرشتوں کو جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے تھے۔ یہ حکم دے رہا تھا کہ تحقیق * میں مسلمانوں کی اعانت اور امداد میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں۔ سو تم ایمان والوں کو مضبوط اور استوار کرو یعنی ان کے دلوں میں یہ القاء کرو کہ تم ضرور فتح پاؤ گے جس طرح شیطان آدمی کے دل میں بُرا خیال ڈالتا ہے، اسی طرح فرشتے دل میں اچھا خیال ڈالتے ہیں۔ اوّل کو وسوسہ کہتے ہیں اور دوسرے کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں۔ جس طرح شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قوت ہے، اسی طرح فرشتوں کو الہام اور القاء کی قوت ہے۔ سو اے فرشتو! تم اس طرح کے القاء اور الہام سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچاؤ تا کہ وہ میدان میں ثابت قدم رہیں اور میں کافروں کے دل میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دوں گا جس سے ان کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اندرونی طور پر ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب کا القاء ہوگا۔ اور ظاہر میں ان فرشتوں کو دیکھ کر جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے ہیں خیرہ اور سراسیمہ ہو جائیں گے یہ اللہ کی نعمت تھی کہ کافروں کے دل میں مسلمانوں کا خوف ڈال دیا۔ آئندہ آیت میں فرشتوں کو ایک اور حکم دیا جاتا ہے کہ تم فقط مسلمانوں کی تثبیت اور تقویت پر اقتصار نہ کرو بلکہ ان کے ہمراہ ہو کر ان کے دشمنوں سے لڑو بھی۔ پس تم ان کی گردنوں کے اُوپر مارو تا کہ حق کے مقابلہ میں سر ہی نہ اُٹھا سکیں اور ان کی سب انگلیاں کاٹ ڈالو۔ یعنی ان کے ہاتھ بیکار کر دو کہ وہ تلوار نہ پکڑ سکیں حملہ تو کیا مدافعت کے بھی قابل نہ رہیں فرشتوں کو قتال کا حکم ہوا تو بنی آدم کی طرح فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ کافروں کے قتل اور ضرب کا کیا طریقہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل اور ضرب کا طریقہ بتایا کہ گردن کے بالائی حصہ پر مارو تا کہ سر قلم ہو جائے اور پوروں اور انگلیوں پر تا کہ تلوار اور ہتھیار نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق جنگِ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا۔ جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کے ہاتھ کے مقتول اور فرشتوں کے ہاتھ کے مقتول واضح طور پر پہچانے جاتے تھے۔ کسی کا سر گردن سے اُڑا ہوا ہے اور کسی کے پوروں پر ضرب کے نشان ہیں جیسے آگ کے جلانے سے داغ اور نشان پڑ جاتا ہے اسی طرح مقتولین بدر کے ہاتھوں اور پوروں پر دیکھے گئے۔

فائدہ: شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے دل فرشتوں کے الہام کے قابل نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالنے کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرشتوں کو مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کا حکم دیا اور اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

نکتہ: چونکہ معرکہ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردارِ اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں متمثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے حوصلے بڑھائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا کہ میرا تمام قبیلہ تمہارے ساتھ ہے اور بعد ازاں ابلیس لعین شیاطین کا ایک بھاری لشکر لے کر مشرکین کی مدد کے لیے معرکہ بدر میں حاضر ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے الہامات سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور ان کی مدد کریں اور ان کے ہمراہ ہو کر کافروں سے لڑیں۔ ورنہ فی الحقیقت اللہ کو نہ فرشتوں کی احتیاج ہے اور نہ آدمیوں کی وہ ایک فرشتہ سے بھی بڑی سے بڑی بستی تباہ کر سکتا ہے۔ یہ سب من جانب اللہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعزاز و اکرام تھا۔

---

* دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۲۴ ج ۴

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ

یہ اس واسطے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا

فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

تو اللہ کی مار سخت ہے۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ منکروں کو ہے

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

عذاب دوزخ کا۔

بیان حکمت در ہزیمت کفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۚ ... الیٰ ... وَ اَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾﴾

ربط: ان آیات میں کافروں کی ذلت اور ہزیمت کا سبب ذکر فرماتے ہیں ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور اس کی اطاعت سے سرکشی کی جس کا دنیا میں کچھ مزا چکھا اور اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ اس طرح سے کافروں کا مقتول اور مخذول ہونا اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بیشک اللہ اسکو سخت عذاب دینے والا ہے۔ اے مشرکو! یہ قتل اور قید کا مزہ تو فی الحال دنیا میں چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے آخرت میں اس کے علاوہ دوزخ کا عذاب ہے دنیاوی سزا سے عذاب اخروی ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اصل عذاب تو آخرت کا ہے اور دنیوی عذاب اس عذاب کا ایک نمونہ ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے غرور اور ان کے کفر اور عداوت کو بیان کیا کہ اِتراتے ہوئے رسول ﷺ کے مقابلہ میں آئے اور پھر اہل ایمان کے استغاثہ اور فریاد کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اللہ تعالیٰ نے ان عاجزی کرنے والے بندوں کو مغرورین اور متکبرین کے مقابلہ میں عزت دی اور تکبر اور غرور والوں کو ذلیل اور خوار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور اخیر میں بتلا دیا کہ اصل ذلت وخواری قیامت کے دن ہوگی۔ اور موجودہ ذِلّت وخواری تو محض سر جھکانے کے لیے ہے تاکہ ہوش میں آجائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت دو اُن کو

الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَ مَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

پیٹھ اور جو کوئی اُن کو پیٹھ دے اس دن مگر یہ (سوائے اس کے) کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا

اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ لے پھرا غضب اللہ کا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯

اور کیا بُری جگہ جا ٹھہرا۔

بیان حُرمت فرار از مقابلۂ کفار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ... الٰى ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ⑯ ﴾

ربط: گذشتہ آیت میں ملائکہ کو تثبیتِ مؤمنین کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں مؤمنین کو ثبات وقرار کا حکم ہے۔ یعنی مسلمانوں پر میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور مقابلۂ کفار سے فرار حرام ہے بجز دو صورتوں کے ایک تو یہ کہ پسپائی سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو۔ تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر پلٹ کر دفعتاً اس پر حملہ کرے۔ ظاہر میں بھاگنا ہو مگر درحقیقت مقصود حیلہ اور داؤ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی جماعت میں پناہ لینا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد وقتال کرے تو ایسی پسپائی گناہ نہیں ہاں جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو تو وہ گناہ ہے اور اگر بھاگ کر لشکر اسلام میں آملنا مقصود ہو تو پھر گناہ نہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! جب جہاد میں تم کافروں کے بڑے لشکر سے بھڑو۔ جو انبوہ کثیر ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ تمہاری طرف گھسٹا ہوا آرہا ہے تو تم ان کے مقابلہ سے پشت نہ پھیرو۔ میدانِ جنگ میں ایک کے بھاگنے سے دوسروں کے پاؤں بھی اُکھڑ جاتے ہیں۔ اور جو اس دن پشت پھیرے سوائے اس صورت کے کہ وہ لڑائی کے لیے کنی کاٹتا ہو اور دشمن پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت اور مرکز کی طرف پناہ لیتا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے اور اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر دشمنوں سے قتال کرے تو ان صورتوں کے علاوہ جو مسلمان کافروں کے مقابلہ سے پشت پھیرے گا سو وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ دوزخ بہت بُری جگہ ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے اور یہ دو صورتیں جو جائز رکھی گئی ہیں ان کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں بھاگنا نہیں بلکہ لڑائی کا ایک داؤ ہے ابتداء میں دہ (۱۰) چند کافروں سے مقابلہ واجب تھا بعد میں حق تعالیٰ نے تخفیف فرمادی کہ دو (۲) چند سے مقابلہ واجب ہوا اور مسلمانوں کو اپنے دو چند سے بجز ان دو صورتوں کے پسپا ہونا حرام ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان تحقیق اللہ ہے

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

سنتا جانتا۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سُست کریگا تدبیر کافروں کی۔

بیان علت بودن قدرت حق وسبب وواسطہ بودن قدرتِ خلق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ... الٰی ... وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بھی حق تعالیٰ کی ایک غیبی امداد کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں بھی اس کی ایک غیبی امداد کا ذکر ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ جنگِ بدر میں جو فتح ہوئی وہ دراصل قدرتِ خداوندی کا کرشمہ ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں سے ظاہر فرمایا ہے اصل علت قدرت حق ہے اور قدرت خلق محض سبب اور واسطہ کے درجہ میں ہے۔ بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے اس لڑائی میں فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلایا گیا کہ یہ سب اللہ کا فضل وکرم تھا ظاہر میں کفار اگرچہ تمہارے ہاتھ سے قتل ہوئے لیکن درحقیقت اور در پردہ دستِ قدرت کارفرما تھا۔ اور تمہارا ہاتھ اس کی قدرت اور مشیت کا محض ایک روپوش تھا۔ لہٰذا ناز کی ضرورت نہیں۔ نیاز کی ضرورت ہے روپوش پر نظر نہ کرو بلکہ اس روپوش کے اندر جو دستِ قدرت چھپا ہوا ہے اس کی طرف نظر کرو۔

شانِ نزول:

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے جب جنگ بدر کی شدت ہوئی تو آں حضرت ﷺ نے تین مرتبہ شَاهَتِ الوُجُوہ پڑھ کر ایک مشتِ خاک کافروں کی طرف پھینک دی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے خاک کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئے جس سے کافر آنکھیں ملنے لگے۔ اِدھر مسلمانوں نے ہلّہ بول دیا آخر کفار بھاگ پڑے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا سوائے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا یعنی جنگِ بدر میں تمہارا اپنے اعداء کو باوجود ان کی کثرت کے اور باوجود تمہاری قلت کے ستّر کو قتل کرنا اور ستر کو قید کرنا یہ تمہاری حول اور قوت سے نہیں ہوا بلکہ اللہ کی غیبی نصرت اور مدد سے ہوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس فتح اور غلبہ کو اپنا کارنامہ سمجھے اور اس پر فخر کرے جو کچھ کیا وہ اللہ ہی نے کیا اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا اور تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہارے پاؤں نہ جمائے رکھتا تو تم کسی ایک کو بھی قتل نہ کر سکتے تھے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کام کرایا۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

اور اے نبی ﷺ! جب آپ ﷺ نے کافروں کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تھی تو وہ درحقیقت آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھی ولیکن در پردہ اللہ نے پھینکی تھی اور اسی نے اپنی قدرت سے ایک مشت خاک کے تمام ریزوں کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دیا اور ان کو خیرہ اور سراسیمہ بنا دیا اور کوئی مشرک اس سے نہ بچ سکا۔ یعنی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ ایک مشتِ خاک ایک مسلح لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھ میں پہنچا دے اور پھر وہ مشتِ خاک اس لشکرِ جرار کی ہزیمت کا سبب بن جائے یہ صرف دستِ قدرت تھا جس نے ایک مشت خاک سے ایک لشکرِ جرار کی فوج کے منہ پھیر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ تمہارے ہاتھوں سے اس لیے ظاہر فرمایا کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کے ہاتھوں متکبر اور سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتارے اور تا کہ اہل ایمان پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے کہ نصرت اور غنیمت اُن کو عطاء کرے بیشک اللہ مومنوں کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے اخلاص اور وفاداری کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو سُست کرنے والا اور ان کے مکر اور حیلہ کو باطل کرنے والا ہے۔ چنانچہ اس وقت بھی کافروں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور آئندہ کے لیے بھی ان کی تدبیریں سُست پڑ گئیں اور جن لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس سے اُن کے اِعجاب اور خود پسندی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ یہ سب کچھ خداوند ذوالجلال کے غیبی کرشمۂ عنایت سے ہوا نہ کہ ہماری حول اور قوت سے۔

نکتہ: فعل قتل کا ظہور اگرچہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا اور فعل رمی کا ظہور آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک سے ہوا مگر باعتبار اثر اور نتیجہ کے بشری طاقت سے بالا اور برتر تھا۔ اس لیے قتل اور رمی کو ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب فرمایا اور حقیقت اور اثر کے اعتبار سے بندوں سے اس کی نفی کی گئی اور خداوند ذوالجلال کی طرف اس کی نسبت کی گئی کہ یہ تاثیر محض فعل الٰہی تھی۔

فائدہ: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ حنین میں بھی آپ ﷺ نے ایک مشت خاک لے کر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی اور شاھت الوجوہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے چہرے خراب ہوئے۔ واللہ اعلم

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۲ و تفسیر ابن جریر ص ۲۰۴ ج ۹ و صحیح مسلم ص ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۃ حنین)

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ
اگر تم چاہو فیصلہ سو پہنچ چکا تم کو فیصلہ، اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا
لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا
ہے۔ اور اگر پھر کرو گے تو ہم بھی پھر کریں گے اور کام نہ آوے گا تم کو تمہارا جتھا
وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۹ ۱۶
اگرچہ بہت ہوں، اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے۔

تحسیر * وتعییرِ کفار وبیانِ سببِ غلبۂ ابرار

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ... الٰی ... وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل ایمان کو بطور تذکیرِ نِعَم خطابات تھے۔ اب ان آیات میں کفار کو بطور تذکیرِ نقم خطاب ہے بطور تعییر وتحسیر خطاب ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ جب ابوجہل اور کفار قریش مکہ سے آپ ﷺ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو حرم کا پردہ پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ ہمارے اور محمد کے لشکر میں تیرے نزدیک جو باعتبار دین کے بہتر اور برتر ہو اسی کو فتح دے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۸۷ ج ۷)

سو اس آیت میں کفار کو عار اور حسرت دلانا مقصود ہے اور بطورِ استہزاء ان سے خطاب ہے کہ جس فتح کے تم طلبگار تھے دیکھ لو کہ تمہاری تمنا اور دعا کے مطابق وہ فتح تمہارے سامنے آگئی۔ پس اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ تم ایمان لے آؤ اور دیکھ لو کہ باوجودیکہ تمہاری جماعت بہت زیادہ تھی مگر اس کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وعنایت سے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اس لیے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ خدا جس کے ساتھ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے کافرو! اگر تم فتح طلب کرتے تھے۔ پس تمہارے سامنے وہ فتح آگئی جس کے تم طلبگار تھے یعنی اسی دین کی فتح ہوئی جو میرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ تھا اور اگر تم آئندہ کے لیے کفر اور عناد سے باز آجاؤ تو وہ تمہارے لیے دین اور دنیا میں بہتر ہے۔ اس جہان کے قتل سے اور اس جہان کے عذاب سے بچ جاؤ گے اور اگر تم دین اسلام کی عداوت میں پھر لوٹو گے تو ہم بھی تمہاری تذلیل وتحقیر کی طرف پھر لوٹیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اگرچہ وہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو اور کیسے کام آسکتی ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور خدا اور خُدا کی نصرت اور اعانت جس کے ساتھ ہو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ	
اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے اور اس سے مت پھرو	
تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ هُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾	
سُن کر۔ اور ویسے مت ہو جنہوں نے کہا کہ ہم نے سُنا اور وہ سُنتے نہیں	
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾	
بدتر سب جانوروں میں اللہ کے پاس وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں بوجھتے۔	

* تحسیر کے معنی حسرت دلانا اور تعییر کے معنی عار دلانا ہے۔

وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا

اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سناتا اور جو ان کو سنا دے تو الٹے بھاگیں

وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ

منہ پھیر کر۔ اے ایمان والو! مانو حکم اللہ کا اور رسول کا

اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ

جس وقت بلاوے تم کو ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے

قَلْبِهٖ وَ اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ

دل کو اور یہ کہ اس پاس تم جمع ہوگے۔ اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہ پڑے گا تم میں سے

ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَ اذْكُرُوْۤا

ظالموں پر چُن کر۔ اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ اور یاد کرو

اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے مُلک میں ڈرتے تھے کہ اُچک لیں تم کو

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ

لوگ، پھر اس نے تم کو جائے دی اور زور دیا اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں شاید تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا

حق مانو۔ اے ایمان والو! چوری نہ کرو اللہ اور رسول سے یا چوری کرو

اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ

آپس کی امانتوں میں جان کر۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد جو ہیں

فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ ع ۳ ۹ ۱۷

خراب کرنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے اے ایمان والو! اگر

تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ

ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ اور اتاریگا تم سے سارے گناہ اور بخشے

لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

گا تم کو اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

ترغیب براطاعت وامانت وترہیب ازمعصیت وخیانت وزجردوستاں ازمشابہت دشمناں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ... الیٰ... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ، کی معیت اور نصرت اور حمایت کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے اگر تم اللہ کی معیت اور اس کی نصرت کے طلبگار ہو تو اس کی دو شرطیں ہیں۔ **اوّل:** تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل وجان سے ایسی اطاعت کرو جس میں خیانت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ خیانت اطاعتِ کاملہ میں مخل ہے۔ **دوم:** یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے دشمنوں اور اس کے باغیوں یعنی کافروں اور منافقوں کی مشابہت اور مماثلت سے محفوظ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)). "جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا" کوئی بادشاہ اور فرمانروا یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی وفاداری کا دعویٰ دار اس کے دشمنوں کا ہمرنگ اور ہم لباس اور ہم صورت بنے۔ اسی طرح دعویٰ تو ہو ایمان کا اور خدا اور رسول ﷺ کی محبت کا اور صورت اور طرزِ معاشرت سارا کا سارا ہو دشمنانِ خدا اور رسول کا سا، یہ درپردہ اجتماع ضدین ہے جو حکماء اور عقلاء کی نظر میں احمقانہ دعویٰ ہے۔

اس لیے ان آیات میں (**اوّلاً**) حق تعالیٰ نے اطاعت کاملہ کا حکم دیا اور (**ثانیاً**) اعداء اسلام یعنی کفار اور منافقین سے تشبہ کی ممانعت فرمائی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا﴾ اور پھر اسی کے ساتھ مشبہ بہ کی مذمت میں ان کو ﴿شَرَّ الدَّوَآبِّ﴾ فرمایا تاکہ تشبہ بالکفار کی قباحت خوب ذہن نشین ہوجائے اور (**ثالثاً**) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا... الخ﴾ میں یہ بتلایا کہ اطاعتِ خدا اور رسول حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ اور (**رابعاً**) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ﴾ میں خیانت سے ممانعت کی اور مال اور اولاد کے فتنہ پر تنبیہ فرمائی اس لیے کہ اس سے اطاعت میں خلل پڑتا ہے۔ اور (**خامساً**) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ﴾ میں تقویٰ کے فوائد اور برکات کو بیان فرمایا اور یہ تمام مضامین آپس میں غایت درجہ متناسب اور متجاذب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی معیت * چاہتے ہو تو تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور رسول کے حکم سے روگردانی

---

* گزشتہ آیت میں ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

نہ کرو حالانکہ تم سُن رہے ہو کہ وہ ہمارے رسولؐ ہیں اور ان کی اطاعت ہماری اطاعت ہے اور ایمان کا مقتضیٰ ہی اطاعت ہے اور ان لوگوں کے مشابہ نہ ہو جو زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سُن لیا اور دل سے نہیں سنتے یعنی منافقوں کے مانند نہ بنو جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ فقط سر کے کانوں سے سُن لینا کافی نہیں اور یہ فقط مقتضائے ایمان کے خلاف نہیں بلکہ مقتضائے انسانیت کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ تحقیق بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے اور حق کے سمجھنے سے بے عقل ہیں نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بات منہ سے نکالتے ہیں اور نہ حق بات کے سمجھنے کی طرف عقل کو متوجہ کرتے ہیں ایسے لوگ بہائم سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ حیوانات تو عقل اور ادراک سے عاری ہیں انہیں کیا ہوا کہ عقل اور شعور کے ہوتے ہوئے نفس اور طبیعت کی طرف دوڑ پڑے اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر اور بھلائی جانتا یعنی حق کی طلب اور قبول حق کی صلاحیت جانتا تو ضرور ان کو حق سنا دیتا۔ یعنی ان کو سننے کی توفیق سے آیات قرآنی سے ہدایت حاصل کرتے اور حق کو سمجھ جاتے اور اگر بالفرض خُدا تعالیٰ ان کو ایسی حالت میں سنا دے جبکہ ان میں کچھ بھی خیر نہیں اور نہ حق کی طلب ہے بلکہ بجائے خیر کے ان کے دل عناد اور حق کی نفرت سے لبریز ہیں ایسی حالت میں اگر خدا تعالیٰ ان کو سنا بھی دے تب بھی وہ روگردانی کریں گے اور اعراض کر کے الٹے پیر بھاگیں گے جن میں خیر کا کوئی مادہ ہی نہ ہو اور قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہو اور نہ حق کی طلب ہو اور نہ اس کی فکر اور تلاش ہو تو ایسے بدبخت سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں کیونکہ خیر سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دائرۂ انسانیت سے نکل کر دائرۂ حیوانیت میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہاں تک محروم اور مردود لوگوں کا حال بیان ہوا اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے اہل قرب اور محبین کو متابعتِ رسول کی راہ سے اپنے قرب اور مشاہدہ کی دعوت دیتے ہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کی دعوت کو قبول کرو تا کہ تم کو حیات دائمی حاصل ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تمہارا ایمان جب مکمل ہوگا کہ جب تمہارا دل زندہ ہو جائے لہٰذا اگر تم حیات روحانی اور حیات جاودانی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار کو قبول کرو جب اللہ کا رسول روحانی زندگی بخشنے کے لیے تم کو بلائے یعنی علوم حقہ اور ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف بلائے جس سے دنیا میں تم کو روحانی زندگی ہو اور جنت میں حیات ابدی حاصل ہو۔ غرض یہ کہ جس دین کی طرف آپ ﷺ بلاتے ہیں وہ دل کو زندہ کرنے والا ہے اور دل کی زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم اس نعمت عظمیٰ سے روگردانی کرو اور ساتھ ساتھ اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے وہ مقلب القلوب ہے دلوں کو پلٹتا رہتا ہے یعنی زندگی کو غنیمت سمجھو اور استجابتِ رسول ﷺ میں دیر نہ کرو شاید تھوڑی دیر کے بعد دل کی یہ حالت نہ رہے دل آدمی کے قبضہ میں نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ ابتداءً اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو خیر سے نہیں روکتا اور نہ اس پر مہر کرتا ہے البتہ اگر بندہ کاہلی اور سُستی اور روگردانی کرنے لگے اور حد سے گذر جائے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی سزا اور پاداش میں اپنی توفیق اور ہدایت کو روک لیتا ہے یا کوئی حق پرستی کو چھوڑ کر ضد اور عناد پر اتر آئے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اور اس پر قفل ڈال دیتا ہے جس سے دل کے اندر خیر پہنچنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ (ہذا توضیح مافی موضح القرآن)

اور بچتے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے کہ جس کا وبال تم میں سے فقط ان لوگوں پر نہ پڑے گا جنہوں نے خاص کر ظلم کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس کا وبال عام ہوگا ظالم اور غیر ظالم سب ہی اس کی زد میں آجائیں گے آیت میں فتنہ سے مداہنت فی الدین کا فتنہ مراد ہے کہ

جب لوگ کھلم کھلا منکرات کا ارتکاب کرنے لگیں اور اہل علم باوجود قدرت کے مداہنت برتیں اور نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور نہ دل سے اس سے نفرت کریں جو آخری درجہ ہے اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول کو چھوڑیں تو ایسی صورت میں اگر من جانب اللہ کوئی عذاب آیا تو وہ عام ہوگا جس میں اہل معاصی اور مرتکبینِ منکرات کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ وہ عذاب مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ کیونکہ منکرات اور معاصی اگر لوگوں میں شائع ہو جائیں تو ان کی تغییر حسب قدرت سب پر واجب ہے اور جو باوجود قدرت کے سکوت کرے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی دل سے راضی ہے اور راضی حکم میں عامل کے ہے بلکہ بعض اوقات رضا بالمنکر ارتکابِ منکر سے زیادہ دین کے لیے مضر ہوتی ہے۔ اس لیے اس فتنہ پر جو عقوبت اور مصیبت نازل ہوگی وہ سب کو عام ہوگی۔ اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے جو اس کی معصیت اور نافرمانی کو دیکھ کر باوجود قدرت کے اس پر سکوت کرے گا اور اندر سے اس کا دل رنجیدہ نہ ہوگا تو اس کو بھی عذاب پہنچے گا۔

پس آیت کا خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ خود بھی خدا تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کو نصیحت اور فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو کم از کم بیزاری اور نفرت کا اظہار کرو اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فتنہ اور فساد اور ایسے گناہ سے بالخصوص بچنا چاہیے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم ماننے میں کاہلی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر کرنے کی وجہ سے دل ہٹ جائے اور پھر اس کا کرنا اور مشکل ہو جائے اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے تو رسمِ بد پھیلے گی اس کا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اپنے ضعف اور ناتوانی کی بناء پر حکم برداری میں کاہلی نہ کریں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم شمار میں بہت تھوڑے تھے اور سرزمین مکہ میں ہجرت سے پہلے تم ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے۔ ضعف کا یہ حال تھا کہ تم ڈرتے تھے کہ کافر تم کو کہیں اچک نہ لے جائیں۔ پس اللہ نے تم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت بخشی اور تمہارا ضعف مبدل بہ قوت ہوا اور تم کو اپنی کمزوری کی بناء پر جو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ دشمنانِ اسلام ہم کو نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں یہ خدشہ دور ہوا اور ہجرت کے بعد تم کو جہاد کا حکم ہوا اور پاکیزہ اور ستھری چیزوں سے تمہیں روزی دی اور مال غنیمت تمہارے لیے حلال کیا جو پہلی اُمتوں کے لیے حلال نہ تھا۔ تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر مانو جتنا شکر کرو گے اسی قدر نعمتوں میں زیادتی ہوگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ منعم کا حق اور اس کا شکریہ ہے کہ اس کے حق میں کوئی خیانت نہ کی جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت واجب ہے اور خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے خیانت کے لغوی معنی نقص اور کمی کے ہیں۔ پس کسی کے حقوق میں کمی کرنا خیانت ہے اسی طرح اللہ کا دین امانت ہے اللہ کی طرف اس کو ادا کرو اس کے فرائض بجا لاؤ اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود پر قائم رہو۔

یہ آیت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی یہود بنی قریظہ نے جب حضور پرنور ﷺ سے صلح کی درخواست کی تو اس بات میں یہود نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ چونکہ ان کے مال و عیال اس گھڑی میں ان کے پاس تھے اس لیے بمقتضائے بشریت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی تم سب کو قتل کر

ڈالیں گے۔ابولبابہ رضی اللہ عنہ یہ اشارہ کرتو گزرے مگر فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کی۔واپس آکر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کرے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہوگئی آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔اس پر کہا کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے میری رسی نہ کھولیں گے اس وقت تک میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خود اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا۔رضی اللہ عنہ وارضاہ۔(تفسیر درمنثور ص ۸۷ ج ۳)

تحذیر از فتنۂ مال واولاد

ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ نے جو یہود کی یہ خیر خواہی کی اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک قسم کی خیانت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال اور ان کے اموال بنی قریظہ میں تھے ان کے بچاؤ کے لیے ایسا کیا۔اس لیے آئندہ آیت میں متنبہ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں۔یعنی تمہارے لیے آزمائش ہیں یہ اموال اور اولاد تم کو اس لیے دیئے گئے ہیں کہ تم اس عطاء کا شکر ادا کرو اور اطاعت بجالاؤ۔نہ اس لیے کہ تم بمقابلۂ اسلام ان کی رعایت کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کرو۔چنانچہ فرماتے ہیں: اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد بڑی آزمائش ہیں عاقل کو چاہیے کہ ان چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت نہ کرنے اور یقین رکھو کہ اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے جس کے سامنے یہ تمام دینوی منافع ہیچ ہیں۔لہٰذا مال اور اولاد کی خاطر ثواب اور آخرت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔

برکاتِ تقویٰ

اے ایمان والو! اگر تم اپنے ایمان کو فتنہ سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے درمیان ایک فیصلہ کردے گا یعنی تم کو تمہارے دشمنوں پر ایسی فتح اور غلبہ دے گا کہ پھر تمہیں کافروں کی کسی رعایت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور فتنہ سے تم محفوظ ہو جاؤ گے۔مطلب یہ ہے کہ فرقان سے فتح ونصرت مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرقان سے نور ہدایت مراد ہے۔یعنی تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً ووِجداناً حق اور باطل میں فرق کرلیا کرو گے۔اور اس کے علاوہ تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دُور کرے گا اور تم کو بخش دے گا۔اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔وہم وگمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا کہ یہ فتح اتفاقی ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل وعیال کو مکہ میں نہ ستاویں سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔(موضح القرآن)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

اور جب فریب بنانے لگے کافر، کہ تجھ کو بٹھا دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے۔

ذکرانعامِ خاص

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . الٰى . . . وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾﴾

ربط : گزشتہ آیات میں عام مومنین پر انعام کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت ﷺ پر اپنے خاص انعام کا ذکر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت کے وقت دشمنوں کے نرغہ سے کس طرح آپ ﷺ کو صحیح سالم نکالا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور یاد کرو اے نبی ﷺ! اُس وقت کو کہ جب کافر آپ ﷺ کے ساتھ مکر و فریب کر رہے تھے اور آپ ﷺ پر اپنا داؤ چلا رہے تھے تا کہ تجھ کو مضبوط باندھ کر قید کر لیں اور ایک گھر میں مقید کر کے اس کا دروازہ بند کر دیں اور صرف ایک روشندان کھلا رہنے دیں اس میں سے آپ ﷺ کے کھانے کے لیے ڈال دیا کریں یہاں تک کہ آپ ﷺ کی موت آجائے یہ رائے ابوالبختری بن ہشام کی تھی یا آپ کو مختلف تلواروں سے قتل کر دیں یہ رائے ابوجہل کی تھی۔ اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کر لیا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے اور سب مل کر ایک حملہ کریں اور ایک ہی وار میں آپ ﷺ کا کام تمام کریں۔ جب اس طرح آپ ﷺ کو قتل کر دیں گے تو آپ ﷺ کا خون تمام قبائل قریش میں بٹ جائے گا اور بنی ہاشم تمام عرب سے لڑ نہیں سکیں گے ناچار دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم اس کی دیت دے کر چھوٹ جائیں گے یا آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دیں یہ رائے ہشام بن عمرو کی تھی اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو ایک اُونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دو۔ جب وہ تم سے غائب ہو جائے گا تو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور سردارانِ قریش دین حق کے مٹانے کی تدبیروں اور سازشوں میں سرگرداں تھے اور طرح طرح کے مکر و فریب کر رہے تھے اور مخفی طور پر اللہ تعالیٰ ان کے مکر و فریب کے باطل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے آگے لوگوں کے سب منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ اس آیت میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب انصار مسلمان ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی تو کفار قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں محمد ﷺ کی شان بڑھ نہ جائے اور آپ ﷺ کا دین سب دینوں پر غالب نہ آجائے۔ اس کی روک تھام اور انسداد کی تدبیر کرنے کے لیے سردارانِ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے تا کہ محمد ﷺ کے بارے میں آپس میں مشورہ کریں اور مشورہ کے بعد جو بات طے پائے اس پر عمل کریں اس مجمع کے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل اور ابوسُفیان اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام وغیرہم تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابلیس لعین بھی ایک مقدس شیخ کی صورت بنا کر ان میں آموجود ہوا لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اس نے کہا کہ میں نجد کا ایک شیخ ہوں میں نے تمہارے مجمع کا حال سُنا تو میں بھی تمہارے پاس آ گیا تا کہ عمدہ رائے سے تمہاری خیر خواہی کروں لوگوں نے کہا کہ اچھا آیئے بیٹھیے! غرض یہ کہ شیخ لعین بھی ان کے مجمع میں شامل ہو گیا۔ جب سب لوگوں سے رائے لی گئی تو ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم محمد ﷺ کو پکڑ کر مضبوط باندھ لو اور ایک گھر میں مقید کر کے اس کا دروازہ بند کر دو اور ایک روشندان کھلا رہنے دو اسی میں اس کی طرف کھانا پانی ڈال دیا کرو اور اس کے بارے میں گردش زمانہ کے منتظر رہو یہاں تک کہ جس طرح اس سے پہلے شاعر مر گئے وہ بھی مر جائے۔ جب ابلیس لعین نے یہ رائے سُنی تو چلایا اور کہا کہ یہ تمہاری رائے غلط اور بُری ہے اگر تم نے اس کو قید کر لیا تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی خبر دروازہ سے باہر نہ نکلے جب اس کے اصحاب اس بات کو سنیں گے تو جنگ کر کے تمہارے ہاتھ سے چھڑا لیں گے۔ یہ سُن کر لوگوں نے کہا کہ شیخ نجدی سچ کہتا ہے۔ پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے یہاں سے نکال دو جب وہ تم سے غائب ہو جائے گا تو وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور تم اس کے شر سے راحت میں ہو جاؤ گے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بہت نکمی ہے تم ایسے شخص کو جس نے تمہاری عقلوں پر جادو کر دیا اپنے غیروں کی طرف نکالتے ہو۔ کیا تم نے اس کی فصاحت کلامی اور شیریں زبانی کو نہیں دیکھا اور اس بات پر نظر نہیں کی کہ اس کی باتیں لوگوں پر کیا اثر کرتی ہیں اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا اور دوسری قوموں کو مائل کر کے ان کو تم پر چڑھا لائے گا اور پھر تم کو تمہارے شہر سے نکال دے گا۔ جب لوگوں نے اس کا یہ قول سنا تو سب نے کہا کہ شیخ نجدی نے سچ کہا۔ اس کے بعد ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور سب مل کر دفعتاً اس کو قتل کریں تا کہ اس کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم تمام قبائل عرب سے نہیں لڑ سکتے ضرور بالضرور دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت دے کر چھوٹ جائیں گے۔ اس کے سوا میری اور کوئی رائے نہیں۔ شیخ نجدی نے جب ابوجہل کی رائے سنی تو خوشی کے مارے اُچھل پڑا اور کہا کہ بے شک رائے تو یہی ہے جو اس جوان نے دی ہے، اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ غرض ابوجہل کے قول پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اسی شب آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں اور مجمع برخاست ہو گیا۔

نکتہ: ابوجہل کی رائے کو سن کر ابلیس لعین کو خوشی اس امر کی ہوئی کہ میرا ایک شاگرد مکر و فریب کی اس منزل پر پہنچ گیا کہ جہاں میرا فکر نہ پہنچ سکا۔

مجمع برخاست ہونے کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور تمام واقعہ کی آپ ﷺ کو خبر دی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹا دیا اور فرمایا کہ میری چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ تم کو کوئی تکلیف نہ ہو گی اور آپ ﷺ ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ... الیٰ ... فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝﴾ (یٰسین) پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر ان کے سروں پر پھینک دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا اور وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ آپ ﷺ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور پھر ان کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں جا چھپے۔

مشرکین تمام رات علی رضی اللہ عنہ کی رکھوالی کرتے رہے اور اُن کو یہ سمجھتے رہے کہ یہ محمد ﷺ ہیں جب صبح ہوئی تو قتل کے ارادہ سے گھر میں گھس گئے جب انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور آپ ﷺ کو نہ دیکھا تو سخت متحیر ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ سے بولے کہ تمہارا رفیق کہاں

گیا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے اس طرح سے آنحضرت ﷺ کو دشمنوں سے بچایا اور دشمن خائب و خاسر واپس ہوئے۔ پھر جنہوں نے آپ ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا تھا غزوۂ بدر میں وہی قتل کیے گئے۔ ابوجہل جس نے قتل کا مشورہ دیا تھا وہ بھی بدر کے دن مارا گیا۔ لعنة الله عليه۔

اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتلایا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ پس جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مکہ میں دشمنوں سے بچایا اسی طرح وہ تمہارے اہل و عیال کی بھی مکہ میں حفاظت کر سکتا ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

اور جب کوئی پڑھے اُن پر ہماری آیتیں کہیں ہم سُن چکے، ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا یہ

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ

کچھ نہیں مگر احوال ہیں پہلوں کے اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین

الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا

حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا پتھر آسمان سے یا لاہم پر

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا

دُکھ کی مار۔ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا اُن کو جب تک تو تھا ان میں اور

كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ

اللہ نہ عذاب کرے گا اُن کو جب تک بخشواتے رہیں۔ اور ان میں کیا ہے کہ عذاب نہ کرے ان کو

اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ

اللہ؟ اور وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے اور اس کے اختیار والے نہیں

اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ

اس کے اختیار والے وہی ہیں جو پرہیز گار ہیں لیکن وہ اکثر خبر نہیں رکھتے۔ اور ان کی

صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

نماز کچھ نہ تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ

بدلہ اپنے کفر کا۔ جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال کہ

لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً

روکیں اللہ کی راہ سے سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا اُن پر پچھتاوا

ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ

پھر آخر مغلوب ہوں گے اور جو کافر رہیں گے دوزخ کو ہانکے جاویں گے تاجُدا کرے

اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ

اللہ ناپاک کو پاک سے، اور رکھے ناپاک کو ایک پر ایک پھر اس کو

فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۴ ۹ ۱۸

ڈھیر کرے سارا پھر ڈالے اس کو دوزخ میں وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے۔

تفصیل مکائد کفار در ابطال دین پروردگار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ... الٰى ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ذاتِ نبوی کے متعلق کفار کے کید اور مکر کا حال بیان فرمایا۔ اب آئندہ آیات میں دینِ محمدی کے بارے میں کفار کے کید و مکر کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ دین اسلام کے مٹانے کے لیے کیا کیا حیلے اور بہانے تراشتے تھے اور کس طرح جان و مال سے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت اور دشمنی کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں کفار قریش کے تمرد اور عناد اور ان کے متکبرانہ دعاوی اور احمقانہ عادتوں کا بیان ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جس سے مقصود ان کی مذمت و شناعت اور ان کے استحقاق عقوبت کو بیان کرنا ہے یعنی یہ لوگ اپنے تمرد اور عناد اور عادات شنیعہ کی بناء پر اس قابل ہیں کہ ان کو سخت عذاب دیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو از راہِ تکبّر یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سُن لیا۔ ہم چاہیں

تو ہم بھی ایسا ہی قرآن کہہ سکتے ہیں۔ یہ قرآن ہے ہی کیا چیز صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو ملک فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفند یار کی داستانیں سُن آیا تھا جہاں بیٹھتا وہاں لوگوں کو یہ قصے سنایا کرتا اور یہ کہتا کہ جیسے قصّے تم کو محمدؐ سناتا ہے ویسے قصے میں تم کو سناتا ہوں اس کا کلام ہے ہی کیا اگر میں چاہوں تو میں بھی ویسا ہی کلام بنالوں مگر اس کا یہ کہنا صریح حق کو جھٹلانا تھا۔ کہاں رستم واسفند یار کے قصے اور کہاں یہ قرآن پاک۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ رستم اور اسفند یار کے قصّے جھوٹ اور مبالغے سے پُر ہیں اور قرآن پاک کا حرف حرف صداقت اور واقعیت اور موعظت وحکمت پر مبنی ہے۔ پھر اس پر قرآن کی وہ فصاحت وبلاغت جس نے تمام عرب وعجم کو عاجز کر دیا اس کے علاوہ ہے پھر یہ کہ جب قرآن ببانگِ دُہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ جس کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک اور شبہ ہے تو اس کے مثل لے آئے تو نضر بن حارث کو کس نے منع کر دیا کہ وہ قرآن جیسا کلام نہ بنالائے جب اس کا دعویٰ یہ تھا کہ ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسا ہم بھی کہہ لیں۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ نے چاہا کیوں نہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے۔ مگر وہ چلتا نہیں یہ متکبرین اور معاندین حروف سے تو قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے البتہ سیوف (تلواروں) سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے تمرد اور عناد کی ایک بات اور سنو جبکہ اس بات کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن یا یہ دین صحیح اور درست ہے تیری ہی طرف سے اتارا گیا ہے تو ہم تو جب بھی اس قرآن کو نہیں مانیں گے تو تُو عذاب میں دیر مت کر ہم پر آسمان سے پتھر برسا جس طرح تو نے اصحابِ فیل پر برسائے تھے یا اور کسی طرح کا ہم پر دردناک عذاب لا۔ یہ قول بھی نضر ہی نے کہا تھا جس سے مقصود قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین کا ظاہر کرنا تھا اور اسی نضر کے بارہ میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (المعارج) اور دوسری جگہ یہ ہے: ﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْ لَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (العنکبوت)... ﴿وَ قَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (صٓ)... ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (الشعرآء) عطاء کہتے ہیں کہ قرآن میں نضر کے بارے میں کچھ اُوپر دس آیتیں نازل ہوئیں۔ سو خدا تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور بدر کے دن گرفتار ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے صبراً (بھوکا پیاسا) رکھ کر اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور نضر کی طرح ابوجہل نے بھی اسی طرح کہا تھا وہ بھی بدر کے دن ذلت اور رسوائی کے ساتھ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ اُمم سابقہ کے جاہلوں نے بھی یہی کہا تھا ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اسی طرح عرب کے متمردوں اور سرکشوں نے یہ کہا: اے اللہ! اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی عذاب نازل کر اور یہ دعا ہی ان کی عناد اور جہالت اور حماقت کی دلیل ہے اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو یہ دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فاهدنا لَه و وفقنا لِاتباعه.

"یعنی اے اللہ! اگر یہ دین حق ہے اور تیرے پاس سے آیا ہے تو ہم کو ہدایت دے اور اس کے اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔"

حماقت بالائے حماقت

اوّل تو اپنی حماقت سے یہ احمقانہ دُعا مانگی۔ پھر جب خُدا کی کسی حکمت اور مصلحت سے عذاب نازل نہ ہوا تو اپنی اس احمقانہ دعا سے اپنی حقانیت پر ناز کرنے لگے اور یہ نہ سمجھا کہ سُنّت الٰہی یہ ہے کہ جب تک پیغمبر قوم کے اندر موجود رہتا ہے اُس وقت تک قوم پر

عذاب نازل نہیں ہوتا۔ خاص کر جب کہ آپ رحمۃ للعالمین ان میں موجود ہیں سوائے نبی! اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دیتا درآنحالیکہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں ان کے درمیان آپ ﷺ کا نفس وجود ان پر عذاب نازل ہونے سے مانع ہے اور نیز نزول عذاب سے ایک مانع اور بھی ہے کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور اللہ ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتے کہ جب وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بوجہ کفر اور تمرد اور عناد اس کے مستحق ہیں کہ ان پر عذاب مذکور نازل کیا جائے لیکن عذاب نازل کرنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک تو نبی اکرم ﷺ کا ان کے درمیان تشریف فرما ہونا اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کرے جس میں نبی موجود ہو کیونکہ یہ امر نبی کے اعزاز و اکرام کے منافی ہے۔ پہلی اُمتوں پر جو عذاب نازل ہوا تھا وہ بھی اسی وقت ہوا تھا کہ جب انہوں نے اپنے نبی کو درمیان سے نکال دیا تھا۔ اور دوسری چیز جو نزول عذاب سے مانع ہے وہ ان کی استغفار ہے اور عذاب سے امن اور سلامتی کا باعث ہے مشرکین طواف وغیرہ کی حالت میں غفرانك غفرانك کہا کرتے۔ پس جبکہ کافر کی استغفار دنیا میں نزول عذاب سے مانع ہوسکتی ہے تو مسلمان کی استغفار بدرجۂ اولیٰ نزول عذاب سے مانع ہوسکتی ہے۔ ترمذی میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے لیے دو امانیں اُتاری ہیں۔ ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار جب میں اُن میں سے اُٹھ جاؤں گا تو استغفار ان کے لیے قیامت تک چھوڑ جاؤں گا اور ان متمردین اور معاندین پر اگرچہ آپ ﷺ کے وجودِ باجود کی وجہ سے اور استغفار کی وجہ سے فی الحال دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوا لیکن مستحق عذاب کے ضرور ہیں کیونکہ عذاب کے اسباب اور مقتضیات سب ان میں موجود ہیں اس لیے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے حالانکہ وہ اس کے مستحق ہیں۔ اس لیے کہ وہ اہلِ ایمان کو مسجد حرام کی زیارت اور طواف سے روکتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور وہ اس لائق نہیں کہ مسجد حرام کے متولی بنیں یہ کفار ناہنجار مسجد کے متولی بننے کے لائق نہیں۔ مسجد حرام کی تولیت کے لائق اور سزاوار صرف پرہیزگار لوگ ہیں جو شرک اور معصیت سے پرہیز کرتے ہیں ولیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں کہ تولیت اُن کا حق نہیں۔

شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ قریش اپنے آپ کو اولادِ ابراہیم علیہ السلام سمجھ کر خانہ کعبہ کا مختار ٹھہراتے تھے اور مسلمانوں کو آنے نہ دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام میں سے جو پرہیزگار ہو تولیت اسی کا حق ہے اور ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ ناخوش ہوئے اسے نہ آنے دیا۔ (کذا فی موضح القرآن بایضاحٍ)

اور مسجد کی تولیت کا حق اس شخص کو ہے کہ جو مسجد کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقہ سے نماز پڑھے اور ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے کے اور تالیاں بجانے کے کچھ بھی نہیں ایسے لوگ خانہ کعبہ کے متولی کیسے ہوسکتے ہیں؟ ایسے لوگ تو عذاب کے مستحق ہیں۔ پس اے مدعیانِ تولیت تم اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب کا مزہ چکھو دنیا میں قتل اور قید اور آخرت میں عذاب جہنم۔ مطلب یہ ہے کہ قریش کا یہ دعویٰ کہ ہم مسجد حرام کی تولیت کے مستحق ہیں بالکل غلط ہے جو شخص خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے اور بجائے ذکر اللہ کے سیٹیاں اور تالیاں بجائے اس شخص نے مسجد حرام کا احترام نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کیا اور یہ صریح کفر ہونے کے علاوہ صریح جہالت اور حماقت بھی ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح ان کی یہ نماز کفر ہے۔ اسی طرح ان کے صدقات اور خیرات بھی کفر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں یعنی کفر کی اشاعت اور اسلام کی عداوت میں مال خرچ کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت بدنی کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت

میں ان کی عبادت مالی کا ذکر فرمایا جیسا کہ جنگ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن لشکر کو کھانا کھلانا اپنے ذمہ لیا تھا روزانہ ایک شخص کی طرف سے دس اُونٹ ذبح کیے جاتے تھے اور بعض کا قول یہ ہے کہ آیت ابوسفیان کے بارے میں ہے جس نے جنگِ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ کے لیے دو ہزار آدمی جمع کیے اور ان کے لیے سامانِ حرب اور رسد مہیا کرنے میں مال کثیر صرف کیا اور جنگ بدر کے موقع پر ابوسفیان جو تجارتی قافلہ بچا کر نکال لے گیا تھا۔ اس مال کا نفع پچاس ہزار مثقال سونا تھا وہ بھی اس لشکر پر خرچ کیا۔ اس بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی بہر تقدیر یہ آیت عام ہے اگرچہ سبب نزول خاص ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ دین اسلام سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں سو آئندہ بھی یہ لوگ اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے۔ پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سارا خرچ ان پر حسرت اور افسوس ہوگا کہ مال تو سارا خرچ ہو گیا اور مقصود حاصل نہ ہوا۔ پھر آخر مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کفار دین اسلام سے روکنے کے لیے کتنا ہی مال خرچ کر ڈالیں مگر نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہاریں گے اور ان مالوں کے ضائع ہونے پر حسرت اور افسوس کریں گے جیسا کہ فتح مکہ کے دن اس کا ظہور ہوا کہ سارا جزیرۃ العرب مغلوب اور مقہور ہوا اور آٹھ سال میں جو اسلام کی دشمنی میں خرچ کیا تھا وہ ضائع اور بے کار گیا۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور قیامت کو جو ندامت اور حسرت ہوگی وہ اس کے علاوہ ہے جس کا بیان آئندہ آیت میں ہے اور ان خرچ کرنے والوں میں سے جو لوگ اخیر دم تک کفر پر قائم رہے وہ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے اس جگہ حق تعالیٰ نے بجائے ضمیر لانے کے اسم ظاہر یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ وہ خرچ کرنے والے سب دوزخی نہ تھے کیونکہ بعض ان میں سے اللہ کے علم میں اسلام لانے والے تھے۔ اور قیامت کے دن ان کافروں کو دوزخ کی طرف اس لیے ہنکایا جائے گا تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے جُدا کر دے۔ یعنی اہل شقاوت کو اہل سعادت سے الگ کر دے کہ ناپاکوں کو دوزخ کی طرف ہنکائے اور پاکوں کو بہشت میں داخل کرے اور پھر ان ناپاکوں کو ایک دوسرے پر چڑھا کر اور تودہ اور ڈھیر بنا کر جہنم میں یکبارگی دھکا دے دے۔ اس طرح کافروں کے سردار اور ان کے پیرو ایک دوسرے کے سر پر پیر رکھے ہوئے بلا امتیاز یکبارگی ذلت اور خواری کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ دیکھ لو! ایسے ہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والے ہیں جس کی کوئی تلافی نہیں۔ البتہ اگر مرنے سے پہلے اس دارِ دُنیا میں اپنے خسارہ کی تلافی کرنا چاہیں تو اپنے کفر سے باز آجائیں۔ آئندہ آیت میں اسی تلافی کا ذکر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ

تو کہہ دے کافروں کو اگر باز آویں تو معاف ہو ان کو جو ہو چکا اور اگر

يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا

پھر وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے راہ اگلوں کی۔ اور لڑتے رہو ان سے جب تک نہ

تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
رہے فساد اور ہو جاوے حکم سب اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو اللہ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ
ان کے کام دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ ہے حمایتی تمہارا،
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾
کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار۔

احکام متعلقہ بقبولِ اسلام وعدم قبولِ اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا... الٰى... وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں کفار کے خسران اور نقصان کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ خسارہ اور نقصان سے نکلنے کا راستہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اپنے کفر اور عناد اور عداوت سے باز آجائیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو گزشتہ کے تمام کفریات بخش دیئے جائیں گے۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال کفریہ اور اعمال کفریہ کا بیان تھا۔ اب ان آیاتِ بینات کے سُننے کے بعد کفار کی دو حالتیں ہیں یا تو اسلام قبول کریں گے یا اپنے کفر اور عناد پر قائم رہیں گے۔ آئندہ آیات میں ان دو حالتوں کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ ان کافروں سے جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجیے اگر یہ لوگ اپنے کفر و عداوت سے باز آجائیں سو جو پہلے ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا یعنی اسلام قبول کرنے سے کفر کی حالت میں خُدا کے جو گناہ کیے ہیں ہو سب معاف ہو جائیں گے۔ اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا۔ حقوق العباد معاف نہ ہوں گے۔ ان کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ: ((الاسلام یھدم ما کان قبلہ)). یعنی اسلام سے پہلے کیے ہوئے گناہ اسلام لانے سے مٹ جاتے ہیں اور اگر پھر وہی کریں جو پہلے کرتے تھے تو پہلے لوگوں کی رسم گزر چکی ہے۔ یعنی خدا کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک اور تباہ کرتا رہا ہے تو کیا یہ کافر بھی اسی انتظار اور اُمید میں ہیں اور اے مسلمانو! اگر یہ لوگ اپنے کفر اور عناد پر قائم رہے تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ تم ان سے جہاد و قتال کرو اور برابر ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کافروں کے ہاتھ سے اسلام اور مسلمانوں پر کسی فتنہ اور فساد کا اندیشہ نہ رہے یعنی کفر کا غلبہ نہ رہے اور کافروں میں اتنا زور نہ رہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے روک سکیں یا کسی مسلمان کو مرتد بنا سکیں۔ فتنہ سے کفر کا غلبہ مراد ہے جب کفر کا غلبہ ہوتا ہے تو اسلام خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ ہو جائے سب حکم اللہ کا یعنی علی الاعلان اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہو اور کفر اس میں مزاحمت نہ کر سکے یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے اور صرف خدا کا حکم چلے اور دین حق

تمام ادیان پر غالب آجائے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾

اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جہاد جاری رہے گا خواہ دفاعی ہو یا اقدامی۔ پس اگر ظاہراً وہ اپنے کفر سے باز آجائیں اور کلمہ اسلام کا پڑھیں تو تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو اور ان کے دل اور نیت کا حال اللہ کے سپرد کرو تحقیق اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال کو دیکھنے والا ہے ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر وہ قبول حق سے روگردانی کریں اور مسلمانوں کے مقابلہ پر جمے رہیں تو تم بھی ان کے مقابلہ اور مقاتلے پر جمے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارا کارساز اور حافظ اور ناصر اور مددگار ہے اور کیا ہی خوب کارساز اور کیا ہی خوب مددگار ہے جس کا وہ کارساز اور مددگار ہو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تم بے فکر ہو کر خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرتے رہو اور ہمت نہ ہارو۔ ہماری نصرت اور حمایت تمہارے ساتھ ہے جیسے تم جنگِ بدر میں دیکھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہاری حمایت اور نصرت فرمائی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کفار سے خوب جہاد کرو۔ اور ان کی کثرت و شوکت سے مرعوب نہ ہو وَاللہ تعالیٰ تم کو عزت اور غلبہ دے گا اور ان کو مغلوب کرے گا۔ اور ان کی دولت و مال کا تم کو مالک بنادے گا۔ جس کی تقسیم کا طریقہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

الحمد للہ نویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے

وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ

اورقرابت والے کے اور یتیم کے اور محتاج کے اور مسافر کے اگر تم

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی

یقین لائے ہو اللہ پر، اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر، جس دن فیصلہ ہوا جس دن بھڑیں

الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

دو فوجیں اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

تقسیم غنائم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ... اِلٰی... وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾﴾

ربط: شروع سورت میں بھی انفال یعنی غنائم کا ذکر تھا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ اور گزشتہ آیت یعنی ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ میں بھی کفار سے قتال کا حکم تھا۔ اور وعدہ فتح ونصرت کا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قتال میں دشمن سے مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اس لیے اس آیت میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ جو مال کافروں سے لوٹ میں آئے اس کو کس طرح خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو یہ شرف بخشا کہ مال غنیمت کو ان کے لیے حلال کر دیا پہلی اُمتوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہ تھا بلکہ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ مالِ غنیمت کو ایک میدان میں لے جا کر رکھ دیں آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو لے جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اِس اُمت کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ پس اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ سو یہ آیت شروع سورت کی اس آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی من وجہ تفصیل ہے کیونکہ دونوں آیتوں کا نزول اکثر علماء کے نزدیک غزوہ بدر میں ہوا ہے اس لیے یہ آیت گزشتہ آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی قدرے تفصیل ہے کہ جو مال کافروں سے لوٹ میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت والوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اور باقی ماندہ چار خُمس بالاجماع مجاہدین پر تقسیم کیے جائیں گے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سوار کو تین حصے ملیں گے اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت گذشتہ آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی ناسخ ہے کیونکہ اس آیت میں پورے مال غنیمت کو اللہ اور اس کے رسول کا قرار دیا ہے اور اس آیت یعنی ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ میں اس مال کے پانچ حصے قرار دیئے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت

گزشتہ آیت کی تفصیل اور بیان ہے ناسخ نہیں غنائم کا جو حکم ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ میں مجمل تھا۔ اس آیت میں اس کی تفسیر اور تفصیل کر دی گئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جہاد و قتال کا حکم تو تم نے پہلے معلوم کر لیا اور اب مال غنیمت کا حکم جانو کہ تحقیق جو مال غنیمت تم کو کافروں پر غلبہ پانے کے بعد دشمن سے حاصل ہو اس کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ سو جانو کہ جو چیز بھی تم نے کافروں سے جہاد میں غالب ہو کر حاصل کی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ بعد ازاں تحقیق اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے جس خدا نے تمہاری مدد کی اور دشمنوں پر غلبہ بخشا شکریہ میں اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ اور پھر اس خمس کو اللہ کے خاص بندوں پر تقسیم کیا جائے مثلاً رسول ﷺ کے واسطے حصہ نکالا جائے کہ جن کی اتباع کی برکت اور طفیل سے یہ فتح نصیب ہوئی اور پھر رسول ﷺ کے قرابت والوں کے لیے حصہ ہے جو کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام میں رسول خدا ﷺ کی حمایت اور حفاظت کی اور ہر حال میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا ان کا بھی اس مال میں حق ہے اور مسلمانوں کے یتیموں کے لیے ہے اور ان فقیر محتاجوں کے لیے ہے جو مسلمان ہوں اور مسلمان مسافروں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین ضعیفوں اور ناتوانوں کا گروہ ہے جن کی برکت سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ اور حدیث میں ہے: ((هَل تُنصَرُونَ اِلَّا بِضُعَفَاءِ كُمْ)) اس لیے مال غنیمت میں ان کا بھی حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں چار حصے تو بالاجماع مجاہدین اور مقاتلین پر تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا حصہ رسول خدا ﷺ کا اور تیسرا حصہ رسولِ خدا ﷺ کے قرابت والوں کا اور چوتھا حصہ یتیموں کا اور پانچواں حصہ فقراء اور مساکین کا اور چھٹا حصہ مسافروں کا۔

خلاصۂ کلام: اے مسلمانو! اور خدا کے نام پر جہاد و قتال کرنے والو جس خدا نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور ان کا مال تم کو دلایا اس مال غنیمت میں سے سب سے پہلے اُس کے نام کا پانچواں حصہ نکال دو اور باقی چار حصے لے کر تم قناعت کرو۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اُس امداد غیبی پر جو ہم نے اپنے بندہ محمد ﷺ پر فیصلہ کے دن اُتاری یعنی جنگِ بدر کے دن جس میں حق اور باطل کا فیصلہ ہوا یعنی جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھیں۔ پس اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ یہ سارا مالِ غنیمت تم کو اسی کی تائید غیبی سے ملا ہے تو پھر اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا تم پر بھاری نہ ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ چار خمس جو ہم کو دیئے جا رہے ہیں یہ بھی اس کا انعام ہے ہمارا حق نہیں۔ پس اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو غنیمت کے چار خمس کو غنیمت سمجھو اور اس پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کی طمع نہ کرو۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اس نے بدر کے دن تین سو تیرہ درویشوں کو ایک ہزار کے مقابلہ میں غلبہ عطا کیا وہ آئندہ بھی تم کو غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس اُمت کے لیے مالِ غنیمت کو حلال کیا اور اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف کو بیان کیا۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جُدا کیا اور اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اپنے نبی اور اس کے یارانِ باوفا کی نصرت و حمایت کی اور اس دن کا نام یوم الفرقان رکھا۔ آئندہ بھی اللہ سے ایسی ہی اُمید رکھو اور مال غنیمت میں سے خدا کے نام کا خمس نکالنے میں پس و پیش نہ کرو۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آئندہ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہے۔

لطائف ومعارف

① جاننا چاہیے کہ لفظ ما ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ میں عام ہے جو ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے جس پر لفظ غنیمت کا صادق آجائے وہ اس میں داخل ہے اور اموال غنیمت دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک اموال منقولہ جیسے سونا اور چاندی اور سامانِ ضرورت جیسے غلہ اور کپڑا وغیرہ۔ اور دوسرے اموال غیر منقولہ یعنی زمین اور جائیداد۔

اموالِ منقولہ میں جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ایک خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم کر دیئے جائیں اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اور اموالِ غیر منقولہ یعنی اراضی مفتوحہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقار یعنی زمین و جائداد بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم غنائم کا حکم اموالِ منقولہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور املاک غیر منقولہ یعنی زمین و جائیداد جو کافروں کا ملک فتح کرنے سے حاصل ہو۔ مجاہدین پر اُس کا تقسیم کرنا واجب نہیں اس میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ مصلحت اور صوابدید کے مطابق عمل کرے خواہ اس زمین کو مجاہدین پر تقسیم کرے یا مصالح مسلمین کے لیے اس کو روک لے یا کافروں ہی کے پاس اُن زمینوں کو رہنے دے اور ان پر خراج مقرر کر دے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی مفتوحہ زمینوں میں سے آدھی زمینیں تو مسلمانوں پر تقسیم کر دیں اور آدھی زمینیں مصالح سلطنت کے لیے روکیں اور یہود ہی کو مزارعت (بٹائی) پر دے دیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بمشورۂ عثمان وعلی واکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کے ساتھ یہی عمل کیا کہ وہاں کی زمینیں ان کے مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیں اور ان زمینوں پر خراج مقرر کر دیا اور ان کی ذوات پر جزیہ مقرر کر دیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ عراق کی زمینیں غانمین پر تقسیم کر دی جائیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ زمینیں تم پر تقسیم کر دوں تو جو مسلمان تمہارے بعد آئیں گے۔ ان کے لیے کوئی سرمایہ اور ذخیرہ باقی نہ رہے گا جس سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل کر سکیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ (ان شاء اللہ اٹھائیسویں پارہ میں اس کی تفصیل آئے گی)

② تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ کا ذکر تبرک اور تعظیم کے لیے ہے اس کو مال کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ آسمان اور زمین کے تمام خزانوں کا مالک اور خالق ہے۔ اللہ کے نام کا پانچواں حصہ انہی باقی پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نام کا حصہ خانہ کعبہ پر خرچ کیا جائے۔

③ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ساقط ہو گیا۔ اب اس حصہ کو بقیہ اصناف پر خرچ کرنا چاہیے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کو مسلمانوں کی عام ضرورت میں صرف کیا جائے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ خلیفہ کا حق ہے۔

④ اور ﴿ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جملہ قریش مراد ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ رشتہ دار مراد ہیں جن پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بالاتفاق ثابت تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اُن کے حصہ میں اختلاف

ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بدستور اب بھی باقی ہے غنی اور فقیر سب کو دیا جائے۔اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک محدود تھا۔آپ کے وصال کے بعد اُن کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب خمس میں ان کا کوئی حق نہیں اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپ کے رشتہ داروں کا حصہ یہ دونوں حصے باقی اصناف ثلاثہ یعنی یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں پر تقسیم کیے جائیں گے۔اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ضرورت مند ہوں گے تو وہ سب پر مقدم ہوں گے۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ خلفاء اربعہ یعنی ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمسِ غنیمت کو تین قسموں یعنی یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر صرف کرتے تھے اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔(احکام القرآن ص ۶۱۔ ۶۳ ج ۳)

اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج ص ۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھو کتاب الخراج ص ۲۳)

⑤ غنیمت اور فئی میں فرق:

جو مال کافروں پر غلبہ اور قہر کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے اور جو مال بغیر جنگ وجدال اور قتل وقتال کے ہاتھ آئے جیسے جزیہ اور اخراج اور دیگر محصولات جو کفار سے وصول کیے جائیں ان کو مال فئی کہتے ہیں۔جس کے حکم کا بیان سورۂ حشر میں آئے گا۔حق جل شانہٗ نے سورۂ حشر میں بنی نضیر کے اموال کو فئی کہا ہے اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے۔﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (الحشر:۶) اس بناء پر ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں لکھا ہے کہ جو مال کافروں سے بغیر مقاتلہ اور جنگ کے حاصل ہو اس کو مال فئی کہتے ہیں اس معنی کر مال فئی اور مال غنیمت ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔اور امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن ص ۸۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ جہاد وقتال سے حاصل ہو یا بغیر جہاد وقتال کے حاصل ہو وہ سب ہمارے نزدیک مال فئی ہے۔دیکھو احکام القرآن ص ۸۴ ج ۳۔اس معنی کر مال فئی عام ہے اور مالِ غنیمت خاص ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں مؤلفۃ القلوب کو مال فئی سے کچھ عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ غزوۂ حنین میں جو مال غنیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ مقاتلہ اور جنگ کے بعد حاصل ہوا روایات میں اس پر مالِ فئی کا اطلاق آیا ہے معلوم ہوا کہ فئی کا اطلاق عام ہے غنیمت پر بھی اس کا اطلاق آجاتا ہے۔

نیز غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محفوظ رکھا اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا۔صحیح روایتوں میں اس پر فئی کا اطلاق آیا ہے فدک کی نصف زمین اور وادی القریٰ کی ایک تہائی زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح سے ملی تھی اس پر بھی فئی کا اطلاق آیا ہے۔ان تمام روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مال یا جو زمین کسی وجہ سے بھی مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فئی کہتے ہیں جیسا کہ ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور صاحبِ ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور مال فئی کے مصارف کو حق تعالیٰ نے سورۂ حشر میں مفصل بیان کیا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ ﴾ (الحشر:۷)

اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الحشر:۱۰)

ان شاء اللہ تعالیٰ مال فیٔ کے مصارف کی تفصیل سورۂ حشر کی تفسیر میں آئے گی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ

جب وقت تم تھے ورے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ

اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَ

نیچے اُتر گیا تم سے اور اگر آپس میں تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر اور

لٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ

لیکن اللہ کو کر ڈالنا ایک کام جو ہو چکا تھا تا مرے جو مرتا ہے

بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ ۙ

سوجھ کر اور جیوے جو جیتا سوجھ کر اور اللہ سنتا ہے جانتا۔

انعام ششم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا ... الٰى ... وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ ﴾

ربط: ابتداء سورت سے غزوۂ بدر کے واقعات اور اس کے انعامات کا ذکر چلا آرہا ہے منجملہ ان انعامات کے ایک انعام یہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے یاد کرو اس وقت کو جب اے مسلمانو! تم میدان جنگ کے نزدیک کے کنارہ پر تھے جو مدینہ منورہ سے قریب تھا اور کافر پرلے کنارہ پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا اور قریش کا قافلہ جس کے لیے مسلمان آئے تھے وہ نشیب میں تھا اور اگر تم اور مشرکین پہلے سے آپس میں لڑائی کا وعدہ کر لیتے اور پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا لیتے تو ضرور وعدہ کے پورا کرنے میں اختلاف کرتے۔ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث ان سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے اور کافر پہلے ہی تم سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ اب تم کو اللہ تعالیٰ نے بلا ارادہ جنگ ہی ایک دوسرے سے بھڑا دیا۔ تم نکلے تھے تجارتی قافلہ کی تلاش میں اور وہ نکلے تھے۔ اپنے قافلہ کی مدد میں لڑنے کا ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا۔ ولیکن اللہ کو ایک کام کرنا تھا جو اس کے علم میں ہوا رکھا تھا۔ یعنی چونکہ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور کافر ذلیل ہوں اور اسلام عزت پائے اس لیے اس نے تم کو بغیر وعدہ کے ایک

دوسرے سے بھڑا دیا۔ تا کہ اس کے بعد جو ہلاک ہو وہ حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ کیونکہ وہ آیت اور عبرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ ہے۔ یعنی باوجود بے سروسامانی کے اس نے اسلام کی فتح ونصرت کا مشاہدہ کرلیا ہے اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کی غارت کو، قافلہ بچ گیا اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آپڑیں۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں یہ تدبیر اللہ کی تھی اگر قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کھل گیا جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر۔ تا کہ اللہ کا الزام پورا ہو۔ انتہیٰ

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ موت اور حیات یعنی مرنے اور جینے سے کفر اور ایمان مراد ہے یعنی اب جو ایمان لائے یا جو کفر پر جما رہے تو کافر کا کفر اور مومن کا ایمان حق کے واضح ہونے کے بعد اور عبرت دیکھنے کے بعد ہوگا اور یہ معنی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر نہایت جید ہے اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے بھی اس معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "مراد از ہلاک اصرار بر کفر است و از حیات مسلمان شدن۔" اھ

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ
جب اللہ نے وہ دکھلائے تیرے خواب میں تھوڑے اور اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے
وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ
اور جھگڑا ڈالتے کام میں، لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اس کو معلوم ہے جو بات ہے
الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾
سینوں میں۔

انعام ہفتم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ ... الیٰ ... اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾

اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ احسان یاد کریں کہ جب اللہ نے تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو کم کر کے دکھایا واقعۂ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ کافر بہت تھوڑے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر اپنے اصحاب کو دے دی جس سے ان کے دل بڑھ گئے اور حوصلے بلند ہو گئے اور لڑنے پر دلیر ہو گئے۔ اور اگر خدائے تعالیٰ ان کو زیادہ کر کے دکھلاتا تو تم بزدلی کرتے اور جنگ کے معاملہ میں ضرور آپس میں نزاع کرتے کہ لڑیں یا نہ لڑیں ولیکن اللہ نے تم کو اس بزدلی اور باہمی نزاع سے بچا لیا بے شک وہ جاننے والا ہے جو باتیں سینوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ ہمت اور جرات اور طبعی کمزوری اور سستی سب اس کے سامنے عیاں ہے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت (تھوڑے نظر آئے) تا کہ جرات سے لڑیں پیغمبر علیہ السلام کا خواب غلط نہیں چونکہ ان میں آخر تک کفر پر قائم رہنے والے تھوڑے تھے اکثر وہ تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے۔ اس لیے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں کافر تھوڑے دکھائے گئے پس پیغمبر کا خواب حق ہے۔ (کذا فی موضح القرآن موضحا)

وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھایا اُن

فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ

کی آنکھوں میں تا کر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا۔ اور اللہ تک پہنچ ہے

الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع ۵ ۷ ۱

ہر کام کی

انعام ہشتم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا ... الیٰ ... وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾﴾

اور اے مسلمانو! وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب خدا نے عین موقع جنگ پر تمہارے دشمن کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھلایا تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برحق نے جو خواب دیکھا تھا تم بیداری میں اس کی تصدیق کر لو اور تمہارا یقین اور تمہاری جرأت اور ہمت اور بڑھ جائے۔ چنانچہ جب مسلمان اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے مقابل ہوئے اور دونوں صفوں کا آمنا سامنا ہوا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے پاس والے شخص سے کہنے لگے کہ شاید یہ کافر کل ستر ہوں گے اس نے کہا میرے خیال میں سو کے قریب ہوں گے حالانکہ وہ نوسو پچاس تھے اور اسی طرح تمہیں بھی دشمنوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھلایا تا کہ وہ تم سے لڑنے پر دلیر ہو جائیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اُن کی آنکھوں میں کثیر دکھلاتا تو وہ ڈر کر مقابلہ سے بھاگ جاتے اور کفر کے ستر سردار قتل نہ ہوتے اور یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ تھوڑے آدمی نگاہ میں بہت معلوم ہوں یا بہت آدمی تھوڑے نظر آویں یہ بات اللہ کے لیے دشوار نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ جو اَحول (بھینگا) کو ایک کو دو کر کے دکھلانے پر قادر ہے کیا وہ کسی قوم کو کسی قوم کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلانے پر قادر نہیں۔ جس طرح دل اور عقل کی آنکھ کبھی خراب ہو جاتی ہے تو برائی اس کو بھلائی نظر آتی ہے۔ صبر تلخ معلوم ہوتا ہے مگر عقل کی قوت ذائقہ اس کو شیریں سمجھتی ہے۔ جو شخص صفراوی بخار میں مبتلا ہو تو اس کو شربت بھی تلخ معلوم ہوتا ہے ان اُمور کو نہ کذب کہا جا سکتا ہے اور نہ جہالت بلکہ یہ سب قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں۔

اَحوَل (بھینگا) بنانا اس کے اختیار میں ہے۔ جس کو جس درجہ کا بھینگا بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔ مجوس کو ایک خدا کے دو خدا نظر

آئے اور نصاریٰ کو ایک خدا کے تین خدا نظر آئے اسی طرح حق تعالیٰ کا جنگ بدر میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دکھائی دینا خدائے قدیر کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو بطور خرق عادت اس لیے ظاہر کیا گیا تھا۔ تا کہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو اس کے علم میں ہوا ہوا یا تھا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے یہ کرشمہ اس لیے ظاہر کیا تا کہ دین اسلام کی حقانیت اور صداقت اور کفر کا باطل ہونا ظاہر اور عیاں ہو جائے اور یہ جملہ گو لفظاً مکرّر ہے مگر بلحاظ مقصود اور غرض مکرر نہیں کیونکہ پہلی آیت میں یہ جملہ مومنوں کے کافروں پر فتح اور غلبہ پانے کی علت میں بیان کیا گیا تھا اور یہاں ایک فریق کو دوسرے فریق کی آنکھوں میں تھوڑا دکھلانے کی علّت میں لایا گیا ہے اور اس قسم کے خوارق عادت اور کرشمہ ہائے قدرت کا ظہور کوئی عجیب نہیں۔ اس لیے کہ اسباب مؤثر بالذات نہیں بلکہ مؤثر بالذات اللہ ہے جو مسبب الاسباب ہے۔ اور یاد رکھو کہ تمام کاموں کا مرجع اللہ ہی ہے۔ اسباب کی تاثیر اسی کے ہاتھ میں ہے پس وہ اگر اپنی قدرت کاملہ سے کسی وقت اپنے ہی پیدا کیے ہوئے اسباب کو توڑ پھوڑ کر کوئی کرشمہ ظاہر فرمائے تو وہ نہ قابل تعجب ہے اور نہ محل تردد ہے اسباب بالذات مؤثر نہیں بلکہ اسباب کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے ابتداء جنگ میں مسلمان کافروں کی نظروں میں تھوڑے دکھلائی دیئے اور واقع میں بھی مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی اور آسمان سے فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچا تو اس وقت مسلمان کفار کی نظر میں دگنے نظر آنے لگے۔ جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے ﴿وَ اُخْرٰی كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۳) واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

ابتداء جنگ میں ابوجہل مسلمانوں کی جماعت کو دیکھ کر بولا کہ محمد ﷺ اور اُن کے اصحاب کیا ہیں۔ ہمارے اونٹوں کا ایک لقمہ ہیں پھر کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہتھیاروں سے نہ لڑو بلک یوں ہی پکڑ کر ان کی مشکیں باندھ لو اور رسیوں میں باندھ کر مکے لے چلو۔ بعد ازاں جب لڑائی شروع ہوئی تو اس وقت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں دگنا کر دیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْیَ الْعَيْنِ ؕ﴾ کفار یکا یک یہ منظر دیکھ کر مبہوت اور شکستہ دل ہو گئے اور شکست کھا گئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کسی فوج سے تو ثابت رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا

شاید تم مراد پاؤ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے

وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَ لَا

اور جاتی رہے گی تمہاری باؤ اور ٹھہرے رہو اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے اور مت

تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ

ہو جیسے وہ لوگ کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ

اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کرتے ہیں۔ اور جس وقت سنوارنے لگا

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

شیطان اُن کی نظر میں اُن کے اعمال اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن اور میں

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ

رفیق ہوں تمہارا پھر جب سامنے ہوئیں دو فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں

بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ

تمہارے ساتھ نہیں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا

ع ۶ ۴ ۲ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

عذاب سخت ہے۔ جب کہنے لگے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں آزار ہے

غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

ذکر آدابِ جہاد وقتال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ... الٰى ... فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾﴾

ربط: اُوپر سے بدر کے واقعات اور جہاد وقتال کے احکام کا ذکر چلا آرہا ہے اب ان آیات میں مسلمانوں کو جہاد کے ظاہری و باطنی آداب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاد وقتال کے وقت ان اُمور کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! جب تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ضیعف اور ناتواں اور بے سروسامان کا، قوی اور ساز وسامان والے پر غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے اور جنگ بدر میں تم اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہو۔ لہٰذا تم کو کافروں کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور نہ بننا چاہیے بلکہ جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو چند باتوں کا خیال رکھو۔ اوّل تو یہ کہ تم ثابت قدم رہو اور ان کے مقابلہ پر جمے رہو اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ اور دوم یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو جس کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد وقتال کر رہے ہو اس کی یاد سے غافل نہ ہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ ثابت قدمی اور ذکر الٰہی سے فتح حاصل ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی کی تاثیر یہ ہے کہ اس سے ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے جس کی جہاد میں خاص طور پر

ضرورت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ : ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ (الرعد) اور ذکر میں زبان اور دل دونوں جمع ہو جائیں تو بہتر ہے اور ذکر میں دعا بھی داخل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اصحاب طالوت کی یہ دعا ذکر کی ہے: ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ اور سوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باوجود بے سروسامانی کے فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی۔ اور چہارم یہ کہ آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا۔ چنانچہ جب جنگ اُحد میں مسلمانوں نے آپس میں نزاع کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو تم میں بزدلی آجائے گی اور تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی۔ اور پنجم یہ کہ تم تکالیف میں صبر اور تحمل سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور وہ ان کا حافظ و ناصر ہے۔ اور ششم یہ کہ تم ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اس طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو۔ اور ہفتم یہ کہ ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ بنو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے تا کہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے تشبّہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریا کار لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لوگوں کو دین الٰہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قافلہ کی امداد کے لیے اپنے گھر سے نکلے تھے سو قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح سالم بدر سے نکل گیا ہے۔ لہٰذا اب تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابوجہل بولا کہ ہم ضرور بدر جائیں گے آج کل وہاں میلے کے دن ہیں وہاں ہم تین روز رہیں گے اور اونٹوں کو ذبح کریں گے مسافروں کو کھانا کھلائیں گے۔ شرابیں پئیں گے ڈومنیاں ہمارے سر پر گائیں گی۔ اور اس سے پہلے ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے یاروں کا کام تمام کر چکے ہوں گے۔ ہماری عظمت اور بڑائی کا ڈنکہ تمام عرب میں بج جائے گا۔ اور ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ اس تکبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں آئے تو انہوں نے شراب کے بجائے موت کے جام پیئے۔ اور ڈومنیوں کی بجائے عورتوں نے اُن پر نوحہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، جو بڑائی مارتے اور ریا کاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں تم تو اللہ کے دین کی حمایت اور نصرت کے لیے نکلو۔ اور خوب یاد رکھو کہ بڑائی اور خود بینی اور ریا کاری اور فخر و غرور اور نمائش اور نمود اسباب فتح و نصرت سے نہیں بلکہ تزئین شیطانی ہے۔ پس اگر اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس وقت کو یاد کرو کہ جب شیطان نے کافروں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر کے دکھلایا اور اسباب قہر و ذلت کو اسباب فتح و نصرت کر کے دکھلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ان کی قوت کو ان کی نظروں میں اس قدر نمایاں کیا کہ وہ بالکلیہ اس پر اعتماد کر بیٹھے اور اس قدر مبالغہ کیا کہ شیطان نے ان سے یہ کہا کہ آج آدمیوں میں سے تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا تمہارا لشکر بڑا آراستہ و پیراستہ ہے اور میں تمہارا پناہ دینے والا ہوں۔ جب قریش نے

بدر کی روانگی کا قصد کیا تو ان کو بنی بکر بن کنانہ کہ طرف سے اندیشہ ہوا کیونکہ قریش نے بنی کنانہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور ان دونوں قبیلوں میں دشمنی اور جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس لیے قریش کو اندیشہ ہوا کہ مبادا بنی کنانہ راستہ میں آڑے نہ آئیں۔ ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بنی کنانہ کے اندیشہ سے محمد ﷺ کے مقابلہ کے لیے نکلنے میں پس وپیش کر رہے ہیں تو فوراً شیطان ان کی ہمت بڑھانے کے لیے بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم گھبراؤ نہیں بنی کنانہ کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم میری پناہ میں ہو آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اس طرح شیطان نے ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی کنانہ کا سردار ان کے ساتھ ہے تو ان کا اندیشہ جاتا رہا اور ان کی ہمت بڑھ گئی اور آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر جا ڈٹے۔ پس جب میدان بدر میں پہنچ گئے اور دونوں جماعتیں مسلمانوں کی اور کافروں کی آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان کو جبریل اور فرشتے آسمان سے اُترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں بے شک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آرہے ہیں۔ تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب سخت ہے باوجود مہلت کے بھی چھوٹا موٹا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا ہے اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے وہ عذاب اُخروی کے اعتبار سے ہے جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا۔ اس کے دل میں خدا کا خوف نہ تھا۔ اس نے دیکھ لیا کہ قریش کا لشکر ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا ہے اور اس کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جاتا ہے۔ اسی عادت کے مطابق یہاں بھی کیا کَمَا قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ: ﴿یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝﴾ (النساء:۱۲۰)

جب مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہونے لگی تو ابلیس لعین حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ جب اس نے آسمان سے فرشتوں کو اُترتے ہوئے دیکھا تو حارث کا ہاتھ جھٹک کر بھاگنے لگا۔ حارث بولا کہ اے سراقہ تو ہم کو ایسے حال میں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی۔ اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کا بھاگنا تھا کہ کافروں نے شکست کھائی۔ بدر کے بھگوڑے جب مکہ پہنچے تو وہاں جا کر یہ کہا کہ ہم کو سراقہ نے شکست دلائی اور سراقہ کے پاس کہلا کہ بھیجا کہ تو نے ہم کو شکست دلائی جب یہ خبر سراقہ کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہیں کہ تم لڑائی کے ارادہ سے نکلے تھے ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے اس وقت مجھ کو تمہاری لڑائی اور شکست کا حال معلوم ہوا قریش نے کہا کہ کیا تو فلانے فلانے روز ہمارے پاس نہیں آیا تھا اور کیا تو نے ہم سے یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھے ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہیں۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور ابلیس کا یہ قصہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے جس کو ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک اور سدی اور محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم سے نقل کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۷ جلد ۲۔ اور تفسیر قرطبی ص ۲۶ ج ۸)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تزئین شیطانی کفار مکہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافقین بھی اس میں مبتلا ہیں اور ان کے دل میں جو نفاق کی بیماری ہے وہ اس تزئین شیطانی کا اثر ہے چونکہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے اور سامان جنگ بھی نہ تھا اور اس لیے

منافق یہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے غرہ میں ڈال دیا تین سو آدمی ایک ہزار کافروں کے لشکر جرار سے لڑنے جا رہے ہیں ان لوگوں کی نظر اسباب ظاہری پر تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا۔ جیسے اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے۔ یعنی یہ مسلمان اپنے دین کی حقانیت پر اس قدر مغرور ہیں کہ تھوڑے سے آدمی اپنے سے سہ چند سے لڑنے پر تیار ہیں یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا۔ خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے گا ویسا ملے گا مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرّہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم وگمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکر جرار پر فتح دے۔

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۱﴾ (یوسف:۲۱)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

اور کبھی تو دیکھے! جس وقت جان لیتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں اُن کے منہ پر

وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

اور پیچھے اور چکھو عذاب جلنے کا یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے بھیجا

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ۙ كَدَاْبِ اٰلِ

اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر جیسے دستور

فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ

اُن کے گناہوں پر اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا یہ اس پر کہا کہ اللہ بدلنے

يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ

والا نہیں نعمت کا جو دی تھی ایک قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں اپنے جیوں کی بات

وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ

اور اللہ سنتا ہے جانتا جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے

قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ

پہلے تھے جھٹلائیں باتیں اپنے ربّ کی پھر کھپا دیا ہم نے اُنکو ان کے گناہوں پر اور ڈبو دیا

اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴

فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے۔

بیان ذِلت کفّار در عالمِ برزخ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ لَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ ... اِلٰی ... وَ كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی دنیوی ذلت اور مغلوبیت اور رسوائی کا بیان تھا جو ان کو پہلی بار اپنی زندگی میں پیش آئی۔ اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور رسوائی کا بیان ہے کہ موت کے وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور کس ذلت آمیز طریقہ سے اُن کی رُوح قبض کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں ان کو کیا عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اس وقت اُن پر تزئین شیطانی کی ساری قلعی کھلی اور سمجھے کہ ہم دھوکہ میں مبتلا تھے۔ خدا تعالیٰ نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ ہم نے خود اپنے آپ کو تباہ برباد کیا اور آل فرعون کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نبی کی پیروی سے انحراف کا انجام یہ ہوتا ہے۔ اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور اس کی علت کو بیان کرتے ہیں کہ اس برزخی ذلت کی علت بھی وہی مخالفت حق ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ کاش آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے کافروں کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ اور روح قبض کرتے وقت ان کے مونہوں پر اور ان کے سرینوں * پر آگ کے گرز مارتے جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب دوزخ کا مقدمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی جان کنی کی کیفیت نہایت قابل عبرت ہے اگر آپ ان کی اس حالت کو دیکھیں تو بڑا ہی تعجب کریں۔

نکتہ: اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے کافر کی روح نکالتے وقت اس کے منہ پر اس کی دُبُر پر یعنی سُرین پر آگ کے گرز مارتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کافر کا منہ اور اس کی دُبُر دونوں ایک ہی حکم میں ہیں اس لیے کہ عطف کے لیے معطوف اور

---

* مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ اَدْبار سے ان کی اَسْتاہ یعنی سرینیں مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ادبار سے ظہور مراد ہیں یعنی ان کی پشتوں پر مارتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۸ ج ۲) مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

معطوف علیہ میں مناسبت ضروری ہے اور یہاں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دُبُر سے حسّی اور ظاہری نجاست خارج ہوتی ہے اسی طرح کافروں کے منہ سے کلمات کفریہ نکلتے ہیں جو نجاست معنویہ ہیں اسی وجہ سے مشرکین کو نجس اور رجس کہا گیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ﴾ (التوبہ:۲۸) بلکہ زبان سے جو کلمہ معصیت کا نکلتا ہے وہ نجاست کا حکم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کے بعد وضو کو مستحب لکھا ہے۔ (دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ)۔

اب آگے اس عذاب ذلت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ قبض روح کے وقت وجوہ اور اَدبار پر یہ ضرب شدید اس سبب سے ہے کہ تمہارے ہاتھوں نے جو کرتوت کیے ہیں یہ ان کی سزا ہے اور یہ ذلت اور مصیبت تو قبض روح کے وقت کی ہے اور قبر میں جانے کے بعد جو ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے اس کا تو کہنا ہی کیا اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کو بے جرم نہیں پکڑتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دین حق اور نبی برحق کی عداوت اور تکذیب میں مشرکین عرب کا وہی طور وطریق ہے جو فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا اور جیسے اس سے پہلے قوم عاد اور ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ دستور تھا کہ اللہ کی نشانیوں کو نہ مانا اور نافرمانی کی کوئی پروانہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ہی ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ یہی حال کفار مقتولین بدر کا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو نہ مانا اور دنیا ہی میں قتل اور قید کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے کافر اس کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ عذاب جو ان لوگوں پر ان کے جرائم کی پاداش میں نازل ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو دے دیتا ہے وہ اس کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ اپنے دل کے حالات کو نہ بدلیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اہل مکہ کو یہ نعمت دی کہ ان کو بھوک سے کھانا دیا اور خوف سے امن میں رکھا اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں بھیجا اور ان کو عقل اور فہم اور قبول حق کی استعداد عطا کی۔ پس جب ان لوگوں نے خدا کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا تو اللہ نے ان سے ان نعمتوں کو چھین لیا قحط کی وجہ سے بھوک میں مبتلا ہوئے مسلمانوں کی طرف سے ہر دم خائف رہنے لگے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے نکل کر انصار میں چلے گئے اور وہ لوگ نور ہدایت سے محروم ہو گئے اور یہ امر ثابت ہے کہ اللہ ہر قول کو سننے والا اور ہر چھپی بات کو جاننے والا ہے۔ اس پر نہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا ہے اور نہ ریاکاروں کا ریا پس اس تغیر حالت اور زوال نعمت میں ان کی حالت وہی ہوئی جو فرعونیوں اور ان سے پہلے کافروں کی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔ بعض کو خسف سے اور بعض کو مسخ سے اور بعض کو زلزلہ سے بعض کو پتھر برسا کر اور بعض کو ہوا سے اور آل فرعون کو ہم نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور جو نعمتیں ان کو دے رکھی تھیں وہ سب ان سے چھین لیں۔ نہ وہ باغات رہے اور نہ وہ نہریں اور کھیتیاں رہیں اور وہ اگلے اور پچھلے سب ہی ظالم تھے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم وستم نہیں کیا بلکہ ان کمبختوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کہ خدا سے مقابلہ کی ٹھانی خدا اور اس کے رسول کا مقابلہ نہ کرتے تو خدا ان سے اپنی دی ہوئی نعمتیں نہ چھینتا چونکہ فرعونیوں اور اگلے کفار کی ہلاکت کے ذکر کرنے سے مقصود عبرت دلانا ہے دیکھ لو کہ جن لوگوں نے خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کی کس طرح ہم نے اپنی دی ہوئی نعمتیں چھین لیں۔ اس لیے تاکید کے لیے اس مضمون کو مکرر لایا گیا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ ج صلے

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں مانتے

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ

جن سے تو نے اقرار کیا ہے ان میں پھر وہ توڑتے ہیں اپنا اقرار ہر بار

وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ

اور ڈر نہیں رکھتے سو اگر کبھی تو پاوے ان کو لڑائی میں تو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگیں ان کے

خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۵۷ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً

پچھلے شاید وہ عبرت پکڑیں اور اگر تجھ کو ڈر ہو ایک قوم کی دغا کا

فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۸ ع وَلَا ع ۱۳/۷

تو جواب دے ان کو برابر کے برابر اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز اور یہ نہ

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹

سمجھیں منکر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے وہ تھکا نہ سکیں گے۔

بیان احوال واحکام کفار اہل کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا . . . الٰی . . . اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹﴾

ربط: شروع سورت سے یہاں تک کفار مشرکین کے احوال وقتال کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں کفار اہل کتاب یعنی یہود کے احوال وقتال کا بیان ہے کیونکہ ان آیات کا سبب نزول یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور اسلام کی دشمنی ہے۔ یہود نے آنحضرت ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ ﷺ کے دشمنوں (کفار مکہ) کو کوئی مدد نہ دیں گے مگر پھر ان کی غزوۂ احزاب میں مدد کی اور بھی چند بار ایسا ہی کیا اور ہر مرتبہ یہ کہہ دیتے کہ ہمیں عہد یاد نہیں رہا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اسی عہد شکنی اور حق کی دشمنی کی وجہ سے ان کو بدترین حیوانات بتلایا اور حکم دیا کہ جب ان سے لڑائی ہو تو ان کو خوب قتل کرو اور ایسی عبرتناک ان کو تکلیف پہنچاؤ کہ دوسرے کافر بھی سنکر ڈر جائیں اور تمہارے مقابلہ سے باز آجائیں اور ڈر جائیں کہ مبادا اگر ہم نے مقابلہ کیا تو ہماری بھی ایسی ہی گت بنے گی جو ان کی بنی ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں تمام کافروں کے متعلق یہ فرمایا تھا ﴿كُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾ یہ سب ظالم تھے۔ اب ان آیات میں

سب سے بڑے ظالموں یعنی یہود بے بہبود کی ظالمانہ عادتوں کو بیان کرتے ہیں جس سے ان کا بدترین ظالم ہونا ثابت ہوجائے۔ مطلب یہ ہے کہ ظالم تو سارے ہی کافر ہیں مگر یہ یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں ان میں خاص طور پر دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ کفر پر مصر ہیں دوسرے یہ کہ یہ بدعہد ہیں۔ عہد کا خیال نہیں رکھتے ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کو ایسی سخت سزا دیجیے کہ دوسرے کافر ان کا حال سنکر ڈر جائیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر غرق اور مست ہوئے کہ طبیعت اور فطرت ہی متغیر اور متبدل ہوگئی اور دائرۂ انسانیت سے نکل کر جنس حیوانات میں داخل ہوگئے حتیٰ کہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک یہ کافر ہیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں بڑے عاقل اور دانا ہیں۔ پس یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ کافر جن سے آپ نے عہد کیا ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ بار بار عہد باندھتے ہیں۔ پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے رہتے ہیں۔ یہ آیت یہود بنی قریظ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور پُرنور ﷺ سے عہد باندھا کہ ہم نہ آپ ﷺ سے لڑیں گے اور نہ آپ ﷺ کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دیں گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کو توڑا اور بار بار اس کے خلاف کیا۔ جب آپ ﷺ نے ان سے باز پرس کی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بھول گئے تھے اور ہم سے غلطی ہوگئی۔ ایسے بدعہد اور غدار اور مکار کیسے ایمان لا سکتے ہیں اور آئندہ بھی وہ عہد شکنی سے ڈرتے نہیں تو پھر ان کے بدترین حیوانات ہونے میں کیا شک ہے سو ایسے بدعہدوں اور دغابازوں کا علاج یہ ہے کہ اے نبی اگر آپ لڑائی میں ان پر قابو پا جائیں تو ان کے بے دریغ قتل سے ان لوگوں کو متفرق اور منتشر کر دیں تو ان کے پیچھے تمہارے لیے دشمن ہیں شاید وہ پچھلے کافر ان کی سزا کو دیکھ کر نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اگر یہ دغاباز اور غدار آپ ﷺ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو اُن میں اس قدر خونریزی کیجیے کہ ان کا قتل دوسروں کے لیے موجب عبرت بن جائے اور ان کا حال معلوم کر کے دوسرے کافر عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کرنے سے ڈریں یہ حکم تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے علانیہ عہد کو توڑا اور اگر ابھی تک علانیہ طور پر عہد تو نہیں توڑا مگر آپ کو کسی معاہد جماعت سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور قرائن سے یہ محسوس ہو کہ یہ لوگ در پردہ کوئی شرارت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں یعنی ان کو اطلاع کر دیں کہ اب ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں رہا۔ ایسی طرح کہ وہ اور تم اس علم میں برابر ہو جائیں۔ یعنی ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ اب عہد ختم ہو چکا ہے اور اس اطلاع سے تم اور وہ علم میں برابر ہو جائیں۔ محض اندیشہ اور خطرہ کی بنا پر بلا اطلاع دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا اور نہ ان کے اس عمل کو پسند کرتا ہے خیانت سے مراد وہی نقض عہد ہے۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان کوئی میعادی معاہدہ تھا۔ میعاد کے اندر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کو رومیوں کی سرحد کے قریب جمع کرنا شروع کیا تاکہ جب عہد کی میعاد ختم ہو تو فوراً حملہ کر دیا جائے حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کا اس طرف گزر ہوا تو اس ماجرا کو دیکھ کر یہ فرمایا: اللہ اکبر، اللہ اکبر وفاء لا غدر (یعنی وفا چاہیے عہد شکنی نہیں) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس کی کوئی گرہ نہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے۔ یہاں تک کہ معاہدے کی مدت پوری ہو جائے یا برابری کی حالت میں ان کے عہد کو ان کی طرف پھینک دیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بغیر لڑے اپنے ملک واپس آگئے۔

فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے تصریح کی ہے کہ برابری کی حالت میں عہد پھینکنا اس وقت ہے کہ جب قرائن اور علامات سے یہ معلوم ہو کہ وہ عہد شکنی کرنے والے ہیں لیکن اگر انہوں نے فی الحقیقت عہد شکنی کر دی ہے تو پھر عہد پھینکنے کی کوئی ضرورت نہیں ان کی بغیر اطلاع کے ان پر حملہ کرنا جائز ہے جیسا کہ قریش نے جب صلح حدیبیہ کو توڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اطلاع دیئے قریش پر حملہ کیا اور مکہ کو فتح کر لیا اور نبذِ عہد کا حکم جو اوپر مذکور ہوا تو اس سے بظاہر دشمن کو تیاری کا موقع مل جانے کا امکان ہے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حکم سے کافر یہ گمان نہ کریں کہ جب ہم کو پہلے سے علم ہو جائے گا تو ہم بچ کر کہیں نکل جائیں گے خوب سمجھ لیں کہ وہ بلاشبہ خدا تعالیٰ کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جہاں سے چاہے پکڑ سکتا ہے۔

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
اور سر انجام کرو ان کی لڑائی کو جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے پالنے کہ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا
اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر، اور ایک اور لوگوں پر سوا اُن کے جن کو تم نہیں
تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ
جانتے۔ اللہ ان کو جانتا ہے اور جو خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾
پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

سامان جنگ کی بھرپور تیاری کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ... الٰى... وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کافروں کے قتل وقتال اور ان سے جنگ وجدال اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوتوں کا اور خیانتوں کا اور بدعہدیوں کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں دشمنانِ اسلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے ساز وسامان کی تیاری اور سامان حرب کے مہیا کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام کے مقابلہ کے لیے جس قدر مادّی قوت اور طاقت تم مہیا کر سکو اس میں دقیقہ اٹھا نہ رکھو اور اتنی طاقت فراہم کرو کہ تمہارا رعب دشمن پر قائم ہو جائے۔ اور وہ تمہاری طاقت سے اتنا مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے کہ وہ خود تمہارے ساتھ نہ بدعہدی کر سکے اور نہ تمہارے کسی دشمن کی مدد کر سکے۔ اور جب کافروں کو تمہاری قوت اور طاقت کا علم ہو جائے گا تو وہ مرعوب ہو جائیں گے۔ اگرچہ تم ان کافروں کو نہ جانتے ہو اور نہ تمہیں ان کی عداوت کا علم ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا

تَعْلَمُوْنَهُمْ ﴾ اس آیت میں ایسے ہی کافروں کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کو جب تمہاری طاقت کا علم ہوگا تو وہ نہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے اور نہ تمہارے دشمن کے ساتھ علانیہ تعلق قائم کرنے کی ہمت کریں گے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ فتح وظفر سب من جانب اللہ ہے اور اللہ ہی کی مدد سے ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اگرچہ فتح وظفر درحقیقت اللہ ہی کی مدد سے ہے مگر تم بندے ہو اور عالم اسباب کے باشندے ہو اس لیے تم کو اسباب ظاہری کو نہ چھوڑنا چاہیے۔ دشمنانِ اسلام کی جنگ کے لیے اور کفر اور شرک کے فتنہ کے انسداد کے لیے ظاہری اسباب کو جمع کرو اور اتنا سازو سامان کرو کہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت سے مرعوب ہو جائے اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے بایں ہمہ، بھروسہ اللہ پر رکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے مسلمانو! کافروں کے مقابلہ کے لیے جو قوت اور طاقت اور زور تم سے بن پڑے وہ مہیا کرو اور گھوڑے باندھنے سے بھی مقابلہ کا سامان تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ جن کو تم جانتے ہو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو بھی ڈراؤ جن کو تم نہیں جانتے ولیکن اللہ ان کو جانتا ہے کہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری کمزوری کے وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی۔ لہٰذا تم کو ایسی طاقت اور قوت فراہم کرنی چاہیے کہ جس سے تمہارے ظاہری دشمن اور چھپے دشمن سب مرعوب اور خوف زدہ ہو جائیں ظاہری دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو اس وقت تم سے برسر پیکار ہیں اور باطنی دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو بظاہر اس وقت مسلمانوں سے برسر پیکار نہیں لیکن مسلمانوں کی عداوت کو دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور تمہاری فکر میں لگے ہوئے ہیں اور موقع کے منتظر ہیں۔ جب کبھی بھی کسی وقت مسلمانوں میں کمزوری دیکھیں گے اس وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی اس آیت میں ظاہری دشمنوں سے کفار مکہ اور یہود مدینہ مراد ہیں اور ﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ﴾ سے کفار فارس اور روم مراد ہیں جن سے ابھی سابقہ نہیں پڑا لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب فارس اور روم سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوگا اس لیے ابھی سے حکم دے دیا گیا کہ ابھی سے تم اتنی قوت اور طاقت فراہم کرلو جو آئندہ چل کر ان دشمنوں کے مقابلہ میں بھی کام آسکے جن کی دشمنی کا تم کو علم نہیں اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری تاک میں اور موقع کے منتظر ہیں جیسے آج کل خاص کر مغربی ممالک جو دن رات اسلامی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے مکر اور فریب اور ان کی منافقانہ دوستی اور عیارانہ امداد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اب آئندہ آیت میں مال جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور اے مسلمانو! جو چیز بھی تم خدا کی راہ میں یعنی سامان جہاد کی تیاری میں خرچ کرو گے تو وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کمی نہ ہوگی۔ اوّل تو دنیا ہی میں مال غنیمت اور مال فئی اور مال جزیہ اور مال خراج سے تمہارے خرچ کا اضعافا مضاعفہ معاوضہ تم کو مل جائے گا جو تمہاری خرچ کی ہوئی رقم سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اور اگر کچھ کمی بھی رہی تو وہ آخرت میں پوری کردی جائے گی۔

لطائف ومعارف

① احادیث میں اگرچہ قوت کی تفسیر تیراندازی سے کی گئی ہے مگر باعتبار عموم الفاظ۔ اس سے مراد ہر قسم کا سامان حرب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ قوت صرف تیراندازی میں منحصر ہے بلکہ تلوار اور نیزہ اور سپر اور زرہ اور خود اور قلعے اور سامان رسد اور سامان حرب سب قوت میں داخل ہیں۔ اس کے لیے کہ مقصود اصلی تو آیت کا یہ ہے کہ وہ ساز وسامان اور آلات حرب مہیا کرو جس کے ذریعے سے تم دشمن کی

مدافعت کرسکو اور اس پر غالب آسکو۔ عہد نبوی میں گھوڑوں کا باندھنا اہم سامان حرب تھا۔ اس لیے اس کی اہمیت اور شرافت کی بنا پر اس کو علیحدہ بیان فرمایا کتب احادیث اور تفاسیر میں تیر اندازی اور گھوڑوں کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مذکور ہیں اور مشہور ہیں وہاں دیکھ لی جائیں اور سب سے مقصود سامانِ جنگ کی تیاری کا حکم دینا ہے۔ بہر حال اس آیت سے مقصود مسلمانوں کا یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ کے لیے سامان جنگ تیار کرو۔ جس قدر طاقت اور قوت تم فراہم کر سکتے ہو اس میں کسر نہ چھوڑو اور ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں سامان جنگ بدلتا رہا ہے پہلے زمانے میں تیر و تلور تھے اور اس زمانے میں توپ اور بندوق ہیں یہ سب سامان جہاد ہے اور اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب وضرب تیار ہوں گے ان شاء اللہ وہ سب اس آیت کے عموم اور مفہوم میں داخل ہوں گے اور عین منشاء قرآنی ہوں گے۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر مکان وزمان کے مناسب قوت وطاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا۔ تا کہ کفر اور شرک کا مقابلہ کر سکیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل:۱۲۶)... ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝﴾ (الشوریٰ:۴۱) ... ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرہ:۱۹۴)

② غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر قریش مکہ کا مقابلہ کیا جو کسریٰ اور ایرانیوں کا طریقہ تھا کہ خندقیں کھود کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے ۵ھ میں جب تمام قبائل عرب نے ایک کمان ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جنگ کا ایک جدید طریقہ اختیار کیا جو عرب میں رائج نہ تھا وہ یہ کہ مدینہ کے اطراف میں خندقیں کھود کر مشرکین عرب کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کا یہ طریقہ کسریٰ اور مجوس کا تھا جس کو نبی کریم ﷺ نے اختیار فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک رہے۔ پھر ۷ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا جو یہود کا گڑھ تھا اور اس میں یہود کے بڑے مستحکم قلعے تھے جن کے فتح کرنے میں تقریباً ایک ماہ لگا۔ خیبر کے قلعوں میں ایک صَعْب نامی قلعہ تھا جب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہو گیا اور اس کے تہہ خانوں کی تلاشی لی گئی تو ان میں سے بہت سا سامان جنگ اور ہتھیار مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور اس میں دَبَّابَات اور منجنیقیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں آئیں۔ یہ رومی آلات حرب تھے جو قلعہ کشائی کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہود کے خود ساختہ تھے یا رومیوں سے حاصل کیے تھے۔

دَبَّابَہ (یعنی لکڑی کا ٹینک):

امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ ص ۱۰ ج ۲ میں فرماتے ہیں کہ دبابہ ایک آلہ ہے جو لکڑی اور چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چند آدمی اس میں بیٹھ سکیں اور دشمن کی قلعہ کی دیوار کے قریب لے جا کر اسے کھڑا کر دیں تا کہ اس میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگا سکیں اور اس آلہ میں بیٹھنے والے ان تیروں سے محفوظ رہیں جو قلعہ کے اُوپر سے پھینکے جا رہے ہیں۔

(دیکھو نہایہ [1] ابن اثیر صفحہ ۱۰ جلد ۲ و مجمع البحار ص ۹۴ جلد ۱)

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ الدَّبَابَة الة تتخذ من جلو دو خشب يدخل فيها الرّجال وَ يقربونها مِن الحصن المحاصر لينقبوه وتقيهم مايرمون به من فوقهم۔ انتهٰى كذا فى النهاية ص۱۰ ج۲ و كذا فى مجمع البحار ص۳۹۴ ج۱۔ و كذا فى الدر النثير للحافظ السيوطى ص۱۰ ج۲۔

نیز ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے:

کیف تصنعون بالحصون قال نتخذ دَبَّابَاتٍ یدخل فیھا الرِّجال. (دیکھو نہایہ ص ۱۵ ج ۲ و مجمع البحار ص ۳۹۲ ج ۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت لشکر سے دریافت کیا تم دشمن کے قلعوں کے ساتھ کیا کرو گے۔ اور ان کو کس طرح فتح کرو گے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم دَبَّابے بنالیں گے اور ہمارے جوان ان میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگائیں گے۔ یعنی اس طرح دشمن کے قلعوں کو مسخر کریں گے۔

دَبَّابَہ کی تعریف آپ نے سن لی آج کل اصطلاح میں اس کا نام ٹینک ہے فرق اتنا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ آلۂ حرب لکڑی اور چمڑے سے تیار ہوتا تھا اور اس زمانہ میں فولاد سے تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال۔ کیف تصنعون بالحصون (تم دشمن کے مضبوط قلعوں کو کس طرح مسخر کرو گے) کے جواب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ عرض کرنا نتخذ دبابات یدخل فیھا الرجال (ہم دبابے بنالیں گے اور اس میں بیٹھ کر دشمن کے قلعہ میں نقب لگائیں گے) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دبابہ کا بنانا اور اس کی صنعت اور اس کا استعمال اس زمانے میں رائج تھا اور مسلمان بھی ضرورت کے وقت دبابہ (اُس زمانے کے ٹینک) بنانے پر قادر تھے۔

منجنیق (اس زمانے کی مشین گن):

منجنیق پتھر پھینکنے کے آلہ کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے سنگباری کی جائے جس کو آج کل کی اصطلاح میں مشین گن کہتے ہیں جَنَق سے مشتق ہے جس کے معنی رَمی یعنی پھینکنے کے ہیں اور جو شخص اس آلہ کے ذریعے پتھر پھینکے اس کو جانق کہتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے جب مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا تو اس نے خانہ کعبہ کے سامنے دو منجنیق نصب کیے اور دو جانق اس کے چلانے کے لیے مقرر کیے۔ (دیکھو نہایہ ابن اثیر ص ۱۸۲ ج ۱، اور الدر النثیر مؤلفہ شیخ جلال الدین سیوطی مطبوعہ برحاشیہ نہایہ اور دیکھو مجمع البحار ص ۲۱۵ ج ۱)

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں منجنیق کا استعمال لڑائیوں میں معروف و مشہور تھا غزوۂ خیبر میں جب قلعہ صعب فتح ہوا اور اس میں سے کچھ دبابے اور کچھ منجنیقیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جو رومیوں کے آلات جنگ تھے اس قلعہ کے فتح کے بعد جب خیبر کے دوسرے دو قلعے وطیح اور سلالم کے فتح کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشواری پیش آئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں پر منجنیق کو نصب کیا جائے مگر اس کی نوبت نہیں آئی اور یہ دونوں قلعے بحمدہٖ تعالیٰ بغیر منجنیق کے نصب کیے ہوئے فتح ہو گئے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان آلات کے استعمال کا ارادہ فرمانا جو غیر مسلموں کی ایجاد تھے یہی اس کی مشروعیت اور جواز کی دلیل ہے پھر جب ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد طائف کی طرف روانہ ہوئے اور بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور وہاں پہنچ کر طائف کا محاصرہ کیا تقریباً بیس روز محاصرہ رہا جب فتح میں دشواری ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے اُن پر منجنیق نصب کی اور یہ منجنیق سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کی اور ان کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لیے اس کو بنایا اور یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے سامنے ہوا۔ علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی۔ جو دشمنوں کے مقابلہ میں نصب کی گئی اور دنیا میں سب سے پہلا شخص نمرود ہے جس نے منجنیق تیار کی اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ پھینکنے کے لیے اس کو استعمال کیا۔ (تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب ص ۳۱ ج ۳ دیکھیں)

غرض یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر و تلوار کے علاوہ جدید آلات حرب بھی استعمال کیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے بنانے کا حکم بھی

دیا اور آپ ﷺ کے بعد جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شام اور عراق کی مہم پیش آئی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قلعہ شکن دبابوں کے بنانے کا اور استعمال کرنے کا حکم دیا۔

پس حق جل شانہٗ نے اس آیت ﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ میں ہر قسم کی قوت اور طاقت کے مہیا کرنے کا قطعی حکم دے دیا۔ اس آیت کا عموم قیامت تک ظاہر ہونے والی قوتوں کو شامل ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس سے غفلت برتتی ہے تو یہ قصور اس کا ہے اسلام کا کوئی قصور نہیں۔

③ اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں ایک قوت اور طاقت یعنی سامان جنگ کی تیاری کا سو یہ باتفاق فقہاء فرض کفایہ ہے اور دوسرا حکم رباط خیل کا ہے یعنی دشمن کے مقابلہ کے لیے گھوڑوں کے پالنے کا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ سرحدوں پر چھاؤنیوں کا قائم کرنا از حد ضروری ہے اور حق تعالیٰ جل شانہٗ کے اس ارشاد ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا﴾ (آل عمران: ۲۰۰) میں مرابطہ سے سرحد کی نگرانی اور پاسبانی مراد ہے جو بحکم خداوندی فرض اور لازم ہے۔

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

اور اگر وہ جھکیں صلح کو تو تُو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بے شک وہی ہے سنتا

الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ

جانتا اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو بس ہے اللہ اس نے

الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ۙ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ

تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور ان کے دل میں الفت ڈالی اگر

اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں لیکن اللہ نے

اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ

اُلفت ڈالی ان میں وہ زور آور ہے حکمت والا اے نبی کفایت ہے تجھ کو اللہ اور

مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ ۶۲ ۴

جتنے تیرے ساتھ ہوئے ہیں مسلمان

حسب ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت اور صلح کے بعد مسلمانوں کو توکل کا حکم اور وعدۂ نصرت وحفاظت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا... الٰی... وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ارباب کفار کا بیان تھا یعنی اتنی قوت اور طاقت فراہم کرو کہ دشمن مرعوب ہو جائے۔ اب آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی وقت دشمن صلح کی طرف مائل اور تم سے صلح کی درخواست کرے تو حسب ضرورت ومصلحت ایک مدت معینہ کے لیے صلح کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں اس لیے کہ اصل فریضہ کفار سے جہاد وقتال کرنا ہے البتہ حسب ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت ہے حکم نہیں۔

شریعت نے کافروں سے اصل حکم جہاد کا دیا ہے اور بوقت ضروت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی ہے کہ اگر تم کافروں سے صلح کرلو تو جائز ہے مگر واجب نہیں۔

قال ابو حنيفة رضی الله تعالٰی عنه لاينبغی موادعة اهل الشرك اذاكان بالمسلمين عليهم قوة لان فيه ترك القتال المامور به او تاخيره و ذٰلك مما لاينبغی لاميران يفعله من غير حاجة قال الله تعالٰی:وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ و ان لم يكن بالمسلمين قوة عليهم فلا بأس بالموادعة لان الموادعة خير للمسلمين فی هذه الحالة و قد قال عزوجل: وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا الاٰية وَ لان هٰذا من تدبير القتال فان علی المقاتل ان يحفظ قوة نفسه اولاثم يطلب العلو والغلبة اذا تمكن من ذالك. (شرح سير كبير للامام السرخسی ص۲ ج٤)

"امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی طاقت اور قوت ہو تو پھر ان سے صلح کرنا کسی طرح مناسب اور زیبا نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے۔ پس اگر کفار سے صلح کی جائے تو فریضہ جہاد کا ترک یا اس میں تاخیر لازم آئے گی اور مسلمانوں کے امیر کے لیے یہ کسی طرح زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بغیر ضرورت اور بغیر مجبوری کے صلح کرے اس لیے حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ اے مسلمانو! تم دشمنان اسلام کے جہاد وقتال میں کمزور اور سست نہ پڑو اور اس راہ میں جو تکلیف پہنچے اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم سچے اور پکے مسلمان ہو۔ (اللہ کا حکم ختم ہوا) اور اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی قوت نہ ہو تو پھر صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لیے خیر اور مصلحت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ۔ نیز ایسی حالت میں صلح کر لینا یہ در پردہ جہاد وقتال کی ایک تدبیر ہے اس لیے کہ مجاہد پر یہ فرض ہے کہ اولاً وہ اپنی قوت کو محفوظ کرے اور قوت حاصل ہو جانے کے بعد پھر دشمن اسلام پر غلبہ کی کوشش کرے جب کبھی اس کو یہ موقع ملے۔"

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام کا ترجمہ ختم ہوا اور یہی مضمون احکام القرآن ص ۶۹ ج ۲ و ص ۷۰ ج ۳ للامام ابی بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے۔

فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمان فرمانروا کافروں سے ایک مدت معینہ کے لیے صلح کر سکتا ہے مگر جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قریش سے دس سال کے لیے معاہدہ کیا اور اس سے زیادہ مدت کے لیے کبھی کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ بہر حال ایک مدت معینہ کے لیے کافروں سے صلح جائز ہے اور اس مدت میں اگر کفار اپنے عہد کو توڑ ڈالیں تو وہ بجائے معاہد کے محارب سمجھے جائیں گے۔ بلا اطلاع کے ان پر چڑھائی اور فوج کشی جائز ہوگی۔ جیسے قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا اعلان جنگ قریش پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ کو فتح کر لیا۔

اب آیت کی تفسیر دیکھیے فرماتے ہیں اور اگر دشمنان اسلام تمہاری قوت اور طاقت سے مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو صلح کی طرف جھک جائیں۔ شاید وہ اس بہانہ سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمہارے بھائی بن جائیں اور اس صلح پر بھروسہ نہ کیجیے۔ بلکہ بھروسہ اللہ پر رکھیے کیونکہ اللہ ہی کافروں کے مکر و فریب سے بچانے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اور ان کی بدنیتی کو خوب جانتا ہے کہ کس نیت سے یہ صلح کر رہے ہیں اور اگر آپ کو قرائن سے معلوم ہو کہ وہ اس صلح سے آپ کو دغا دینا چاہتے ہیں تو آپ حسب صوابدید اللہ پر بھروسہ کر کے کافروں کی صلح کی درخواست قبول کر لیجیے اور ان کے دھوکہ کی پرواہ نہ کیجیے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے کے لیے کافی ہے جس خدا نے پہلے آپ کی حفاظت اور کفایت کی وہی اب بھی محافظ اور کافی ہے کیونکہ اسی نے جنگ بدر میں بغیر قوت اور بغیر رباط خیل کے اور بغیر ظاہری اسباب کے اپنی خاص مدد سے آپ کو قوت دی فرشتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور ان مسلمانوں کے ذریعے آپ کو قوت دی جو خدا تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور جاں نثاری میں فرشتوں کا نمونہ تھے۔ یعنی حقیقت میں تیرا مددگار اللہ ہے۔ اور ظاہری اسباب میں یہ مسلمان تیرے مددگار ہیں تو تجھے کسی کا کیا ڈر ہے۔ اس لیے اگرچہ یہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی فکر نہ کیجیے اللہ آپ کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس مٹھی بھر جماعت کو قائم مقام قوت اور رباط خیل کے بنا دیا۔ کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور زمانہ جاہلیت کی حمیت اور عصبیت کو دلوں سے بالکل نکال دیا اور باہمی الفت کی قوت ساز و سامان کی قوت سے کہیں بڑھ کر ہے اگر آپ ان تمام خزانوں کو بھی خرچ کر ڈالتے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں تب بھی آپ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت نہیں ڈال سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی اور زمانہ جاہلیت کی دیرینہ عداوتیں جو صدیوں سے چلی آ رہی تھیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے یک لخت ان کے دلوں سے نکال دیں اور یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعوان و انصار بن گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعتوں کو بدل دیا بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ یعنی بظاہر حال قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج میں اور دیگر قبائل میں صدہا سال کی عداوت کے بعد اتفاق کا پیدا ہونا ناممکن نظر آتا تھا مگر اللہ زبردست ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی حکمت اس امر کی مقتضیٰ ہوئی کہ ان کی باہمی دشمنی کو ختم کر کے کفر کی دشمنی پر ان سب کو متفق کرے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ حقیقت پر نظر کریں تو ایک اللہ آپ کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہو اور اگر ظاہر اسباب پر نظر کریں تو جو مسلمان

تیرے پیرو ہیں وہ تیرے اور تیرے دین کی مدد کے لیے کافی ہیں۔ آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کفار کے لشکر جرار کو شکست دے سکتی ہے جیسے بدر میں آپ نے دیکھ لیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں
عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ
بیس شخص ثابت غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اَلْـٰٔنَ
غالب ہوں ہزار کافروں پر ، اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب بوجھ
خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ
ہلکا کیا اللہ نے تم پر ، اور جانا کہ تم میں سستی ہے۔ سو اگر ہوں تم میں
مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا
سو شخص ثابت، غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں ہزار شخص ، غالب ہوں
اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾
دو ہزار پر، اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے

ترغیب وتشویق اہل ایمان برقتال کفار وقانون قرار وفرار از میدان کارزار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی۔ اب ان آیات میں بتلاتے ہیں کہ کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصلی حکم کافروں سے جہاد وقتال ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ اے نبی! آپ ﷺ اہل ایمان کو جہاد وقتال کا خوب شوق دلایئے۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کا بول بالا ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو۔ اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ صلح سے حاصل نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں۔ مبادا کافروں نے دھوکہ کی نیت سے صلح کی ہو اور اس حکم کے ساتھ ساتھ میدان جہاد وقتال سے قرار اور فرار کے متعلق ایک قانون اور ضابطہ بتلاتے ہیں کہ اس بارہ میں ابتداء میں یہ حکم

تھا کہ اگر کفار مسلمانوں سے دس گنا ہوں تب بھی ان سے قتال کیا جائے مگر بعد میں یہ حکم اٹھالیا گیا اور صرف دو گنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ اے نبی ﷺ! مسلمانوں کو کافروں سے جہاد وقتال پر اُکسا اور اس پر برانگیختہ کر اس لیے کہ ایمان کا اصل اقتضاء دشمنانِ خدا سے جہاد وقتال ہے نہ کہ صلح۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد وقتال کے وقت کافروں کی کثرت کی پرواہ نہ کریں اور ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم میں سے بیس شخص صابر، ہوں گے تو وہ دوسو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں گے تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ثواب آخرت کو سمجھتے نہیں۔ یعنی وہ اس لیے تم پر غالب نہیں آئیں گے کہ وہ آخرت کو نہیں سمجھتے ان کی نظر دنیاوی زندگی پر مقصور ہے اس لیے وہ اپنی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالتے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ آخرت کے ایسے مشتاق ہیں جیسے پیاسا پانی کا مشتاق ہو۔ وہ آخرت کے شوق میں اپنی جان کو پانی کی طرح بہادیتے ہیں۔ اس لیے کافر تمہارے مقابلہ میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور یہ حکم یعنی اپنے سے دس گنے سے مقابلہ کا حکم اس وقت تھا کہ جب قوت ایمانی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور اہل ایمان صبر اور استقامت اور تسلیم وتفویض کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ان کی نظر عددی قلت وکثرت پر نہ تھی بلکہ صرف خدا پر تھی اللہ کو معلوم ہے کہ بعد میں چل کر ان اوصاف میں کمی آجائے گی۔ اس لیے یہ حکم اٹھالیا گیا اور صرف دُگنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اب اللہ نے تم پر تخفیف کردی اور اس نے معلوم کرلیا کہ اب تمہاری ہمت اور صبر وتحمل میں کچھ ضعف اور کمزوری آگئی ہے پس اگر تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دوسو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اللہ کے حکم سے۔ یعنی ایک گنا کے دو گنا پر غلبہ محض بحکم خداوندی ہے ولیکن مشروط بہ صبر ہے اگر صبر کریں گے تو اپنے سے دوگونہ پر غالب آئیں گے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم عزیمت ہے اور دوسرا رخصت ہے جو پہلے حکم پر عمل کرے اس کا ثواب اور اجر کامل اور اکمل ہے اور جو دوسرے حکم پر عمل کرے تو وہ بھی جائز اور درست ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صبر اور یقین اور توکل کے مدارج مختلف ہیں جس درجہ کا صبر ہوگا اسی درجہ کی مدد من جانب اللہ اس کے ساتھ ہوگی۔ اگر تم صبر میں کامل ہوگے تو تم میں سے ایک ایک دس دس پر غالب آئے گا۔ دس کا عدد۔ عدد کامل شمار ہوتا ہے۔ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ جو صبر میں کامل ہوگا وہ عدد کامل پر غالب آئے گا اور اگر تمہارا صبر کمزور ہوگا تو ایمان اور صبر کی برکت سے ایک ایک دو دو پر غالب آئے گا اور اگر صبر نہیں تو پھر کوئی وعدہ نہیں۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

نہیں چاہیے نبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں جب تک نہ خون کرے ملک میں تم چاہتے ہو

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا

جنس دنیا کی اور اللہ چاہتا ہے آخرت، اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ

كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٦٨﴾

ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو پڑتا اس لینے میں بڑا عذاب

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾ ع ۵ ۹

سو کھاؤ جو غنیمت لاؤ حلال ستھری اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ

اے نبی کہہ دے اُن کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ

فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ

تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دے گا بہتر تم کو اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور

اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ

اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو دغا کر چکے ہیں پہلے اللہ

قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

سے پھر اس نے پکڑوا دیئے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

تلقین احکام دربارۂ اسیرانِ جنگ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد وقتال کے مسائل اور احکام کا بیان تھا۔ چونکہ جہاد وقتال میں بسا اوقات کفار قید ہو کر آتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں اسیرانِ جنگ اور خاص کر اسیران بدر کے متعلق احکام بیان کرتے ہیں کیونکہ قیدیوں کے قتل اور فدیہ کا فیصلہ قتال سے فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے اس لیے اس سورت میں احکام قتال کو قیدیوں کے احکام پر ختم فرمایا۔

شانِ نزول:

شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ جب جنگ بدر میں ستر کافر قید ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ کے رشتہ دار اور ہم قوم ہیں۔ اور بھائی بند ہیں ان پر رحم کیا جائے اور فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ آج ہر ایک

اپنی استطاعت کے موافق فدیہ دے کر جان بخشی کرا سکتا ہے شاید پھر کوئی دن آئے کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ جس سے مسلمانوں کے عدد میں اور ان کی مدد میں زیادتی ہو جائے اور اس وقت فدیہ سے جو مال ملے گا اس سے کفار سے محاربہ اور جنگ میں قوت حاصل ہوگی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ کافروں کے پیشوا اور سردار ہیں آپ ﷺ ہم کو ان سب کی گردنیں مارنے کی اجازت دیجیے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔

آنحضرت ﷺ نے بوجہ رحم دلی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فدیہ لینے پر عتاب آیا کہ نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ جہاد سے مال حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ کافروں کی ضد اور انکا زور توڑنا مقصود ہے اور یہ بات قتل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ ظالم اور متکبر رحم دلی کے لائق نہیں بلکہ سر کوبی اور گردن زدنی کے لائق ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے تا کہ کفر کی کمر ٹوٹ جائے۔

نکوئی با بداں کردن چناں است کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور وہ اُن سے فدیہ لے لے جب تک زمین میں ان کی خوب خون ریزی نہ کر لے یہاں تک کہ کفر کی جان نکل جائے یا قریب المرگ ہو جائے دشمنانِ اسلام کی خون ریزی ہی کفر کی ذلت اور اسلام کی عزت اور شوکت کا ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے غزوۂ بدر میں فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝﴾

پیغمبر ﷺ کو حکم خداوندی یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو کافروں سے جہاد و قتال کا شوق دلائے اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ فقط کافروں کے قید کرنے پر اکتفاء کرے یا اُن سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دے جہاد مقتضی ہے قتل کو اور فدیہ قتل سے مانع ہے۔ لہٰذا فدیہ لے کر ان کافروں کو چھوڑ دینا جہاد کی غرض و غایت کے منافی ہے۔ اس لیے فدیہ لینے پر عتاب آیا اور سورۂ قتال میں جو مَنّ اور فداء کا اختیار دیا گیا ہے سو وہ بھی اِثخان کفار کے بعد دیا گیا ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۤ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ ۭ﴾ (محمد: ۴)

یعنی اے مسلمانو! جب تم کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو اور مارتے رہو یہاں تک کہ جب انکا خون خوب بہا چکو کہ اب ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی سکت باقی نہ رہے پھر ان کو قید کرو اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو کہ بلا معاوضہ لیے ہوئے ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک لڑائی اپنے ہتھیار نہ ڈالے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی خوب خونریزی نہ ہو جائے اور لڑائی اسلام کے سامنے اپنے ہتھیار نہ ڈال دے اور حق کی ہیبت اور دبدبہ اور رعب قائم نہ ہو جائے اس وقت تک فدیہ لینا جائز نہیں ہاں جب کافروں کے اثخان یعنی ان کی خوب خونریزی کے بعد اسلام کی عظمت اور ہیبت اور شوکت اور دبدبہ قائم ہو جائے تب اگر فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے تو جائز ہے لیکن اس سے پہلے جائز نہیں اوّل اثخان ہو جانا ضروری ہے اس کے بعد فدیہ اور احسان کی اجازت ہے اس سے پہلے نہیں۔

حاصل یہ کہ اے مسلمانو! اثخان کے بعد یعنی خوب خون ریزی کے بعد جب کفر خوب ذلیل اور خوار ہو جائے تو پھر تم کو من

اور فداء کا اختیار ہے اس سے قبل نہیں اور موقع بدر پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافروں کی خوب خون ریزی کی جائے حتیٰ کہ کفر کا دماغ پلپلا ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس میں اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی سکت نہ رہے اس موقع پر مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کے اثخان (یعنی کافی خون ریزی) سے قبل ہی فدیہ لے لیا اس لیے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔ (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص ص ۷۲ ج ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہی تھا کہ کافروں کو قتل کیا جائے تاکہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے۔ اس لیے گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ نبی کے شایان شان نہیں کہ کافی خون ریزی کے بغیر قیدیوں کو زندہ چھوڑ دے۔ اب آئندہ آیت میں مسلمانوں پر عتاب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ اے مسلمانو! تم دنیا کا سامان چاہتے ہو جو ایک حقیر اور عارضی چیز ہے عنقریب زائل ہونے والی ہے اس لیے تم نے فدیہ لینے کی رائے دی اور اللہ تمہارے لیے آخرت کی مصلحت چاہتا ہے کہ دین اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو اور اللہ غالب ہے حکمت والا وہ تم کو کافروں پر غلبہ دینا چاہتا ہے۔ غلبہ کے بعد فتوحات سے تم کو اتنا مال مل جائے گا کہ جو اس زر فدیہ سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگا اور عنقریب قیصر و کسریٰ کے خزائن تم کو ملیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ابھی مل جاتے لیکن حکمت کی وجہ سے اس میں دیر ہو رہی ہے۔ بہر حال تمہارا یہ فعل خدا تعالیٰ کو پسند نہیں آیا اور اگر اس بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ لکھا جا چکا ہوتا تو البتہ پہنچتا تم کو اس مال کے بارے میں جو تم نے کافروں سے فدیہ میں لیا۔ اور انہیں چھوڑ کر بڑا عذاب اس کتاب کے من اللہ یعنی اس نوشتہ خداوندی کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ سو اس سے۔

① یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بغیر صریح ممانعت کے عذاب نازل نہیں کرتا۔

② یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نادانی اور اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں کرتا۔

③ یا یہ مراد ہے کہ اللہ کے یہاں یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی سے نادانستہ عمل پر مواخذہ نہیں کرتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مغفرت کا وعدہ فرما لیا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا ہے \ ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ کہ اے اہل بدر تم جو چاہے کرو تم جو غلطی کرو گے وہ معاف ہے۔

اس لیے کہ بدر کے میدان میں تم نے جو جاں نثاری اور جان بازی دکھلائی ہے اس کے صلہ میں تمہاری سب خطائیں معاف ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ رسول کے ہوتے ہوئے کوئی عذاب نازل نہیں کرے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ ان قیدیوں میں سے بہت سوں کی قسمت میں مسلمان ہونا ہے۔ سو اگر اس قسم کا کوئی نوشتہ اور حکم و فرمان اللہ کی طرف سے پہلے صادر نہ ہو چکا ہوتا تو اس فدیہ لینے سے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ تمام معانی لفظ ﴿كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے تحت میں مندرج اور داخل ہیں کیونکہ لفظ عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر اس قسم کے موانع نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم اور ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض والتقدیر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے کوئی نہ بچتا۔ جاننا چاہیے کہ عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ محض آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اور فقط آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا (جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے) تاکہ آنحضرت ﷺ قریب سے اُس عذاب کو دیکھ لیں۔ اور لوگوں کو بتلا دیں کہ اگر تمہاری اس غلطی پر عذاب نازل ہوتا تو ایسا ہوتا مقصود محض عذاب کو دکھلانا تھا نہ کہ اس کا نازل کرنا اور اتارنا مجبین کی تنبیہ کے لیے اتنا ہی

کافی تھا۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب ص ۴۴۲ ج ۱)

اور اس وقت آپ ﷺ کے سامنے عذاب کا پیش کرنا اسی قسم کا تھا۔ جیسے نماز کسوف میں آپ کے سامنے جنت و جہنم آپ کے سامنے دیوار قبلہ میں متمثل کر کے پیش کی گئی تا کہ عذاب کا ایک نظارہ ہو جائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے اور بس۔

تنبیہات:

① جاننا چاہیے کہ ان خطابات میں نبی اکرم ﷺ داخل نہیں۔ اس لیے کہ ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ کا خطاب صرف ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا یا دیگر مصالح دینیہ کے ساتھ مالی مصلحت کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور جن لوگوں نے محض صلہ رحمی اور رحم دلی اور دیگر مصالح دینیہ کی بنا پر یہ مشورہ دیا وہ اس خطاب اور عتاب میں داخل نہیں اخفاء اور پردہ پوشی کے لیے خطاب عام آیا ورنہ مراد سب نہیں بلکہ صرف بعض مراد ہیں عتاب اس پر آیا کہ تم نے دنیا کے فانی سامان پر کیوں نظر کی حالانکہ مومن کی نظر صرف آخرت پر ہونی چاہیے اور مالی اور دنیوی فوائد پر نظر کرنا گرچہ فی حد ذاتہٖ جائز ہے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے مقربین کی شانِ عالی اور منصب جلیل کے مناسب نہیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر ترجیح دی۔ اس کا منشاء شفقت و رحمت کا غلبہ تھا نہ کہ مالی فائدہ اور اگر بالفرض والتقدیر کسی درجہ میں مالی فائدہ آپ ﷺ کے پیش نظر بھی ہو تو وہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ دوسروں کے فائدہ کے لیے تھا اور دوسروں کے مالی فائدہ کو ملحوظ رکھنا جود و کرم ہے جو عقلاً و شرعاً محمود ہے وہ محل عتاب نہیں۔

① جنگ بدر میں جب ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دینا چاہیے اس پر آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور جبریل امین علیہ السلام نے آ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ کے رب نے اسیرانِ بدر کے بارے میں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اختیار دیا ہے کہ خواہ ان کو قتل کریں اور خواہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑیں مگر بایں شرط کہ آئندہ سال تمہارے بھی ستر آدمی شہید ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم ان سے فدیہ لے کر ایک گونہ قوت حاصل کریں اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائیں اور ہمارے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں آپ ﷺ نے بمشورہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسیرانِ بدر سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیات عتاب نازل ہوئیں۔ اب یہاں شبہ یہ ہے کہ جب من جانب اللہ قتل اور فدیہ دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر عتاب کیوں نازل ہوا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے اختیار (یعنی آزمائش) اور امتحان تھا کہ دیکھیں مسلمان اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو اختیار کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے حق تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو دو صورتوں میں اختیار دیا کہ چاہے دنیا کو اختیار کریں اور چاہے آخرت کو اختیار کریں۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾ (الاحزاب)

بیانِ حِلت فدیہ

فدیہ لینے پر جب عتاب نازل ہوا تو مسلمان ڈر گئے اور غنائم بدر سے (جن میں فدیہ اُسارٰی بھی شامل تھا) ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی تسلی فرما دی گئی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اس کو خوشی سے کھاؤ مال غنیمت فی حد ذاتہٖ حلال اور طیب ہے اس کے طریق حصول میں تم سے لغزش ہوئی وہ معاف کر دی گئی اور یہ فدیہ ہم نے تمہارے لیے مباح کر دیا۔ پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے جس میں یہ فدیہ بھی شامل ہے اس کو پاک اور حلال سمجھ کر کھاؤ وہ حلال ہے اور بلا شبہ پاک ہے ہمارے عتاب سے اس میں جو کراہت آئی تھی وہ اب ہماری معافی اور اباحت سے زائل ہو گئی۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ یہ حرام نہیں بلکہ بلا شبہ حلال ہے۔ لہٰذا اس کو خدا تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر کھاؤ اور آئندہ کے لیے احتیاط رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو اور مال کی حرص اور طمع سے بچتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور فدیہ کو تمہارے لیے حلال کر دیا یہ اس کی رحمت ہے۔

بعد ازاں بعض قیدی مسلمان ہو گئے اور زر فدیہ بھی ادا کر دیا مگر فدیہ کی ادائیگی ان پر گراں گزری جس سے وہ دل شکستہ ہوئے اس پر ان کی تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی آپ ان قیدیوں سے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان ہو گئے ہیں جن سے آپ ﷺ نے فدیہ لے لیا ہے یہ کہہ دیجیے کہ تم اس پر افسوس نہ کرو اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان اور خلوص نیت کی کوئی بھلائی جانے گا یا دیکھے گا تو تم کو دنیا ہی میں اس مال سے بہتر دے دے گا۔ جو فدیہ میں تم سے لیا گیا ہے اور آخرت میں تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔ جو تم نے زمانہ کفر و شرک میں کیے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس فدیہ کا نعم البدل تم کو عطا فرما دیں گے۔

یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جب فدیہ مانگا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو بالکل غریب ہو گیا۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں ہے جو تم مکہ سے چلتے وقت رات کی تاریکی میں اپنی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دے کر آئے تھے۔ چونکہ یہ راز نہایت مخفی تھا تو عباس رضی اللہ عنہ سن کر نہایت متعجب ہوئے اور کہنے لگے اے بھتیجے! تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے بتلایا یہ سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ فوراً اسلام لے آئے پھر ان دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل رضی اللہ عنہما کو اسلام لانے کا حکم دیا اور وہ بھی اسی دم مسلمان ہو گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم صدق دل سے ایمان لائے اور اپنے ایمان، زبان پر ثابت قدم رہے تو جو مال تم سے اب لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تم کو دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ یہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو وعدے کیے تھے ایک تو یہ کہ جو مال مجھ سے لیا ہے اس سے بہتر مجھ کو دے گا سو اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا جو اس نے مجھ سے لیا تھا اس سے بہتر مجھ کو دے دیا۔ بیس اوقیہ سونے کی عوض اب میرے پاس بیس غلام ہیں جو سب تاجر ہیں اور اُن میں سے ادنیٰ غلام مجھے بیس ہزار درہم ادا کرتا ہے اور اللہ نے مجھے آب زم زم پلانے کی خدمت عطا کی جس کے بدلہ میں میں تمام اہل مکہ کے اموال کو پسند نہیں کرتا اور دوسرا وعدہ مغفرت کا ہے۔ اس کی اپنے پروردگار سے اُمید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے

گا۔ اور خداوند کریم کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان قیدیوں کے دل میں کوئی شر یا شرارت کہ یہ قیدی شرارت سے مسلمان ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ خیانت اور دغا کرنا چاہتے ہیں تو آپ ﷺ کوئی فکر نہ کیجیے۔ اور اس سے پہلے خدا اور رسولوں کے ساتھ خیانت اور دغا کر چکے ہیں اور اس کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں۔ پھر اگر اسلام کے ساتھ کوئی دغا کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے پکڑنے پر قدرت دی یہاں تک کہ وہ جنگ بدر میں آپ ﷺ کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ اور اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ تجھ کو ان پر غالب اور قادر کر دے جس طرح وہ پہلے قادر تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی قادر ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے کوئی غدار اور خائن اس پر مخفی نہیں۔ اور بڑی حکمت والا ہے۔ اس کی حکمتوں کا ادارک کسی کی قدرت میں نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے

سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط

اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی اور وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ

اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن کی رفاقت سے کچھ کام نہیں

حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ج وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

جب تک گھر نہ چھوڑ آویں اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے مدد کرنی

إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾

مگر مقابلہ میں ایسوں کے جن میں اور تم میں عہد ہے اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ط إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ

اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو دھوم مچے گی

فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ ط وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

ملک میں اور بڑی خرابی ہو گی اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ

اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق مسلمان،

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا

ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی اور جو ایمان لائے پیچھے اور گھر چھوڑ آئے

وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى

اور لڑے تمہارے ساتھ ہوکر سو وہ تمہیں میں ہیں اور ناتے والے آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک

بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع ۱۰ ۶ ۶

دوسرے کے اللہ کے حکم میں۔ تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

مراتب اہلِ اسلام وفضائلِ مہاجرین عظام وانصار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وبیان احکام باعتبار ہجرت واسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ... الٰى ... اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾﴾

ربط: گزشتہ رکوعات میں جہاد اور صلح کے احکام بیان کیے اور گزشتہ آیات میں قیدیوں کو تسلی دی اب ان آیات میں مہاجرین اور انصار کے فضائل اور مسلمانوں کے باعتبار ہجرت وعدم ہجرت مراتب اور احکام بیان کرتے ہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کافروں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی قدرت ہو تو جہاد فرض ہے اور اگر عاجز ہو تو ہجرت فرض ہے۔ گزشتہ رکوعات میں جہاد کے احکام مذکور تھے۔ اب جہاد کے بعد ان آیات میں ہجرت کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہجرت اور جہاد دونوں توام (جڑواں بھائی) ہیں۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت ونصرت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں جو مسلمان تھے ان کے اقسام اور احکام بیان کرتے ہیں سو اس زمانے کے مسلمان چار قسم کے تھے۔

قسم اوّل: مہاجرین اوّلین جنہوں نے دین اسلام کی خاطر اپنا کنبہ اور وطن چھوڑا اور اسلام کی خاطر تمام تکلیفوں کو برداشت کیا۔

قسم دوم: انصار جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان ومال سے ان کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہوکر اعداء اسلام سے لڑے ان دونوں قسموں کا حکم یہ بیان فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ﴾ یعنی ایک دوسرے کے دوست اور وارث ہیں پہلا گروہ مہاجرین سابقین کا ہے۔ اور دوسرا گروہ انصار سابقین کا ہے ان دونوں گروہوں میں آں حضرت ﷺ نے مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا اور اسی رشتہ مواخات کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کا وارث بنا دیا اور ایک کی دوسرے پر نصرت واجب کی یہ دونوں فریق

صلح اور جنگ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ ان سب کی صلح اور جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق اور ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے۔

قسم سوم: وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی اور اپنے ہی ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط تھا یعنی دارالحرب میں رہے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی جیسے بعضے لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے مگر مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی مکہ ہی میں کافروں کے ساتھ رہے ان کے متعلق دو حکم دیئے ایک تو یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کی حمایت اور وراثت میں شریک نہیں جب تک ہجرت نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مواخات کی بنا پر مہاجرین اور انصار کے درمیان جو توریث کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس میں دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں۔ یہ لوگ مہاجرین اور انصار کے وارث نہیں ہو سکتے اور نہ مال غنیمت اور مال فئی میں ان کا کوئی حصہ اور حق ہے اور دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ تم سے کسی دینی امر میں مدد طلب کریں۔ تو تم اپنی مقدور کے موافق ان کی مدد کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اُس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو جن سے تمہارا کوئی عہد ہو چکا ہے تا بقاء عہد معاہدین کے مقابلہ میں دارالحرب کے مسلمانوں کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ عہد کی پابندی واجب ہے ان کی وجہ سے معاہدین سے بدعہدی مت کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے اس قسم سوم کے ذکر کے بعد قسم اوّل اور قسم دوم کے مسلمانوں کا دوبارہ ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝﴾ کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت و کرامت کی روزی ہے۔ اس آیت میں ان دونوں قسموں کی مدح اور فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور پہلی بار جو ان دو قسموں کا ذکر فرمایا تھا وہاں باعتبار ولایت اور واثت کے ان کا حکم بیان کرنا مقصود تھا۔ لہٰذا اس آیت میں تکرار نہیں۔ دوسری مرتبہ ذکر نے سے سابقین اولین کی خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار محض ان کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور منجانب اللہ ان کے سچے مومن ہونے کی شہادت دینا مقصود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ یہ لوگ ان لوگوں سے اکمل اور افضل ہیں جو ایمان لانے کے بعد دارالحرب میں مقیم رہے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے پہلی قسم اور دوسری قسم کے مسلمانوں میں باہمی دو چیزیں ثابت کیں ایک نصرت اور ایک وراثت اور اس تیسری قسم کے لیے صرف نصرت کو ثابت کیا اور میراث کی نفی فرمائی خوب سمجھ لو۔

قسم چہارم: وہ مسلمان ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ کے ساتھ جہاد بھی کیا ان کی نسبت یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ باعتبار احکام کے مہاجرین اوّلین کی برادری میں منسلک ہیں۔ اور یہ لوگ اگرچہ ہجرت کے تقدم و تاخر کی وجہ سے مرتبہ میں ان سے کم ہیں مگر دینی نصرت اور حمایت کے اعتبار سے سب کا حکم ایک ہے۔ یہ تمام تفصیل تفسیر کبیر ص ۵۷۸ ج ۴ سے لی گئی ہے اہل علم اصل کی مراجعت کریں۔

بیان اقسام واحکام باعتبار ہجرت واسلام

بیان قسم اوّل وقسم دوم: تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور خدا اور رسول ﷺ کی محبت میں اپنے وطن اور خویش و اقارب سے ہجرت کی اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیا اور غزوات و سرایا میں اپنے کافر اعزاء اور اقارب سے اسلام کی خاطر مقابلہ

اور مقاتلہ کیا یہ گروہ سابقین اسلام اور مہاجرین اوّلین کے لقب سے ملقب ہے جو سب سے افضل اور اکمل ہے اور دوسرا گروہ انصار کا ہے جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا۔ اور جان و مال سے ان کی مدد کی یہ جماعت انصار کے لقب سے ملقب ہے۔ جن کا درجہ مہاجرین اوّلین کے بعد ہے۔ حق کی نصرت وحمایت آسان ہے مگر حق کے پیچھے ایسا دیوانہ ہو جانا کہ اہل وعیال اور خویش واقارب اور وطن عزیز کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے یہ بہت مشکل ہے یہ دونوں قسم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے والی اور وارث ہیں۔ یعنی مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور ان کے قریبی رشتہ دار جو کافر ہیں وہ ان کے وارث نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار ہجرت اور نصرت کی وجہ سے نصرت وحمایت میں اور باہمی وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

قسم سوم: اور مسلمانوں کی تیسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان تو لائے ولیکن دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی ان کی میراث میں تمہارا کوئی حق نہیں۔ یعنی اس گروہ کا مہاجرین سے میراث کا کوئی تعلق نہیں نہ یہ ان کے وارث اور نہ وہ ان کے وارث یہاں تک کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں جب وہ ہجرت کر آئیں گے تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ ولیکن یہ مسلمان جنہوں نے دارالحرب سے ہجرت نہیں کی اگرچہ توارث میں تمہارے شریک نہیں لیکن اس قسم کے مسلمان اگر کافروں کے مقابلہ میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے یعنی اگر ان مسلمانوں کی جنہوں نے ہجرت نہیں کی کافروں سے لڑائی اور مقابلہ ہو اور وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو کافروں کے مقابلہ میں تم پر ان کی مدد واجب ہے کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جن کے اور تمہارے درمیان صلح کا کوئی عہد اور پیمان ہو۔ یعنی جن سے عہد ہے ان سے عہد نہ توڑو ان کے ساتھ لڑائی کرنے سے عہد مانع ہے یعنی اگر دارالحرب کے مسلمان، آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو حتی المقدور ان کی مدد واجب ہے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہے ان کے مقابلہ میں تا بقاء عہد، دارالحرب سے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ایفاء عہد کرتے ہو یا عہد شکنی کرتے ہو حکم خداوندی کی مخالفت نہ کرو اور خوب سمجھ لو کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارا ان میں سے کوئی نہیں اور کفار باوجود باہمی اختلاف کے مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں سب ایک ہیں اس لیے نہ تم ان کے وارث ہو اور نہ وہ تمہارے وارث ہیں۔ اے مسلمانو! اگر تم ایسا نہیں کرو گے یعنی کافروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھو گے اور ان سے قطع تعلق نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کو دوست نہیں سمجھیں گے اور باہم مدد نہیں کریں گے تو مسلمانوں کے کام خراب ہو جائیں گے اور کافر غالب آ جائیں گے اور کفر کے غلبہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ تم کافروں سے الگ تھلگ رہو اور میراث کا قاعدہ اسلام کی بنیاد پر جاری رکھو۔ خدانخواستہ اگر تم کافروں کو اپنا دوست اور وارث بنانے لگے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی تیسری قسم کے احکام بیان کیے اب آئندہ آیات میں قسم اوّل اور قسم دوم کے مسلمانوں کی مدح اور فضیلت بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جو ایمان لائے اور پھر وطن چھوڑا اور خدا کی راہ میں اپنوں اور بیگانوں کو چھوڑا سب سے بڑے یہ مہاجرین اوّلین کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم اوّل تھی اور جن لوگوں نے خدا کے رسول اور اہل ایمان کو اور مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے ان کی مدد کی یہ انصار کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم دوم تھی یہ دونوں جماعتیں ہی سچے اور پکے ایماندار ہیں جن کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک اور شبہ نہیں۔ مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت اور جہاد سے ایمان کا حق

ادا کر دیا ان کے لیے آخرت میں مغفرت ہے۔ یعنی بطور دوام واستمرار ان کے لیے اللہ کی مغفرت ثابت ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوگئی یا ہو جائے تو وہ سب معاف ہے، اور جنت میں ان کے لیے بڑی عزت کی روزی ہے۔ یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مذہب کی صحت پر اور شیعہ مذہب کی غلطی پر گواہ ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالےٰ نے مہاجرین اور انصار کے صادق الایمان اور جنتی ہونیکی سند دے دی ہے اور یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

ذکر قسم چہارم:

اب آئندہ آیت میں مسلمانوں کی چوتھی قسم کا ذکر کرتے ہیں۔ اور جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ شامل ہو کر جہاد بھی کیا یعنی ایمان بھی لائے اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا مگر یہ سب کام بعد میں کیے سو یہ لوگ اگرچہ فضیلت اور مرتبہ میں تمہارے برابر نہیں۔ مگر تاہم ان کا شمار تمہارے ہی زمرہ میں سے ہے اور تمہارے ساتھ ملحق ہیں تم ان کے وارث اور وہ تمہارے وارث۔ وراثت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی وقت میں ایمان لائے ہوں اور ایک ہی وقت میں اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ایک ہی وقت میں دونوں نے ہجرت کی ہو۔

مرتبہ میں تو مہاجرین اوّلین ان بعد والوں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر یہ بعد والے ان کے گروہ اور زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ ملحق ہیں اور مرتبہ میں اگرچہ کم ہیں مگر احکام میراث میں برابر ہیں کیونکہ مرتبہ کے فرق سے احکام میراث میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ میراث کے لیے مرتبہ میں برابری کی شرط نہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رُو سے آپس میں بعض، بعض کی میراث کے بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار جو بعد میں مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے وہ قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حق دار ہے اگرچہ وہ غیر رشتہ دار فضیلت اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہو میراث کے حکم میں مہاجرین اوّلین اور مہاجرین متاخرین سب برابر ہیں۔ اس آیت سے وہ میراث جو بر بنائے ہجرت اور اخوت اسلامی تھی وہ منسوخ ہوئی اب میراث صرف قرابت پر ہے مگر ایمان اور اسلام بہر حال شرط ہے مسلمان اور کافر میں وراثت جاری نہیں ہوتی تحقیق اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون کس کا کس قدر حق دار ہے۔ اسی کے مطابق میراث کا حکم دیا جو سراسر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ حدیث میں ((ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصيّة لِوارث))۔ هذا آخر تفسير سورة الانفال ولِلّٰه الحمد والمنة.

الحمد للہ، آج بروز چہار شنبہ بوقت اشراق۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۸۷ ہجری کو سورۃ انفال کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

اے ربّ العالمین جو کچھ لکھا گیا وہ سب تیری ہی توفیق سے لکھا گیا اس کی قبولیت کی درخواست کرتا ہوں اور باقی قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل اور اس کی قبولیت کی بھی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ آمین یا ربّ العٰلمین ○

آیاتہا ۱۲۹ | ⑨ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ⑬ | رکوعاتہا ۱۶

سورۂ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

تفسیر سورۂ توبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

یہ بسم اللہ اس سورت کی تفسیر کے شروع اور آغاز کے لیے ہے نہ کہ سورۂ براءت کی تلاوت کے لیے۔ سورۂ توبہ بالاتفاق مدنی ہے۔ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس سورۃ میں ایک سو انتیس اور بقول بعض ایک سو تیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا بیشتر حصہ تو مدینہ میں نازل ہوا مگر آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ یہ آیتیں ابوطالب کے بارہ میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

اسماء سورت:

اس سورت کے بہت سے نام ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں براءت اور توبہ۔ براءت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ جل شانہٗ نے مشرکین سے اپنی اور اپنے رسول کی براءت اور بیزاری کا اظہار اور اعلان فرمایا ہے اور توبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے اس سورت میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر فرمایا ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس سورت میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ... فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ... ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ... فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ... عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ... لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ... اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ ... اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ﴾

ربط اور مناسبت:

① اس سورت کا گزشتہ سورت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال میں اکثر غزوۂ بدر اور کچھ غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورۃ میں کافروں سے عہد اور صلح کا ذکر تھا اور کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم ان کے حق میں جہاد و قتال ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنانِ اسلام سے براءت اور بیزاری تو بہر حال واجب اور لازم ہے۔ اس لیے اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔ آغاز سورت میں نقض عہد کرنیوالوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد و قتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت ہے۔ غرض یہ کہ دونوں سورتوں میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اس لیے دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

② نیز سورۂ انفال کے اخیر میں مومنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ کے شروع میں دشمنانِ اسلام سے تبری اور

بیزاری کے فرمان اور اعلان کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کی مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں مبادا کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بُو مسجد میں آجائے۔ مطلب یہ ہوا کہ سورۂ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں۔ اور اس سورۃ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار اور مشرکین سے بالکلیہ تعلق قطع کرلیں اور ان سے بری اور بیزار ہوجائیں۔ جب تک کفر اور کافرین سے تبری اور بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ غرض یہ کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۃ توبہ، سورۂ انفال کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

ترک تسمیہ در ابتداء سُورۂ براءت

اس سورت کے ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی علماء نے چند وجوہ بیان کی ہیں۔

① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سورۂ انفال مدینہ میں ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی اور سورۂ توبہ اَواخر ہجرت میں نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ پر ایک ہی زمانہ میں کئی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا۔ آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب وحی کو بلا کر یہ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور ان آیات (جن کو سورۂ توبہ یا سورۂ براءت کہا جاتا ہے) کے متعلق آپ ﷺ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں ان کو درج کیا جائے۔ اسی میں آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ ﷺ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ سورت مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء ہے اور سورۂ توبہ کا مضمون سورۂ انفال سے ملتا جلتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ گمان کیا کہ سورۂ توبہ گزشتہ سورت یعنی سورۂ انفال کا جزء ہے اس بناء پر ہم نے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے) اس سورت کو سورۂ انفال کے ساتھ متصل رکھ دیا اور بیچ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور توبہ اور انفال دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔ (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد وابوداؤد والترمذی وحسّنہ والحاکم وصححہ۔ تفسیر درمنثور ص ۲۰۲ ج ۳)

واخرج النحاس فی ناسخه عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كانت الانفال و براءة يدعيان فی زمن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم القرينتين فلذالك جعلتهما فی السبع الطوال. (تفسیر در منثور ص ۲۰۸ ج ۳)

"امام نحاس نے اپنی کتاب ناسخ والمنسوخ میں روایت کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں قرینتین (یعنی دو ساتھنیں) کہلاتی تھیں۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو ملا کر سبع طوال میں رکھ دیا۔"

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت کے متعلق حضرت ﷺ نے بیان نہیں فرمایا کہ جدا سورت ہے یا اور سورت میں کی آیتیں ہیں۔ سورۃ کا نشان تھا بسم اللہ وہ نازل نہ ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں۔ (موضح القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ سورۂ توبہ انفال کا ایک حصہ ہے یا مستقل سورت ہے اور دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ دونوں سورتیں دربارۂ قتال نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی تصریح نہیں

فرمائی کہ اس کو کس سورت میں درج کیا جائے تا کہ حقیقت حال واضح ہو جاتی اس لیے میں نے سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھا۔ اور بیچ میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی اور چونکہ اس سورت کا مضمون مستقل تھا۔ اس لیے اس کو انفال میں شامل بھی نہیں کیا بلکہ درمیان میں فاصلہ چھوڑ دیا تا کہ نہ پوری طرح استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ کی دو سو پانچ آیتیں ہیں اور اس طرح یہ دونوں مل کر سبع طوال میں سورۂ ہفتم شمار ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے اور بسم اللہ نہ لکھنے سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا فاصلہ تو ان لوگوں کی رعایت سے چھوڑا گیا جو انفال اور توبہ کو دو سورتیں کہتے ہیں اور بسم اللہ ان لوگوں کی رعایت سے نہیں لکھی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں۔ (دیکھو فتح الباری [1] ص ۲۳۵ ج ۸ سورۂ براءت)

② مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لیے ہے اور اس سورت میں کافروں پر تلوار چلانے کا حکم ہے اس لیے بسم اللہ نہیں لکھی گئی تا کہ قہرِ الٰہی اور غضبِ خداوندی کے آثار ظاہر ہوں۔ (درمنثور)

مگر یہ وجہ دراصل ترک بسم اللہ کی علت نہیں بلکہ ترک بسم اللہ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

③ امام قشیری [2] فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ اس سورۃ کے شروع میں اس لیے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امین علیہ السلام اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جُدا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی۔ مگر سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادتی نہ کی۔

اور یہی قول راجح اور مختار ہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ اور سورتوں کی طرح اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم دیتے مگر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام آیات اور سُوَر کی ترتیب توقیفی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فلاں سورت، فلاں سورت کے بعد ہے اس لیے یہ مستبعد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ نہ بتلایا ہو کہ سورۂ توبہ، سورۂ انفال کے بعد ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سب منجانب اللہ اور منجانب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں کسی کی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خداوندی کی بنا پر سورۂ توبہ کا سورۂ انفال کے بعد لکھنے کا حکم دیا اور سورۂ توبہ کے

---

[1] وقیل لانهم لما جمعوا القرآن شکوا هل هی والانفال واحدة او اثنتان ففصلوا بینهما بسطر لا کتابة فیه ولم یکتبوا فیه البسملة روی ذالك ابن عباس عن عثمان رضی الله عنهم وهو المعتمد اخرجه احمد والحاکم وبعض اصحاب السنن۔ (فتح الباری ص ۲۳۵ ج ۸۔ سورہ براءت)

[2] قشیری گفتہ است کہ صحیح آنست کہ جبریل علیہ السلام تسمیہ نیاوردہ پس ہمچناں نوشتند وزیادتی نکردند تیسیر القاری شرح صحیح البخاری للشیخ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

شروع میں بسم اللہ کا نہ لکھوانا یہ بھی وحی خداوندی تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کا اتباع کیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر * ص ۵۸۱ ج ۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس ترتیب سے قرآنِ کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم و کاست اُمت تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا۔ (اتقان)

ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی الی آخرہ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے وقوع میں آئی۔

جواب آیات قرآن کی ترتیب بالاجماع توقیفی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ ترتیب سُور میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ صرف سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے مگر جمہور علماء اُمت اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔ اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے آیتوں کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں قائم ہوگئی تھی۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دَور کیا کرتے تھے جس میں ترتیب ہوتی تھی اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس سال دو بار دَور کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآنِ کریم کو حفظ کیا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ اسی طرح قرآن کو یاد رکھا اور جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ امت کو پہنچا دیا۔ نہ ذرہ برابر اس میں کوئی تقدیم و تاخیر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی ترتیب قائم کی۔

امام ابوبکر انباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو جبریل امین علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورت اور آیت کے محل اور موقع سے واقف کرا دیتے۔ پس سورتوں کا باہمی اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حروف کا اور سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت سے نقل کیا ہے پس جس نے کسی سورت کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس نے نظم قرآنی کو فاسد اور مختل کیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۶۰ ج ۱)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب

---

* قال القاضی یبعد ان یقال انه علیه السلام لم یبین کون هذه السورة تالیة لسورة الانفال لان القرآن مرتب من قبل الله تعالیٰ من قبل رسوله صلی الله علیه وسلم علی الوجه الّذی نقل ولو جوزنا فی بعض السور ان لا یکون ترتیبها من الله علی سبیل الوحی لجوزنا مثله فی سائر السور و آیات السورة الواحدة و تجویزه یطرق ما یقوله الامامیة من تجویز الزیادة و النقصان فی القرآن و ذٰلك یخرجه من کونه حجة بل الصحیح انه علیه السلام امر برضع هٰذه السورة بعد سورة الانفال وحیًا و انه علیه السلام حذف بسم الله الرّحمٰن الرّحیم من اوّل هذه السورة وحیا۔

(تفسیر کبیر ص ۵۸۱ ج ۴)

توقیفی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی۔ اور اسی طرح سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے بھی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۂ انفال اور سورۂ توبہ) آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں قرینتین کے نام سے پکاری جاتی تھیں جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقتران اور اتصال عہد نبوت میں معروف و مشہور اور زبان زدِ خلائق تھا۔ مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جُدا کرنے کے لیے بسم اللہ نازل ہوتی۔ بسم اللہ کا نازل ہونا یہ سورت کا نشان تھا۔ پس جب کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ تردّد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء اور اس کا تتمہ ہے۔ سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ تردّد اور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے متعلق نہیں تھا بلکہ مسئلہ جزئیت سے متعلق ہے کہ سورۂ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے یا نہیں باقی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ تھا۔ لہٰذا سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھنا توقیفی بھی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق سے بلا کسی خلاف کے عمل میں آیا۔ اور علیٰ ہذا درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا یہ بھی امر توقیفی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امین علیہ السلام اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت کو بلا بسم اللہ کے لکھا اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلا دیں مگر سورۂ انفال اور توبہ کی ترتیب نہ بتلائیں سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ جس میں سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا دَور بھی شامل ہے اور دَور کے لیے ترتیب لازم ہے معلوم ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور درمیان میں بسم اللہ کا نہ لکھنا یہ بھی توقیفی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ درحقیقت ان دو سورتوں کے باہمی اتصال اور درمیان میں فصل چھوڑ دینے کی ایک حکمت اور نکتہ کا بیان ہے اصل علت توقیف نبوی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو سورہ انفال اور سورہ توبہ کے متعلق سوال کیا۔ سو وہ قرآنِ کریم کے جمع و ترتیب کے ایک عرصہ بعد کیا۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اطمینان کے لیے ان دونوں سورتوں کے اقتران اور اتصال کی ایک حکمت بیان کر دی۔ عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا قرینتین کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دو سورتوں کا باہمی اتصال اور اقتران سب حضور پُرنور ﷺ کے حکم سے تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں معروف اور مشہور تھا۔ اسی لیے ترتیب قرآن کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہوا۔

شانِ نزول:

یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کر رکھے تھے۔ مشرکین کا گمان اور خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے یہ

سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ﴾ (الانفال:۵۸) تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بارہ میں اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۸۳ ج ۴ و تفسیر ابی حیان ص ۵ ج ۵ و تفسیر مظہری ص ۱۳۳ ج ۴)

اور حکم ہوا کہ: ① جن لوگوں کا آنحضرت ﷺ سے کوئی عہد موقت اور میعادی ہو اور وہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو ان کے عہد کی مدت پوری کر دی جائے خواہ کتنی ہی مدت ہو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾ اور

② جن لوگوں نے نقض عہد کیا ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا جائے اور چار مہینے کی ان کو مہلت دے دی جائے کہ اس مدت میں جہاں چاہیں پھریں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد جہاں پائے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔ اب راستے دو ہی ہیں یا تو اسلام لے آئیں یا قتل پر تیار ہو جائیں اور خوب سمجھ لیں کہ تمہاری جنگی تیاری اور تدبیر تم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔ اور

③ جن لوگوں سے آپ ﷺ کا کوئی عہد ہی نہ تھا یا عہد مطلق تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی ان کو بھی یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب ہم آئندہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا اور رکھنا نہیں چاہتے۔ کفر سے صلح اور عہد کا وقت ختم ہوا سب کی بدعہدی کا تجربہ ہو گیا۔ اس لیے ازراہِ رحم و کرم تم کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اسلام قبول کر لو تو تمہاری سعادت ہے ورنہ یا تو مرکز اسلام کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کر دو ورنہ جہاں پائے جاؤ گے پکڑے جاؤ گے اور کوئی تدبیر تم کو خدا کی مشیت سے نہیں روک سکتی۔ من جانب اللہ ان سب کو چار مہینہ کی مہلت دے دی گئی کہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہیں اسلام قبول کر لیں یا مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہوں اور اس وسیع مدت میں اپنی نجات کا جو چاہیں بندوبست کر لیں۔ یہ چار مہینہ کی مہلت کافی مہلت ہے اور انتہائی شفقت ہے کل کو یہ نہ کہیں کہ ہم کو اچانک پکڑ لیا گیا اور مسلمانوں پر غدر اور عہد شکنی کی تہمت نہ لگائیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ پوری مہلت کے بعد تم کو پکڑا گیا۔ دشمن کو چار مہینہ کی کھلی چھٹی دے دینا یہ اسلام کی انتہائی مرحمت سخاوت اور مروت ہے۔ دنیا کی کوئی متمدن اور رحم دل حکومت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ سورہ براءت کی ان آیات میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آں حضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مقام حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ بعد بنو بکر نے خلاف معاہدہ بنو خزاعہ پر شبخون مارا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح عہد شکنی کی ابتداء ان لوگوں کی طرف سے ہوئی خزاعہ نے اس ظالمانہ عہد شکنی کی آنحضرت ﷺ کو اطلاع کر دی کچھ عرصہ بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں بلا اطلاعِ قریش ۸ ھ میں مکہ پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو فتح کر لیا۔ اس وقت قریش کے بہت سے قبائل تھے جو ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے تو بعض تو وہ تھے جن سے آپ ﷺ کا کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور بعض سے مطلق عہد تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی اور بعض سے عہد موقت تھا جس کی مدت مقرر تھی پھر ان میں سے بعض

نے عہد شکنی کی اور بعض اپنے عہد پر قائم رہے۔ سو اس سورت کے شروع میں ان جماعتوں کے احکام کا بیان ہے فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف فتح ہوئے پھر ۹ ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا جب آپ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور زمانہ حج کا تھا اور آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اپنی عادت کے مطابق برہنہ طواف کریں گے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا سالار بنا کر بھیج دیا تھوڑی دُور گئے ہوں گے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ تم یہ آیت براءت لے کر جاؤ اور موسم حج میں ان کا اعلان کر دو۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے راستہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا مامور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہو کر آیا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز و قریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خاندانی عزیز و قریب نہ تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی صرف سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر کافروں کو سنا دیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا۔ یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے۔ وہاں یہ اعلان کیا گیا تا کہ قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب جو صلح حدیبیہ کے وقت موجود تھے وہ سب سُن لیں کہ اب کفار و مشرکین سے کوئی صلح اور عہد نہیں رہا۔ سابق میں جو عہد و پیمان تھے وہ سب ختم ہوئے۔ اب تمام کافروں کو صرف چار مہینہ کی مہلت ہے۔ چار ماہ گزرنے کے بعد دو ہی راہیں ہیں یا اسلام لے آئیں یا قتل کے لیے تیار ہو جائیں یا جزیرۃ العرب سے باہر نکل جائیں تا کہ اسلام کا قلب اور مرکز کفر اور شرک سے پاک ہو جائے۔ غرض یہ کہ اس اعلان براءت سے مقصود یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے اور مرکز اسلام میں کفر و شرک کی نجاست باقی نہ رہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کا ذکر ہے جو وہ بھی حکم میں غزوات کے ہیں سب سے پہلے اعلان براءت کا ذکر ہے یہ آیتیں غزوۂ تبوک کے بعد شوال ۹ ھ میں نازل ہوئیں۔ بعد ازاں کچھ آیتیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ان میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ جیسے ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں کافروں کی اس عہد شکنی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کی تھی اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوگا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں دیگر قبائل عرب اور یہود کی عہد شکنیوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوۂ احزاب میں ان کی طرف سے ظہور میں آئیں اور جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اس لیے آنحضرت ﷺ کا سوائے قبیلہ قریش کے دوسرے قبائل عرب سے بھی معاہدہ تھا جن میں بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا سو اس سورت کی یہ آیتیں علاوہ قبیلہ قریش کے دیگر قبائل عرب سے متعلق ہیں اس صورت میں ان آیات کا نزول

فتح مکہ کے بعد ہوگا اور اگر ظاہر نظم اور تبادر لفظی کے اعتبار سے یہ کہا جائے کہ ان آیات میں دار الندوہ ہی کے واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مقصود اُن کی جنایات قدیمہ اور عداوت پارینہ کی تذکیر اور یاددہانی ہو تو اس اعتبار سے اگر ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد بھی مانا جائے تب بھی درست ہے۔ اس لیے اس سے مقصود محض تذکیر اور یاددہانی ہے تا کہ ان کی عداوت پارینہ کا استحضار ہو جائے اور مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ان کی اس عداوت کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

بعد ازاں آیات متعلقہ بہ غزوۂ حنین ہیں ان کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا پھر جو آیتیں غزوۂ تبوک کی ترغیب کے بارے میں ہیں وہ غزوۂ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں اور جو آیتیں غزوۂ تبوک سے تخلف کی ملامت اور عتاب میں ہیں ان کا نزول غزوۂ تبوک کے بعد ہوا اور بعض آیات اثناء غزوۂ تبوک نازل ہوئیں اور بعض روایات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ پوری بعد تبوک نازل ہوئی۔ سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا کیونکہ اس سورت کا بہت سا حصہ ان منافقین کے پردہ دری کے بارہ میں ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک سے غیر حاضری کے متعلق جھوٹے عذر تراشے تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت ابتداء میں بہت بڑی تھی جس میں منافقین کے احوال نفاق کا تفصیل سے بیان تھا مگر اب بقدر رُبُع رہ گئی اور باقی منسوخ التلاوت ہو گئی۔ پس ممکن ہے کہ وہ تین ربع دفعتاً نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱

جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے ان مشرکوں کو جن سے تم کو عہد تھا

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي

سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے

اللّٰهِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ

اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرتا ہے منکروں کو اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے

اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ

لوگوں کو دن بڑے حج کے کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے

وَ رَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا

اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تم کو بھلا ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ③

کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری دے منکروں کو دکھ والی مار کی

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّ

مگر جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا پھر کچھ قصور نہ کیا تمہارے

لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ

ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلے میں کسی کو سو ان سے پورا پہنچاؤ عہد ان کے وعدہ تک

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا

اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے پھر جب گزر جاویں مہینے پناہ کے تو مارو

الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا

مشرکوں کو جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو

لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا

ہر جگہ ان کی تاک پر پھر اگر وہ توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑو

سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

ان کی راہ اللہ ہے بخشتا مہربان اور اگر کوئی مشرک

اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ

تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے جب تک وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اس کو جہاں وہ نڈر ہو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥ ع

یہ اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

ع ۱ ۶ ۷

اعلانِ براءت

یعنی مشرکین عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلانِ عام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ . . . الٰی . . . ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

قبائل عرب اور یہود مدینہ کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ مشرکین عرب کے عہدوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان کردیں۔ مسلمانوں کا کافروں کے معاہدات کے بھروسہ پر زندہ رہنا ناممکن ہے چار مہینہ کی مہلت دے کر ان کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دیا جائے تاکہ جزیرۃ العرب خالص مسلمانوں کے لیے ہوجائے اور اسلام کے قلب اور مرکز میں کوئی اسلام کا دشمن باقی نہ رہے۔ نیز سال آئندہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے یہ پسند نہ کیا کہ موسم حج میں کفار کے ساتھ آپ ﷺ کا اختلاط یا اجتماع ہو اس لیے اعلان کرادیا گیا کہ سال آئندہ کوئی کافر اور مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ قطع تعلق اور بیزاری ہے خدا کی طرف سے اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے کوئی عہد کیا تھا مگر یہ مشرک اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور بار بار نقض عہد کیا۔ پس اعلان کردو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد نہیں رہا اور یہ بھی اعلان کردو کہ اے مشرکو تم چار مہینے اس ملک میں امن وامان کے ساتھ چل پھر لو یعنی تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ تک جہاں چاہو پھرو اس مدت میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا تم کو اجازت ہے کہ اس مدت میں اپنے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ ڈھونڈ لو اس مہلت کی ابتداء حج اکبر کے دن یعنی عید کے دن سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الاوّل پر ہوگا اور خوب جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کرسکتے زمین کے جس گوشہ اور خطہ میں چلے جاؤ خدا کے قبضہ قدرت سے نہیں نکل سکتے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا ہی میں رسوا کرنے والا ہے بظاہر آیت میں دنیا کی رسوائی مراد ہے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الزمر)

وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِيْ قَوْمِ عَادٍ : ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدہ)

ان آیات میں دنیاوی ذلت اور رسوائی کی تصریح ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کافروں کو باوجود کثرت کے دنیا میں ذلیل اور خوار کرے اور مسلمانوں کو باوجود قلت اور کمزوری کے مظفر ومنصور بنائے۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ﴿ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل وخوار کرنے والا ہے۔ یہ مسلمانوں کی فتح ونصرت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمان ضرور فتحیاب اور کامران ہوں گے اور ان کے دشمن مغلوب اور ذلیل اور خوار ہوں گے۔ (تفسیر کبیر ص ۵۸۵ ج ۴)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن یعنی بقرعید کے دن یہ اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے

بَری اور بیزار ہے یعنی اب اللہ اور اس کا رسول تمہاری عصمت اور حفاظت کا ذمہ دار نہیں حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس دن حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طوافِ زیارت کر کے محرم حلال ہو جاتا ہے۔ حج اکبر شریعت میں ہر حج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے۔ عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حجِ اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں سوائے مشرکو! اگر تم کفر اور شرک اور بے وفائی سے توبہ کر لو تو وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے منہ موڑو تو جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے اور تمہاری قوت و طاقت تم کو خدا کے قہر سے بچا نہیں سکتی نہ تم کہیں بھاگ سکتے ہو اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہو یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت میں کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجیے عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا نمک بر جراحت پاشیدن کا مضمون ہے مگر وہ مشرکین اور اس براءت اور بیزاری اور قطع تعلق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد باندھا پھر انہوں نے ایفاء عہد میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں کی یعنی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی سو ان لوگوں کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اور اللہ سے ڈرو اور نقض عہد نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیز گاروں کو اور تقویٰ میں عہد کو پورا کرنا بھی داخل ہے۔ یہ حکم قبیلہ کنانہ کی شاخ بنو ضمرہ سے متعلق ہے ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا اور ان کے عہد کی میعاد کے نو مہینے باقی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو کیونکہ جب انہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا تو تم کیوں توڑو تم ایفاء عہد کے ان سے زیادہ سزاوار ہو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور غادِر اور غیر غادر کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا خلاف تقویٰ ہے۔ سُدی سے منقول ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کسی سے عہد نہیں کیا۔ پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ حرمت والے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی تھی ان کو حرمت والے مہینے اس لیے کہا گیا کہ جب کفار کو یہ مہلت دے دی گئی تو ان کی جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو گیا۔ اور جہاں پاؤ وہاں قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ حِل اور حرم میں جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو ان کے لیے ہر زمان اور مکان یکساں ہے نہ کوئی مکان ان کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی وقت اور زمان ان کو بچا سکتا ہے اور ان کو پکڑو اور ان کو قید کرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ یعنی ان کی راہیں بند کر دو تا کہ شہروں اور بستیوں میں نہ پھیلیں سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت کو آیتُ السَّیف کہتے ہیں جس میں کافروں کے قتال عام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آیت اس سے قبل ہر عہد کے لیے ناسخ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی مشرک سے کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا۔ پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر لیں جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برانگیختہ کر رکھا ہے اور کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائرِ اسلام بجا لائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہیں چلیں پھریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور اے نبی ﷺ اگر ان مشرکین سے جن سے تعرض کرنا چاہیے انہیں سے اگر کوئی ماہ حرام گزر جانے کے بعد آپ ﷺ سے اللہ کا کلام سننے کے لیے اور اسلام کو سمجھنے کے لیے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیجیے یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سُن لے اور دین اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے پھر وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو اس کے امن کی جگہ یعنی اس کی قوم اور قبیلہ میں پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو یہ رعایت ان کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین سے اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں اس لیے ان کو یہ مہلت دی گئی۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ

کیونکر ہووے مشرکوں کو عہد اللہ پاس اور اس کے رسول پاس؟ مگر جن سے

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا

تم نے عہد کیا مسجد الحرام پاس۔ سو جب تک تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے

لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا

رہو اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے۔ کیونکر صلح رہے اور اگر وہ تم پر ہاتھ پاویں نہ

يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى

لحاظ کریں تمہاری خویشی کا نہ عہد کا، تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور

قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ ۚ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

ان کے دل نہیں مانتے اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ بیچے انہوں نے حکم اللہ کے تھوڑی قیمت پر،

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ

پھر اٹکے اس کی راہ سے وہ لوگ، بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔ نہ لحاظ

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا

کریں کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا، نہ عہد کا اور وہی ہیں زیادتی پر۔ سو اگر توبہ کریں

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ

اور کھڑی رکھیں نماز، اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شرع میں، اور ہم کھولتے ہیں پتے ایک

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ

جاننے والے لوگوں کو اور اگر توڑیں اپنی قسمیں عہد کیے پیچھے، اور

طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ

عیب دیویں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے ان کی قسمیں کچھ نہیں

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

شاید وہ باز آئیں۔

اعلانِ براءت کی علت اور حکمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ ... الٰى ... لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی براءت کا اعلان فرمایا۔ اب یہاں سے ان کے عہد کے تمام اور ختم کر دینے کی علت اور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا عہد اور ان کی صلح قابل اعتبار نہیں صلح کے وقت ہی ان کے دل میں دغا ہوتی ہے جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے اور ان کی بار بار عہد شکنیوں کے تجربہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ لوگ وفا کرنے کے لیے عہد نہیں کرتے بلکہ توڑنے کے لیے کرتے ہیں کہ اس وقت عہد کر کے مہلت حاصل کر لیں پھر موقع پا کر عہد کو توڑیں۔ جن لوگوں نے اب تک عہد نہیں توڑا نیت ان کی بھی یہی ہے کہ جب موقع ملے گا تو ہم ضرور عہد توڑ ڈالیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عہدوں کو ختم کر دیا اور چار مہینہ کی ان کو مہلت دے دی کہ اس مدت میں دل کا حوصلہ نکال لیں اور پہلے ہی سے براءت کا اعلان کر دیا تا کہ مسلمانوں کے متعلق کسی بدعہدی اور دھوکہ کا شبہ ہی نہ رہے اور یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی بدعہدی اور دغابازی کارگر نہیں ہوتی۔ ان آیات کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ آیتیں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں یا فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ فتح مکہ کے بعد قریش اور خزاعہ وغیرہ میں کوئی کافر ہی باقی نہ رہا تھا جس سے آنحضرت ﷺ کا کوئی عہد ہوتا اور جن کی نسبت یہ حکم ہوتا کہ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ "جب تک یہ لوگ تمہارے لیے سیدھے رہیں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی سیدھے رہو۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں سردارانِ قریش کے بارہ میں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں۔ اس لیے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان آیات میں ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے رؤسائے یہود مراد ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا اور انہی لوگوں نے جنگِ احزاب میں قریش مکہ اور ابوسفیان کی مدد کی تھی۔ جیسا کہ حق جل شانہٗ نے سُورۂ منافقون میں یہود کا یہ قول نقل کیا ہے: ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ (المنافقون:۸) اور اس آیت میں لفظ ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آیت میں ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے رؤسائے یہود مراد ہوں کیونکہ آیات خداوندی کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر دینا یہ یہود کی خاص صفت ہے۔

(دیکھو تفسیر نیسابوری مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر ص ۴۵ ج ۱۰ و تفسیر مظہری ص ۱۴۴ ج ۴)

چنانچہ فرماتے ہیں مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے قائم رہ سکتا ہے جن کی بدعہدی کا تم تجربہ کر چکے ہو اور خدا اور رسول کے ساتھ ان کی دشمنی کا تم مشاہدہ کر چکے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب مشرکین خود اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے اور بار بار عہد شکنی اور غدر کرتے رہتے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے پاس ان کے لیے عہد اور امان کیونکر ہو سکتا ہے جب خود انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ اور اس کا رسول ان کے عہد کیوں قائم رکھے ایسوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان عین مصلحت ہے۔ مگر وہ لوگ جن سے اے مسلمانو!

تم نے مسجد حرام کے پاس عہد باندھا تھا پس جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور کوئی عہد شکنی ان سے ظہور میں نہ آئے تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو کیونکہ تم متقی اور پرہیز گار ہو اور وفاء عہد کے زیادہ حق دار ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیز گاروں کو جو اپنے عہد اور پیمان پر قائم رہتے ہیں۔ اور خدا کا خوف ان کو عہد شکنی سے مانع ہوتا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں المشرکین سے ناقضین عہد مراد ہیں اس لیے کہ ان کو ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مشرکین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے عہد کو توڑا اور براءت کا اصل نزول انہیں کے بارہ میں ہوا اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں اوّل روز سے ان کی نیت غدر اور بدعہدی کی ہے ان سے کوئی طمع اور اُمید وفاء کی نہ رکھو جس نے خود اپنے عہد کو پورا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ان سے اپنا عہد پورا کرے۔ اس لیے ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا اور اپنے معاملات اور تعلقات کو ان سے ختم کر دیا مگر ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جن سے ابھی تک کوئی عہد شکنی ظہور میں نہیں آئی اور فرما دیا کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد پر مستقیم رہیں تم بھی اپنے قول وقرار پر مستقیم رہو۔ پھر آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے ہیں کہ ایسے غداروں سے نباہ کیسے ممکن ہے ایسوں سے کیونکر صلح قائم رہ سکتی ہے جن کے دل کی حالت یہ ہے کہ وہ اگر کسی وقت تم پر غالب آئیں تو تمہارے حق میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد و پیمان کا پاس کریں گے اور موقع ملنے پر ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب اپنے کو کمزور پاتے ہیں تو تم سے بظاہر صلح کرتے ہیں اور زبانی باتوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے انکاری ہوتے ہیں یعنی زبان سے عہد کرتے ہیں اور دل میں دغا رکھتے ہیں اور ان میں کے اکثر بدکار ہیں کہ کسی قول وقرار پر قائم نہیں رہتے نیز ان بدکاروں کا ایک حال یہ ہے کہ انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں تھوڑا سا مول لینا قبول کیا یعنی دنیاوی طمع کی بنا پر آیات الٰہیہ کو چھوڑ دیا اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی۔ پھر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا بیشک بہت ہی بُرے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سرداران قریش کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے دنیاوی طمع کی بنا پر آیات قرآنیہ سے اعراض کیا اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر کے لوگوں کو دین اسلام کی متابعت سے روکا۔ اب آئندہ آیت میں کفار کی مزید غداری اور بدکاری کو بیان فرماتے ہیں۔ گزشتہ آیت میں یہ کہا تھا کہ ﴿لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ یہ لوگ تمہارے بارہ میں کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری کوئی تخصیص نہیں ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے بارہ میں بھی کسی قسم کی قرابت یا قسم اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اور ایسے ہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں جن کی شرارت اور زیادتی کی کوئی حد نہیں سو ایسوں کے عہد و پیمان پر کیا اعتماد اور اطمینان کیا جائے پھر اگر وہ اپنے شرک سے اور نقض عہد سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اسلام لانے سے ان کے حقوق تمہارے برابر ہو جائیں گے اور ہم اپنے احکام کو اہلِ علم اور اہل فہم کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس آیت سے نماز اور زکوٰۃ کی سخت تاکید ظاہر ہو رہی ہے صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر کفر و شرک سے توبہ کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے بھائی ہیں معلوم ہوا کہ اگر شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر احکام اسلام کا التزام نہ کرے مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو فریضہ خداوندی نہ سمجھے تو وہ مسلمانوں کا بھائی نہیں

اسی لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا۔ یعنی اللہ نے نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کو فرض کیا ہے۔ پس جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ اِسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ میں اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول دونوں ہی کا حکم دیا ہے اسی طرح ﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ میں نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کی بجا آوری کو فرض قرار دیا ہے۔ پس جس طرح اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول میں تفریق کفر ہے اسی طرح نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی تفریق کفر اور ارتداد ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۱ ج ۸)

البتہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کو فرض سمجھے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اس کوتاہی پر اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھے تو ایسا شخص کافر اور مرتد نہیں بلکہ ایک گنہگار مسلمان ہے اور اگر یہ مشرک عہد کر لینے کے بعد اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں یعنی احکام شریعت پر نکتہ چینی اور طعنہ زنی کریں اور اس کی تحقیر کریں۔ پس خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے لوگ کفر کے پیشوا ہیں۔ لہٰذا تم ان پیشوایانِ کفر سے خوب جہاد و قتال کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ اپنی ان شرارتوں سے باز آجائیں۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دین اسلام پر طعن کرنا اور احکام شریعت میں عیب نکالنا صریح کفر ہے اور ایسے شخص کا قتل کرنا بالاجماع واجب ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۸)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ سے سردارانِ قریش جیسے ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہ مراد ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے توڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور اس درمیان میں ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہم اسلام لے آئے اور یہ احکام مذکورہ تاریخ اعلان سے چار ماہ کے بعد ثابت اور جاری ہوں گے یعنی ۹ ھ کی ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ سے شروع ہو کر دس ربیع الاوّل تک کی مدت گزرنے کے بعد جاری ہوں گے۔ پس جو لوگ اس آیت کے نزول سے ایک سال قبل مشرف باسلام ہو چکے وہ ان آیات کا مصداق اور ان احکام کا مخاطب * کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور جو واقعہ پہلے گزر چکا ہے اس کے متعلق یہ کہنا ﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ﴾ کیسے ہو سکتا ہے اس لیے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ صرف ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے اور باقی آیات غزوۂ تبوک اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... الآية ﴾ یہ آیت فتح مکہ کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور ﴿ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ﴾ سے سردارانِ قریش مراد ہیں۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آئندہ آیت یعنی ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ ... الخ ﴾ میں ﴿ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ سے قتال کے جو پانچ فوائد ذکر کیے ہیں وہ فتح مکہ کے مناسب ہیں کیونکہ یہ تمام امور فتح کے وقت ظاہر ہوئے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۹۶ ج ۴)

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت نکثِ عہد کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے فتح مکہ کے لیے جہاد و قتال کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿ اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ﴾ سے رؤسائے یہود مراد ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کی اور

---

* قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ائمة الكفر زعماء قريش قال القرطبي هو بعيد لان الآية في سورة براءة وحين نزلت كان الله قد استاصل شأفة قريش ولم يبق منهم الا مسلم او مسالم. كذا في البحر المحيط ص ۱۴ ج ۵ و تفسير القرطبي ص ۸۴ ج ۸.

آپ ﷺ کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور منافقوں کی امداد سے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور بار بار آپ ﷺ کے قتل کے مشورے کیے اس لیے سورۂ براءت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ آیت میں ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے رؤسائے یہود مراد لیے جائیں یہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۹۶ وج ۴ زاد المیر ص ۴۰۵ ج ۳ لِا بن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد بہت سی قومیں مسلمان ہوگئیں، اور بہتوں نے آنحضرت ﷺ سے عہد و پیمان کرلیا کہ ہم آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور بوقت ضرورت آپ ﷺ کی مدد بھی کریں گے جب ہجرت کے نویں سال آپ ﷺ شام کی طرف غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوگئے تو پیچھے بہت سی قوموں نے بدعہدی کی اور منافقین نے بہت سی افواہیں اڑائیں۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد یہ سورت نازل ہوئی جس میں ان بدعہدوں اور عہد شکنوں کی اور غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کی اور غلط خبریں اُڑانے والوں کی خوب سرزنش کی گئی۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول سردارانِ قریش کے بارہ میں ماننا راوی کا وہم معلوم ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب کے بارہ میں مانا جائے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ سے اخراج کے درپے تھے۔ جیسا کہ یہود جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ عذر کیا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کی اور مدینہ سے آپ ﷺ کو نکالنے کی سازشیں کیں۔ یہود بے بہبود دن رات اسی کوشش میں تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ سے نکل جائیں۔ (دیکھو احکام القران للامام الجصاص ص ۸۶ ج ۳)

اور شیخ سلیمان جمل اور علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہما نے حاشیہ جلالین میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور ان احکام کے مخاطب علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب ہیں۔ اس لیے کہ قریش نے جو عہد شکنی کی تھی اس کا معاملہ فتح مکہ سے ختم ہوگیا تھا۔ لہٰذا ایک ختم شدہ معاہدہ کے متعلق یہ کہنا کہ اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم ان سے قتال کرنا وغیرہ وغیرہ بالکل بے معنی ہے۔

(دیکھو حاشیہ صاوی ص ۱۲۰۸ ج ۲ وحاشیہ سلیمان جمل ص ۳۱۶ ج ۲)

قول راجح:

اور صحیح اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے پیشوایانِ کفر مراد ہیں اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ بلاتعیین تمام آئمہ کفر اور بلاتخصیص تمام پیشوایانِ کفر اور ناقضینِ عہد سے جہاد و قتال واجب ہے۔ (دیکھو البحر المحیط * ص ۱۴ ج ۵)

---

* قال ابن عطية اصوب ما فی هٰذا ان يقال انه لا يعنی بها معين وانما وقع الامن بقتل ائمة الناكثين العهود من الكفرة الى يوم القيامة دون تعيين واقتضت حال كفار العرب و محاربی رسول الله ﷺ ان يكون الاشارة اليهم اولا بقوله ائمة الكفر و هم حصلوا حينئذٍ تحت اللفظة اذ الذی يتولى قتال النبی ﷺ والدفع فی صدر شريعته هو امام كل من يكفر بذالك الشرع الى يوم القيامة ثم يأتی فی كل جيل من الكفار ائمة خاصة بجيل جيل انتهى. كذا فی البحر المحيط ص ۱۴ ج ۵ اور شیخ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں: "وصحیح آنست کہ مراد عام است شامل ہیں ہا وغیر اینہا یعنی ہمہ اہلِ کفر۔" (تیسیر القاری ص ۳۵۸ ج ۴)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَ

کیوں نہ لڑو ایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں، اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور

هُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ

انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے۔ کیا اُن سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ کا ڈر چاہیے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ

تم کو زیادہ اگر ایمان رکھتے ہو۔ لڑو اُن سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور

يُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ لا

رسوا کرے اور تم کو اُن پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل کِتے مسلمان لوگوں کے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور نکالے اُن کے دل کی جلن اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ سب جانتا ہے

حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

حکمت والا۔ کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے تم میں سے جو لوگ لڑے ہیں

مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ

اور انہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو

وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع ۲ ۱۰ ۸

بھیدی۔ اور اللہ کو سب خبر ہے تمہارے کام کی۔

ترغیب قتال از ناقضینِ عہد ووعدۂ فتح ونصرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... اِلٰى ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯﴾

ربط: گزشتہ آیت میں ائمۃ الکفر سے قتال کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں مسلمان کو ناقضین عہد سے جہاد وقتال کی ترغیب دی جاتی ہے اور جہاد اور قتال کے فوائد کو بیان فرماتے ہیں جس میں ضمناً فتح اور نصرت کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ سب سے اوّل عجیب فائدہ یہ ہے

کہ امم سابقہ پر کفر اور تکذیب کی بناء پر اللہ نے جو عذاب نازل کیا وہ براہ راست خود نازل کیا کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا وغیرہ وغیرہ۔ اب اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور عداوت پر امم سابقہ کی طرح کوئی آسمانی عذاب نازل نہ ہو کہ دفعتاً پوری قوم کا خاتمہ ہو جائے بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ بجائے بلاواسطہ عذاب نازل کرنے کے اپنے مخلص اور وفاداروں کے واسطہ سے اس کو سزا دلوائے یعنی دوستوں کے ہاتھوں سے دشمنوں کو قتل کرائے یا قید کرائے۔ اور دوم یہ کہ کھلم کھلا مجرمین اور مکذبین کو رسوا اور خوار کرے۔ اور سوم یہ کہ دوستوں کو دشمنوں پر فتحیاب اور غالب اور مظفر و منصور کرے۔ اور چہارم یہ کہ خدا کے وفاداروں اور جاں نثاروں کے دل ٹھنڈے ہوں۔ اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دل کا غیظ و غضب دُور ہو۔ اور ششم یہ کہ علی الاعلان حق کا غلبہ اور نصرت لوگوں پر نمایاں ہو جسے دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق کے مقابلہ کا یہ انجام ہوتا ہے اور جانیں کہ ابھی موقع ہے کہ حق کو قبول کر لیں اور اپنی شرارت سے تائب ہو جائیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور آسمانی عذاب نازل ہونے کے بعد سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع باقی نہیں رہتا۔ اور ہفتم یہ کہ مؤمنین مخلصین کا امتحان ہو جائے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ ... الاٰية﴾ اس آیت میں اسی حکمتِ امتحان کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (اے مسلمانو!) کیا تم ان لوگوں سے جہاد و قتال اور جنگ و جدال نہ کرو گے جن سے جہاد و قتال کے اسباب اور دواعی بکثرت موجود ہیں۔ اوّل تو یہ کہ ان لوگوں نے اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑا نہ اللہ کے نام کا لحاظ کیا اور نہ اپنے عہد و پیمان کا پاس کیا گویا کہ ان کو نہ اللہ کی پرواہ ہے اور نہ مخلوق کی۔ اور دوم یہ کہ ان لوگوں نے مکہ یا مدینہ سے رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا جو طعن فی الدین سے کہیں زیادہ سخت ہے اس لیے کہ رسول کے نکال دینے کا ارادہ اس امر کی دلیل ہے کہ منبع ہدایت (ذات رسالت) کا بغض اور عناد ان کے دل میں راسخ ہے۔ اور سوم یہ کہ نقض عہد کی ابتداء اور پہل انہی لوگوں نے کی ہے یعنی نقض عہد اور تم سے لڑائی کی ابتداء انہی لوگوں نے کی ہے۔ پس ان لوگوں سے جہاد و قتال کرنے کے یہ اسباب اور دواعی موجود ہیں اور مانع کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو۔ پس کیا تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو سو اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر درحقیقت تم یقین رکھتے ہو کہ احکم الحاکمین کے حکم کے ترک میں عذاب عظیم کا اندیشہ ہے تم کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ کی قوت اور قدرت پر نظر کرو اگر تم ایماندار ہو اے ایمان والو! خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرو جس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں اوّل یہ کہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا تا کہ تمہارا غلبہ اور فوقیت اور برتری ظاہر ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ تمہارے ہاتھ دست قدرت کے مظہر ہیں اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے رسوا کرے تم ان کو قید کرو اور غلام بناؤ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں تم کو فتح و نصرت عطا فرمائے۔ اور چہارم یہ کہ اللہ مومنوں کے سینوں کو شفا بخشے یعنی جب مسلمان اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے تو ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دلوں کے غصّہ کو دور کرے یعنی کافروں کی ایذاء رسانی سے جو دل رنجیدہ تھے وہ رنج دُور ہو جائے۔ اس لیے کہ انسان جب مقابلہ کی تاب نہ رکھتا ہو تو دشمن کی ایذاء رسانی میں دل ہی دل میں گھٹتا ہے جب مسلمان کمزور تھے تو کافران کو بے انتہا تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے اس سے مؤمنوں کے دل میں ان کی طرف سے غصہ اور رنج بھرا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ کافروں سے لڑو جب تم اپنے دشمنوں پر غالب آؤ گے تو تمہارے دلوں کا غیظ و غضب جو بیماری کی طرح تم کو بے چین کیے ہوئے ہے سب جاتا رہے گا اور تمہارے دل شفا پا جائیں گے کیونکہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے کر آدمی کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اندر کی ساری گھٹن نکل جاتی ہے اسی طرح فتح اور غلبہ

کے بعد تمام مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے اگرچہ وہ قتال اور معرکہ میں حاضر نہ ہوئے ہوں۔ اور ششم یہ کہ ان کافروں میں سے اللہ جس پر چاہے گا توجہ اور عنایت فرمائے گا یعنی اس کو توبہ اور اسلام کی توفیق دے گا۔ جس کا تمہیں ابھی علم نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اچھے مسلمان ہو گئے۔ جیسے ابوسفیانؓ اور سہیل بن عمروؓ اور عکرمہؓ بن ابی جہل وغیرہ حالانکہ یہ لوگ پہلے ائمۂ کفر تھے اللہ نے ان پر احسان کیا کہ مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یعنی جو لوگ ان کافروں میں سے ایمان لانے والے ہیں اس کو سب معلوم ہے اور یہ حکم جو اس نے تم کو دیا ہے اس میں حکمت ہے۔ اور ہفتم یہ کہ اے مسلمانو! کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے کہ نہ تم کو جہاد کا حکم دیا جائے گا اور نہ تمہارے ایمان اور اخلاص کی کوئی جانچ اور پڑتال ہوگی حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو الگ اور جدا نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور خدا اور رسول ﷺ اور اہل ایمان کے سوا کسی کو اپنا دوست اور راز دار نہیں بنایا۔ یعنی جب تک اس صفت کے لوگ منافقوں سے جُدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک تم کو جہاد سے کیسے بَری اور سبکدوش کیا جا سکتا ہے۔ جہاد ہی تو مومن اور منافق کے درمیان فرق ظاہر کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ تم صرف ظاہری ایمان و اسلام کی بنا پر اللہ کے نزدیک مسلمان ہو جاؤ گے۔ نہیں بلکہ تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم جانچے جاؤ گے اور امتحان کا بہترین ذریعہ جہاد ہے کہ جب انسان خُدا اور رسول ﷺ کے لیے اپنے اعزاء اور اقارب اور اپنی قوم اور اہل وطن سے جہاد کرتا ہے تو پورا امتحان ہو جاتا ہے اور اللہ ان باتوں سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو یعنی اللہ کو تمہارا ظاہر اور باطن سب معلوم ہے مگر امتحان اور آزمائش اس لیے ہے کہ مؤمنوں پر تمہارا حال ظاہر ہو جائے ورنہ اللہ کو تمہارے امتحان کی ضرورت نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور مانتے جاویں

اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ

اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

ہمیشہ۔ وہی آباد کرے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ

اور کھڑی کی نماز اور دی زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوا اللہ کے کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ

اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

کہ ہوویں ہدایت والوں میں کیا تم نے ٹھہرایا حاجیوں کا پانی پلانا اور

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ

مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ

اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

میں نہیں برابر اللہ کے پاس اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے، اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور

اَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

جان سے ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی پہنچے مراد کو۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ

خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی جن میں ان کو آرام

مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ہے ہمیشہ کا۔ رہا کریں اُن میں ہمیشہ۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

مشرکینِ عرب کے فخر اور ناز کا جواب اور اعمال فاضلہ کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ ... اِلٰى ... اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾﴾

ربط: سورت کا آغاز مشرکین کی براءت اور بیزاری سے فرمایا بعد ازاں ان کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسی قابل ہیں کہ ان سے براءت اور بیزاری اختیار کی جائے ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی مرتبہ نہیں۔ چونکہ یہ اعلان براءت ان کی اہانت اور تحقیر پر مبنی تھا اس لیے مشرکین مکہ نے اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بڑے فخر اور ناز سے یہ کہا کہ ہم بہت سی خصالِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ کے حامل ہیں ہم سے براءت اور بیزاری کی کوئی وجہ نہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور انہیں پانی پلاتے اور مسجد حرام کی مرمت اور خدمت کرتے ہیں قریش اس قسم کے محاسن ذکر کرتے اور ان پر فخر کرتے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں ان کے اس فخر اور ناز کا جواب دیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ تمہارے یہ تمام اعمال سب بے جان اور بے روح ہیں سب سے افضل عمل ① ایمان باللہ اور ② ہجرت فی سبیل اللہ اور ③ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ایمان باللہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق قائم ہوتا ہے اور خدا کے لیے وطن

اور خویش و اقارب سے ہجرت یہ خدا تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے اس کی وفاداری اور جانثاری کا تمغہ ملتا ہے۔ سقایۃ الحاج اور عمارۃ المسجد الحرام کا عمل اگرچہ اعمالِ صالحہ میں سے ہے مگر اس کی مقبولیت کی شرط خدا اور اس کے رسول ﷺ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور دل میں خوف خدا کو جگہ دینا ہے۔ چونکہ قریش میں یہ صفات نہیں اس لیے ان کے یہ اعمال حبط اور کالعدم قرار دیئے گئے اور اگر بالفرض ان کے اعمال حبط اور کالعدم بھی نہ ہوں تو بھی وہ ایمان اور نماز اور زکوٰۃ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے عمارۃ المسجد الحرام اور سقایۃ الحاج۔ ایمان اور ہجرت اور جہاد جیسے عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور مساجد الٰہی کی تعمیر ان لوگوں کا کام نہیں کہ جو کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہوں۔ کفر اور شرک سے تو اچھے اعمال بھی حبط ہو جاتے ہیں لہٰذا کفر اور شرک کے ہوتے ہوئے تعمیر مسجد حرام اور مہمان نوازی وغیر وغیرہ کا ذکر سب بیکار ہے تمہارے یہ اعمال کفریہ وفخریہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے ﴿لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لیے لائق اور درست نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ وہ خود اپنی ذاتوں پر کفر اور شرک کے گواہ ہیں کفر اور شرک کے ساتھ عبادت خداوندی کا جمع ہونا محال ہے عبادت خدا کی پرستش کے لیے ہے اور شرک غیر خدا کی پرستش کے لیے ہے ایسے لوگوں نے اگر کفر اور شرک کرنے سے پہلے نیک عمل بھی کیے تھے تو کفر اور شرک سے ان کے تمام نیک اعمال اکارت گئے اور سب کے سب باطل اور ناپید ہو گئے۔ یعنی ان کا مہمانوں کی ضیافت کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدوں کو آباد کرنا اور قیدیوں کو چھڑانا اس قسم کے سب اعمال جن پر یہ فخر کرتے ہیں کفر اور شرک کی وجہ سے سب اکارت گئے اور اسی کفر اور شرک کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جزایں نیست کہ مساجد الٰہی کو اپنی عبادت اور طاعت سے وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرا سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ کلمۂ ﴿عَسٰى وَ لَعَلَّ﴾ اظہار توقع کے لیے لایا جاتا ہے اس جگہ کلمۂ ﴿عَسٰى مُشْرِكِيْنَ﴾ کی طمع قطع کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ کے جامع ہیں ان کی ہدایت بھی لعل اور عسیٰ کے درمیان دائر ہے۔ یعنی ان کی ہدایت اور راہ یابی بھی متوقع ہے قطعی اور یقینی نہیں تو جو لوگ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہیں ان کے تو حال بدمآل کا کیا ذکر۔ نیز اشارہ اس طرف ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال پر مغرور نہ ہونا چاہیے جو شخص اپنے عمل پر مغرور ہے وہ فیض ربانی سے دُور ہے ؎

مباش غرّہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس　　بدیں سبب زِدرِبارگاہِ عزت دور

کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی عمارت کی خدمت بجالانے والے کو اس شخص کے برابر کر دیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا جو تمام عبادتوں کی جڑ ہے۔ اور جس نے خدا کی راہ پر جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کیا یہ دونوں فریق اللہ کے یہاں برابر نہیں اور اللہ منزلِ مقصود کی راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کفر اور شرک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر اور حاجیوں کے پانی پلانے کو ایمان اور جہاد کے برابر سمجھ لیا یہ غلط ہے ہرگز برابر نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور پھر خدا کے لیے اپنے گھر بار اور خویش اور اقارب سب کو چھوڑا اور پھر خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب سے جنگ کی ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور ایسے ہی لوگ دونوں جہان میں کامیاب ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا پروردگار اپنی خاص رحمت کی

اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے۔ بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے جس کے سامنے تمام دُنیا ہیچ ہے اور خدا تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی جنت سے بھی بڑھ کر ہے ان آیات سے مہاجرین ومجاہدین کی فضیلت واضح اور لائح ہے۔ کاش حضرات شیعہ بھی ان آیات کو پڑھیں اور اپنے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کدورت سے پاک کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے ایمان والو! نہ پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کفر کو ایمان سے۔ اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ

تو کہہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور

عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

برادری اور مال جو کمائے ہیں اور سودا گری جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو

وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ

اور حویلیاں جو پسند کرتے ہو تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور لڑنے سے

فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے اللہ حکم اپنا اور اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۳ ۸ ۹

نافرمان لوگوں کو۔

ممانعت وتہدید از ترجیح تعلقاتِ دُنیویہ بر تعلقاتِ اُخرویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع﴾

ربط: شروع سورت میں کفار سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا پھر گزشتہ آیات میں ایمان اور ہجرت اور جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا جو براءت کا تتمہ ہے۔ اس لیے کہ خدا اور رسول کے لیے خویش واقارب اور اصول وفروع سے براءت اور بیزاری اور ان سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں مگر بسا اوقات ان اعمال فاضلہ میں خویش واقارب کے تعلقات اور وطن عزیز کی محبت خلل انداز ہوتی ہے۔ اس لیے ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اخروی تعلقات کے مقابلہ میں دنیوی تعلقات کو ترجیح نہ دو دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ظلم اور فسق ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ ایمان اور اسلام کو دولت عظمیٰ سمجھیں اور اپنے اصول وفروع کو اور اپنے اعزاء واقارب اور احباب کو حتیٰ کہ اپنے باپ اور بھائیوں کو جنہوں نے کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے ہرگز دوست نہ بنائیں اگر اس کے خلاف کریں گے تو ظالم ہوں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرو اور جو خدا سے تعلق قطع کر چکا ہے اس سے تم بھی قطع تعلق کر دو۔ اگرچہ وہ تمہارا اُصُل (باپ) ہو یا تمہارا جزء (بیٹا) ہو یا تمہارے باپ کا جزء ہو یعنی تمہارا بھائی ہو۔ اس لیے تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کریں یعنی جو لوگ کفر سے محبت رکھتے ہیں تم ان سے محبت نہ اختیار کرو اور تم میں سے جو انہیں دوست رکھے گا تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کو دوست بنانے والے لوگ بڑے ہی ظالم ہیں کہ محبت اور دوستی کو بے محل رکھ دیا مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنالیا۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارے قرابت دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت اور سوداگری جس کے بند ہو جانے کا تم کو ڈر ہے اور وہ عمدہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ یہ تمام چیزیں تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں صرف کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنے قہر کا حکم نازل کرے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو توفیق نہیں دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کی محبت میں اپنے جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں صرف کرنا نہیں چاہتے تو کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب کے منتظر رہو اس صورت میں جو حال اُن کا ہوگا وہی تمہارا ہوگا۔ اور خوب سمجھ لو کہ دنیوی مصالح کو اُخروی مصالح پر ترجیح دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے محروم ہو جاتا ہے یہ آیتیں اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو ہجرت کے بارے میں تردّد تھا اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے تو اہل وعیال اور خویش واقارب اور یہ مکانات جن میں آرام سے بسیرا کرتے ہیں یہ سب چھوٹ جائیں گے اور تجارت کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قول کو سامنے رکھو۔ ﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الشعراء:۷۷) ”یعنی اللہ رب العلمین کے سوا سب میرے دشمن ہیں۔“

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند — فرزند وعیال وخانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی — دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

مدد کر چکا ہے تم کو اللہ بہت میدانوں میں اور دن حنین کے، جب اترائے تم

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا

اپنی بہتائیت پر پھر وہ کچھ کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہو گئی تم پر زمین ساتھ

رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى

اپنی فراخی کے، پھر ہٹے تم پیٹھ دے کر۔ پھر اُتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے

رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ

رسول پر اور ایمان والوں پر، اور اُتاریں فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور مار دی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ

کافروں کو۔ اور یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر توبہ دے گا اللہ اس کے بعد

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

جس کو چاہے۔ اور اللہ بخشتا ہے مہربان۔

ذکر قصۂ غزوۂ حنین وتذکیر انعامات وعنایات درسرایاوغزوات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ ا... الٰى... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾﴾

ربط : شروع سورت میں براءت کا ذکر تھا جس کے ضمن میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں غزوۂ حنین کا ذکر فرماتے ہیں۔ اور اپنی ان عنایات کو یاد دلاتے ہیں کہ جو اس نے دیگر مقامات مثل جنگ بدر اور فتح مکہ میں دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں پر مبذول فرمائیں تاکہ اس کی عنایات کو یاد کر کے دل اس کے شکر پر برانگیختہ ہو جائیں اور اپنے منعم حقیقی کے بھروسہ پر بے خوف وہراس دشمنانِ اِسلام سے جہاد کریں اور سمجھیں کہ اصل مددگار وہی پروردگار ہے اور جانیں کہ یہ سارا ساز وسامان محض ایک ظاہری وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اصل فتح ونصرت اللہ کی اعانت سے ہوتی ہے نہ کہ فوج اور ظاہری سامان کی کثرت سے۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾ (آل عمران:۱۶۰)

لہٰذا نظر اللہ پر رہنی چاہیے نہ کہ ظاہری ساز وسامان پر جنگ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی

اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بطور ناز یہ لفظ نکلا کہ آج ہماری تعداد بہت بڑی ہے ہم کسی سے مغلوب ہونے والے نہیں۔ بارگاہِ خداوندی میں یہ ناز پسند نہ آیا کہ بجائے ہماری رحمت اور عنایت کے اپنی قوت اور کثرت پر کیوں نظر کی۔ چنانچہ جب مقابلہ شروع ہوا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور سوائے آنحضرت ﷺ اور مخصوص رفقاء کے بہت سے لوگ میدانِ جنگ سے منتشر ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو آواز دیں۔ چنانچہ آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور ناز سے تائب ہو کر نیاز کی طرف آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی مدد پہنچی آسمان سے مدد کے لیے فرشتے نازل کیے اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کی شکست کو فتح سے بدل دیا بے شمار کافر مارے گئے اور چھ ہزار بچے اور عورتیں قید ہو کر آئے اور بیس ہزار اُونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جس سے سب پر واضح ہو گیا کہ لشکر عظیم میں سے بعض افراد کا بھی اپنی قوت اور کثرت پر نظر کرنا کس قدر ضرر رساں ہے۔

یک لحظہ زکوئے یار دوری در مذہبِ عاشقاں حرام است

نکتہ: مکہ مکرمہ اگرچہ قہراً فتح ہوا مگر وہاں سے ادب اور احترام کی بنا پر کوئی چیز غنیمت میں نہیں لی گئی حق جل شانہٗ نے غنائم حنین سے اس کی تکمیل فرما دی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دل میں ایسا جوش وخروش پیدا فرما دیا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں اپنے تمام اہل وعیال اور تمام اموال اور مویشیوں کو لے کر میدان میں آ گئے جو بعد میں سب مسلمانوں کے لیے غنیمت بنے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بچوں اور عورتوں کو تو واپس کر دیا۔ اور اموال اور مویشیوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو!) تحقیق اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد کی اکثر و بیشتر مواضع میں تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی جس کا قصہ عجیب وغریب ہے۔ حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ کفارِ ہوازن وثقیف لڑائی کے لیے مقام حنین میں جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس طرف متوجہ ہوئے دس ہزار مہاجرین وانصار، مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم آپ ﷺ کے ساتھ اور مل گئے۔ اس طرح بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے اور کفار کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ. "آج ہم قلّت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے" یہ لفظ حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ اپنی کثرت پر نظر کی اور خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر نہ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے پہلی بار مسلمانوں کو شکست دی تا کہ متنبہ ہو جائیں کہ فتح کا دارومدار تمہاری قوت اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اپنی لغزش پر تنبیہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے جنگ حنین میں عجیب طریقہ سے مدد کی جب کہ لشکر کی کثرت نے تم کو غرّہ میں ڈال دیا۔ اور تم اِترا کر یہ کہنے لگے کہ آج ہم کفار سے مغلوب نہ ہوں گے تو تم شکست کھا گئے اور لشکر کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود کثرت کے دشمن کے حملہ کو نہ روک سکے اور کافروں کی تیر اندازی سے سراسیمہ اور پریشان ہو کر تتر بتر ہو گئے اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم کافروں کے مقابلہ میں پشت پھیر کر بھاگے یہ نتیجہ تو اپنی طاقت اور کثرت پر نظر کرنے کا ہوا جو ابتداءً تم نے دیکھا پھر اس شکست کے بعد جب تم متنبہ ہو گئے تو تمہارا یہ اعجاب زائل ہو گیا اور بجائے اپنی کثرت کے تم نے خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر کی تو اس کا نتیجہ اسی وقت پردۂ غیب سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر اور اہلِ ایمان پر اپنی خاص الخاص رحمت اور

سکینت نازل فرمائی جس سے مسلمانوں کے دلوں کو تسکین ہوئی اور پریشانی کا فور ہوئی اور سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور اسی وقت تمہاری مدد کے لیے بہت سی فوجیں آسمان سے اتاریں جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے مگر ان کے آثار اور انوار کو دل میں اور ظاہر میں محسوس کرتے تھے۔

فائدہ: صحیح قول یہ ہے کہ جنگِ حنین میں فرشتوں کا لشکر نازل تو ہوا مگر اس لشکر نے جنگ بدر کی طرح قتال نہیں کیا صرف مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور تسکین کے لیے نازل ہوا۔ اے مسلمانو! اس لشکر کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح اور غلبہ عطا کیا اور کافروں کو سزا دی کہ وہ قتل اور گرفتار ہوئے اور کافروں کی دنیا میں یہی سزا ہے پھر اس سزا کے بعد اللہ جس پر چاہے گا توجہ عنایت فرمائے گا۔ یعنی اس کو اسلام کی توفیق بخشے گا۔ چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے بہت سے کافر تائب ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کے کل قیدی احسان رکھ کر چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے کہ توبہ کے بعد مؤاخذہ نہیں کرتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آویں مسجد الحرام کے
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ
اس برس کے بعد ۔ اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے، تو آگے غنی کرے گا تم کو اللہ اپنے
فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾
فضل سے اگر چاہے۔ اللہ ہے سب جانتا حکمت والا۔

تتمۂ اعلانِ براءت وتسلیۂ اہلِ ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾﴾

ربط: شروع سورت میں اعلان براءت کا ذکر تھا۔ اب اسی اعلان کا ایک تتمہ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک سال کے اندر مشرکین حدود حرم سے باہر نکل جائیں تاکہ حرم کی پاک زمین مشرکین کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے کیونکہ مشرک نجس ہیں اس ایک سال گزر جانے کے بعد مشرکین کو حج اور خانہ کعبہ کے طواف کی اجازت نہیں۔ اعلان براءت میں چار ماہ کی مہلت دی تھی اور مسجد حرام کے داخلہ کے لیے ایک سال کی مہلت دی۔

اس حکم سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ جب حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند ہو جائے گی تو اس سے تجارت کو نقصان پہنچے گا اور باہر سے جو لوگ سامانِ تجارت لاتے تھے وہ نہیں آئے گا۔ اس لیے مسلمانوں کی تسلی کر دی گئی کہ تم گھبراؤ نہیں اللہ تم کو دوسرے طریقوں

سے غنیٰ اور مالداری عطا کرے گا۔ دولت وثروت سب اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ فقر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر حرم میں مشرک تاجروں کی آمدورفت موقوف ہوجائے تو عرب اور عجم سب اسلام کا باج گزار بن جائے گا اور سب جگہ مسلمانوں کا کاروبار جاری ہوجائے گا۔ اور کافروں سے اتنا جزیہ اور خراج مل جائے گا جو تجارتی منافع سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گونہ زیادہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! جز ایں نیست کہ مشرک لوگ ناپاک اور پلید ہیں جہاں تک ممکن ہو اس گندگی اور پلیدی کے اختلاط سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ ایمان بلاشبہ عطر اور مشک ہے لیکن اگر گندگی اور نجاست کے ساتھ عطر کا اختلاط ہوجائے تو کچھ دیر کے بعد وہ عطر عطر نہ رہے گا۔ وہ بھی گندہ اور بدبودار ہوجائے گا۔ پس جب کہ کفار سرتاپا نجاست ہیں تو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ ناپاک لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں یعنی حدود حرم میں داخل نہ ہوں یہ خطہ نہایت مطہر اور معطر ہے کفر اور شرک کی نجاستوں سے اس کی تطہیر واجب ہے۔ نیز اس مبارک خطہ میں ہر وقت ملائکۃ اللہ کا نزول اور ورود ہوتا رہتا ہے، جن کو کفر اور شرک کی نجاست اور اس کی عفونت اور بدبو سے تکلیف ہوتی ہے۔ نیز اس خطہ میں ہر وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ مشرکین کی حاضری سے اندیشہ ہے کہ ان کی باطنی نجاست اور اندرونی ظلمت کا اثر اہل ایمان کے انوار کو مکدر اور متغیر نہ کردے صحبت اور اختلاط کا اثر ناقابل انکار ہے۔ جس طرح گلاب اور پیشاب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار مختلف ہیں اسی طرح ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور ابوجہل اور ابولہب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار بھی مختلف ہیں۔

حکماء نے لکھا ہے کہ نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصر کا سبب ہے۔ اسی طرح یہ ناچیز کہتا ہے کہ کفر اور شرک کی نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصیرت کا سبب ہے اور اسی پر تمام اولیاء وعارفین کا اجماع ہے اور کتاب وسنت کے نصوص میں جو کافر اور فاسق کی صحبت اور مجالست کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

جمہور علماء اسلام اور ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے اور بعض صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے کہ نجاست سے نجاست حسیہ اور ظاہر یہ مراد ہے اور کفار اور مشرکین کلب اور خنزیر کی طرح نجس العین ہیں جو مشرک کو چھووے اس پر وضو لازم ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((من صافح مشرکاً فلیتوضأ)). (اخرجه ابوالشیخ وابن مردویه)

جیسے حدیث میں مَس ذکر سے وضو کا حکم آیا ہے اسی طرح مَس کافر سے وضو کے حکم کو سمجھو۔

((واخرج ابن مردویه عن هشام بن عروة عن ابیه عن جده قال استقبل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیه السّلام فناوله یده فابی ان یتناولها فقال یا جبریل مامنعك ان تأخذ بیدی قال انك اخذت بید یهودی فکرهت ان تمس یدی ید اقدمسهاید کافر فدعا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بماء فتوضأ فناوله یدهٗ فتناولها. (تفسیر درمنثور صفحه ۲۲۷ ج ۳) (اور دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۶۸)

"ہشام اپنے باپ عروۃ بن الزبیر سے اور عروۃ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل امین علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ جبریل امین علیہ السلام نے ہاتھ بڑھانے سے انکار کیا اور عذر یہ کیا کہ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ہاتھ ملایا ہے۔ اس لیے میں نے

ناپسند کیا کہ اس ہاتھ سے ہاتھ ملاؤں جو کافر کے ہاتھ کو مَس کر چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اسی وقت وضو کے لیے پانی منگایا اور وضو کر کے جبریل امین علیہ السلام کی طرف ہاتھ بڑھایا جبریل امین علیہ السلام نے فوراً مصافحہ کر لیا۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک نجاست حسیہ اور جسمانیہ جیسے بول و براز اور گوبر مینگنی اور دوسری قسم نجاست معنویہ و روحانیہ جیسے کذب اور غیبت اور نمیمت کی نجاست جو عقل اور حس کے ذریعہ سے نہیں معلوم ہو سکتی۔ البتہ جب ملائکہ کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے اور ان کی مصاحبت کا اتفاق ہوتا ہے تب کفر اور شرک اور اخلاق ذمیمہ کی نجاست منکشف ہوتی ہے۔ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں نجاست جسمانیہ کے احکام بیان کیے اور اولیاء و عارفین نے نجاست معنویہ و روحانیہ کے احکام بیان کیے۔ ﴿وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ (البقرہ:۱۴۸) ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے اجتناب کرے اور اے اہل مکہ اگر تم کو کافروں کے داخلۂ حرم کی ممانعت سے محتاجی اور تنگدستی کا اندیشہ ہو تو تم کو اس اندیشہ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی اور دولت مند کر دے گا۔ بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اہل مکہ کی گذران معاش تجارت پر تھی۔ دوسرے ملکوں سے مشرکین، مکہ میں غلہ لاتے تھے۔ جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ تجارت کے بند ہو جانے سے ہم تنگدست ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی فرما دی کہ تم تنگدستی سے نہ ڈرو اللہ تم کو دولت مند بنا دے گا۔ چنانچہ اہلِ جدہ اور اہلِ صَنعا اور اہل جرش سب مسلمان ہو گئے اور غلہ اور قسم قسم کا مال تجارت لانے لگے۔ اور اس کے علاوہ کافروں سے جو جزیہ اور خراج اور فئی کا مال ملا وہ بھی غنا کا سبب بنا۔

مسئلہ : جمہور علماء کے نزدیک کفار کا مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ مگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطور غلبہ اور تسلط یا بطور اعزاز و اکرام مشرک کا مسجد میں آنا جائز نہیں۔ البتہ مسلمان کا کوئی غلام یا خادم یا کوئی ذمی کسی مسلمان کی اجازت سے ادب اور احترام کے ساتھ مسجد میں کسی ضرورت کی وجہ سے آ جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ باقی کسی کافر اور مشرک کو بطورِ اعزاز و اکرام مسجد میں مدعو کرنا اور اس کافر سے مسجد کے منبر پر تقریر کرانا یہ بلاشبہ حرام ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا

لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر نہ پچھلے دن پر نہ حرام جانیں جو

حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کریں دین سچا۔ وہ جو

ع ۴ ۱۰ الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

کتاب والے ہیں جب تک دیں جزیہ سب ایک ہاتھ سے اور وہ بے قدر ہوں۔

حکمِ جہاد وقتال با اہل کتاب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ... الیٰ ... وَھُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ رکوعات وآیات میں براءت اور فتح مکہ وحنین کا ذکر تھا جن میں یہ حکم تھا کہ مشرکین سے لڑو اور اُن کو ملک سے باہر نکال دو اور جزیرۃ العرب کو مشرکین کے وجود سے بالکل پاک کردو۔ تا کہ جزیرۃ العرب میں سوائے مسلمان کے کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے خلاصہ یہ کہ گزشتہ رکوعات اور آیات میں مشرکین سے جہاد وقتال کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے جہاد وقتال کا حکم ہے کہ یہ بھی دین حق کے منکر ہیں اور اللہ کو اور آخرت کو جیسا چاہیے ویسا نہیں مانتے اور ان کا وجود اسلام کی ترقی اور اشاعت میں حائل ہے۔ اس لیے مشرکین کی طرح ان سے جہاد وقتال ضروری ہے یہاں تک کہ یہ لوگ مسلمانوں کی ماتحت رعیت بن کر ذلّت کے ساتھ رہنا اور جزیہ دینا قبول کریں تو پھر اسلامی حکومت میں رہ سکتے ہیں بشرطیکہ ادنیٰ اور اعلیٰ سب ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں۔ باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں۔ مشرکین عرب کے لیے صرف دو ہی راہیں ہیں اسلام یا سیف (تلوار) اسی سورت میں مشرکین عرب کے قتل کا حکم تو آیا ہے۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ﴾ لیکن مشرکین عرب کے لیے جزیہ کا حکم نہیں آیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۷۲ ج ۸) ✱

اور یہ آیات درحقیقت غزوۂ تبوک کی تمہید ہیں جس میں اہلِ کتاب سے مقابلہ تھا جیسا کہ تفسیر درمنثور میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ تبوک کے بارہ میں ہوا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب آنحضرت ﷺ عرب کے جہاد وقتال سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اہل کتاب سے جہاد کا حکم دیا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عرب سے جہاد وقتال کیا اور ان سے سوائے اسلام کے کسی اور چیز کو قبول نہیں کیا اس کے بعد اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم دیا اور ان سے جزیہ بھی قبول فرمایا اور سب سے پہلے اہلِ نجران نے جزیہ دینا قبول کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: (اے مسلمانو!) اُن لوگوں سے جنگ کرو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہیں حرام جانتے ہیں اس چیز کو کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے یعنی جس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اور نہ دین حق یعنی دین اسلام کو قبول کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو کتاب توریت اور انجیل دی گئی ان سے قتال کرو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں انبیاء سابقین کی بشارتوں اور وصیتوں سے باخبر ہیں حق ان پر واضح ہو چکا ہے یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں مگر عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس لیے اے مسلمانو! تم ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں درآنحالیکہ وہ ذلیل اور خوار ہوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صغار (ذلت) سے مراد حکم اسلام کا التزام ہے یعنی

✱ اصل عبارت یہ ہے: قال ابن اجوزی فی قولہٖ عن ید خمسة اقوال. (احدھا) عن قھر وذل قالہ الزجاج رحمہ اللہ تعالیٰ (والثانی) انہ النقد العاجل قالہ شریك وعثمان بن مقسم (والثالث) ان المعنی عن اعتراف للمُسلمین بان ایدیھم فوق ایدیھم (والرابع) عن انعام علیھم بذلك لان قبول الجزیة انعام علیھم حکاھما الزجاج (والخامس) یؤدونھا بایدیھم ولا ینفذونھا مع رسلھم ذکرہ الماوردی. (زادالمسیر ص ۴۲۰ ج ۳)

اسلامی حکومت کی رعایا بن کر رہنا اور جزیہ دینا منظور کر لینا بھی صغار اور ذلت ہے اور عن ید (اپنے ہاتھ سے دینے) کے معنی یہ ہیں کہ بزور حکومت وطاقت ان سے لیا جائے جیسے آج کل ٹیکس لیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ جزیہ بخوشی اور طیب خاطر بلا جبر واکراہ ادا کریں۔ اور اگر جزیہ لینے میں جبر واکراہ یعنی زبردستی کی نوبت آئے تو پھر عقد ذمہ باقی نہ رہے گا یا یہ معنی ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں کسی وکیل کی معرفت نہ بھیجیں یا یہ معنی ہیں کہ جزیہ ایک طرح کا انعام ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا گیا اور زندہ چھوڑ دیا گیا ورنہ تم مستحق قتل کے تھے یا یہ معنی ہیں کہ نقد ادا کریں نہ کہ ادھار وغیرہ وغیرہ یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں اور محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر زاد المسیر ص ۴۲۰ ج ۳ میں اختصار کے ساتھ ان اقوال کا ذکر کیا ہے۔

جزیہ وخراج:

جزیہ اس مال اور محصول کو کہتے ہیں جو کافروں کے نفوس اور ان کی ذوات پر لگایا جائے۔ اور خراج اس محصول کو کہتے ہیں کہ جو کفار کی زمینوں پر لگایا جائے۔ یہ لفظ جزاء سے مشتق ہے۔ یعنی جزیہ، قتل کی جزاء اور اس کا بدلہ ہے کہ تم مستحق تو قتل کے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ تمہاری جان بخشی کر دی گئی اور دار الاسلام میں تم کو امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی نہ تم کو قتل کیا گیا اور نہ تم کو غلام بنایا گیا جیسے دیت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جزیہ سے قتل اور استرقاق ساقط ہو جاتا ہے۔ (دیکھو [1] روح المعانی ص ۷۲ ج ۱۰)

علاوہ ازیں اسلام نے تمہارے ساتھ دوسرا احسان یہ کیا کہ مسلمانوں کی طرح تمہارے جان و مال وعزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی تا کہ مسلمانوں کی طرح امن اور حفاظت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ شریعت نے جان و مال کی حفاظت میں مسلم اور غیر مسلم سب کو برابر رکھا۔ نیز اس امن کی زندگی سے غیر مسلموں کو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں میں رہ کر اُن کو اسلام کے احکام اور محاسن کا علم ہوگا اور حق و باطل کا فرق ان پر واضح ہو سکے گا۔ پس اگر وہ دین کو قبول کرنا چاہیں گے تو قبول کر سکیں گے اور اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس کا دستور اور قانون اسلام اور شریعت ہو اور قانون اسلام کو بالادستی اور برتری حاصل ہو۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ جزیہ، قتل کی جزاء اور اس کا فدیہ ہے حفاظت جان اور امن کا بدلہ اور فدیہ نہیں اس لیے کہ جزیہ صرف آزاد عاقل مردوں پر واجب ہوتا ہے جو لڑنے اور جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عورت اور بچے مجنون اور غلام اور راہب اور معذور پر جزیہ نہیں حالانکہ حفاظت ان کی بھی کی جاتی ہے۔ اور باوجود کفر کے ان پر کوئی جزیہ نہیں اسلام میں جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ اور اس کا فدیہ ہے نہ کہ امن اور حفاظت کا عوض اور بدل ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں: ھی لغۃً الجزاء لانھا جزت عن القتل کذا فی الدر المختار

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ اہل کتاب اور بت پرستوں سے جزیہ لینا جائز ہے مگر خاص عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا مشرکین عرب کے لیے صرف دو راہیں ہیں قتل یا اسلام۔ ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ سرزمین عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہاں جزیہ لے کر بت پرستی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ

---

[1] قال الاتقانی ان الجزیۃ لیست بدلا عن تقریر الکفر و انما ھی عوض عن القتل والاسترقاق الواجبین فجازت کا سقاط القصاص بعوض او ھی عقوبۃ علی الکفر کالاسترقاق. اھ (روح المعانی ص ۷۲ ج ۱۰)

یا تو اسلام قبول کرلیں یا ملک چھوڑ دیں۔ البتہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے۔ قرآن کریم میں مشرکین عرب کے متعلق ﴿ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ﴾ آیا ہے یعنی ان کے حق میں قتل ہے یا اسلام۔ نیز عرب میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا ظہور ہوا اور دلائل نبوت اور براہین رسالت حدِ اعجاز کو پہنچ گئے اس لیے وہاں اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔ نیز عرب آپ ﷺ کی قوم ہے آپ ﷺ کی نسبت سے ان کو خاص عزت اور شرف حاصل ہوا۔ لہٰذا آپ ﷺ کی قوم پر جزیہ کی ذلّت قائم نہیں کی جاسکتی۔

نیز سرزمین عرب مرکز اسلام ہے اور قلب اسلام ہے اس سرزمین میں کسی طرح بھی بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

نیز آپ ﷺ کی زندگی میں تمام قبائل عرب مسلمان ہو چکے تھے پھر اگر بت پرستی ہو سکتی ہے تو صرف ارتداد سے ہو سکتی ہے اور مرتد باتفاق آئمہ دین جزیہ دے کر قتل سے نہیں بچ سکتا۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ

اور یہود نے کہا، عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ نے کہا مسیح بیٹا

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کا۔ یہ باتیں کہتے ہیں اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے منکروں

مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ

کی بات کی، مار ڈالے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ٹھہرائے ہیں اپنے عالم اور

رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَ مَاۤ

درویش خدا اللہ کو چھوڑ کر اور مسیح بیٹا مریم کا، اور

اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا

حکم یہی ہوا تھا کہ بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، وہ پاک ہے ان کے

يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ

شریک بنانے سے۔ چاہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے، اور اللہ نہ رہے

اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ

بن پوری کیے اپنی روشنی اور پڑے بُرا مانیں منکر۔ اسی نے بھیجا اپنا

رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ

رسول ہدایت دے کر اور دین سچا تا اس کو اوپر کرے ہر دین سے اور پڑے

كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

برا مانیں مشرک۔

اہلِ کتاب کے فضائح اور قبائح کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ ... الیٰ ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾﴾

ربط : گزشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان ہوا اب اہلِ کتاب کے قبائح اور فضائح اور ان کے عقائد باطلہ اور افعال شرکیہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کی طرح اہل کتاب بھی دین حق کے مطیع اور فرمانبردار نہیں اور ان کی طرح یہ بھی مستوجب قتل و قتال ہیں اس لیے اب آئندہ آیات میں اہلِ کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کے کفریات قولیہ وفعلیہ اور جہالت عملیہ کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں تا کہ گزشتہ آیت میں جو اہل کتاب کے متعلق ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ فرمایا تھا اس کی کسی قدر تفصیل ہو جائے۔ اور معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کے متعلق جو قتال اور جزیہ کا حکم دیا گیا اس کی وجہ ان کے یہ اعمال کفریہ ہیں۔ اوّل یہود سے شروع فرمایا کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ عقیدہ یہود کے تمام فرقوں کا نہیں بلکہ اُن میں کے ایک خاص فرقہ کا ہے جو بقول بعض علماء مدینہ کے بعض یہود یعنی یہود بنی قریظہ تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض یہودی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے اس سرزنش اور توبیخ کا مخاطب یہی فرقہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور ابو انس اور شاس بن قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا۔

كيف نتبعك وَقد تركت قبلتنا انت لا تزعم ان عزيرا ابن الله. رواه ابن اسحاق وابن جرير.

(تفسیر درمنثور ص ۲۲۹ ج ۳) اور دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۲۰ ج ۳

"ہم کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ (بیت المقدس) چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔" (ابن اسحاق وابن جریر نے روایت کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود مدینہ میں رہتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے۔ اس آیت کا نزول اس خاص فرقہ کے بارے میں ہوا جن کا یہ عقیدہ تھا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۴۲۴ ج ۳)

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہود میں ایک خاص فرقہ اس کا قائل تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں تمام یہودی اس کے قائل نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہود کی ایک خاص جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور شاس بن قیس اور مالک بن صیف تھے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق یہ کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں اور ہمارے علم میں اب کوئی اس کا قائل نہیں۔ واللہ علم (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص ۱۰۳ ج ۳) ❶

غرض یہ کہ حق جل شانہ، نے اس آیت میں اوّل یہود کے اس خاص فرقہ کا ذکر کیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا فرزند کہتے تھے۔ بعد ازاں نصاریٰ کا حال بیان کیا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ اس عقیدہ میں مشرکین کے ہم نوا ہیں جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔

پھر یہود و نصاریٰ نے فقط حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کے خدا بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ احبار اور رہبان کو بھی خدا بنالیا بایں صورت کہ ان کے احبار و رہبان جو فتویٰ دیتے وہ اس کو حکم الٰہی کے برابر مانتے اور ان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کے احکام کا بدل سمجھتے احبار اور رہبان کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے قول کو اپنا دین اور ایمان سمجھتے کہ جو وہ کہیں مان لیں اور جس چیز سے منع کریں اسے چھوڑ دیں۔ پس اس قسم کے جرائم کی بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کرو یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ دینا قبول کریں۔

(پہلا جرم) ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الٰہی کے مطیع اور فرمانبردار نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

(دوم) یہ کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود اور نصاریٰ اگرچہ اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر فقدان توحید کی وجہ سے وہ ایمان کالعدم قرار دیا گیا۔

(سوم) یہ کہ اپنے احبار و رہبان کو حلال و حرام کا مختارِ مطلق قرار دیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاتباع سمجھا بجائے دین حق کے اتباع کے احبار و رہبان کے اتباع کو مدار نجات جانا اور نصاریٰ نے بہت سے محرمات کو محض پولوس کے مباح کر دینے سے حلال مان لیا۔ حالانکہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت صراحتاً موجود ہے اور آج کل کے نصاریٰ کا تو حال ہی نہ پوچھو ان لوگوں نے تو شراب اور زنا سب کو حلال کر لیا جو تمام شریعتوں میں حرام تھا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کو حق تشریع عطا کیا۔ اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاطاعت سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ تشریع احکام اور تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور آئمہ دین جو فتویٰ دیتے ہیں وہ کتاب و سنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں ان کا اتباع درحقیقت خدا اور رسول کا اتباع ہے۔ آئمہ دین ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ (النساء: ۷۳) کا مصداق ہیں اس لیے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

---

❶ قولہ تعالیٰ وقالت الیھود عزیر ابن اللہ قیل ارادبہ فرقۃ من الیھود قالت ذٰلک والدلیل علی ذلک ان الیھود قدسمعت ذالک فی عھد النبی ﷺ فلم تنکرہ والمراد فرقۃ منھم لاجمیعھم کقولک جائنی بنوتمیم والمراد بعضھم قال ابن عباس رضی اللہ عنھما قال ذالک جماعۃ من الیھود جاء و الی النبی ﷺ فقالوا ذٰلک وھم سلام بن مشکم و نعمان بن اوفی و شاس بن قیس و مالک بن الصیف فنزل اللہ تعالیٰ ھٰذہ الآیۃ ولیس فی الیھود من یقول ذٰلک الآن فیما نعلم و انما کانت فرقۃ منھم قالت ذٰلک فانقرضت۔

(کذا فی احکام القرآن ص ۱۰۳ ج ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل کتاب بھی شرک میں مشرکین کے مشابہ ہیں اگرچہ شرک کا طریقہ مختلف ہے مشرکین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں۔ شرک میں دونوں شریک ہیں بلکہ ایک اعتبار سے عابد مسیح، عابد صنم سے شرک میں بڑھ کر ہے اس لیے کہ عابد مسیح کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ، مسیح بن مریم علیہما السلام میں حلول کر آیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرح مسیح بھی خالق عالم اور مدبر عالم ہے اور مشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۲۰ ج ۴)

تفسیر اور چونکہ اہل کتاب نے دین حق کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے یہ اُن کی منہ کی باتیں ہیں۔ محض ان کی زبانوں سے نکلی ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۚ﴾ (الاحزاب: ۴)... ﴿اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (النور: ۱۵)... ﴿وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝﴾ (الکہف)

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہود اس کے قائل ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے۔ سو جاننا چاہیے کہ ظاہری عموم مراد نہیں بلکہ ایک خاص فرقہ مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا اور مدینہ میں رہتا تھا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بات کہی تھی جس پر یہ آیت اُتری اور یہود کو پڑھ کر سنائی گئی مگر کسی نے اس آیت کو سُن کر انکار نہیں کیا اور نہ اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بات میں تکذیب کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ اگر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ یہود اس وقت قرآن کی تکذیب اور تغلیط کرتے یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمن طعنہ چین کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کیا جائے اور وہ سُن کر خاموش بیٹھا رہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہو مگر قرآن میں اس عقیدہ کا درج ہونا اور ایک عرصہ دراز تک کسی یہودی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہود متقدمین میں یہ عقیدہ رائج تھا گو فی الحال کوئی یہودی اس کا قائل نہ رہا ہو لہٰذا کسی کا قرآن کریم کی اس حکایت پر یہ اعتراض کرنا کہ یہودیوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں یہ اعتراض غلط ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت اس عقیدہ کے لوگ مدینہ میں موجود تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور علیٰ ہذا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے یہ بھی نصاریٰ کے ایک گروہ کا قول ہے سب کا نہیں مگر عام طور پر نصاریٰ میں یہ عقیدہ رائج ہے اس لیے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عقیدۂ ابنیت کا آغاز کیسے ہوا؟

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اکیاسی سال تک عیسائی، دین حق پر قائم رہے بعد میں ان میں اور یہود میں لڑائی چھڑ گئی یہودیوں میں ایک شخص جس کا نام بولس (پولوس) تھا بڑا شجاع تھا۔ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے

اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کیا اور چونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا، اس لیے اس نے ان کے گمراہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ ایک روز یہودیوں سے یہ کہا کہ اگر بالفرض عیسیٰ (علیہ السلام) حق پر ہوں تو ہمارے کافر اور دوزخی ہونے میں کیا شُبہ ہوسکتا ہے اور اگر عیسائی جنت میں گئے اور ہم دوزخ میں گئے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی حیلہ سے ان کو گمراہ کروں تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہود کو یہ سمجھا کر اپنے اس گھوڑے پر سوار ہوا جس پر سوار ہو کر عیسائیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور اپنے اس فعل سے ندامت اور توبہ ظاہر کرتا ہوا نصاریٰ کے مجمع میں آیا انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں تمہارا دشمن پولوس ہوں مجھ کو آسمان سے یہ ندا آئی ہے کہ تیری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک تو نصرانی نہیں ہوگا اس لیے میں یہودیت سے تائب ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے اس کو کلیسا میں داخل کر کے نصرانی بنالیا اور اس کو ایک حجرے میں جگہ دے دی سال بھر تک وہ وہاں رہا اور اس عرصہ میں اس نے انجیل کی تعلیم حاصل کی ایک سال کے بعد اس نے کہا کہ مجھے آسمان سے یہ ندا دی گئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ نصاریٰ نے اُس کے اس قول کی تصدیق کی اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور ان کی نظروں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ جب نصاریٰ میں اس کی شان بڑھ گئی تو بیت المقدس چلا گیا اور وہاں جا کر مخفی طور پر اپنی تعلیم کے لیے تین آدمیوں کو منتخب کیا۔ ایک کا نام نسطور دوسرے کا نام یعقوب اور تیسرے کا نام ملکان تھا ان تینوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ نسطور کو یہ تعلیم دی کہ عیسیٰ اور مریم علیہما السلام اور خدا یہ تین خدا ہیں اور یعقوب کو یہ سکھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام انسان نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور ملکان کو یہ پڑھایا کہ عیسیٰ علیہ السلام بعینہٖ اللہ ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب یہ تعلیم ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو خلوت میں بُلایا اور کہا کہ تو میرا خاص اور معتمد رفیق ہے فلاں ملک میں چلا جا اور وہاں جا کر لوگوں کو یہ تعلیم دے اور انجیل کی طرف لوگوں کو بلا۔ پھر اس نے لوگوں کو بُلا کر یہ کہا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہوگئے ہیں اور اب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر اپنی جان قربان کروں گا پھر وہ مذبح میں گیا اور اپنے آپ کو ذبح کر لیا پھر اس کے تینوں شاگرد ملک میں متفرق ہو گئے ایک روم پہنچا دوسرا بیت المقدس اور تیسرا کسی اور ملک میں اور ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلایا جو پولوس نے اس کو تعلیم دی تھی۔ اور لوگوں نے ان کا اتباع کیا اس طرح عیسائیوں میں تین فرقے ہوگئے۔ (تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۴)

اہل کتاب اس قول کے ذریعہ سے اگلے کافروں کے قول سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں یعنی ان کا عقیدۂ ابنیت یا الوہیت پُرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح یہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں توحید کی روشنی کو چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔

یہ تو ان کے اقوال کفریہ کا بیان تھا۔ اب آگے ان کے افعال کفریہ ذکر کرتے ہیں کہ ان اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے کہ جو فتویٰ دیدیں اس کو حکم خداوندی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں۔ اور ان کے قول کو اپنا دین و ایمان سمجھتے ہیں اگرچہ وہ توریت اور انجیل کے نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو ایسی بے چون و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے جو شرک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہوا کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع سے کہا تو پھر سند نہیں اور ان لوگوں نے مسیح بن مریم علیہما السلام کو بھی رب بنایا حالانکہ تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں یہی

حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی پرستش کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت ہے اور نہ کسی کی بے چون و چرا اطاعت واجب ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے یہ تو بیان تھا اتباع باطل اور دین حق سے انحراف کا۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ دین حق کے اِبطال اور اس کے رد میں کس درجہ ساعی اور کوشاں ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت کو یعنی دین اسلام کو اپنے مونہوں سے پھونک مار مار کر بجھا دیں یعنی دینِ اسلام کا نور اور آفتاب ہدایت چمک اٹھا ہے یہ لوگ اپنے واہی تباہی اعتراضات سے دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں کہ وہ پھیلنے نہ پائے گویا کہ یہ لوگ پھونکیں مار کر سورج کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے اگرچہ کافروں کو بُرا معلوم ہو یعنی یہ کافر دینِ اسلام کے مٹانے کی لاکھ کوشش کریں بھلا کہیں ان کے مٹانے سے مِٹ سکتا ہے اللہ اپنے نور کو تمام جہان میں پھیلا دے گا۔ اور یہ کافر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چراغ ہو تو منہ کی پھونکوں سے بُجھ بھی جائے بھلا کہیں آفتاب کا نور بھی پھونکوں سے بُجھتا سنا ہے اور نور اسلام تو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکین کو بُرا معلوم ہو اس آیت میں غلبہ اسلام کی پیش گوئی ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔

لطائف ومعارف

اس آیت میں حق جل شانہٗ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا جائے اور یہی مضمون سورۃ فتح اور [1] سورۃ صف میں بھی ذکر کیا گیا ہے الفاظ میں معمولی فرق ہے مضمون تینوں جگہ کا ایک ہی ہے۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ظہور اور غلبہ سے کیا مراد ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک دلیل اور برہان کے اعتبار سے یعنی دینِ اسلام باعتبار دلیل اور برہان کے تمام دینوں پر غالب ہو مطلب یہ ہے کہ دینِ اسلام کی حقانیت پر ایسے براہین اور دلائل قائم کیے جائیں جس سے دینِ اسلام کا حق ہونا اور دوسرے دینوں کا باطل ہونا واضح ہو جائے۔

اور غلبہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ باعتبار تیغ وسنان کے غالب ہو یعنی دین حق کی شوکت اور سطوت کے سامنے دوسرے دین سرنگوں ہو جائیں۔ اور اسلام ہی کی حکومت ہو اور اسی کا قانون ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت میں ظہور اور غلبہ سے دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے دلیل اور برہان کے اعتبار سے غلبہ تو اسلام کو ابتداء ہی سے حاصل تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ البتہ دوسری قسم کا غلبہ اسلام کو بتدریج حاصل ہوا مکہ مکرمہ میں دین اسلام باعتبار قوت وشوکت کے کمزور رہا۔

---

[1] سورۃ فتح کے الفاظ یہ ہیں: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝﴾ اور سورۂ صف کے الفاظ یہ ہیں: ﴿یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝﴾

ہجرت اور جہاد کے بعد بتدریج رفتہ رفتہ اسلام کی قوت اور شوکت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ سے حجاز اور نجد اور یمن کے تمام علاقہ پر اسلام کی حکومت قائم ہوگئی۔

اور آیات کے سیاق وسباق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود اسی دوسرے غلبہ کو بیان کرنا ہے۔ اس لیے کہ آغاز سورت سے لے کر یہاں تک مشرکین سے براءت اور بیزاری اور ان سے جہاد وقتال کے احکام کا ذکر چلا آرہا ہے اور پھر اسی سلسلہ میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کا اور اہل کتاب سے جہاد اور جزیہ کا حکم بیان کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں اس غلبہ کا بیان کرنا مقصود ہے جو جہاد وقتال اور سیف وسنان سے حاصل ہو اور سورۂ فتح میں بھی فتح مکّہ کا ذکر ہے اور سورۂ صف میں جہاد وقتال کا ذکر ہے اور بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ فتوحات اور غنائم کی بشارتوں کے بارے میں وارد ہوئیں یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں اظہار دین سے وہ غلبہ مراد ہے جو سیف وسنان سے حاصل ہو کہ حکم اسلام کا چلے اور کفار مقہور ومغلوب ہوں اور ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ کو بصیغۂ مضارع لانے میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہور اور غلبہ بتدریج ہوگا کیونکہ صیغۂ مضارع استمرار تجددی کے لیے آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پُرنور ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ بتدریج آپ ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد عظیم ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو عظیم الشّان بادشاہت اور بے مثال قوت وشوکت عطا کرے گا جس کے سامنے اس زمانے کی تمام قوتیں اور طاقتیں سرنگوں ہوجائیں گی۔

آنحضرت ﷺ کے زمانۂ سعادت میں روئے زمین پر دو سلطنتیں تھیں ایک ایران کی اور دوسری روم کی ان دونوں بادشاہوں کی سطوت وجبروت نے تمام دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب ان کی قوت کے سامنے مضمحل ہو رہے تھے۔ کسریٰ شاہِ ایران مذہباً مجوسی تھا اور قیصر روم مذہباً عیسائی تھا دنیا میں عیسائیت اور مجوسیت یہی دو مذہب سب سے طاقتور تھے جن کو کسریٰ اور قیصر کی سرپرستی حاصل تھی اور انہیں کا دین تمام اَدیان پر غالب تھا۔ اور دیگر ادیان بمصداق الناس علیٰ دین ملوکہم مغلوب تھے۔ ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا اور کچھ قدرِ قلیل عیسائی اور یہود بھی تھے۔ ان حالات میں اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بشارت دی گئی کہ دینِ اسلام تمام دینوں پر غالب ہوکر رہے گا اب ظاہر ہے کہ اس غلبہ کی کوئی صورت سوائے اس کے نہیں ہوسکتی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں درہم برہم ہوجائیں اور ان کی جگہ اسلام کی پُرشوکت حکومت قائم ہوجائے کہ حکم اور قانون اسلام کا چلے۔

غلبۂ دین کی اس پیش گوئی کے ظہور کا آغاز آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے ہوا کہ حجاز اور نجد اور یمن میں اسلام کو قوت وشوکت حاصل ہوئی اور دین اسلام کو بت پرستی پر غلبہ حاصل ہوگیا یہ ظہور دین اور غلبۂ دین کی ایک منزل طے ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے اور وعدہ کی تکمیل ہنوز باقی تھی سو اس وعدہ کی تکمیل آپ ﷺ کے خلفاء کے ہاتھوں پر ہوئی جو آپ ﷺ کے لیے بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے تھے چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ اور پیش گوئی خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پوری ہوئی انہیں کے زمانے میں انہیں کے جہاد وقتال سے اور انہیں کی جدوجہد سے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتیں روم اور ایران زیروزبر ہوئیں اور ان دونوں سلطنتوں پر اسلام کا فاتحانہ قبضہ ہوا جب یہ دونوں سلطنتیں برباد ہوئیں اس وقت دنیا کے موجودہ اور مشہور ترین ادیان مجوسیت اور نصرانیت بھی مغلوب ومقہور ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلفاء ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا اس میں شک نہیں کہ اللہ کا یہ وعدہ رسول اللہ ﷺ سے تھا کہ آپ ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی مدت متعین نہیں تھی کہ یہ وعدہ کب تک پورا ہوگا۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی نبی کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ یعنی جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ کے دین کے متعلق کیے ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے سامنے پورے نہ ہوں گے بعض وعدے تو آپ ﷺ کو آپ کی زندگی میں دکھلا دیئے جائیں گے اور بعض وعدے آپ ﷺ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو فتح شام کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانے میں پورا ہوا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اسی طرح سمجھو کہ حق جل شانہٗ نے جو اپنے نبی ﷺ سے ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ میں ظہور دین اور غلبۂ اسلام کا وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل اس پر موقوف تھی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹا جائے ہنوز یہ وعدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ سرور عالم ﷺ رحلت فرما گئے۔ اور اپنے جانشینوں کو ہدایت فرما گئے کہ ان دو قلعوں کو فتح کرو اور ان پر اسلام کا پرچم لہراؤ۔ آپ ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے حسب الارشاد یہ امر مہتم بالشان خلفاء ثلاثہ کے بابرکت ہاتھوں سے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق انجام کو پہنچا۔ اس لیے یہ سب کچھ آپ ہی کا کام محسوب ہوگا اور خلفاء نے جو کچھ کیا وہ آپ ﷺ ہی کے دست و پا ہونے کی حیثیت سے کیا اور آپ ہی کے حکم سے کیا۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعثتِ نبوی کا یہ مقصد اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا تو ثابت ہو گیا کہ یہ تینوں حضرات آپ ﷺ کے نائب و صادق اور خلیفۂ برحق تھے جن کے ہاتھوں پر مقصدِ بعثت کی تکمیل ہوئی اور یہی خلافت خاصہ اور خلافتِ راشدہ ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا یہ تمام تر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے کلام کا خلاصہ ہے جو ازالۃ الخفاء میں قلم حقائق رقم سے ظہور میں آیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ علی مر اللیالی وَالْاَیّام

تتمۂ کلام: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سلطنت قیصر مغلوب ہوئی تو گویا تمام ولایات فرنگ مغلوب ہو گئیں اس لیے کہ ولایات فرنگستان یعنی ریاستہائے انگلستان سب قیصر روم کے ماتحت تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سلطنت کسریٰ کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مغرب کی جانب میں اسلامی سلطنت کی حدود اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچی اور مشرق میں بلادِ چین تک پہنچی اور مشارق اور مغارب سے مدینہ میں خراج آنے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کیا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

شیعوں کی حیرانگی:

شیعہ اس آیت کی تفسیر میں بہت حیران اور سرگرداں ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ اظہار دین سے سیف و سنان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ حجت اور برہان کا غلبہ مراد ہے۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پوری ہو گئی۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ہو گیا اور نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کیا اس سے نصرانیت پر غلبہ ظاہر ہوا اور خیبر فتح ہونے سے یہودیت پر غلبہ ظاہر ہوا۔ غرض یہ کہ تمام دینوں پر غلبہ کا ظہور آپ ﷺ ہی کی زندگی میں ہو گیا۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے وقت میں پوری ہوگی۔ تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب اہلِ سنّت یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں۔ **قول اوّل** کا غلط ہونا تو پہلے ہی بدلائل واضح ہو چکا ہے کہ آیت میں صرف حجت اور برہان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں جو ہر قسم کے غلبہ کو شامل ہیں۔

قول دوم یعنی یہ کہنا کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد مبارک میں پوری ہوگئی صحیح نہیں۔ مشرکین پر تو غلبہ بیشک آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکا تھا لیکن مجوسیت اور نصرانیت اور یہودیت پر غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ چند نصرانیوں اور چند یہودیوں کے مغلوب ہو جانے سے مجوسیوں اور نصرانیوں کی سلطنت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ لہٰذا نجران کے نصاریٰ کی مغلوبیت اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتی اس آیت میں تو یہ ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا اور یہ وعدہ اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا کہ جب تک نصاریٰ اور مجوس کی سلطنتیں مغلوب اور زیروزبر نہ ہوں۔

قول سوم یعنی یہ کہنا کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے زمانے میں پوری ہوگی یہ بھی بچند وجہ مردود ہے اول یہ کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ کا یہ وعدہ باوجود چودہ صدی گزر جانے کے ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہنوز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ جب کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے تو یقیناً وہ مقصد اس فعل کے متصل ہی شروع ہو جانا چاہیے اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو قلیل ہو اگر کوئی طبیب یہ کہے کہ میں نے فلاں دوا اس لیے دی ہے کہ اس سے مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے تو اس دوا کے پینے کے بعد ہی اسہال شروع ہو جانا چاہیے اگر اس قریبی زمانے میں اسہال نہ ہوا بلکہ دوا پینے کے دس بیس برس بعد ہوا تو کون کہے گا کہ وہ طبیب اپنے قول میں کامیاب رہا۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ ظہور دین اور غلبۂ دین کا سلسلہ تو آپ ﷺ ہی کی زندگی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور وہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کی تکمیل خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر ہوئی۔

دوسری خرابی اس قول میں یہ ہے کہ آیت سے مقصود مسلمانوں کو خوشخبری اور تسلی دینا ہے کہ تم گھبراؤ نہیں۔ عنقریب تمہارے دشمنوں کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور تمہارا خوف دور ہو جائے گا اور تمہارا دین تمام دینوں پر غالب آجائے گا۔ پس اگر یہ پیش گوئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں پوری نہیں ہوئی تو ایسی پیش گوئی سے کیا فائدہ کہ قرن کے قرن اور صدی پر صدی گزرتی چلی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئیں۔

اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت:

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان حَکَم اور قول فیصل ہے وہ یہ کہ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دینِ ہدایت آنحضرت ﷺ پر نازل فرمایا آپ ﷺ نے وہی دین اور وہی ہدایت بعینہٖ بلاکم وکاست صحابہ کو پہنچا دی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے وہی بات سمجھی جو آنحضرت ﷺ کی مراد تھی اور پھر صحابہ نے وہی ہدایت تابعین کو پہنچائی اور تابعین نے تبع تابعین کو وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہی مذہب اہل سنّت کا ہے۔ پس اب جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دین تو پہنچایا لیکن وہ اس کی مراد کو نہ سمجھے یا جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے تو سہی مگر سمجھنے کے بعد حرص وہوا کے اسیر ہوئے اور ہمیشہ حق چھپاتے رہے۔ یہ دونوں فرقے بلاشک بدعتی ہیں اوّل فرقہ معتزلہ کا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ حدیث میں جو ((انکم سترون ربکم)) آیا ہے اس سے علم یقینی کے معنی مراد ہیں نہ کہ رؤیت حقیقی صحابہ دِقّتِ معنی اور غموض مفہوم کی وجہ سے بات کو نہ سمجھ سکے۔

اور دوسرا فرقہ شیعوں کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق صریح حکم دیا تھا۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نفسانی اغراض کی بنا پر اس کا اخفاء کیا اور گنہگار ہوئے سو از روئے تحقیق یہ دونوں فرقے بلاشبہ بدعتی ہیں کیونکہ آیت مذکورہ سے

مرادِ خداوندی یہ ہے کہ اللہ کا دین ضرور بالضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی اللہ کی مراد کو درہم برہم کر سکے اور جو درہم برہم ہونے کا قائل ہو وہ کاذب اور مفتری ہے۔ ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

ابطالِ تقیّہ *

① نیز آیت مذکورہ یعنی ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے بعثت نبوی سے مقصودِ خداوندی یہ ہے کہ دین حق کو تمام دینوں پر غالب اور ظاہر کر دے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ کا ارادہ اظہار کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا تو اس سے تقیہ کی گردن ہی ٹوٹ گئی اس لیے کہ تقیہ دین کے چھپانے کو کہتے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ بے خوف ونڈر ہو کر اللہ کے احکام اور اس کے پیغام بندوں کو پہنچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فرماتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ (الاحزاب:۳۹) یعنی انبیاء علیہم السلام کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔

③ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدہ:۶۷) اور چونکہ علی الاعلان اور صاف طور پر حکم خداوندی کے پہنچانے میں دشمنوں کی طرف سے مضرت کا اندیشہ تھا تو فرمایا ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:۶۷) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے ڈر کر حق کو نہ چھپائیں ہم آپ کی عصمت اور حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

④ چنانچہ سورۂ حجر میں ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (الحجر:۹۴) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دین کی بات کھول کر صاف صاف سنا دیں اور مشرکین کی پرواہ نہ کریں معاذ اللہ اگر انبیاء علیہم السلام تقیہ کرنے لگتے اور منہ پر مہر سکوت لگا کر بیٹھ جاتے تو حق کیسے ظاہر ہوتا اور تمام قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے دشمنوں کی قوت وشوکت اور اپنی بے کسی اور بے بسی کا لحاظ کر کے کبھی بھی اظہارِ حق اور اعلانِ حق میں دریغ نہیں کیا اور کبھی بھی دشمنوں سے ڈر کر تقیہ نہیں کیا۔

⑤ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اظہار کلمۂ حق میں دشمنانِ دین سے جو ہوشربا مصائب پہنچیں ان پر صبر کیا اور تقیہ نہیں کیا اگر تقیہ کرتے تو ان مصائب سے محفوظ رہتے۔

⑥ حق جل شانہٗ مومنین کی شان میں فرماتے ہیں ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ (المائدہ:۵۴) یعنی اللہ کے محب اور محبوب بندے خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اب اہلِ تقیہ بتلائیں کہ کیا اُن میں یہ وصف موجود ہے ان میں یہ وصف کہاں سے آیا بزدل ہیں ملامت سے ڈرتے ہیں سوائے خدا کے سب سے ڈرتے ہیں اہل تقیہ کو لوگوں کے درمیان رسوائی کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا ہے اور تبلیغ احکام میں مداہنت کرتے ہیں معلوم نہیں کہ خدا کو کیا منہ دکھاویں گے۔

---

* یہ تمام مضمون۔ ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ سے ماخوذ ہے۔

اور کشف الغمہ میں امام رضا رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

لا ایمان لمن لاتقیة له فقیل یاابن رسول الله ﷺ الی متی قال الیٰ وقت یوم معلوم وهوخروج قائمنا فمن ترك التقیّة قبل خروج قائمنا فلیس منّا. اور جامع الاخبار میں ہے: قال النّبی ﷺ تارك التقیّة كتارك الصّلوٰة.

الغرض شیعوں کے نزدیک بغیر تقیہ کے ایمان ناتمام رہتا ہے اور تارک تقیہ بمنزلہ تارک صلوٰۃ کے ہے تو حضرات شیعہ بتلائیں کہ پھر دین کا اظہار اور اعلان اور دعوت اور تبلیغ کی کیا صورت ہے۔

⑦ نیز کافروں سے خوف کی صورت میں ہجرت واجب ہے آیاتِ قرآنیہ اس بات کے بیان سے بھری پڑی ہیں کہ جہاں اظہارِ حق اور دین پر عمل ممکن نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر جائیں ﴿اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (العنکبوت:۵۶) ''یعنی میری زمین وسیع ہے کہیں چلے جاؤ اور جا کر میری عبادت کرو۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ﴾ (النساء) شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہجرت واجب تھی کہ کافروں اور منافقوں کو چھوڑ کر کہیں چلے جاتے۔ ساری عمر تقیہ ہی میں گزاری اور ہجرت نہ کی۔

⑧ اگر آدمی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت نہ ہو تو اُن سے ترک تعلق واجب ہے اور ان کی مجالس میں شرکت حرام ہے۔ کما قال الله تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانعام)

⑨ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے : ﴿وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (سورۃ العصر)

صبر کی ضرورت حق گوئی اور اعلانِ حق میں ہوتی ہے تقیہ میں صبر کی ضرورت نہیں خاص کر جس مذہب میں حق دبا لینے کی تاکید ہو وہاں حق گوئی پر صبر کی نصیحت بیکار ہے۔

⑩ نیز حضرات شیعہ سورۂ آلِ عمران کی اس آیت کو بھی پڑھیں: ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّیُّوْنَ كَثِیْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (آل عمران)

یعنی بہت سے نبی ہوئے جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے دشمنانِ دین سے جہاد و قتال کیا۔ سو اس راہ میں ان کو جو تکلیفیں پیش آئیں ان کے سبب نہ کچھ ڈھیلے ہوئے اور نہ سُست ہوئے اور نہ کفار سے کچھ دبے اور نہ اُن کے سامنے کچھ جُھکے۔ اور اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ پر ڈٹے رہے اور اس راہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں اُن پر صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ صابرین کو محبوب رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے سبب تکلیفوں پر صبر کرنے سے اللہ کا محبوب بنتا ہے تقیہ کر کے حق کو چھپانے سے اللہ کا محبوب نہیں بنتا۔ ہم خاکپائے غلامان اہل بیت کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی تقیہ نہیں فرمایا ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا وہ اسد اللہ الغالب تھے کوہِ شجاعت تھے صاحب کرامت تھے مرکز کرامات و ولایت تھے انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی تقیہ تو کمزور اور خوف زدہ آدمی کیا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت امیر نے تمام زندگی جو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ معاملہ رکھا وہ عین حقیقت اور عین مودت تھا۔ معاذ اللہ!

محض ظاہر داری نہ تھی بفرض محال اگر خلفائے ثلاثہ کا کچھ ڈر تھا تو وہ ان کی زندگی تک تھا۔ اور جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دنیا سے چلے گئے اور ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ تو پھر کس چیز کا ڈر تھا کہ جو برسرِ منبر اپنے زمانۂ خلافت میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور منقبت کو بیان فرماتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ مرے شیر سے تو گیدڑ بھی نہیں ڈرتے۔ پس اگر شیر خدا مری ہوئی روباہ سے ڈرنے لگیں تو قیامت آ گئی۔

نیز اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تقیہ کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقیہ کیوں نہ کر لیا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقیہ کر لیتے تو بہت سے بہت یہ ہوتا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ مارے جاتے تو وہ کون سے آپ کے عزیز و اقارب تھے جن کا آپ کو اس قدر پاس و لحاظ تھا۔ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے تو اپنے اہل و عیال اور لختِ جگر کو اس دین کی بابت قتل کرا دیا اور اپنے آپ بھی جاں بحق ہوئے اور زن و فرزند اور ننگ و ناموس کا کچھ بھی لحاظ نہ فرمایا سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ گوارا کیا مگر یزید کے مقابلہ میں تقیہ کو گوارا نہیں فرمایا۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیتے تو خلافت تو بنی رہتی۔ اور باغی اور مفسد لوگ سب ہی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے۔ اور دین کی ترقی ہوتی اور بایں ہمہ کچھ ہی سہی آخر قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظالم تھے اور مظلوم نہ تھے اور ہمراہیان امام الشہداء رضی اللہ عنہ کے برابر بے گناہ بھی نہ تھے۔

اس لیے تمام اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تقیہ کی نسبت یہ سب شیعوں کی تہمت ہے ﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ (النور:۱۶) ہم غلامانِ اہل بیت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ شیر خدا تھے اور خدا کے محب اور محبوب تھے یہ ناممکن ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے سامنے دب کر رہیں۔ اور ان کی خوشامد کرتے رہیں اور خوشامد میں اپنی بیٹی (اُم کلثوم رضی اللہ عنہا) بھی ایک کافر اور منافق (عمر رضی اللہ عنہ) کو دے دیں، یہ سب ناممکن اور محال ہے ؎

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ

اے ایمان والو! بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو لوگ

يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ

گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپا اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

سو ان کو خوشخبری سنا دُکھ والی مار کی جس دن آگ دہکا دیں گے اس پر دوزخ کی

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ

پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم گاڑتے تھے

لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اپنے واسطے اب چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔

اَحبار اور رُہبان کی حرص اور طمع کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ ... الیٰ ... فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ ﴾

ربط: اُوپر یہ بیان فرمایا کہ عوام الناس نے احبار اور رہبان کو اپنا رب بنالیا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ ان احبار ورہبان کی حرص اور طمع کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ اور اس مضمون کا مخاطب مومنین کو اس لیے بنایا کہ متنبہ ہو جائیں اور ایسے علماء اور مشائخ سے پرہیز کریں جو دنیا کی حرص اور طمع میں گرفتار ہیں ایسے گرفتارانِ آز و ہوا کی تو تعظیم و تکریم بھی جائز نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنالیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! جب کہ تم کو دینِ حق کے ظہور کا اور تمام ادیان پر اس کے غالب ہونے کا یقین ہے تو اپنے دین پر قائم رہو اور ان احبار اور رہبان کی مخالفت کی پروانہ کرو اس لیے کہ تحقیق یہود و نصاریٰ کے بہت سے علماء اور مشائخ البتہ کھا جاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے یعنی رشوت لے کر احکام شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق مسائل بتلا دیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں یعنی دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور جو لوگ حرص اور طمع کے بناء پر سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے۔ پس اے نبی! ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجیے جس دن ان سونے اور چاندی کے خزانوں کو آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان جلتے ہوئے دراہم و دنانیر سے ان کی پیشانیوں پر اور ان کی کروٹوں پر اور ان کی پیٹھوں پر داغ دیا جائے گا۔ کیونکہ فقیروں کو دیکھ کر اوّل ان کی پیشانیوں پر بل پڑتے تھے اور پھر ان سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اور پھر اُن سے پشت پھیر لیتے تھے۔ اور داغ دیتے وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہی خزانہ ہے جو تم نے اپنے نفع اور فائدہ کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ اور خدا تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے آج تمہارے لیے باعث ضرر بنا۔ پس چکھو وبال اس کا جو تم ذخیرہ کر رکھتے تھے۔ پس جو حرص اور طمع میں ایسے لوگوں کا اتباع کرے گا وہ عذاب میں بھی ان کا تابع ہوگا۔ جمہور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص سے متعلق ہے کہ جو مال جمع کرے اور اس کی زکوٰۃ اور اس کے حقوق واجبہ کو ادا نہ کرے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں اور اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ اربہا ارب ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمتِ نبوی ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت مسلمانوں پر بہت شاق گزری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

نے زکوٰۃ کو اسی لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کردے اور میراث کو اس لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے پس ماندوں کے کام آئے عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سُن کر از حد مسرور ہوئے اور فرطِ مسرّت میں تکبیر کہی۔ (اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مسندہ وابوداؤد وابویعلی وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ وابن مردویہ والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً) (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۳۲ ج ۳)

اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے عابد وزاہد صحابہ قوت لایموت سے زیادہ مطلقاً مال کے جمع کرنے کو حرام بتلاتے تھے۔ اب ان جیسا زہد اور تقویٰ اور توکل کس کو نصیب جو اس کا تصور بھی کر سکے۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مال فی حد ذاتہٖ کوئی بُری چیز نہیں بلکہ بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہے خواہ وہ اربہا ارب کیوں نہ ہو شریعت نے نہ ذاتی ملکیت کو ممنوع قرار دیا ہے اور نہ اس کی کوئی حد مقرر کی ہے البتہ اس میں حقوق واجب کیے ہیں حقوق واجبہ کے ادا کرنے کے بعد مال و دولت کی مضرت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی منفعت باقی رہ جاتی ہے یہ عام حکم ہے جو عوام کے لیے ہے اور خواص کا حکم یہ ہے کہ قوتِ لایموت کے علاوہ کسی درہم و دینار کو ان کے گھر میں رات گزارنے کی بھی اجازت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کبھی اپنے لیے کوئی مال جمع نہیں کیا۔ اور نہ مال جمع کرنے کو پسند کیا۔ اور نہ مال جمع کرنے کے لیے کوئی حکم امتناعی جاری کیا۔ خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مال داروں کو زکوٰۃ دینے کا تو حکم دیا مگر یہ حکم کبھی نہیں دیا کہ مال دار اپنی دولت سب پر برابر تقسیم کر دیں۔

مسئلہ : اس آیت سے اور دیگر احادیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا کہ سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے تفصیل کے لیے کتب فقہ کو دیکھیں۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ

مہینوں کی گنتی اللہ پاس بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۙ

پیدا کیے آسمان و زمین ان میں چار ہیں ادب کے، یہی ہے سیدھا دین،

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا

سو ان میں ظلم نہ کرو اپنے اوپر، اور لڑو مشرکوں سے ہر حال جیسے

يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ

وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال۔ اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔ یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ

سو بڑھائی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر، چھٹا (کھلا) گنتے ہیں اس کو ایک برس اور ادب کا گنتے

عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ

ہیں ایک برس کہ پوری کرلیں گنتی جو اللہ نے رکھی ادب کی، پھر حلال کرتے ہیں جو منع کیا اللہ نے بھلے دکھائے ہیں

لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۵ ۱۱

ان کو برے کام، اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو۔

عود بذکر بعض جہالات مشرکین عرب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ ... الٰی ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا اور پھر ان سے جہاد وقتال کے وجوہ بیان کیے اور کلام کو ان کی حرص اور طمع کے بیان پر ختم کیا کہ اس حرص اور طمع نے اُن کے دین اور دنیا کو خراب کیا۔ اب پھر مشرکین عرب کی بعض جہالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ تحقیق مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جو قمری ہیں۔ کتابِ الٰہی یعنی لوح محفوظ یا حکم خداوندی میں اسی طرح لکھا جا چکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اُن بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے ہیں تین مہینے متصل ہیں ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب جو اکیلا ہے۔

عرب میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے اشہر حرم خاص ادب اور احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ یعنی ذی قعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب اور ان چار مہینوں میں قتل وقتال اور جنگ و جدال سب حرام سمجھا جاتا تھا۔ اور قتل وغارت کا بازار بالکل بند ہو جاتا تھا۔ لوگ ان مہینوں میں امن وامان کے ساتھ سفر کرتے کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا حتیٰ کہ کوئی اپنے دشمن کو اور اپنے باپ کے قاتل کو بھی نہ چھیڑتا لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت ایجاد کر رکھی تھی کہ جب کسی زور آور قبیلہ کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو ماہ حرام قرار دے دیا ہے پھر اگلے سال یہ کہہ دیا کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرام اور صفر حلال رہے گا اس طرح عرب کبھی مہینوں کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح سب عرب سال بھر میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے لیکن اُن کی تعیین میں حسبِ خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ چار مہینوں کی تحریم کے تو قائل تھے مگر تخصیص اور تعیین کے قائل نہ تھے حسب ضرورت جس مہینہ کو چاہتے حلال اور جس کو چاہتے حرام کر لیتے ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی اس جہالت کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے مقرر اور معین ہیں ان میں کوئی تغیر اور تبدل جائز نہیں۔ یہی دین مستقیم ہے یعنی بارہ

مہینوں میں سے چار مہینوں کو بلا کسی تغیر وتبدل کے اور کسی تقدیم وتاخیر کے اشہرِ حرم قرار دینا یہی صحیح دین ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے چلا آرہا ہے اور جاہلیت کی یہ رسم کہ جس مہینہ کو چاہا حلال بنالیا اور جس کو چاہا حرام بنالیا یہ بے دینی اور گمراہی ہے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دین کے معنی حساب کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہی حساب صحیح اور درست ہے۔ پس اے مسلمانو! تم ان چار مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ یعنی دین قیم کا اتباع کرو۔ اور جاہلیت کے طریقہ پر مت چلو اور محرم کو صفر اور صفر کو محرم نہ بناؤ۔ اللہ کے حکم کو بدلنا یہی ظلم ہے۔ یہ چار مہینے محترم ہیں۔ ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اللہ نے ان چار مہینوں کو خاص بزرگی عطا کی ہے ان مہینوں میں گناہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ حدودِ حرم اور حالت احرام میں گناہ کرنا اور بہت ہی زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا ان چار مہینوں میں کسی سے ناحق قتال نہ کرو۔ یہ حرمت والے مہینے ہیں اور البتہ قتالِ حق کی ہر وقت اور ہر زمانے میں اجازت ہے۔ لہٰذا تم سب مل کر ان مشرکین سے لڑو ان حرمت والے مہینوں میں بھی اور ان کے سوا اور مہینوں میں بھی جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں یعنی دشمنوں سے لڑنے پر سب متفق رہو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو جیسا کہ وہ سب مل کر متفقہ طور پر تم سے قتال کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کافروں سے جہاد وقتال حق ہے اُن سے جہاد کرنے کے لیے کسی مہینہ کی قید نہیں۔ لہٰذا تم کافروں سے حرمت والے مہینوں میں اور اس کے سوا دوسرے مہینوں میں بھی جہاد وقتال کرو جیسے وہ تم سے بلا کسی قید اور بلا کسی تعیین کے لڑتے ہیں۔ ان چار مہینوں میں ناحق قتال کی ممانعت ہے اور کافروں سے جہاد وقتال حق ہے اس کی ممانعت نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے۔ (جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدۃ الحرام میں فرمایا جو چالیس دن تک جاری رہا اور غزوۂ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا (یعنی معصیت) ہمیشہ گناہ ہے اور ان مہینوں میں اور زیادہ ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ (موضح القرآن)

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: مترجم گوید۔ در دین حضرت ابراہیم علیہ السلام مقرر بود کہ در محرم و رجب و ذی قعدہ و ذی الحجہ با یک دیگر جنگ نکنند و اہل جاہلیت ایں حکم را تحریف کردہ گاہے صفر را محرم می ساختند و محرم را صفر و علیٰ ہذا القیاس دایں را نسیئ می گفتند خدائے تعالیٰ اصل ایں حکم را باقی داشت بایں وجہ کہ جنگ ناحق ہیچ گاہ درست نیست و دریں ماہہا حرمت آں مغلظ می شود و جنگ با کافراں ہمہ وقت درست است و نفی تحریف ایشاں فرمود و قولہ تعالیٰ ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی پس ستم نکنید در آں چہار ماہ برخویشتن یعنی بقتال ناحق" انتہیٰ کلامہ۔

مطلب یہ ہے کہ ملتِ ابراہیمی میں یہ چار مہینے ادب اور احترام کے تھے اللہ تعالیٰ نے اصل حکم کو یعنی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ اور مشرکین عرب نے جو اس میں تحریف کی تھی اس کی نفی فرمادی۔ اور جان لو کہ اللہ کی نصرت اور حفاظت خدا سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جاہلیت کی رسم سے پرہیز کرو آگے جاہلیت کی رسم اور اس کی قباحت اور مضرت کو بیان کرتے ہیں۔ جزایں نیست کہ مہینوں میں آگے پیچھے کرنا یہ کفر میں زیادتی ہے اس لیے کہ خدا کی حلال کردہ شے کو حرام ٹھہرانا اور اس کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرانا یہ دوسرا کفر ہے جس کی وجہ سے پہلے کفر میں اور زیادتی ہوگئی اور یہ تحریم وتحلیل کفر بر کفر اور معصیت بالائے معصیت بن

گئی۔ (دیکھو ❁ احکام القرآن للامام الجصاص ص ۱۱۲ ج ۳)

اس رسمِ بَد کے ذریعے گمراہ کیا جاتا ہے ان لوگوں کو جو کافر ہیں اس طور پر کہ نفسانی اغراض کی بنا پر ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور پھر دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اشہرِ حُرم میں سے بوقت ضرورت جس مہینہ کو چاہا حلال کر لیا۔ اور جس کو چاہا حرام ٹھہرا لیا یہی نسیئی ہے جس سے ان کے کفر سابق میں زیادتی ہوتی ہے۔ ان کی غرض یہ ہے کہ بلا تخصیص و تعیین ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔ جن کو اللہ نے محترم بنایا ہے پھر اپنی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر اس تدبیر سے اس مہینہ کو حلال بنا لیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کے بُرے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر دیئے گئے ہیں اور اللہ ایسے کافروں کو توفیق نہیں دیتا کہ جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں وہ خدا کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

نکتہ: جس طرح مشرکین عرب حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے تھے۔ اور قبیلہ کے سردار کو اس تحلیل و تحریم کا اختیار تھا۔ اسی طرح یہود اور نصاریٰ نے تحلیل و تحریم کی باگ اپنے احبار اور رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی اس لیے دونوں جماعتوں کی مشابہت بیان کرنے کے لیے یہ رسم یہاں بیان کی گئی کہ جس طرح مشرکین عرب نے اپنے سردار کے کہنے سے ملت ابراہیمی کے حکم میں تحریف کی اور اس میں تغیر و تبدل کیا اور باوجود اس کے اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کا متبع سمجھتے ہیں اسی طرح یہود نصاریٰ۔ تحلیل و تحریم میں اپنے احبار اور رہبان کا اتباع کرتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے کو شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کا متبع سمجھتے ہیں۔

یہاں تک براءت کا مضمون ختم ہوا جس کا تعلق مشرکین عرب سے تھا۔ اب آئندہ غزوۂ تبوک کا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا تعلق اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہے

مسئلہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چار مہینوں میں اب جہاد و قتال جائز ہے یا گناہ ہے بعض علماء تابعین اس طرف گئے ہیں کہ ان چار مہینوں میں اب بھی لڑائی حرام ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ﴾ (البقرہ:۲۱۷) یعنی ان چار مہینوں میں کفار سے ابتداء بالقتال کرنا ممنوع ہے لیکن اگر ابتداء کافروں کی طرف سے ہو تو پھر بطور مدافعت اور انتقام ان سے جہاد کرنا ممنوع نہیں بلکہ واجب ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ﴾ (البقرہ:۱۹۷) وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ﴾ (البقرہ:۱۹۱)

اور یہ قول عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے اور جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ حرمت آیت سیف سے اور دیگر آیات قتال سے منسوخ ہو چکی ہے۔ آیت ﴿اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ﴿وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ سے تقریباً ستر آیتیں منسوخ ہوئیں جن میں کفار سے قتال کی ممانعت مذکور تھی۔ اور احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں اس لیے کہ آں حضرت ﷺ نے اہلِ طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدۃ الحرام میں کیا اور وہ محاصرہ چالیس دن تک رہا اور غزوۂ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا۔

❁ اور ایسا ہی تفسیر البحر المحیط ص ۴۰ ج ۵ میں ہے: قال ابوحیان واخبران النسئی زیادۃ فی الکفر ای جاءت مع کفرھم لان الکافرِ اذا حدث معصیۃ ازداد کفرا. قال تعالیٰ: ﴿فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ کما ان المئومن اذا حدث طاعۃ از داد ایمانًا. قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝﴾ انتہیٰ

مسئلہ : شریعت میں قمری حساب کا اعتبار ہے اور قمری حساب سے سال کے بارہ مہینے ہیں تمام عبادات روزہ حج اور زکوٰۃ سب میں قمری حساب کا اعتبار ہے احکام شرعیہ کا دارومدار قمری حساب پر ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر قمری حساب کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر سب مسلمان قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی حساب یا اور کوئی حساب اپنے لیے ٹھہرائیں جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے شمسی حساب کا استعمال حسبِ ضرورت جائز ہے۔ مگر قمری حساب کو ضائع کر دینا یہ گناہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اے ایمان والو! کیا ہوا ہے تم کو؟ جب کہیے کوچ کرو اللہ کی راہ میں

اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ

ڈھے جاتے ہو زمین پر۔ کیا ریجھے دنیا کی زندگی پر آخرت چھوڑ کر؟

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا

سو کچھ نہیں دنیا کا برتنا آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا۔ اگر نہ نکلو گے

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

تم کو دے گا دُکھ کی مار، اور بدل لاوے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑو گے

شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ

اس کا، اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔ اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے

اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ

جس وقت اِس کو نکالا کافروں نے دو جان سے جب دونوں تھے غار میں جب کہنے لگا

لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ

اپنے رفیق کو تو غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اُس پر اور

اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ

مدد کو اس کی بھیجیں وہ فوجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی

وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا

اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اللہ زبردست ہے حکمت والا نکلو ہلکے

وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ

اور بوجھل اور لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

قصۂ غزوۂ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد وقتال کی تاکید اکید اور منافقوں کو تہدید شدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ ... الیٰ ... ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾﴾

ربط: شروع سورت میں مشرکین عرب سے براءت اور اُن سے جہاد وقتال کا ذکر تھا اسی سلسلہ میں فتح مکہ اور غزوۂ حنین کا ذکر کیا۔ بعدازاں آیۂ کریمہ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ... الاٰیۃ﴾ میں اہل کتاب سے جہاد وقتال کا حکم دیا۔ اب ان آیات میں غزوۂ تبوک کا بیان ہے جو ایک نصرانی بادشاہ یعنی قیصر روم کے مقابلہ میں پیش آیا۔ قیصر روم کے مقابلہ میں جہاد وقتال کی ترغیب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا اور ان لوگوں پر عتاب ہوا جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت سے تخلُّف کیا۔

آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ روم کا نصرانی بادشاہ مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے مقام تبوک میں فوج جمع کر رہا ہے جو اسی کی حدود میں واقع تھا۔

آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہو آپ ﷺ خود تبوک پہنچ کر اس کا مقابلہ کریں اس لیے آپ ﷺ نے ہجرت کے نویں سال مسلمانوں میں اس کا اعلان کر دیا تا کہ سب جہاد کے لیے تیار ہو جائیں اس سال مدینہ منورہ کے لوگ خشک سالی کی وجہ سے تنگ حالی میں مبتلا تھے اور سفر لمبا تھا اور سخت گرمی کا زمانہ تھا اور سامان جہاد کی قلت تھی اور اُدھر مقابلہ پر قیصر روم کا لشکر جرار تھا جس کی طاقت اور کثرت کی کوئی حد نہ تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر بعض مخلصین کی بھی ہمتیں پست ہوئیں اور جانے میں کچھ تامل کرنے لگے اور منافقین تو اس اعلان سے دہل گئے کہ یہ بے سروسامان مسلمان آدھی دنیا کے عظیم فرمانروا کی قوت وطاقت کا کہاں مقابلہ کر سکیں گے۔ اس لیے منافقین تو چلنے سے حیلے اور بہانے کرنے لگے اور عذر ومعذرت کر کے آپ ﷺ سے اجازت چاہنے لگے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہمیں یہ عذر ہے اور بعض مسلمانوں کو گرمی کی شدت اور سفر کی درازی اور بے سروسامانی کی وجہ سے طبعی طور پر کچھ تردّد ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اوّل مسلمانوں کو اس طبعی کاہلی اور پست ہمتی پر ملامت اور تنبیہ کی گئی اور غزوہ اور جہاد کی ترغیب دی گئی اور

ترک جہاد پر ترہیب کی گئی اور کاہلی کرنے والوں پر تہدیدی عتاب اور وعیدی خطاب نازل ہوا اور اُن کو یہ بتلا دیا گیا کہ اگر تم اس وقت رسول ﷺ خدا کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جس خدا نے اس سے پہلے ایک سخت وقت میں رسول ﷺ کی مدد کی ہے جب کہ اس کے ساتھ سوائے ایک فردِ واحد یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کوئی بھی نہ تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی مدد کرے گا۔ اس کی مدد فوج و لشکر پر موقوف نہیں یہ سُن کر مسلمان تو دل و جان سے تیار ہو گئے اور منافقین نے نہ جانے کے لیے حیلے بہانے بنانے شروع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان رکوعات میں منافقین کے جھوٹے حیلوں اور بہانوں کا پردہ فاش کیا۔ اسی وجہ سے اس کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں جس میں منافقین کی خوب فضیحت اور رسوائی ہوئی اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوا اور منشاء خداوندی بھی یہی تھا کہ منافقین کا نفاق سب پر ظاہر ہو جائے۔ اب اس سورت میں زیادہ تر روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ صرف اخیر میں بعض مؤمنین مخلصین کی سُستی اور کاہلی کے دو واقعوں کا اور ان کی توبہ کا ذکر ہے جو اخیر سورت میں آئے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تم کو کیا ہو گیا تمہارا تو ایمان ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد و قتال اور وہ بھی نبی ﷺ کی معیت میں ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ دنیائے دوں کے تمام فوائد اور منافع اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ بھی تمہارا ایمان ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تمہاری قلت سے وعدۂ خداوندی پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو پھر اس ایمان کے بعد یہ سُستی و کاہلی کہاں سے آئی۔ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جہاد و قتال کے لیے نکلو تو تم زمین کی طرف گرے جا رہے ہو یعنی تم کو جہاد میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنی زمینوں اور باغوں کو چھوڑنا ناگوار ہوا تو گویا کہ تم بوجھل ہو کر زمین یعنی پستی کی طرف گرے جاتے ہو۔ اِثّاقل کا طبعی میلان سِفل (پستی) کی طرف ہوتا ہے۔

یہاں سے غزوۂ تبوک کا بیان شروع ہے چونکہ غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں تھا اور اِدھر باغات کے پھل توڑنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اور دور کا سفر تھا اس لیے مسلمانوں کو اس غزوہ میں نکلنا دشوار گزرا اور گراں ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں پر عتاب فرمایا اور یہ تثاقل (گرانی) سب سے واقع نہیں ہوا تھا۔ لیکن بعض کے فعل کو کل کی طرف نسبت کر دیا گیا کیا تم آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہو گئے سو دنیاوی زندگانی کا نفع آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا بلکہ ہیچ ہے کیونکہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں فانی اور زائل ہو جانے والی ہیں۔ اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور عاقل اور دانا بڑی چیز کو چھوٹی چیز کی خاطر نہیں چھوڑتا اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور اپنے دین اور رسول ﷺ کی مدد کے لیے تمہارے بدلے دوسرے لوگ لا موجود کرے گا اور تم خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے خدا بے نیاز ہے اور اس کا رسول ﷺ اُس کی پناہ میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس میں یہ تغیر و تبدل بھی داخل ہے اگر تم اس کے رسول ﷺ کی مدد نہ کرو گے تو اس کا نقصان ہے اپنا ہی ثواب کھوؤ گے۔ پس تحقیق اللہ اس کی اس وقت مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکالا تھا۔ ایسے حال میں کہ وہ رسول ﷺ دو میں کا دوسرا تھا۔ یعنی جبکہ وہ صرف دو میں سے دوسرا [1] شخص تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت غار میں صرف

---

[1] قال الآلوسی۔ قوله ثانی اثنین حال من ضمیره علیه الصلوٰة والسلام ای احد اثنین من غیر اعتبار کونه ﷺ ثانیًا فان معنی قولهم ثالث ثلاثة و رابع اربعة و نحو ذالك احد هذه الاعداد مطلقا لا الثالث والرابع خاصة ا.. لخ. (روح المعانی ص ۸۶ ج ۱۰)

وقال ابن الجوزی فی زاد المسیر ص ۴۳۹ ج ۳ تفنون، العرب هو ثانی اثنین ای احد الاثنین و ثالث ثلاثة ای احد الثلاثة قال الزجاج آھ

ایک آپ ﷺ تھے اور ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور ان دو کے علاوہ تیسرا شخص آپ ﷺ کے ساتھ نہ تھا اس وقت اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کی جب وہ دونوں غارِ ثور میں چھپے ہوئے تھے۔ ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دونوں غارِ ثور میں جا کر چھپے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ دو میں کے دوسرے تھے۔

مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اس وقت کی جب اس کے ساتھ کل ایک ہی آدمی تھا۔ پس جس خدا نے ایسے وقت میں مدد کی کہ جب سوائے ایک شخص کے کوئی آپ ﷺ کے ہمراہ نہ تھا، وہ اب بھی مدد کر سکتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور میں جا کر چھپے تو کافر سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافر اپنے پاؤں کی طرف نظر کریں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے تو اس وقت آپ ﷺ اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لیے یہ کہنے لگے تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمیشہ * کے لیے ہمارے ساتھ ہے وہ کبھی ہم سے جُدا نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ خدائے کریم جس کے ساتھ ہو اسے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے بلکہ جس کے ساتھ خداوند کریم ہو اس کے دشمنوں کی خیر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غارِ ثور میں آپ ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو وہ اپنے قدموں کے نیچے ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کا کمال توکل ثابت ہوتا ہے کہ ایسی پریشانی کی حالت میں آپ ﷺ کو نہ کسی قسم کا اضطراب تھا اور نہ دشمنوں کا کچھ خوف تھا۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اپنے یارِ غار کو تسلی دے رہے تھے کہ تو کسی قسم کا اندیشہ نہ کر جب کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو کوئی ہمارا کیا کر سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر اپنی خاص تسکین نازل کی یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر سکون اور اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل کی جس سے ایسا سکون اور اطمینان ہوا کہ دُور دُور بھی کہیں خوف و ہراس اور پریشانی اور اضطراب کا نام و نشان نہ رہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تو آپ ﷺ کے پہلو ہی میں تھے۔ اس سکینت اور طمانینت کے نزول سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تمام پریشانی دُور ہو گئی سکینت کا نزول اگرچہ آنحضرت ﷺ کے قلب مقدس پر ہوا مگر اس سکینت کے نازل کرنے سے مقصود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی اور تسکین تھی اس لیے اس سکینت کے انوار و برکات نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رنج و غم کو دور کر دیا اور بعد ازاں خود حضور پُرنور ﷺ نے بھی اپنے یار غار کو تسلی دے دی اور سکینت اور طمانینت کا مژدہ جانفزا سنا دیا جس کو سُن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بھی مطمئن ہو گئے۔

جمہور علماء تفسیر کا مسلک یہ ہے کہ علیہ کے ضمیر آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے۔ اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے کیونکہ اس آیت میں صاحبہ کا ذکر سب سے زیادہ قریب میں واقع ہے اور بہتر یہ ہے کہ ضمیر قریب کی طرف راجع ہو نیز سکینت کا نزول خوف اور حزن کے دور کرنے کے لیے تھا اور حزن اور خوف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو تھا نہ کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ تو سکینت کے نزول ہونے سے پہلے ہی ساکن القلب اور مطمئن تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دے رہے تھے آپ

---

* ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اس لیے ترجمہ میں لفظ ہمیشہ ہمیشہ کا بڑھا دیا گیا۔ منہ عفا اللہ عنہ

پر سکینت نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپ ﷺ خود خائف ہوتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی کیسے دے سکتے تھے۔ ایک خوف والا دوسرے خوف والے کو کیا تسلی دے۔ معلوم ہوا کہ اس سکینت کا نزول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر ہوا تھا اور اسی قول کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اختیار فرمایا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴۵ ج ۴)

بہر حال اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر ہوا تو بات واضح ہے اور اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ قلب نبوی پر ہوا تو لامحالہ اس کا عکس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر پڑا اور آپ ﷺ کی ذات بابرکات اس انعکاس کا واسطہ بنی عجب نہیں کہ اس سکینت کے انوار و تجلیات اس قدر عظیم ہوں کہ سوائے رسول عظیم ﷺ کے قلب کے کوئی اور قلب بلا واسطہ ان کا تحمل نہ کر سکے اس لیے سکینت کے انوار و برکات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر آپ ﷺ کے واسطہ سے پہنچے تا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قلب ان انوار و تجلیات کا تحمل کر سکے ایسا نہ ہو کہ کوہِ طور کی طرح تجلی خداوندی سے ریزہ ریزہ ہو جائے۔ واللہ اعلم و علمہٗ اتم واحکم

اور علاوہ سکینت و طمانینت کے اللہ نے اپنے پیغمبر کی بدر اور حنین کی طرح فرشتوں کے ان لشکروں سے مدد کی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یعنی اللہ نے بلا سبب ظاہری کے آپ ﷺ کی مدد فرمائی اوّل تو سکینت اور طمانینت کو نازل کیا اور پھر آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے فرشتوں کی فوج نازل کی۔ اس طرح غیبی اسباب کے ذریعہ آپ ﷺ کی تائید اور تقویت کا سامان کیا جس کا ایک کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ مکڑی کا جالا جسے ﴿اَوْهَنُ الْبُيُوْتِ﴾ کہا گیا وہی آپ ﷺ کے حفاظت کے لیے مستحکم قلعہ سے بڑھ کر حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ اس طرح حق تعالیٰ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا یعنی وہ اپنے ارادہ میں ناکامیاب رہے اللہ نے ان کی ساری تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور آپ ﷺ کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اللہ کی بات وہی اُونچی ہے یعنی کلمۂ اسلام بلند اور بالا ہے اور قیامت تک بالا ہی رہے گا اور اللہ غالب اور عزت والا ہے جس کو چاہے اور جس طرح چاہے عزت اور غلبہ عطا فرمائے اور حکمت والا ہے۔ کبھی اَسباب کے پردہ میں مدد کرتا ہے اور کبھی بلا اسباب کے مدد فرماتا ہے اے مسلمانو! نکلو جہاد کے لیے ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل یعنی دونوں حالتوں میں جہاد کے لیے نکلو ہلکے ہونے کی حالت میں نشاط اور انبساط کا اجر ملے گا اور بوجھل ہونے کی حالت میں مشقت کا اجر ملے گا خفاف اور ثقال کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ خفاف اور ثقال سے سوار اور پیادے یا تندرست اور بیمار یا جوان اور بوڑھے یا محتاج اور مالدار یا نہتے اور ہتھیار والے یا بے عیال اور عیالدار مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلو نفیر عام کے وقت کوئی عذر نہ کرو اگر تم سے اور کچھ نہ ہو سکے گا تو مجاہدین کے مال و متاع ہی کی حفاظت کر لو گے۔

غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خفیف اور ثقیل کو نکلنے کا حکم دیا ہے۔ بے عیال ہلکے پھلکے ہیں اور عیالدار بوجھل جوان ہلکے پھلکے ہیں اور بوڑھے بوجھل سوار ہلکے پھلکے ہیں اور پیدل بوجھل وغیرہ وغیرہ اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرو جان سے جہاد یہ ہے کہ خود جہاد میں شریک ہو اور مال سے جہاد کرنا یہ ہے کہ دوسرے مجاہدین کی مدد کرے اور اپنے روپیہ سے ان کے لیے سامان حرب مہیّا کر دے۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو کہ جہاد کرنے کا کیا ثواب ہے اور نہ کرنے کا کیا عذاب ہے اس حکم کے سُننے کے بعد جتنے سچے مسلمان تھے سب بے عذر جہاد کے لیے آمادہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس تیس ہزار فوج جمع ہو گئی اور آپ ﷺ نے تبوک کی جانب کوچ فرمایا۔

لطائف ومعارف

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو فضیلت نکلتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے واقعی واقعہ غار میں ان کی جاں نثاری قابل صد آفرین ہے یارِ غار کی مثل جو دنیا میں مشہور ہے وہ یہیں سے چلی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے صرف غار کی فضیلت دے دیں اور مجھ سے تمام عمر کی عبادت اور نیکیاں لے لیں تو میں اس پر راضی ہوں۔

اُمتِ مرحومہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی اس کے مقر اور معترف ہیں پس یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شانِ عظمت کو واضح کر رہی ہے اور اگر عند اللہ آپ کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوتا تو آپ کی اس فضیلت کو خصوصیت اور خاص شان کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں سب کو معلوم ہے کہ جس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہ پر سلایا اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں غار ثور کی طرف روانہ ہوئے بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ جاں نثاری قابل تحسین وصد آفرین ہے۔

مگر حق جل شانہٗ نے اس آیت میں سفر ہجرت اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سُلانے کا واقعہ ذکر نہیں فرمایا اور قرآن کریم میں جو تشخیص وتعیین کے ساتھ اور صراحت ووضاحت کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور فضیلت کو بیان کیا ہے اس طرح کسی اور کی فضیلت کا بیان نہیں کیا پس جو شخص اس آیت کو پڑھے گا اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سرتاجِ اہلِ ایمان اور سالارِ قافلۂ اہلِ عرفان ہونے میں کوئی شک نہیں رہ سکتا۔ اس آیت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں۔

① جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اپنے قتل کا اندیشہ ہوا اور بحکم خداوندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان واخلاص اور ان کی صدق مودت پر کامل وثوق تھا ورنہ ایسے خطرہ کے وقت میں ہرگز ان کو ساتھ نہ لیتے کیونکہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں یہ میرے دشمنوں کو میرے حال پر آگاہ نہ کر دے یا کہیں آپ ہی مجھ کو قتل نہ کر دے۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ! رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن۔ مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں اور حسب ارشادِ باری ﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ (محمد: ۳۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منافق کو اس کے چہرے اور اس کی بات سے پہچان لیتے تھے کہ یہ شخص منافق ہے۔ پس اگر بفرض محال شیعوں کے زعم کے مطابق ابوبکر رضی اللہ عنہ منافق تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود نور نبوت اور کمال فراست کے ان کا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بفرض محال حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو سفر ہجرت میں ایک منافق کو ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔ شیعوں کے زعم کے مطابق تو خدا کو چاہیے تھا کہ بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کر دیتے کہ اس منافق کو ساتھ نہ لے جائیں بجائے ممانعت کے اس کی مدح اور منقبت میں آیتیں نازل ہوئیں۔

② حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ جل وعلا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس عتاب سے مستثنیٰ کیا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں کیا بلکہ ایسے

آڑے اور نازک وقت میں رسول ﷺ خدا کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

③ ثَانِیَ اثْنَیْنِ

خدا تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ثانی فرمایا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ثانی وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضور پُرنور ﷺ کے بعد سب سے افضل اور برتر ہو۔ چنانچہ کمالات علمیہ اور عملیہ میں بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور پُرنور ﷺ کے ثانی تھے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور قرآن وحدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدیق نبی کا ثانی ہوتا ہے مقام نبوت ورسالت کے بعد مقام صدیقیت ہے۔

خدا تعالیٰ نے جب آنحضرت ﷺ کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا اور آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اسلام پیش کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلا تردّد اسلام قبول کیا اور اپنے احباب خاص یعنی طلحہ اور زبیر اور عثمان بن عفان اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اسلام پیش کیا یہ سب لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے تو دعوت تبلیغ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ثانی ہوئے اور امامت میں بھی آپ ﷺ کے ثانی ہوئے اور ساری عمر آپ کے وزیر ومشیر رہے اور وفات کے بعد حضور پُرنور ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ غرض یہ کہ از اول تا آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے ثانی رہے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ثانی ہوں گے۔

احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا:

((ماظنك باثنين الله ثالثهما)).

"تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔"

اس سے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اس پر بعض متعصب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تیسرے اور چوتھے ہونے سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ (المجادلہ:۷)

"یعنی کوئی تین شخص ایسے نہیں کہ جب وہ سرگوشی کرتے ہوں تو ان کا چوتھا اللہ نہ ہو اور نہ پانچ ایسے ہیں جن کا اللہ چھٹا نہ ہو۔"

اور ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مؤمن اور کافر کے لیے عام ہے پس جب اللہ کا کسی کے لیے چوتھا یا چھٹا ہونا موجب فضیلت نہیں تو نبی کا ثانی اثنین ہونا کیسے موجب فضیلت ہو سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اعتراض ناسمجھی پر مبنی ہے کیونکہ آیت ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى﴾ میں اللہ کا چوتھا یا چھٹا ہونا بلحاظ علم اور تدبیر اور احاطۂ قدرت کے ہے کہ وہ عالم الغیب ہے سب کے سرائر اور ضمائر پر مطلع ہے اس کو حق تعالیٰ نے موقع تعظیم میں ذکر نہیں کیا بخلاف آیت زیر تفسیر کے کہ اس میں خدا تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ثانی اثنین ہونا معرض تعظیم میں ذکر کیا ہے اور اس صفت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

خلاصۂ کلام:

یہ کہ ایسے نازک موقع پر آنحضرت ﷺ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو یہ یقین کامل تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہے۔

④ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ

حق جل شانہٗ نے ﴿ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ ﴾ کے لفظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یارِ غار ہونا ظاہر کر دیا اور یارِ غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اور اس کی محبت اور اخلاص انتہا کو پہنچ جائے تو ایسے محب مخلص کو محاورہ میں یارِ غار کہتے ہیں۔

⑤ لِصَاحِبِهٖ

خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب (ساتھی) قرار دیا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت کے صاحب خاص اور مصاحب بااختصاص تھے اور تمام شیعوں اور سُنّیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں صاحبہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

اور عربی زبان میں صاحب اور صحابی کے ایک ہی معنی ہیں۔ پس یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر نص قاطع ہے یہ رتبہ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں بیان کیا۔ اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر ہے وہ قرآن کی اس آیت کا منکر ہے اور قرآن کا مُنکر کافر ہے۔ اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع اُمت سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا انکار بھی کفر ہے البتہ جن صحابہ کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا مُنکر کافر نہیں کہلائے گا بلکہ گمراہ اور بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص سورۃ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا یعنی ﴿ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ ﴾ پر پہنچا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سُن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں۔ (تفسیر ابن جریر ص ۹۶ ج ۱۰)

⑥ لَا تَحْزَنْ

جب مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی رونے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمناں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے تو ساری اُمت ہلاک ہو جائے گی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا: ﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم غمگین نہ ہو تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (روض الانف ص ۴ ج ۲)

خدا تعالیٰ نے نبی کی زبانی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا ﴿ لَا تَحْزَنْ ﴾ یعنی غم نہ کر یہ نہی کا صیغہ ہے جو دوام اور تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا خوف اور غم نہیں نہ موت سے پہلے اور نہ موت کے وقت اور نہ موت کے بعد پس ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴾ "یعنی قیامت کے دن نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

معاذ اللہ۔ معاذ اللہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوتے تو جب کافر غار کے منہ پر پہنچے تھے اس وقت ان کو چلانے

اور یہ کہنے سے کون روکتا تھا کہ محمد ﷺ جس کو تم ڈھونڈتے پھرتے ہو یہ اس غار میں میرے پاس بیٹھا ہے اور اُن کے بیٹے عبدالرحمن اور ان کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کو جو کھانا لے کر غار پر آتے جاتے تھے ان کو اس امر سے کون مانع تھا کہ وہ کفار سے کہہ دیتے کہ محمد کی جگہ ہم کو معلوم ہے آؤ ہم تم کو وہاں لے چلیں۔ خدا ایسے تعصب سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے آمین۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم غمگین نہ ہو یہ لفظ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عاشق صادق اور مؤمن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدۂ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ دشمنِ رسول ﷺ تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول ﷺ اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تا کہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کر لیتے دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دے دیں تا کہ وہ کچھ تو پاسِ رفاقت خلیفۂ اوّل کریں ؎

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے لیے

غار میں تنہائی تھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس تنہائی میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقع تھا وہاں کون پوچھتا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند یعنی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے انہیں کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما جو غار پر کھانا لے کر آیا کرتی تھیں ان کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ رازداری اور جاں نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونا یہ سب آنحضرت ﷺ کے عشق اور محبت میں تھا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حُزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا اس لیے کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ رنج و غم کی جگہ یا محبوب کے فراق یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خدا تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا:

﴿يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝﴾ (النمل)

"اے موسیٰ (علیہ السلام)! ڈرو مت میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے۔"

اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کا ڈر ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا ﴿لَا تَخَفْ﴾ ڈرو مت اور یوں نہیں فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو۔ اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور ان کو ڈر ہوا کہ فرعون کے لوگ مجھ کو مار ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈر کر بھاگے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا﴾ (القصص:۲۱) یعنی موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے۔ اور بیسیوں جگہ کلام اللہ میں خوف کا لفظ موجود ہے اور یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسف علیہ السلام کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ تو

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ (یوسف:۸۶) یعنی میں اپنی پریشانی اور رنج وغم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔ اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

نیز قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۰) یعنی جب پکے مسلمان مرتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو۔ پس اگر حزن اور خوف کے ایک ہی معنی ہوئے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔ نیز غم خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً کسی کا عزیز وقریب مرجائے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مرجانے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہنے لگے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے اور اگر بہ پاس خاطرِ شیعہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کو بھی ہم بمعنی ﴿لَا تَخَفْ﴾ ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں ں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ! مت ڈر اور ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو خوفناک ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام وایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

⑦ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ تسلی دی کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے دونوں کے ساتھ ہے یعنی خدا تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ تو مسلمانوں کی طرف داری اور حمایت کرتا ہے نہ کہ کافروں اور منافقوں کی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ... اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ... اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اس قسم کے کلمات سے کلامُ اللہ بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ کفار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی دشمنی رکھتے تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کی تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہمیں تو اتنا بھی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح سے ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی مَعَنَا بصیغہ جمع سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے۔ یعنی ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعِيْ وَمَعَكَ﴾ نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا میرے ساتھ بھی ہے۔ تو اس سے اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

نیز ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔ اور اللہ کبھی ان سے جُدا نہ ہوگا اور اگر بالفرض یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت نہ بھی کرے تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی کہ اس وقتِ خاص میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں خدا کی ہمراہی اور

ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوندِ ذوالجلال رسول اللہ ﷺ سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہمراہی اور طرف داری چھوڑ دے سو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ تو دائمی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی دائمی ہوگا کیونکہ دونوں حصے رلے ملے ہیں بٹے ہوئے نہیں۔ ایک مع کا لفظ دونوں کے لیے معًا استعمال فرمایا ہے ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ یعنی ﴿مَعِیَ وَ مَعَكَ﴾ نہیں فرمایا نیز ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفس ذات کے ساتھ ہے کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے بعد ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے جب ایمان گیا تو ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتی کہ ہمراہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اور اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ فرمایا ہے اور ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہمراہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں (کیونکہ ضمائر باجماع آئمہ نحو نفس ذات پر دلالت کرتی ہیں کسی وصف پر دلالت نہیں کرتیں)۔

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام معرفت التیام کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ہدیۃ الشیعہ کی مراجعت کریں۔

نکتہ: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب غار ثور میں کفار کے آنے سے پریشانی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ان کو تسلی کے لیے یہ فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾۔ مَعَنَا میں ضمیر جمع لائے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اس معیت میں شریک فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو جب فرعون اور اس کے لشکر کے آجانے سے پریشانی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ﴿كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ﴾ (الشعراء: ۶۲) لفظ معی کو بصیغۂ مفرد فرمایا یعنی اللہ میرے ساتھ ہے اور معنا صیغہ جمع کا نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور قوم کو اس دولت میں شریک نہ کیا وجہ فرق کی یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی کوئی پریشانی نہ تھی۔ پریشانی فقط حضور ﷺ کی تھی کہ مبادا کوئی دشمن آپ ﷺ کو دیکھ لے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ دولت توکل سے مالا مال تھے ان کی تسلی کے لیے یہی کلام مناسب تھا جو حضور پُرنور ﷺ نے استعمال فرمایا اور معیت الٰہیہ میں ان کو شریک کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ نہ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر متوکل تھے اور نہ یار غار کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عاشقِ زار اور جاں نثار تھے ان کو تو اپنی جان کا خطرہ تھا پھر خطرہ ہی نہیں بلکہ اس کا جزم اور یقین تھا کما قال تعالیٰ: ﴿اَصْحٰبُ مُوْسٰى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ﴾ (الشعراء: ۶۱) جس میں اِنَّ اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ تین موکدات موجود ہیں یعنی بس ہم تو یقیناً پکڑے گئے حالانکہ بارہا اس کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ فرعون کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اس کا وعدۂ نصرت سُن کر چلے تھے ان تمام اُمور کے ہوتے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانے کا یقین اور جزم کر بیٹھے جو اُن کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دھمکا کر فرمایا۔ كَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا جس تاکید سے انہوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اس کا جواب بھی تاکید کے ساتھ دیا گیا اور لفظ معی کو مفرد لائے اور باوجود خبر ہونے کے اس کو مقدم کیا تاکہ فائدہ حصر کا حاصل ہو اس لیے کہ تقدیم ما حقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے مطلب یہ تھا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور تم لوگ بوجہ ضعیف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو ہر

ایک کا کلام اپنے اپنے موقع پر نہایت بلیغ ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب صدیق اکبرؓ جیسے ہوتے تو وہ بھی وہی فرماتے جو حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا اور اگر حضور ﷺ کے مخاطب وہ لوگ ہوتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے تو حضور ﷺ بھی وہی فرماتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بلاغت کے معنی مقتضائے حال کی رعایت کے ہیں۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا دیکھو وعظ الرفع والوضع ص ۴۵ نمبر ۳۲ از سلسلۂ تبلیغ۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت، معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ ﴿اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ﴾ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت معیت الٰہیہ تھی۔ جس کو نبی کریم ﷺ نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے اسی آیت میں حق جل شانہٗ کی معیت کو اسم اعظم (یعنی لفظ اللہ) کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا یہ نکتہ عارف کامل شیخ ابن لبان رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی تشریح ہے جس کو علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے۔

⑧ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سکینت سے طمانینت مراد ہے اور شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سکینت ایک خاص کیفیت اور حالت کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے: ① نور اور ② قوت اور ③ روح۔

① نور سے قلب روشن اور منور ہو جاتا ہے دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حق اور باطل۔ ہدایت اور ضلالت۔ شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

② قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل وعلا کی اطاعت و بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلبِ مؤمن نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے۔

③ اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہو جاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوۂ خندق میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ رجز آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک پر تھا۔

اللّٰھم لولا انت مااھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا

"اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانینت ہم پر نازل فرما جس سے ہماری پریشانی اور اضطراب دور ہو۔" (تفصیل کے لیے مدارج السالکین ص ۲۷۸ ج ۲۔ کی مراجعت کریں)

مشہور قول یہ ہے کہ ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ﴾ میں علیہ کی ضمیر مجرور آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحب کی طرف یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے۔ اس لیے کہ لفظ ﴿صَاحِبِہٖ﴾ قریب میں واقع ہے اور ضمیر کا قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز ﴿فَاَنْزَلَ﴾ کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ پر تفریع

ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حزیں وغمگین ہوئے تو اللہ نے ان کے حزن وغم کو دُور کرنے کے لیے ان پر سکینت وطمانینت نازل کی۔ (دیکھو روح المعانی ص ۸۷ ج ۱۔ اور زرقانی شرح مواہب ص ۳۳۶ ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی سکینت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نازل کی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سکینتِ الٰہی ہمیشہ رہتی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی منقول ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے۔

(دیکھو زاد المسیر ص ۴۴۰ ج ۳ لابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تفسیر کبیر ص ۴۵۱ ج ۴ میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ علیہ کی ضمیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔

علامہ سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر مجرور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تبعیت اس میں داخل ہیں اور مصحفِ حفصہ رضی اللہ عنہا میں ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِمَا﴾ بصیغۂ تثنیہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت وطمانینت دونوں پر نازل کی اب بحمدہٖ تعالیٰ کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ (دیکھو روض الانف ص ۵ ج ۲)

اور امام ابن انباری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ ﴿عَلَيْهِ﴾ کی ضمیر اگرچہ مفرد ہے مگر قائم مقام تثنیہ کے ہے بیک وقت دونوں کی طرف راجع ہے جیسا کہ ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ میں ﴿يَرْضُوْهُ﴾ کی ضمیر منصوب اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر معنی تثنیہ ہے اللہ اور رسول دونوں کی طرف راجع ہے اسی طرح ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ کی تقدیر کلام یہ ہے۔ ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِمَا﴾۔ (دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۴۴۱ ج ۳)

⑨ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا

اور قوت دی اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غارِ ثور پر فرشتوں کا پہرہ * لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحابِ کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔ كَمَا قال الله تعالىٰ: ﴿لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا﴾. (الکہف:۱۸)

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز نہیں فرشتے ہم کو اپنے پروں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اتنے ہی میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا۔

(فتح الباری ص ۱۸۷ ج ۷ اور روح المعانی ص ۸۸ ج ۱۰)

اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ ﴿وَاَيَّدَهٗ﴾ کی ضمیر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف راجع ہے جس کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ کہا:

((یا ابابکر ! اِنَّ اَنزَلَ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْكَ وَاَیَّدَكَ ...الخ)) . (روح المعانی ص ۸۷ ج ۱۰)

"اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ! اللہ نے تجھ پر سکینت وطمانینت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔"

⑩ وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر اور منصوبہ کو ناکام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے غار پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا اور غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیلِ مرام واپس کر دیا۔ اور خیر وعافیت سے مدینہ منورہ پہنچا دیا اور تمام راستے قدم قدم پر تائید غیبی کے کرشمے ظاہر ہوتے رہے جیسا کہ احادیث میں ان کا ذکر ہے یہاں تک کہ سید الابرار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یار غار اور محب جاں نثار اللہ کی حفاظت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

تتمۂ کلام: بعض شیعہ لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فی الجملہ فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر ان کی یہ فضیلت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے بڑھی ہوئی نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ ہجرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ تم میری جگہ میرے بستر پر سو رہو اور ظاہر ہے کہ ایسے خطرہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر ے پر لیٹنا اور اپنی جان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فدیہ کے لیے حاضر کر دینا مشکل کام ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کو یہ یقیناً معلوم تھا کہ کفار رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے قتل کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ پس علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے۔

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسے خطرناک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سو جانا بیشک موجب فضیلت ہے لیکن ایسے خطرناک وقت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اس سے کہیں بڑھ کر فضیلت ہے اس لیے کہ کفار بہ نسبت علی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر زیادہ دانت پیستے تھے کفار کو معلوم تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر ومشیر ہے اور جان ومال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی اور معین اور مددگار ہے۔ اور دعوت وتبلیغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش پیش ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی تبلیغ سے طلحہ اور عثمان اور زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اسلام میں داخل ہوئے بخلاف علی رضی اللہ عنہ کے کہ وہ اس وقت نوعمر تھے اور ابھی تک ان سے نہ کوئی دعوت وتبلیغ ظاہر ہوئی اور نہ کوئی جانی اور مالی جہاد، اس وجہ سے کفار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ دشمن نہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فوراً واپس ہو گئے۔ اور علی رضی اللہ عنہ سے کچھ تعرض نہ کیا وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کم عمر تھے کم عمری کی وجہ سے کفار کی مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کفار کو ان سے زیادہ دشمنی نہ تھی۔ کفار کو اصل پُرخاش ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تھی۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو کچھ پریشانی رہی وہ صرف ایک رات رہی صبح کو اٹھتے ہی وہ پریشانی ختم ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا بخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تین روز تک غار ثور میں بھی اور اس کے بعد بھی جب تک مدینہ نہیں پہنچے برابر خطرہ میں رہے اور بایں ہمہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑا جس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ثابت ہوئی۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ منطق الطیر میں فرماتے ہیں ؎

خواجۂ اوّل کہ اوّل یار اوست ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست
صدرِ دیں صدیق اکبر قطب حق در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق
ہرچہ حق از بارگاہِ کبریا ریخت در صدرِ شریف مصطفیٰ
او ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم تابودازد تحقیق ریخت
چوں تو کر دی ثانی اثنینش قبول ثانی اثنین او بود بعد از رسول

خاتمۂ کلام بر نصیحت معرفت التیام

یہ رکوع غزوۂ تبوک کے بارہ میں نازل ہوا جس کا آغاز اس عنوان سے ہوا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾

اس کے بعد قصہ کی تفصیل فرمائی۔ قصہ کا آغاز۔ جہاد میں سستی کرنے والوں پر ملامت سے ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ملامت کی، جنہوں نے دنیا پر قناعت کی اور آخرت کے کام میں سُستی کی اور خطاب سراپا عتاب کا آغاز ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے عنوان سے ہوا کہ ایمان کا مقتضیٰ یہ نہیں کہ بمقابلۂ آخرت دُنیاوی زندگی پر راضی ہو جائے پوری دُنیا کا ساز وسامان آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور دُنیاوی زندگی کی رغبت کو ﴿ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ ﴾ سے تعبیر فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا کی رغبت پستی ہے اور آخرت کی رغبت بلندی ہے شروع کلام سے اس بات پر متنبہ کر دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ دنیا پر قناعت کر لینا اور آخرت کو بھول جانا ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذَالِكَ. آمین

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ

اگر کچھ مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو تیرے ساتھ چلتے، لیکن دُور نظر

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ

آئی ان کو طرف۔ اور اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی کہ ہم مقدور رکھتے تو نکلتے تمہارے ساتھ

ع ۶/۵/۱۲ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۴۲ عَفَا اللّٰهُ

وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جان اور اللہ جانتا ہے وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ بخشے

عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ

تجھ کو کیوں رخصت دی تو نے ان کو جب تک معلوم ہوتے تجھ پر جنہوں نے سچ کہا اور جانتا تو

الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

جھوٹوں کو۔ نہیں رخصت مانگتے تجھ سے جو لوگ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ ارْتَابَتْ

رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں یقین رکھتے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور شک میں پڑے ہیں

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ

دل اُن کے ، سو اپنے شک ہی میں بھٹکتے ہیں۔ اور اگر چاہتے نکلنا تو

لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّ لٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَ

تیار کرتے کچھ اسباب اس کا اور لیکن خوش نہ لگا اللہ کو ان کا اٹھنا سو بوجھل کر دیا ان کو اور

قِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا

حکم ہوا کہ بیٹھو ساتھ بیٹھنے والوں کے۔ اگر نکلتے تم میں کچھ نہ بڑھاتے تمہارا مگر خرابی

وَّ لَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ

اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش اور تم میں بعضے جاسوس ہیں

لَهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

ان کے، اور اللہ خوب جانتا ہے بے انصافوں کو۔ کرتے رہے ہیں تلاش بگاڑ کی آگے سے

وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اُلٹتے رہے ہیں تیرے کام جب تک آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے۔

بیان احوال واقوال منافقین متخلّفین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا ... الیٰ ... وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اس غزوہ کے متعلق مؤمنین کو خطاب تھا۔ اب آگے منافقین کے احوال واقوال کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جانے سے حیلے اور بہانے ڈھونڈتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح جہاد میں جانا نہ پڑے اخیر سورت تک زیادہ تر منافقین ہی کے اقوال کا ذکر ہے کہ باوجود عذر نہ ہونے کے نفاق کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور اس درمیان میں کسی مناسبت کی بنا پر دوسرے مضامین کا بھی ذکر آ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر ہوتی وہ چیز جس کی طرف آپ ﷺ نے اُن کو بلایا ہے نفع قریب الحصول یعنی سہل الحصول غنیمت ہوتی۔ اور درمیانہ سفر ہوتا یعنی آسان اور ہلکا سفر ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے ولیکن دور نظر آئی ان کو راستہ کی مسافت مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مال پر حریص ہیں اور آرام طلب ہیں چونکہ سفر تبوک لمبا سفر تھا اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہ تھی۔ اس لیے منافقین نے اس غزوہ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہیں دیا اور اب وہ مسلمانوں کے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنائیں گے اور خدا کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے وہ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنی جانوں کو خود ہی ہلاک کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو مستحق عتاب بنا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں اور اپنے عذروں میں جھوٹے ہیں۔ آنحضرت ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تو بعض منافقین نے جھوٹے عذر تراش کر کے آنحضرت ﷺ سے ہمراہ نہ جانے کی اجازت حاصل کر لی آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی حق جل شانہ، کو آپ ﷺ کا یہ اجازت دینا پسند نہ آیا۔ اس لیے آئندہ آیت میں اس اجازت کا غیر مناسب ہونا بیان فرماتے ہیں۔ (اے نبیؐ) اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی مناسب یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو اجازت دینے میں عجلت نہ فرماتے یہاں تک کہ وہ لوگ تجھ پر ظاہر ہو جاتے کہ جو دعوائے ایمان اور اپنے عذر میں سچے ہیں اور تا کہ آپ جھوٹ بولنے والوں کو جان لیتے مطلب یہ ہے کہ ان کو اجازت دینا مناسب نہ تھا ان کا اجازت چاہنا نفاق پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دینے میں ذرا جلدی کی۔ اس عجلت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عتاب فرمایا اور کمال عنایت سے قصور بیان کرنے سے پہلے معافی کو ظاہر کر دیا اور درحقیقت یہ خطاب۔ خطابِ ملاطفت ہے نہ کہ خطاب عتاب ہے اور اگر خطاب عتاب بھی ہے تو اس سے مقصود منافقین کی تہدید ہے قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے اپنے نبی کو یہ حکم نہیں دیا تھا۔ کہ آپ ﷺ ان کو اجازت نہ دیں اور جس بات میں آپ ﷺ پر وحی نہیں کی گئی ہو اُس میں آپ ﷺ ترک اور فعل دونوں کے مختار ہیں۔ پس آپ ﷺ سے کسی گناہ کا تو صدور نہیں ہوا البتہ ایک خلاف اولیٰ امر ظہور میں آیا جس پر حق تعالیٰ نے بطور تلطف وعنایت ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ سے آپ ﷺ کو متنبہ کیا جس سے مقصود آپ ﷺ کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔ بسا اوقات اس قسم کے الفاظ مخاطب کے ساتھ لطف و عنایت ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے ﴿اَصْلَحَكَ اللّٰه وَاعزك الله و عفاك الله﴾ اور لفظ عفو کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ گناہ یا خطا کے معاف کرنے کے لیے مستعمل ہو بلکہ بعض اوقات عدم وجود کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((عفا الله عنكم عن صدقة الخيل والرقيق)).

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کردی۔ معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں پر کوئی مطالبہ نہیں جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کے بارے میں آپ سے اجازت نہیں طلب کرتے کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں کیونکہ خدا کی راہ میں جہاد وقتال ان کی دلی تمنّا اور آرزو ہے ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لیے حاضر ہے۔ وہ جہاد میں شریک نہ ہونے کے لیے کیسے اجازت طلب کر سکتے ہیں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ ہر متقی کو بقدر اس کے تقویٰ کے اجر عطا کرتا ہے جزایں نیست کہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور حیات اُخرویہ کی کوئی تمنّا دل میں نہیں رکھتے جس کے حصُول کے لیے جہاد کریں اور ان کے دل اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس وہ اپنے شک میں سرگرداں اور حیران پھرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! جو لوگ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمان غالب آئیں گے اس لیے کبھی مسلمانوں کی طرف جھکتے ہیں اور کبھی کافروں کی طرف اور جو مؤمنین مخلصین ہیں وہ تو جہاد کے عاشق ہیں ان کا حال تو یہ ہے ؎

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاک تیغت سَر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور ان منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لیے اجازت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے۔ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ جہاد میں جانے کا ارادہ کرتے تو ضرور اس کے لیے کوئی سامان تیار کرتے ولیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ ہی نے اُن کا اس سفر میں اٹھنا اور تمہارے ساتھ جانا پسند نہیں کیا پس ان کو حرکت کرنے سے روک دیا اور ان پر ایسی سُستی اور کاہلی غالب کردی کہ حرکت ہی نہ کر سکیں اور تکوینی طور پر ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو۔ یعنی جس طرح عورتیں اور بچے اور اپاہج گھر میں رہتے ہیں اسی طرح تم بھی گھر میں بیٹھے رہو۔ اور جہاد کے لیے نہ نکلو۔ اور اے مسلمانو! ان کے نہ جانے ہی میں خیر ہوئی اگر وہ تم میں شامل ہو کر جہاد کے لیے نکلتے تو سوائے فتنہ اور فساد کے کوئی شئے زیادہ نہ کرتے یعنی دشمن کے مقابلہ میں نامردی دکھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ فساد پھیلانے کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے یعنی تم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے یا تم کو رومیوں کے مقابلہ سے ڈراتے مثلاً یہ کہتے کہ تمہارے مقابلہ پر اس قدر کثیر التعداد لشکر جمع ہوا ہے تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور تم میں بعض ان کے جاسوس بھی ہیں تمہاری خبریں ان کو پہنچاتے ہیں اور فتنہ وفساد میں ماہر ہیں یا یہ مطلب ہے اور تم میں بعضے ایسے بھی ہیں جو ان کی باتوں کو اپنی کمزوری کی وجہ سے صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے یعنی منافقوں کو اور ان کی فتنہ پردازیوں کو خوب جانتا ہے اور ان کی فتنہ پردازی کوئی نئی چیز نہیں۔ البتہ تحقیق ان لوگوں نے اے نبی! اس سے پہلے بھی فساد ڈالنے اور تیرے کاموں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کی تدبیریں کی ہیں۔ جیسا کہ احد میں فساد ڈالا تھا اور مسلمانوں کی مدد چھوڑ دی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حق وعدہ سامنے آ گیا اور اللہ کا حکم غالب آیا اور مسلمانوں کو فتح ونصرت نصیب ہوئی اور دین اسلام سربلند ہوا اور وہ اسلام کی فتح ونصرت کو پسند نہیں کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو شکست دلانے کی تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے تم کو فتح دی اور وہ اس سے ناخوش تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ

اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑے ہیں،

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو۔

ربط: گزشتہ آیات میں عام منافقین کے احوال واقوال کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں خاص خاص منافقین کے خاص خاص اقوال و احوال کا ذکر کرتے ہیں اس آیت میں جس منافق کے قول کا ذکر ہے اس کا نام جد بن قیس تھا جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ غزوۂ روم کے لیے نکل، تو اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میری تمام قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کی محبت میں مشہور ہوں اور روم کی عورتوں کا حسن مشہور ہے میں عورت کی شکل دیکھ کر صبر نہیں کرسکتا۔ پس آپ ﷺ مجھ کو لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیے میں اپنے مال سے آپ ﷺ کی مدد کرسکتا ہوں آپ ﷺ نے نہایت خشمگین ہو کر فرمایا: اچھا تجھے اجازت ہے اس کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری اور ان منافقوں میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ سے یہ کہتا ہے کہ مجھ کو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دیجیے اور فتنہ میں نہ ڈالیے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ تو پہلے ہی سے فتنہ میں گر چکے ہیں اور نفاق سے بڑھ کر کیا فتنہ ہوگا۔ زنانِ روم کا فتنہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ اس سے پہلے ہی فتنہ میں گر چکے ہیں اور جہنم کا فتنہ اس کے علاوہ ہے اور تحقیق جہنم کافروں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ لوگ دوزخ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے اور اسباب جہنم میں سے آپ ﷺ پر حسد اور آپ ﷺ کی عداوت ہے آئندہ آیت میں اس کا بیان ہے۔

نکتہ: ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ جملہ اسمیہ ہے جو متعدد تاکید کے ساتھ مقرون ہے اشارہ اس طرف ہے کہ جہنم کا کافروں کو محیط ہونا امر قطعی اور یقینی ہے جس کا سبب وہی فتنۂ نفاق اور فتنۂ شہوات ہے کہ جس کے اسباب ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور ﴿بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ میں اشارہ اسی طرف ہے کہ علت اس کی کفر اور حرکات کفریہ ہیں جو ان کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ نفاق اور کفر کے احاطہ سے ان کا نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اخلاص اور توکل کی ہدایت اور نصیحت فرماتے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ

اگر تجھ کو پہنچے کچھ خوبی وہ بُری لگے ان کو، اور اگر پہنچے سختی، کہیں ہم نے

اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ

سنبھال لیا تھا اپنا کام آگے ہی اور پھر کر جاویں خوشیاں کرتے۔ تو کہہ ہم کو نہ

يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

پہنچے گا، مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہم کو وہی ہے صاحب ہمارا اور اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ

مسلمان۔ تو کہہ تم کیا چیتو گے (سوچوگے) ہمارے حق میں مگر دو خوبی میں سے ایک۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ

اور ہم امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کچھ عذاب، اپنے پاس سے یا

بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

منافقین کے حسد اور ان کی باطنی عداوت کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ ... الٰى ... اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾

ربط : اس آیت میں منافقین کے حسد اور ان کی ایک باطنی خباثت اور اندرونی عداوت کا ذکر ہے جو سارے فتنوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ کو کسی لڑائی میں کوئی بھلائی مثلاً فتح یا غنیمت پہنچے تو حسد اور عداوت کی وجہ سے ان کو بُری معلوم ہوتی ہے اور اگر لڑائی میں آپ کو کوئی مصیبت پہنچے مثلاً شکست یا زخم وغیرہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا انتظام کر لیا تھا یعنی ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ اس لڑائی میں نہیں گئے اور یہ کہتے ہوئے خوش وخرم اپنی مجلسوں سے اپنے گھر واپس ہو جاتے ہیں۔ اے نبی! آپ ﷺ ان منافقوں سے کہہ دیجیے کہ تم ہماری مصیبت سے کیا خوش ہوتے ہو ہمیں یقین ہے کہ ہم کو ہرگز نہیں پہنچے گی، مگر وہ چیز جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور ہمارا آقا اور مولیٰ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں بندہ را با مصلحت بینی چہ کار اس کی طرف سے جو فتح ونصرت یا ہزیمت ونکبت آئے اسی میں ہمارے لیے خیر ہے اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کا انتظار کرتے ہو کہ ہم کو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ملے یعنی لڑائی میں ہمارا انجام یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یا تو فتح اور غنیمت حاصل کریں یا شہادت اور اجر حاصل کریں۔ دونوں صورتوں میں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہم کو ضرور حاصل ہوگی۔ پس تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کے منتظر ہو سکتے ہو اور ہم بھی تمہارے حق میں دو باتوں میں سے ایک بات کے یا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر براہ راست اپنے پاس سے کوئی عذاب نازل کرے جیسے کڑک اور زلزلہ اور طوفان وغیرہ تا کہ اس عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جاؤ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے۔ یعنی ہمارے ہاتھوں سے تم کو قتل کرائے اور ذلیل وخوار کرے مطلب یہ ہے کہ ہم بھی تمہارے لیے ان دو برائیوں میں سے ایک برائی کے منتظر ہیں یا تو خود خدا تمہیں کسی سماوی آفت اور غیبی

مصیبت سے ہلاک کرے یا ہمارے ہاتھوں کے ذریعے تم کو عذاب اور مصیبت پہنچائے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے انجام کے منتظر ہیں اور وہ وقت دُور نہیں کہ جب انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔

یہ تو جد بن قیس کے حسد اور عداوت اور فتنہ زنانِ روم کا جواب ہوا اب آئندہ آیت میں اس کی اس بات کا جواب ہے کہ میں اپنے مال سے آپ ﷺ کی مدد کو حاضر ہوں۔ اور آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ تم فاسق اور منافق ہو اور بدون صدق اور اخلاص کے کوئی عمل اس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تو کہہ، مال خرچ کرو خوشی سے یا نا خوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے۔ تحقیق تم ہوئے ہو

قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ

لوگ بے حکم۔ اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر

اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ

اسی پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر

كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ

جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر بُرے دل سے۔ سو تو تعجب نہ کر

اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى

ان کے مال اور اولاد سے۔ یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب کرے ان چیزوں سے

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ

دنیا کے جیتے اور نکلے ان کی جان جب تک وہ کافر ہی رہیں۔ اور قسمیں کھاتے ہیں

بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

اللہ کی، کہ وہ بیشک تم میں ہیں۔ اور وہ تم میں نہیں ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ

اگر پاویں کہیں بچاؤ، یا کوئی گڑھے یا سر گھسانے کو جگہ، تو اُلٹے بھاگیں اسی طرف

يَجْمَحُوْنَ ⑤⑦

رسیاں توڑاتے۔

بیان غیر مقبول بودن صدقات ونفقات منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ... الٰى ... وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ⑤⑧﴾

ربط: گزشتہ آیت میں جُد بن قیس کے اس قول کا یعنی ﴿لَا تَفْتِنِّيْ﴾ کا جواب تھا جس میں اس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ بنا کر غزوہ میں جانے سے معذوری ظاہر کی تھی۔ اب اس آیت میں اس کے دوسرے قول کا جواب ہے جو اس نے یہ کہا تھا کہ میں بذاتِ خود تو جہاد میں نہیں جا سکتا لیکن روپیہ پیسہ سے اعانت کر سکتا ہوں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اس کا خرچ مقبول نہیں۔ قبول کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے جو ان میں مفقود ہے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہ ہو اللہ کے یہاں ان کی عبادت قبول نہیں اے نبی آپ منافقین سے اور خاص کر جُد بن قیس سے جو یہ کہتا ہے کہ میں مال سے آپ کی مدد کر سکتا ہوں ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ تم خوشی سے راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرو یا ناگواری اور ناخوشی سے تمہاری طرف سے کوئی خیرات ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ تحقیق تم لوگ حد سے زیادہ نافرمان ہو۔ اور اسلام کے دائرہ سے بالکلیہ باہر ہو اور ادب سے بالکل بے بہرہ ہو ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے زبان سے امداد کا ذکر کرتے ہو۔ ایسی امداد کی اسلام کو ضرورت نہیں اور ان کے خیرات کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہیں مانا اور خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور جس طرح کافر ظاہر میں زندہ اور معنی مردہ ہیں اسی طرح کافر کا عمل اگرچہ ظاہر میں خوبصورت ہے مگر درحقیقت مردہ اور بے جان ہے اور وہ نہیں حاضر ہوتے مسجد میں نماز کے لیے مگر کاہلی کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتے وہ راہِ خدا میں مگر بادِل ناخواستہ اس لیے کہ ثواب وعقاب پر ان کا ایمان نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خیرات اللہ کے یہاں مقبول ہے اور جو کافر اور منافق ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ جب تک خدا اور رسول ﷺ سے تعلق نہ قائم کریں گے اس وقت تک کوئی عمل ان کا قابل قبول نہیں اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ایمان کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ پس جب یہ ایسے مردود اور مطرود ہیں تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ یعنی آپ ﷺ ان کے مال و دولت اور اولاد کی کثرت کو دیکھ کر تعجب نہ کریں کہ یہ کیوں ہے اور یہ خیال نہ کریں کہ اللہ ان سے راضی ہے کیونکہ یہ سب استدراج ہے ظاہر میں انعام ہے اور در پردہ وبال ہے۔ پس اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے باعث ان کو دنیاوی زندگی میں مبتلائے عذاب رکھے۔ ہر وقت مال و دولت کی محبت میں سرگرداں رہیں اور اس کے حصول کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اور سخت سے سخت مصیبتیں اور ذلتیں اٹھاتے رہیں۔ غرض یہ کہ جب تک زندہ رہیں تو دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے رہیں اور مرنے کے وقت ان کی جانیں ان کے بدن سے کفر کی حالت میں نکلیں تاکہ عذاب دنیا کے بعد وہ عذاب آخرت میں پھنس جائیں اور یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ تحقیق وہ تم ہی میں سے ہیں یعنی مسلمان ہیں اور حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ پکے کافر

ہیں ولیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں ڈر کے مارے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لیے وہ اپنے نفاق کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اُن کو ڈر یہ ہے کہ اگر وہ اپنے اندرونی کفر کو ظاہر کریں تو مشرکین کی طرح وہ بھی قتل اور قید کیے جائیں اگر یہ لوگ پائیں کوئی جائے پناہ یا غار اور تہہ خانے یا کوئی سر گھسانے کی جگہ تو تیزی کے ساتھ اس طرف بھاگ جائیں اور تمہیں چھوڑ جائیں مگر بیچارے مجبور ہیں کہ کہاں جائیں کوئی جگہ ان کو ایسی نظر نہیں آتی جہاں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں۔ مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی مسلمان ہیں اور تمہاری جماعت میں شامل ہیں۔ لیکن وہ نفس الامر میں تمہاری جماعت میں شامل نہیں ان کا قسم کھانا ڈر کی وجہ سے ہے آج اگر ان کو کوئی جائے پناہ غار یا تہہ خانہ مِل جائے تو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں ان کا تم سے ملنا جُلنا ناخوشی اور ناگواری کے ساتھ ہے نہ کہ محبت کی راہ سے یہ تو اپنی غرض اور ضرورت سے ملتے ہیں ان کو اسلام کی روز افزوں عزت و رفعت سخت ناگوار ہے ان کو مسلمانوں سے اس قدر بُغض اور نفرت ہے کہ ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی غار یا تہہ خانہ یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو وہاں چل دیں اور مسلمان کی صورت بھی نہ دیکھیں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ

اور بعضے ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور

اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ

اگر نہ ملے، تب ہی وہ ناخوش ہو جاویں۔ اور کیا خوب تھا؟ اگر وہ راضی ہوتے جو

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ

دیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے بس ہے ہم کو اللہ دے رہے گا ہم کو اللہ

فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۳/۷

اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو اللہ ہی چاہیے۔

تقسیم صدقات وغنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ ... الیٰ ... اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾

ربط: ان آیات میں تقسیم صدقات کے بارے میں منافقین کے ایک طعن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا منشاء صرف حرص اور طمع تھا بعض منافقین نے تقسیم صدقات کے بارے میں آپ ﷺ پر ناانصافی کا الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ ان لوگوں کا یہ طعن محض حرص اور طمع پر مبنی ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دیدیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے۔

اس لیے آئندہ آیت میں صدقات کے مصارف بیان فرمائیں گے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون صدقہ دینے کے قابل ہیں اور کون نہیں اور ان منافقین میں کی ایک نوع وہ ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے بارے میں ناانصافی کا عیب لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ! آپ ﷺ تقسیم صدقات میں عدل وانصاف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بخاری وغیرہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو خارجیوں کا رأس الرئیس اور اصلِ اصول تھا اور بعض نے اس کا شان نزول اور لوگوں کو بتلایا ہے۔ پس خوب سمجھ لو کہ ان کا یہ طعن خودغرضی کی راہ سے ہے سو ان صدقات میں سے اگر ان کو اُن کے حسب منشاء دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آپ ﷺ کی تقسیم پر ان کو کوئی اعتراض نہیں رہتا اور اگر ان صدقات میں سے اُن کو ان کی خواہش کے موافق نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس حرف گیری کا منشاء صرف خودغرضی ہے جو خود اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے خیرات اور صدقات نافلہ اور مال غنیمت میں ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہمیں کافی ہے اللہ کا فضل قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل وکرم سے اور اس کا رسول ﷺ اپنے لطف وعنایات سے عطا کرے گا تحقیق ہم دل وجان سے اللہ کی طرف راغب ہیں اور اس کے فضل وکرم کے اُمیدوار ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ
زکوٰۃ جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا
قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ
دل پر چانا ہے اور گردن چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کی راہ میں، اور راہ کے مسافر
فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾
کو ٹھہرا دیا ہے اللہ کا اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

بیان مصارف صدقات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ ... الیٰ ... وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾﴾

ربط: منافقین حرص اور طمع کی بناء پر یہ چاہتے تھے کہ ہم جس وقت آپ ﷺ سے جتنا مال مانگیں اتنا ہی مال آپ ﷺ ہم کو دے دیا کریں۔ اسی لیے وہ آپ کی عادلانہ تقسیم پر طعن کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس میں صدقات کے مصارف بیان فرمائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ صدقہ دینے کے قابل نہیں اور یہ بتلا دیا کہ اللہ کے نبی کی تقسیم حکم خداوندی کے مطابق ہے جس میں ذرہ برابر خیانت کا احتمال نہیں کیونکہ زکوٰۃ اور صدقات نبی ﷺ پر اور اس کے اہل وعیال پر اور اس کے خاندان پر بلکہ اس کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی حرام ہے ایسی حالت میں خودغرضی کا تو کوئی امکان ہی نہیں حضور پُرنور ﷺ کے پاس جو زکوٰۃ اور صدقات کا مال آتا ہے وہ

حسب حکم خداوندی فقراء ومساکین پر خرچ کردیتے ہیں تم جیسے حریص مال دار اس کے مستحق نہیں ۔ منافقین کے قبائح اور فضائح کے درمیان مصارف صدقات کا بیان اس لیے فرمایا تا کہ منافقین کی طمع منقطع ہو جائے ۔ چناچہ فرماتے ہیں صدقات وخیرات یعنی زکوٰۃ صرف فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے اور ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے وصول کرنے پر تعینات ہیں ۔ یعنی جو صدقات کی تحصیل کا کام کرتے ہیں ۔ ان کو اس مال میں سے بطریق عُمالہ یعنی بطریقہ صلہ کارگزاری کچھ دیا جائے اگرچہ وہ غنی ہوں لیکن نہ بطریق زکوٰۃ وصدقہ اور بطریق عمالہ میں بھی یہ شرط ہے کہ بقدر کفاف اور بقدر ضرورت دیا جائے گویا کہ شریعت نے عاملین کو جو دینے کا حکم دیا ہے وہ درحقیقت ان کا سفر خرچ ہے نہ کہ زکوٰۃ اور صدقہ ۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی اور یہ صدقات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب کی جائے اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں جو ابھی اسلام پر پختہ نہیں اور افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے اُن کے اسلام سے پھر جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے لوگوں کی تالیفِ قلب اور دلجوئی کے لیے اس مال میں سے ان کی مدد کی جائے اس حصّہ کے متعلق جمہور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ یہ پہلے تھا اور اب ساقط ہو گیا کیونکہ اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا ۔ لہٰذا اب مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع اور اتفاق ہو گیا ۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۰۹ ج ۱۰)

مطلب یہ ہے کہ اب تالیف قلب کی بنا پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ حکم پہلے تھا اور اب منسوخ ہو گیا ۔ اب زکوٰۃ صرف حاجت اور ضرورت کی بنا پر جائز ہے ۔

اور نیز ان صدقات کو غلاموں کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے یعنی وہ لونڈی اور غلام جنہوں نے اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیا ہے کہ ہم کما کر اتنی رقم ادا کریں تو ہم کو آزاد کر دیا جائے ۔ اصطلاح شریعت میں ایسے غلاموں کو مکاتب کہتے ہیں ۔ سو مال زکوٰۃ سے ان مکاتبین کی امداد جائز ہے ۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے لونڈی اور غلام کو خرید کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور یہ صدقات قرضداروں کے قرضہ ادا کرنے کے لیے بھی ہیں ۔ غَارِمِیْن سے وہ قرض دار مُراد ہیں جن کے پاس اتنا اثاثہ نہیں کہ جس سے وہ قرضہ ادا کر سکیں بشرطیکہ وہ قرضہ انہوں نے جائز ضرورت کے لیے لیا ہو معصیت اور فسق اور فجور جیسے شراب خوری اور فضول خرچی کے لیے نہ لیا ہو ۔ حدیث میں ہے کہ جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور نیز یہ صدقات اللہ کی راہ میں صرف کیے جائیں اللہ کی راہ سے جہاد مراد ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں اور حاجت مند مجاہدوں کی اس مال سے مدد کی جائے تا کہ وہ اس مال سے سفر جہاد کر سکیں اور سامان جہاد ہتھیار وغیرہ خرید سکیں اور نیز یہ صدقات بے سروسامان مسافروں کی امداد میں خرچ کیے جائیں جو اپنے گھر سے خرچ منگانے پر قادر نہیں اور نہ قرض لینے پر قادر ہیں تو ایسے بے سروسامان مسافروں کو زکوٰۃ وصدقات میں سے اتنی رقم دے دینی جائز ہے کہ جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکیں ۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے ۔ لہٰذا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق جس طرح صدقات کو تقسیم کر دیا اس میں کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہیں اور اللہ بندوں کی حاجتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔ اس کو مناسب اور نامناسب کا علم ہے صدقات کے متعلق اس نے جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے ؎

حق تعالیٰ چوں درِ حکمت کشاد — ہر کسے را آنچہ می بائیست داد
نیست واقع اندراں قسمت غلط — بندہ را خواہی رضا خواہی سخط

چونکہ منافقین نے آنحضرت ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود صدقات کی تقسیم کا طریقہ مقرر کر دیا۔ اور اس کے مصارف متعین فرما کر ان کی فہرست نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی کہ آپ ﷺ اس کے مطابق تقسیم کریں تا کہ کوئی حریص اور خود غرض آپ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذاتِ خود اس کے مصارف متعین کر دیئے جو آٹھ ہیں ان کے سوا کسی اور مصرف میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں اب ہم ان آٹھ مصرفوں کو جُدا جُدا تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔

تفصیل مصارف صدقات

① اَلْفُقَرَآء ② اَلْمَسَاكِيْنَ :

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقراء اور مساکین۔ یہ دونوں محتاجین کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں ان کی تفسیر میں علماء سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس بقدر ضرورت و کفایت نہ ہو غرض یہ کہ سخت افلاس اور بدحالی کا نام فقر ہے۔ چنانچہ سخت مصیبت کو عربی زبان میں فاقرہ کہتے ہیں اور فقیر اصل میں فقار سے مشتق ہے۔ جس کے معنی کمر کی ہڈی کے ہیں۔ فقیر اس لیے کہتے ہیں کہ سخت افلاس نے اس کی فقار (کمر) توڑ دی ہے۔

اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس مال میں سے کوئی ادنیٰ سی چیز موجود ہو مگر اس کی ضرورت کے لیے قطعاً کافی نہ ہو یہ لفظ سکون سے مشتق ہے چونکہ اس کے پاس سکون قلب کا ذریعہ موجود نہیں اس لیے اس کو مسکین کہتے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ بے سروسامانی کی وجہ سے ساکن ہے متحرک نہیں۔

بہر حال احتیاج فقیر میں بھی پائی جاتی ہے اور مسکین میں بھی مگر جمہور علماء کے نزدیک فقیر محتاجی میں سب سے بڑھ کر ہے اور مسکین محتاجی میں فقیر سے کم درجہ میں ہے اس لیے حق جل شانہٗ نے مصارف صدقات میں سب سے پہلے فقراء کا ذکر فرمایا کیونکہ فقراء بہ نسبت دیگر اصناف کے محتاج تر ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسکین فقیر سے زیادہ بدتر ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کے نزدیک فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس مقدار نصاب مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (البلد:۱۶) مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس سوائے مٹی کے کچھ نہ ہو۔

③ عَامِلِيْنَ :

مصارف صدقات کی تیسری قسم عاملین ہے۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات کے کام پر تعینات ہوں اُن کو بھی اس مال سے بقدر ضرورت و کفایت دے دیا جائے گا اگرچہ وہ غنی ہوں۔ جاننا چاہیے کہ عاملین کو جو کچھ دیا جائے گا وہ بطریق زکوٰۃ نہیں بلکہ بطریق عُمالَہ ہے اور پھر یہ عُمالَہ بھی بقدر کفاف اور بقدر ضرورت و کفایت ہے یعنی ضرورت اور کفایت کے مطابق ان کو دیا جائے۔ جس کی مقدار کوئی معین نہیں۔ اس لیے اس کو اجرت اور معاوضہ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قوله تعالىٰ: ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ و هم السعاة لجباية الصّدقة يعطون منها بقدر اجور امثالهم

ولیس مایاخذونہ بزکوٰۃ. (زادالمسیر ص ۴۵۷ ج ۳)

غرض یہ کہ عامل اور مُحصِّل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ درحقیقت اس کی آمدورفت کا خرچ ہے زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کیونکہ زکوٰۃ میں شرط یہ [1] ہے کہ وہ کسی عمل کے عوض اور مقابلہ میں نہ ہو بلکہ زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک المال بغیر عوض ہے۔

(دیکھو بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۱۵۱ ج ۱ و کنز الدقائق ص ۵۵)

حضراتِ اہل علم تفصیل کے لے بدائع الصنائع ص ۴۴ ج ۲ دیکھیں۔

قرآن وحدیث سے یہ امر بداہتہً معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات دراصل حق فقراء کا ہے مگر چونکہ عاملین صدقات نے تحصیل صدقات میں فقراء کی خدمت انجام دی ہے۔ اس لیے عاملین [2] کو حکماً فقراء کے زمرہ میں شمار کر کے یا ان کا خادم ہونے کی حیثیت سے صدقات میں سے بطور عمالہ اور بطور صلۂ خدمت فقط بقدر ضرورت وکفایت کچھ دے دینے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ زکوٰۃ اصل حق فقراء کا ہے عامل کو فقراء کی طرف سے بطور حق الخدمت دے دیا گیا نہ بطور زکوٰۃ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بطور عُمالَہ ہے نہ کہ بطور صدقہ وزکوٰۃ کیونکہ یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ غنی کو صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حلال نہیں اور عاملین کے لیے صدقات میں سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہوں پس معلوم ہوا کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کی دینی خدمت کا صلہ اور انعام ہے نہ کہ اُجرت اور معاوضہ اور پھر یہ عُمالَہ اور صِلَہ بھی بقدر کفایت وضرورت ہے لہٰذا اس عمالہ اور صلہ کو یہ سمجھنا کہ یہ عاملین صدقات کا مشاہرہ اور ان کی تنخواہ تھی اور پھر اس پر یہ قیاس کرنا کہ اسی طرح مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز ہے قطعاً (بالکل) غلط ہے مدرسین اور ملازمین کو جو مشاہرہ ملے گا وہ ان کے عمل کا عوض اور اس کی اجرت ہوگی اور زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیک بلاعوض ہو اور خدمت کا معاوضہ اجارہ ہے نہ کہ صدقہ۔

اور عہد رسالت اور زمانۂ خلافت راشدہ میں قاضیوں اور مفتیوں کو جو وظیفے دیئے جاتے تھے وہ مالِ غنیمت کے خُمس اور جزیہ اور خراج کی آمدنی سے دیئے جاتے تھے اور زکوٰۃ اور صدقات کی مد سے کبھی بھی قاضیوں اور مفتیوں کو تنخواہیں نہیں دی گئیں اور آج کل مدارس اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کی رقم آتی ہے وہ صرف نادار طلبہ کے وظائف میں خرچ کی جاتی ہے اور ان کو اس کا مالک بنا دیا جاتا ہے اس رقم میں سے نہ مدرسین اور ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے اور نہ مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں صرف ہوتی ہے اس لیے کہ زکوٰۃ میں فقراء کو مالک بنانا شرط ہے بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

④ مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوْبِ :

مؤلفۃ القلوب سے وہ نومسلم مراد ہیں کہ جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا مگر ہنوز ان کا اسلام کمزور ہے اور غریب اور نادار ہیں اندیشہ ہے کہ پھسل نہ جائیں اس لیے ان کو صدقات میں سے دیا جائے۔ تاکہ اسلام پر قائم اور ثابت رہیں اکثر علماء کے نزدیک آنحضرت

---

[1] حافظ عینی شرح ہدایہ ص ۱۲۵۵ میں فرماتے ہیں: والزکوٰۃ لا یجوز ان تدفع عوضا عن شیئ آھ

[2] کما فی التفسیر المظہری ص ۲۲۳ ج ۴ لانہم وکلاء للفقراء فی اخذ الصدقات و تقسیمہا مشغولون بامورہم فیجب علیہم مؤنتہم فہم فقراء حکمًا اھ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات کے بعد یہ مد باقی نہیں رہا۔ صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے [1] عہد خلافت میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اب زکوٰۃ اور صدقات میں سے مؤلفۃ القلوب کا سہم ساقط ہو گیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۸۱ ج ۸ اور دیکھو زاد المسیر ص ۴۵۷ ج ۳)

البتہ مؤلفۃ القلوب میں سے جو لوگ حاجت مند اور غریب ہوں تو فقراء میں ہونے کی وجہ سے اب بھی ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک رَحِمَہُمَا اللّٰہُ کے نزدیک عاملین صدقات کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر اور حاجت مندی شرط ہے۔ اس لیے مؤلفۃ القلوب کو اسی شرط کے ساتھ دیا جا سکتا ہے کہ وہ فقراء اور حاجت مند ہوں جیسے رقاب اور غارمین اور ابن السبیل کو اسی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ حاجت مند ہوں اور کسی حدیث [2] سے یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کسی کافر کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ اور صدقات میں سے کچھ دیا ہو۔ جن روایتوں میں صفوان بن اُمیہ وغیرہ کو دینے کا ذکر آیا ہے۔ سو وہ مال غنیمت کے خمس سے دیا گیا ہے نہ کہ مال زکوٰۃ سے۔ (دیکھو تفسیر مظہری صفحہ ۲۳۶ ج ۴)

⑤ وَفِي الرِّقَابِ :

رقاب سے مکاتبین مراد ہیں اور مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آقا سے یہ وعدہ کیا ہو کہ اتنا معاوضہ ادا کرنے پر آزاد ہو جاؤں گا۔ سو ایسے غلاموں کو بھی صدقہ دیا جائے تا کہ وہ بدل کتابت ادا کر کے اپنی گردنوں کو غلامی کے پھندے سے نکال لیں یا کسی مسلمان قیدی کو دیا جائے کہ وہ اس مال سے اپنا فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ گردنوں کے چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

⑥ وَالْغَارِمِيْنَ:

غارمین سے وہ مفلس قرضدار مراد ہیں جنہوں نے جائز ضرورت کے لیے قرض لیا تھا۔ مگر بعد میں ادا نہ کر سکے ایسے قرض داروں کی زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے امداد کرنی چاہیے۔ مگر جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو۔ اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا بہ نسبت فقیر کے زیادہ بہتر ہے۔

⑦ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ :

فی سبیل اللہ سے بے سروسامان مجاہدین کی اعانت کرنا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تا کہ وہ اس مال سے ہتھیار و سامان جہاد خرید کر سکیں اور جہاد کے لیے سفر کر سکیں جو مجاہد غنی ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے دین کے طالب علم مراد ہیں جو خالص دین کی تعلیم میں مشغول ہوں اور ان کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہ ہو تو ایسے حاجت مند طالب عالموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ خالص دینی تعلیم کی قید اس لیے لگائی کہ جو خالص دنیوی تعلیم کا طالب ہو وہ تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح بھی فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو دینی اور دنیوی مخلوط تعلیم کا طالب ہو وہ بھی صحیح طور پر فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں اور تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ فاسق و فاجر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

---

[1] امام قرطبی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں: اجتمعت الصحابة رضی الله عنهم اجمعين فی خلافة ابی بکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ علی سقوط سهمهم. (تفسیر قرطبی ص ۱۸۱ ج ۲)

[2] لم يثبت عن النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عطاءه من الزكوٰة كافرا من المؤلفة. (تفسیر مظہری ص ۲۳۶ ج ۴)

⑧ اِبْنُ السَّبِیْل :

ابن السبیل سے وہ مسافر مراد ہے جس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو اور وہ اپنے گھر سے خرچ منگانے پر بھی قادر نہ ہو اور نہ قرض لینے پر قادر ہو تو ایسے مسافر کو بقدر سفر خرچ زکوٰۃ دے دینا جائز ہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

مسئلہ تَمْلِیْک :

فقہاء کرام کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو پورا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک ہے۔ یعنی اپنے مال کا ایک حصہ اپنی ملک سے بالکلیہ نکال کر فقراء اور مساکین کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے مالک بنا دینے کا نام صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔

قرآن کریم میں جا بجا ﴿اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃَ﴾ کا حکم مذکور ہے اور ایتاء کے معنی لغۃً وشرعاً اعطاء کے ہیں اور اعطاء کے معنی یہ ہیں کہ کسی شے کو اپنی ملک سے نکال کر کسی کو اس طرح عطا کر دینا کہ وہ اس کا مالک اور مختار بن جائے یعنی لینے والا اس پر قابض بھی ہو جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکے اس لیے کہ تملیک جب ہی مکمل ہوگی کہ جب تفویض وتسلیم بھی اس کے ساتھ مقرون ہو جب تک مالک وہ مال اپنی ملک سے اور اپنے قبضہ سے نکال کر فقیر کے حوالہ اور سپرد نہ کرے گا تملیک تمام نہ ہوگی۔ قرآن کریم میں ادائیگی مہر کے لیے لفظ ایتاء استعمال ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (النساء: ۴) اور ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی ہوگی کہ جب مہر کی رقم پر عورت کا مالکانہ قبضہ ہو جائے جب تک کسی چیز کو اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضہ میں نہ دیدے اس کو عطیہ نہیں کہا جا سکتا۔

صدقہ ہو یا ہبہ ہو یا عطیہ ہو بغیر تملیک وتسلیم کے عقلاً ونقلاً بے معنی ہے اگر کوئی شخص کسی کو اپنے گھر دعوت دے اور ایوانِ نعمت کا دسترخوان اس کے سامنے بچھا دے تو یہ اباحت اور ضیافت کہلائے گی۔ تملیک نہیں کہلائے گی اس لیے کہ دعوت اور ضیافت کے معنی محض اجازت کے ہیں کہ جتنا چاہیں تناول فرمائیں گے مگر یہ تملیک نہیں اس لیے کہ مہمان کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں کہ جس کو چاہے دسترخوان سے کھانا اٹھا کر ہبہ کر دے یہی وجہ ہے کہ محض دعوت وضیافت سے بالاجماع زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر کھانا پکا کر کسی شخص کو دے دیا جائے کہ وہ اس کھانے کو اپنے گھر لے جائے اور جس کو چاہے کھلائے تو تملیک ہے۔

غرض یہ کہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے یہی وجہ ہے کہ تمام آئمہ دین کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے مسجد اور مدرسہ اور خانقاہ اور مسافر خانہ کی تعمیر درست نہیں اور علیٰ ہذا زکوٰۃ کے روپیہ سے کسی مردہ کی تجہیز وتکفین اور اقبار وروتدفین جائز نہیں اس لیے کہ ان تمام صورتوں میں کسی فقیر ومسکین کی تملیک متحقق نہیں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں ظاہر ہے کہ تملیک نہیں اور کفن اور دفن سے مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو جاتا اور اگر کسی کو چند روزہ استعمال کے لیے کوئی چیز دے دی جائے تو وہ عاریت کہلائے گی۔ ہبہ اور عطیہ شمار نہ ہوگی اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں اور زکوٰۃ اور صدقہ کا درجہ تو تملیک میں ہبہ اور عطیہ سے بھی بڑھ کر ہے تو صدقہ میں بدرجۂ اولیٰ تملیک ضروری ہوگی غرض یہ کہ صدقہ اور زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق کسی مسلمان فقیر کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے مال زکوٰۃ کا اس طرح مالک بنا دیا جائے کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے۔

یہ دو قیدیں اس لیے لگائی گئیں کہ اگر کسی کو کسی خدمت کے معاوضہ میں مال دیا گیا تو عقلاً و شرعاً یہ زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کہلائے گی ۔ بلکہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی اس لیے کہ صدقہ اس تملیک کو کہتے ہیں جو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے ہو اور اگر کسی خدمت کے معاوضہ میں کچھ دیا جائے تو وہ اگرچہ تملیک ہے مگر وہ تملیک بالعوض ہے تملیک بلاعوض نہیں اس لیے وہ صدقہ نہیں کہلائے گی بلکہ اجرت اور تنخواہ کہلائے گی۔

اور دوسری قید یعنی تملیک اس طرح ہو کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اپنی اصول و فروع یعنی باپ دادا نانا نانی وغیرہ اور بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ اصول و فروع کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ دینے والے کی اس مال سے منفعت بالکلیہ منقطع نہیں ہوتی بلکہ من وجہ باقی رہتی ہے بلکہ ایک حیثیت سے اپنے پاس ہی رہتی ہے عرف میں ماں باپ اور اولاد ایک ہی سمجھے جاتے ہیں۔

حدیث میں ہے: ((انت و مالك لا بيك)) تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے اور قرآن کریم میں ہے ﴿ وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ ﴾ (الاضحیٰ) اور اللہ نے آپ ﷺ کو محتاج پایا۔ پس خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے آپ ﷺ کو غنی کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور آئمہ دین کے نزدیک میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ۔ اس لیے کہ منافع زوجین مشترک ہیں۔ ایک دوسرے کی ملک سے منتفع ہوتا ہے حتیٰ کہ حدیث میں اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے کی بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ ایسی صورت میں بائع ضرور صدقہ دینے والے کی رعایت کرے گا اور بہ نسبت اوروں کے اس کو کم قیمت میں دے گا تو ایسی صورت میں فی الجملہ اپنے صدقہ سے نفع اٹھانا ہوگا اور اسی فائدہ اور منفعت کے لحاظ سے شریعت نے باپ کی بیٹے کے لیے اور شوہر کی بیوی کے لیے شہادت معتبر نہیں مانی۔

مسئلہ تملیک کے متعلق ہم نے یہ مختصر سا لکھ دیا ہے تا کہ مسلمان اپنی زکوٰۃ میں احتیاط برتیں اور جو لوگ زکوٰۃ میں تملیک کے قائل نہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے پرہیز کریں تفصیل کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کریں اور اس وقت جو مختصر کلام ہدیۂ ناظرین کیا وہ تمام تر امام علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ حضرات اہل علم بدائع الصنائع ص ۳۹ ج ۲ کی مراجعت کریں۔

اسرار و حِکم

نکتۂ اولیٰ: مصارف صدقات کی آٹھ قسموں میں سے اول کی چار قسموں کو لام کے ذریعے بیان کیا یعنی ﴿ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ فرمایا اور اخیر کی چار قسموں کو یعنی ﴿ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ ... الخ ﴾ کو لفظ فِیْ کے ذریعے بیان کیا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اول کی چار قسمیں ذاتی طور پر مستحق ہیں اور اسی ذاتی استحقاق کے بیان کرنے کے لیے کلمہ لام لایا گیا۔ اور اخیر کی چار قسمیں لفظ فی کے ذریعہ سے بیان کی گئیں وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ فی سببیت اور علیت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے عُذِّبَ فلانٌ فی سرقة یعنی فلاں کو چوری کے سبب سے سزا ملی۔ پس آیت میں لفظ فی سے اشارہ اس طرف ہے کہ ان اخیر کی چار قسموں کو ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ ان مصلحتوں اور ضرورتوں کے سبب سے زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی کہ اپنی گردن کو غلامی سے چھڑا لیں اور قرض سے سبکدوشی حاصل کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنے سفر کو پورا کر سکیں۔ ان اسباب اور وجوہ

کی بناء پر ان لوگوں کو صدقات دینے کی اجازت دی گئی اس لیے ان اخیر کی چار قسموں میں لفظ فی تعلیل اور سببیت کے بیان کے لیے لایا گیا اور اوّل کے چار اقسام میں لفظ لام ذاتی استحقاق بیان کرنے کے لیے لایا گیا۔

(دیکھو ✿ صاوی ص ۱۵۴ ج ۲ اور دیکھو روح البیان ص ۲۵۳ ج ۳)

یا یوں کہو کہ ان اخیر کی چار قسموں میں لفظ فی اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ چار قسمیں فقراء اور مساکین سے بڑھ کر مستحق ہیں اس لیے کہ لفظ فی کلام عرب میں ظرفیت اور محلیت کے بیان کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا اصل محل اور اصل ظرف مکاتبین اور غارمین اور مجاہدین اور بے سروسامان مسافرین ہیں ان لوگوں کو اپنے صدقات کا خاص طور پر محل اور ظرف بناؤ۔ کیونکہ یہ لوگ بہ نسبت فقراء و مساکین کے زیادہ ضرورت مند اور زیادہ تکلیف میں ہیں ان کو اتنی تکلیف نہیں جتنا کہ غلامی اور دوسرے کے قرض میں ہے۔ لہٰذا یہ آخری چار بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں اور غلام اور مقروض کی گلوخلاصی زیادہ موجب فضیلت ہے اور پھر ان چار قسموں میں مجاہدین اور مسافرین کی امداد تو بہت ہی اہم ہے اس لیے وَ فِیْ سبیل اللہ میں لفظ فی کو اسی ترقی اور مبالغہ کے بیان کرنے کے لیے مکرر لایا گیا کہ غازی اور مسافر سب سے زیادہ مستحق اعانت ہیں۔

(دیکھو بنایہ شرح ہدایہ ص ۱۲۵ ج ۱ و تفسیر کشاف ✿ و روح المعانی ص ۱۱۳ ج ۱)

نکتہ دوم: زکوٰۃ و صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں جن کا اس آیت کے شروع میں ذکر فرمایا اور باقی سب فقراء ہی کی انواع واقسام ہیں حاجتوں کی قسمیں مختلف ہیں اس لیے حاجت مند بھی مختلف قسم کے ہوئے اور مطلق فقر اور احتیاج سب میں قدر مشترک ہے۔ اور فقراء کی اعلیٰ قسم مسکین ہے پس والمساکین سے لے کر آخر تک معطوفات عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہیں۔ جو سب کے سب فقراء کے تحت مندرج ہیں۔ رقاب اور غارمین اور فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو علیحدہ علیحدہ اس لیے بیان کیا تاکہ حاجتوں اور ضرورتوں کا اجمالی علم ہو جائے اور اہل دولت متنبہ ہو جائیں کہ اپنی زکوٰۃ و صدقات کے خرچ کرتے وقت ان ضرورتوں اور اس قسم کے حاجت مندوں کا خاص طور پر لحاظ رکھیں ورنہ حاجتیں بے شمار ہیں ان آٹھ اور سات میں منحصر نہیں قرآن کریم میں جا بجا صدقات کے

✿ قال الصّاوی انما اضیف الصدقات الی الاصناف الاربعة الاول باللام والی الاربعة الاخیرة بفی الظرفیة اشارة الی ان الاربعة الاول یملکو نها ویتصرفون فیها کیف شاؤا بخلاف الاربعة الاخیرة فیفید بما اذا صرفت فی مصارفها فاذا لم یحصل نزعت منهم. انتهی کلامه ص ۱۵۴ ج ۲۔ فالعدول عن اللام للدلالة علیٰ ان استحقاق الاربعة الاخیرة لیس لذواتهم ای لکونهم مکاتبا و مدیونا و مجاهدا او مسافرا حتی یتصرفوا فی الصدقةِ کیف شاؤا کالاربعة الاول بل لجهة استحقاقهم کفك الرقبة من الرق وتخلیص الذمة من مطالبة من له الحق والاحتیاج الیٰ ما یتمکن به من الجهاد دو قطع المسافة ووجه الدلالة ان فی قد تستعمل لبیان السبب کما یقال عذب فلان فی سرقة لقمة ای سببها. کذا فی روح البیان ص ۲۵۳ ج ۳۔

✿ قال الزمخشری فان قلت لم عدل عن اللام الیٰ فی الاربعة الاخیرة قلت للایذان بانهم ارسخ استحقاق التصدق علیهم ممن سبق ذکره لان فی للوعاءِ (والظرفیة المنبئة عن الاحاطة) فنبه علیٰ انهم احقاء بان توضع فیهم الصدقات ویجعلوا مظنة لها ومصبا وذالك لما فی فك الرقاب من الکتابة او الرق او الاسر وفی فك الغارمین من الغرم من التخلیص والانقاذ ولجمع الغازی الفقیر او المنقطع عن الحج بین الفقر والعبادة و کذالك ابن السبیل جامع بین الفقر و الغربة عن الاهل والمال و تکریر فی قوله تعالیٰ و فی سبیل اللهِ وابن السبیل فیه فضل ترجیح لهذین علی الرقاب والغارمین۔

مصرف میں صرف فقراء کا ذکر کیا ہے کہ صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ﴾ (البقرہ:۲۷۱)

وَقَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ (الحشر:۸)

وَقَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ﴾ (البقرہ:۲۷۳)

اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

((ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تو خذ من اغنیاء ھم فترد علی فقراء ھم)).

"تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ فرض کیا ہے کہ ان کے اغنیاء سے صدقہ لیا جائے اور ان کے فقراء میں اس کو لوٹا دیا جائے۔"

اس حدیث میں فقراء کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

اور کہیں کہیں مسکین کا ذکر فرمایا: ﴿فَاِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ (المائدہ:۸۹) ... ﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝﴾ (الدھر:۸)۔ پس جس طرح یتیم و اسیر دونوں مسکین ہی کی ایک قسم ہیں، اسی طرح مساکین بھی فقراء کی ایک قسم ہیں معلوم ہو کہ آیت میں جس قدر اصناف اور اقسام کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب فقراء ہی کی اقسام ہیں۔ اس لیے امام ابوحنیفہ اور جمہور آئمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مصارف صدقات کے تمام انواع و اقسام میں فقراء اور احتیاج شرط ہے بغیر فقر کے کسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ : زکوٰۃ صرف مسلمان فقیر کو دی جاسکتی ہے غیر مسلم کو بالاجماع زکوٰۃ دینا جائز نہیں زکوٰۃ کا حکم صرف مسلمان فقیروں ہی کی اعانت کے لیے نازل ہوا ہے اور غیر مسلم فقیر کی اعانت جزیہ اور خراج کی آمدنی سے کی جائے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ہیں اور باقی اصناف سبعہ، سب فقراء ہی کی انواع و اقسام ہیں سوائے عاملین کے ہر جگہ فقر اور حاجت مندی شرط ہے۔ اور عاملین اگرچہ غنی ہوں ان کو اس مال سے دینا اس لیے جائز ہوا کہ وہ حکماً فقراء کے قائم مقام قرار دیئے گئے۔ صدقات دراصل حق فقراء کا ہے اور وہی اس کے اصل مصرف ہیں۔ عاملین کو جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ درحقیقت فقراء کی طرف سے بطور صلہ اور تبرع ان کو دیا جا رہا ہے نہ کہ بطور زکوٰۃ و صدقہ۔ (دیکھو تفسیر مظہری [1] ص ۲۳۹ ج ۴)

---

[1] ولا تنحصر الفقراء فی ھذا الاصناف وانما ذکر اللہ تعالیٰ ھٰذہِ الاصناف اھتماما بھا فان لھذا الاصناف مزیۃ علی غیرھم من الفقراء فالمراد من الایۃ واللہ اعلم ان المصرف ھم الفقراء لکن الاولی ان یلتمس لاعطاء الزکوٰۃ سببا یترجح بہ المعطٰی لہ علٰی غیرہ من الفقراء فالمسکین الذی لا یسئل الناس اولی من السائلین لکونہ افقر والمسافر الفقیر افقر واشد حاجۃ من المقیم والغازی والحاج والمکاتب و المؤلف للاسلام احری للاعطاء من غیرھم لان فی اعطائھم اعانۃ علی الحج الذی ھو احد ارکان الاسلام والجھاد الذی ھو ذروۃ سنام ولا دلالۃ فی الآیۃ علٰی ان اسباب المزیۃ منحصرۃ فی ھذہ الامور بل للمزیۃ اسباب غیرہ ایضا وانما ذکرۃ ھذہ الامور تمثیلا فان منھا القرابۃ فان الصدقۃ علی القریب اعظم اجراً. الخ. (تفسیر مظہری ص ۳۴۰ ج ۴)

اور فقراء ان سات قسموں میں منحصر نہیں حق تعالیٰ نے ان اقسام کا ذکر ان ضرورتوں کی اہمیت بتلانے کے لیے فرمایا کہ یہ ضرورتیں بہ نسبت اور ضرورتوں کے اہم اور مقدم ہیں۔ (دیکھو تفسیر مظہری [1] ص ۲۳۹ ج ۴)

بحمد اللہ اس تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ زکوٰۃ اور صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر اور مسکین کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے بلا کسی عوض کے مالک بنا دینا ہے۔ زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے جس کا درجہ نماز کے بعد ہے جو کسی عمل کا عوض اور اس کی اجرت نہیں اور علت اس کی فقر اور مسکنت ہے بشرطیکہ وہ فقیر اور مسکین مسلمان ہو غیر مسلم فقیر کو زکوٰۃ دینا بالاجماع جائز نہیں۔ لہٰذا کسی ادارہ کے مہتمم یا ناظم یا ملازم کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ تنخواہ اس کے عمل اور کارکردگی کا معاوضہ ہو گیا اور خالص لوجہ اللہ نہیں رہا عاملین صدقات کے بارے میں جو حکم آیا ہے اس پر ملازمین اور مدرسین کا قیاس ہرگز درست نہیں۔ اس لیے کہ عاملین شرعی طور پر فقراء اور مساکین کے وکیل اور ان کے قائم مقام ہیں۔ عاملین نے محض فقراء مسلمین کے فقر اور مسکنت کی خاطر روپیہ جمع کیا ہے اس کے علاوہ عاملین کا اور کوئی مقصد نہیں۔ بخلاف کسی دینی ادارہ اور مدرسہ کے اور کسی یتیم خانہ کے کہ اس کا مقصد کوئی خاص علمی یا صنعتی تربیت ہوتا ہے۔ محض فقراء مسلمین کی محض مسلمان فقیر ہونے کی حیثیت سے اس کی ذاتی اعانت اس کا مقصد نہیں ہوتا اس لیے کسی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم یا ناظم یا ملازم فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ شریعت نے محض فقراء مسلمین کی ضرورت اور مصلحت اور ان کی اعانت کے لیے عاملین کو فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام قرار دیا ہے۔ جس کا تقرر بادشاہِ اسلام کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے آج کل اسلامی مدارس یا اسلامی انجمنوں کے ناظمین اور محصلین چندہ فقراء مسلمین کے وکیل قرار نہیں دیئے جا سکتے اور نہ ان کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دی جا سکتی ہے۔ البتہ اسلامی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم زکوٰۃ کی رقم سے ان طالب علموں کو وظیفہ دے سکتا ہے جو خالص علم دین حاصل کرتے ہیں اور فقیر اور مسکین ہوں اور صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اس لیے کہ شریعت کے اصول مسلمہ میں سے یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمان فقیر کا حق ہے غیر مسلم کا زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں اور مثلاً جو اشتراکیت اور کمیونزم کا قائل ہو یا منکر حدیث ہو یا آزاد منش ہو وہ قطعاً مسلمان نہیں اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اے مسلمانو! خوب سمجھ لو زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اس کے حکم سے تم زکوٰۃ دیتے ہو اس کے حکم پر چلو جو اس ناچیز نے تم کو بتلا دیا اپنی عبادت کو ضائع نہ کرو۔

وما علینا الا البلاغ

---

[1] قال القاضی ثناء اللہ قلت الاصناف السبعة انواع للفقراء والمصرف هم الفقراء ولا یجوز دفع الزکوٰة الی هؤلاءِ الاصناف الا بشرط الفقر الا العالمین فانه یجوز اعطاءهم وان کانوا اغنیاء فان المعطٰی لهم فی الحقیقة هم الفقراء وهم یاخذون ما یجب لهم مؤنتهم علیهم اجرة عملهم لهم۔ (تفسیر مظہری ص ۲۳۹ ج ۴)

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

اور بعضے ان میں بد گوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے ۔ تو کہہ کان ہے تمہارے

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

بھلے کو یقین لاتا ہے اللہ پر . اور یقین کرتا ہے بات مسلمانوں کی اور مہر ہے

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بد گوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی، ان کو دکھ کی مار ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے کہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے

اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ

راضی کرنا، اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ

اللہ اور اس کے رسول سے تو اُس کو ہے دوزخ کی آگ پڑا رہے اس میں، یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ

رسوائی ڈرا کرتے ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتا دے

بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾

ان کو جو ان کے دلوں میں ہے تو کہہ ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھولنے والا ہے جس چیز کا تم کو ڈر ہے

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ

اور جو تو ان سے پوچھے تو کہیں ہم تو بول چال کرتے تھے اور کھیل ۔تو کہہ کیا اللہ سے اور

اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

اس کے کلام سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھے کرتے تھے بہانے مت بناؤ تم کافر ہو گئے

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةً

ایمان لا کر، اگر ہم معاف کریں گے تم میں بعضوں کو البتہ مار بھی دیں گے بعضوں کو

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ ع ۸ ۱۴

اس پر کہ وہ گنہ گار تھے۔

ذکر نوع دیگر از حرکات شنیعۂ منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ... الٰى ... بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾

ربط: ان آیات میں بھی منافقین کی جہالتوں اور خباثتوں کا اور ان کی حرکات شنیعہ کا ذکر ہے، جو دور سے چلا آ رہا ہے۔ درمیان میں تبعاً صدقات کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر منافقین کی قبائح اور فضائح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی خباثتوں کو بیان کرتے ہیں حق جل شانہٗ نے ان آیات میں منافقین کی جن قباحتوں کا ذکر کیا ان میں سے اوّل تو یہ ہے کہ وہ ادب سے کورے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی شان میں خلافِ ادب اور تحقیر آمیز الفاظ زبان سے نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ تو کانوں کے کچے ہیں جو سنتے ہیں اس کا یقین کر لیتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں دین اسلام اور آں حضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ جب اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ ﷺ کو ان کے استہزاء اور تمسخر سے آگاہ کر دیتا ہے اور آپ ﷺ ان سے باز پرس کرتے ہیں تو وہ اس کی بے سروپا تاویلیں کرتے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت ﴿وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ میں ان کے گستاخانہ الفاظ کا ذکر ہے۔ اور ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ میں اُن کی جھوٹی قسموں کا ذکر ہے اور ﴿وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ﴾ میں ان کی تاویلوں اور جھوٹ بہانوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقین میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ محض ایک کان ہے یعنی وہ محض سننے والا کان ہے جو بات اس سے کہی جاتی ہے اُس سن لیتا ہے اور اس کا یقین کر لیتا ہے۔ جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتا کہنے والوں کے دھوکہ میں آ جاتا ہے بعض منافق اپنے مجمع میں بیٹھ کر آپ ﷺ کی برائیاں کرتے۔ دوسرا منافق کہتا ایسا مت کہو کہیں آپ ﷺ کو اس کی خبر نہ ہو جائے۔ تو اس پر یہ کہہ دیتے کہ اگر آپ ﷺ کو معلوم بھی ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں وہ کان کے بڑے کچے ہیں جیسا اُن سے کہہ دیا جاتا ہے یقین کر لیتے ہیں ہماری شکایت کی جاتی ہے اس کا بھی یقین کر لیں گے۔ اس آیت میں اُن کے اس بے ہودہ مقولہ کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اس لیے آپ ﷺ کا نام کان رکھا۔ اے نبی آپ ﷺ اُن کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تم خود دھوکہ میں ہو اللہ کے نبی کو دھوکہ نہیں لگا آپ ﷺ بے شک کان ہیں مگر وہ تمہارے فائدے اور بھلائی کے کان ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں حق اور باطل اور خیر اور شر کا فرق آپ ﷺ پر مخفی نہیں۔ نور نبوت سے سچ اور جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں مگر تغافل اور بردباری اور چشم پوشی کی بناء پر سنکر خاموش ہو جاتے ہیں اور کریمانہ اخلاق کی بنا پر صراحتاً

تکذیب نہیں کرتے اور علانیہ طور پر ان کو رسوا نہیں کرتے نبی کی یہ خو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ تم اول ہی سے پکڑ لیے جاتے ان بے وقوفوں نے آپ کی چشم پوشی اور مسامحت سے یہ سمجھا کہ حضور پُرنور ﷺ نے ہمارے جھوٹ کو سمجھا نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کا تمہاری باتوں کا سن لینا اور اس پر سکوت فرما لینا اس کی دلیل نہیں کہ حضور پُرنور ﷺ کو تمہاری باتوں کا یقین آجاتا ہے یقین تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ہے اور پھر اللہ کے بعد مؤمنین صادقین کی باتوں پر ہے جو سرتا پا صدق اور اخلاق ہیں تم نادانوں نے حضور پُرنور ﷺ کی خاموشی اور چشم پوشی کا مطلب غلط سمجھا آنحضرت ﷺ کی اس خاموشی میں تمہارا ہی نفع ہے کہ دارو گیر اور قتل و غارت سے بچے ہوئے ہو۔ بہر حال حضور پُرنور ﷺ تو گوش حق نیوش ہیں سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتے ہیں آپ ﷺ اُذن خیر ہیں اُذن شر نہیں آپ کی شان تو یہ ہے کہ یقین کرتے ہیں آپ اللہ کی باتوں پر اللہ کی طرف سے آپ پر جو وحی آتی ہے آپ اس کو سنتے ہیں اور اس پر یقین کرتے ہیں اور دوسرے درجہ میں مؤمنین مخلصین کی بات سن کر اس کا یقین کرتے ہیں کیونکہ ان کا صدق اور اخلاص آپ کو معلوم ہے اس لیے آپ ان کی خبر کی تصدیق کرتے ہیں اور تم سے جو خالص ایماندار ہیں ان کے لیے آپ مجسم رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی ہدایت اور فیض صحبت سے دنیا کی آلایشوں سے پاک وصاف ہو کر خدا کے مقرب بنے اور تم بدبخت اس رحمت اور نعمت سے محروم ہو یہ قصور تمہارا ہے اس کا نہیں اور بعض علما یہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے ایمان کو ظاہر کیا اور ان کے حق میں رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اس علم کے کہ یہ منافق ہیں آپ ﷺ نے ان کی ظاہری اسلام کو قبول کیا اور ان کے نفاق سے چشم پوشی کی اور ان کی پردہ دری نہیں فرمائی آنحضرت ﷺ تمہاری حقیقت کو سمجھ کر حسنِ اخلاق اور حلم اور بردباری کی بناء پر تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور دیدہ و دانستہ چشم پوشی کر جاتے ہیں اور تم اپنی حماقت سے یہ سمجھتے ہو کہ آنحضرت ﷺ حقیقت حال کو سمجھے نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نہیں سمجھے بہر حال آپ ﷺ کی یہ خاموشی اور چشم پوشی اور نرمی اور اغماض اور مسامحت تمہارے لیے ایک قسم کی رحمت ہے کہ باوجود علم کے آپ نے تم کو برملا رسوا نہیں کیا اور تمہارا پردہ فاش نہیں کیا اور اس میں ایک رحمت یہ بھی ہے کہ شاید آپ کی یہ مسامحت کسی وقت ان کے حق میں ذریعہ ہدایت بن جائے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے پس تم کو چاہیے کہ آپ ﷺ کی ایذا رسانی سے پرہیز کرو نہ آپ کے صدقات پر طعن کرو اور نہ آپ کو ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ کہو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے لیے موجب ایذا ہیں۔

حلفِ کاذب

منافقین اپنی خلوتوں میں آنحضرت ﷺ اور مؤمنین پر طعن کرتے تھے اور پھر جب وہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچتی تو آکر حلف کرتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی اپنے قول سے مکر جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہیں تاکہ تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ سزاوار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر یہ لوگ واقع میں سچے ایماندار ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ دغا اور فریب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے یہاں کام نہیں دیتی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیتا ہے۔

نکتۂ اوّل ﴿یُرْضُوْهُ﴾ کی ضمیر مفرد اللہ کی طرف راجع ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کی رضا اسی میں ہے۔ جس میں اللہ کی رضا ہے

اس لیے ضمیر تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد لائی گئی تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

نکتہ دیگر: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں: جاننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ میں دو شانیں تھیں ایک شانِ سلطنت اور دوسری شانِ نبوت اور محبوبیتِ حق۔ پس منافقین اپنی جھوٹی قسموں سے حضور پرنور ﷺ کو اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بحیثیت شان سلطنت راضی کرنا چاہتے تھے۔ بحیثیت شان نبوت و رسالت آپ کو راضی کرنے کی فکر نہ تھی اور اس حیثیت سے آپ ﷺ کو راضی کرنا عین حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور بعثت کا اصل مقصد شان نبوت و رسالت تھی شان سلطنت مقصود نہ تھی۔ بلکہ شان نبوت کے تابع تھی کہ احکام خداوندی کے اجراء میں سہولت ہو۔ منافقین حضور پُرنور ﷺ کو بہ حیثیت سلطنت راضی رکھنا چاہتے تھے تا کہ ان کے جان و مال محفوظ رہیں اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ غرض سلطنت کی حیثیت سے متعلق ہے حضور پُرنور ﷺ کو نبوت و رسالت اور مظہر حق ہونے کی حیثیت سے راضی کرنے کی ان کو کوئی فکر اور پروا نہیں تھی حالانکہ حضور پُرنور ﷺ کی رضا نائب حق ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور جس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جس حیثیت سے حضور ﷺ کو راضی کرنا مطلوب ہے۔ اس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا نہیں چاہتے اور نہ تمہیں اس کی پروا ہے۔ ابو طالب کو حضور ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ حضور ﷺ آپ کے چہیتے تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لیے محبت تھی کہ آپؐ بڑے عاقل کامل یا بڑے سخی اور مہمان نواز تھے اور اب بھی بعض مصنفین یورپ آپ ﷺ کی عقل اور فہم و فراست کی اور ہمت اور شجاعت کی اور آپؐ کے قانون شریعت کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر ان تمام حیثیتوں سے آپ ﷺ کی محبت اور رضا شرعاً نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ نجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ نبی اور رسول اور نائب حق ہونے کی حیثیت سے آپ سے محبت کی جائے اور اسی حیثیت سے آپ کو راضی کیا جائے۔ (انتہیٰ کلامہٗ ماخوذ از رضاء الحق ص ۲۰ ج ۱ و ص ۱۲ ج ۲ وعظ ششم و ہفتم از سلسلہء البلاغ)

کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا۔ پس تحقیق اس کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ تیار ہے وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہے گا کبھی اس سے باہر نہ نکل سکے گا یہی ہمیشہ دوزخ میں رہنا بڑی رسوائی ہے لیکن منافقین اس رسوائی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ تو صرف دنیاوی ذلت اور رسوائی کی پروا کرتے ہیں۔ چنانچہ منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر قرآن کی کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کی بات سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے جس سے یہ لوگ دنیا میں رسوا ہوں یعنی ان کو ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں خدا ہمارے بارہ میں آنحضرت ﷺ پر کوئی ایسی سورت نہ نازل کر دے جس سے مومنوں پر ہمارے اندرونی حالات کھول دیئے جائیں اور دنیا میں رسوا ہوں۔ اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ اس ڈر کا مقتضی تو یہ تھا کہ تم نفاق کو چھوڑ دیتے لیکن معاملہ برعکس ہے کہ نفاق کو تو کیا چھوڑتے دین کے ساتھ تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے ہو۔ اچھا دین کے ساتھ دل کھول کر ٹھٹھا کرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے جس چیز کے ظاہر ہونے سے تم ڈرتے ہو یعنی تمہارے دل کی وہ تمام باتیں جو تم دل میں چھپائے ہوئے ہو اندر سے نکال کر باہر سب کے سامنے رکھ دے گا تا کہ جس رسوائی سے ڈرتے ہو وہ نظروں کے سامنے آجائے اور اس ڈر سے بچنے کے لیے یہ سوچے ہوئے ہیں کہ اگر آپ ان سے اس استہزاء اور تمسخر کے متعلق باز پرس کریں اور پوچھیں کہ تم نے یہ کیا کیا اور کیا کہا تو البتہ بات بنانے کے لیے یہ کہیں گے کہ ہم تو مسافروں کی طرح راستہ کاٹنے کے لیے آپس میں ایسی

باتیں اور دل لگی کر رہے تھے۔ یعنی جب آپ ﷺ نے ان سے بلا کر باز پرس کی کہ تم کس لیے دین پر طعن کرتے ہو تو قسم کھا کر کہنے لگے کہ یہ ہمارا دلی اعتقاد نہ تھا محض خوش وقتی اور دل لگی کے طور پر محض زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تا کہ باتوں میں آسانی سے راستہ کٹ جائے۔ طعن زنی اور عیب جوئی ہمارا مقصود نہ تھا آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کیا اللہ اور اس کے احکام اور اس کے رسول کے ساتھ تمسخر کرتے تھے کیا تمسخر اور ہنسی اور دل لگی کے لیے تم کو اللہ اور رسول ﷺ ہی ملے تھے۔ بہانے مت بناؤ تمہارے دل کفر اور نفاق سے لبریز ہیں۔ تحقیق تم نے دعوائے ایمان کے بعد یہ صریح کفر کیا ہے۔ کیونکہ دین کے ساتھ استہزا اور تمسخراء گرچہ وہ محض زبانی ہو وہ بھی کفر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے منافقو! اب زیادہ بہانے نہ کرو۔ اب تک تو ظاہر میں تم مسلمان تھے مگر اس استہزاء اور تمسخر کے بعد وہ تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور اس استہزاء و تمسخر سے تم نے اپنا اندرونی کفر ظاہر کر دیا لہٰذا ایسے جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کوئی فائدہ نہیں جرم کی سزا مل کر رہے گی ہاں اگر تم میں سے ایک فریق کا قصور معاف کر دیں گے۔ جو صدق دل سے توبہ کر لیں گے تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے۔ جنہوں نے کفر اور نفاق اور استہزاء اور تمسخر سے توبہ نہیں کی اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے کچھ تو زبان سے تمسخر کرتے تھے اور کچھ دل سے اس پر راضی تھے۔ معاف کرنے سے مراد توبہ کی توفیق دینا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان میں جو لوگ صدق دل سے تائب ہو جائیں گے۔ ان کو معاف کر دیں گے مگر جو لوگ صدق دل سے توبہ نہیں کریں گے بلکہ بدستور اپنے جرم پر قائم رہیں گے ان کو ضرور سزا دیں گے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھا دیں بات بُری

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ

اور چھڑا دیں بھلی سے اور بند رکھیں اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَ

تحقیق منافق وہی ہیں بے حکم ۔ وعدہ دیا اللہ نے منافق مرد اور عورتوں کو اور

الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ

منکروں کو، دوزخ کی آگ پڑے رہیں اس میں وہی بس ہے ان کو اور اللہ نے ان کو پھٹکارا۔

اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ

اور ان کو ہے عذاب برقرار جس طرح تم سے اگلے زیادہ تھے

مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ

زور میں اور بہت رکھتے مال اور اولاد، پھر برت گئے اپنا حصہ،

فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

پھر تم نے برت لیا اپنا حصّہ جیسے برت گئے تم سے اگلے اپنا حصہ

وَ خُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ

اور تم نے قدم ڈالے جیسے انہوں نے قدم ڈالے تھے وہ لوگ مٹ گئے ان کے کیے دنیا میں اور

الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ

آخرت میں، وہی لوگ پڑے ہیں زیاں میں۔ کیا پہنچا نہیں ان کو احوال

قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ

اگلوں کا قوم نوح کا اور عاد کا اور ثمود کا اور قوم ابراہیم کا اور

مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ

مدین والوں کا اور اُلٹی بستیوں کا پہنچے اُن پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر پھر

اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے۔

منافقین اور منافقات کا اعمال وصفات میں تشابہ اور تماثل مع بیان وعید وتہدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ ... اِلٰى ... وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا۔ اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور منافقات ان قبائح اور فضائح میں مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بُری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد خبیث ہیں اسی طرح عورتیں بھی خبیث ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو متنبہ کرنے کے لیے گزشتہ اُمتوں کے کافروں کے حالات یاد

دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ مال و دولت اور قوت و طاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکام سے سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا تمہیں معلوم نہیں کہ عاد اور ثمود کا اور ان بستیوں کا جب الٹی گئیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا ذرا سوچو اور عبرت پکڑو آخر خدائی قہر سے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو۔

ربط دیگر: گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غزوۂ تبوک سے متعلق تھا۔ اب ان آیات میں عام منافقین کے حال کا بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بد باطنی اور اخلاق ذمیمہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی شئی کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب ہم جنس ہیں اور نفاق اور بد باطنی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور سب کی مت ایک ہے مرد اور عورت سب اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بُری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفت اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معقول اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان و اسلام اور اتباع رسول ﷺ سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ بھی ان کو بھول گیا یعنی ان لوگوں نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے فراموش اور نظر انداز کر دیا۔ تحقیق جنس منافقین خواہ وہ مرد ہوں یا عورت فاسق کامل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہگار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے قہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورت دوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر و نفاق کی کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا۔ اے منافقو! کفر اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کی مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرنی کر کے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے۔ سو انہوں نے اپنے دنیوی حصّہ یعنی مال و اولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پروانہ کی۔ پس اب ان کے بعد تم نے بھی اپنے دنیاوی حصّہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھا گئے تھے تم اس بارہ میں بالکل ان کے مانند ہو اور ان کے نقش قدم پر ہو اور تم بھی بُری باتوں میں اسی طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے یعنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے اعمال حسنہ دنیا اور آخرت میں نیست اور نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا و آخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان میں ہیں۔ جب کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھیتی جل کر تباہ ہوگئی یہی حال ان لوگوں کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ پچھلوں کے حال اور مآل کا خیال کریں کیا ان منافقوں اور کافروں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور عذاب و وبال آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ ان کو چاہیے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود مردود مچھر کے ڈنگ سے ہلاک ہوا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم ظلّہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور الٹی ہوئی

بستیوں والے یعنی قوم لوطؑ کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے۔ ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت ورسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخر تباہ اور برباد ہوئے سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کر دے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کی عقوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کر دی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے باز نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا خود انہی لوگوں نے تمرد اور سرکشی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہیے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ
اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، سکھاتے ہیں
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
نیک بات اور منع کرتے ہیں بُری بات سے اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں
الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ
زکوٰۃ اور حکم میں چلتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے وہ لوگ ان پر رحم کرے گا اللہ البتہ
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ وعدہ دیا اللہ نے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو باغ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ
بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں اور مکان ستھرے رہنے کے
ع ۹ ۶ ۱۵ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع
باغوں میں اور رضا مندی اللہ کی، سب سے بڑی یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

مدحِ اہلِ ایمان مع بشارت غفران ورضوان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ ... الیٰ ... ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع﴾

ربط: گزشتہ آیات میں منافقین کے فضائح اور قبائح اوصاف قبیحہ اور اعمال شنیعہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ سب کے سب اِن قبائح اور فضائح میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔ اب بطور مقابلہ مؤمنین کے صفاتِ خیر اور اعمالِ فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اطاعت شعار اور مخلص اور وفادار بندوں کا یہ حال ہے جو منافقوں کے حال کے برعکس ہے جس طرح منافقین اور منافقات رزائل میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اسی طرح مؤمنین اور مؤمنات فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔

اور اس کے بعد ان سے جو رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کو ملے گی وہ یہ ہوگی کہ ان محبین مخلصین کو دائمی رضا کا پروانہ ملے گا۔

اَللّٰھُمَّ اجعلنا منھم آمین برحمتك یا ارحم الرّاحمین یاذاالجلال والا کرام.

اور خلفائے راشدین کا اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا وہ اس بشارت کے اوّلین مستحق اور سزاوار ہیں۔ غرض یہ کہ اوپر کی آیتوں میں منافقین کے فضائح اور قبائح کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں اہل ایمان کے مدائح کا بیان ہے جیسا کہ قاعدہ ہے وبضد ھا تتبین الا شیاء ضد کے ذکر کرنے سے اصل شے کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور کارساز ہیں اور صفات فاضلہ میں ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں زبان سے حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور فعل ان کا یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طرح سے پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ دل و جان سے وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار ہیں۔ ایسے لوگوں پر جن میں یہ صفات جمع ہوں ان پر اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا جس سے ان کی نفسانیت، مغلوب اور روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی۔ تحقیق اللہ غالب ہے جو چاہے کرے حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور وعدہ کیا ہے ان سے پاکیزہ گھروں اور نفیس مکانوں کا عدن کے باغوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عدن وسط جنت کا نام ہے یعنی جنّت کے درمیانی حصّہ کو عدن کہتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں اور یہ لفظ کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ جنت کی صفت ہے اور کل جنت عدن ہے یعنی ہمیشگی کی جگہ ہے اور ان سب نعمتوں کے علاوہ اللہ کی طرف سے خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے جنت اسی وجہ سے جنت اور نعمت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہے یہ یعنی خدا کی رضامندی یہی بڑی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تمام سعادتوں اور تمام کرامتوں کا مبدا اور منتہا یہی رضائے خداوندی ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اہل جنت کو ندا دے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے لبیك ربّنا و سعدیك والخیر فی یدیك ہم حاضر ہیں۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار! ہم راضی کیوں نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جو آپ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نہ عطا کروں؟ عرض کریں گے کہ اس سے افضل اور بہتر کون سی چیز ہے؟ فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اب اس کے بعد کبھی تم سے ناخوش اور ناراض نہ ہوں گا۔

نکتہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت نہیں رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی بڑھ کر ہے اور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے رضاء خداوندی کا مژدہ جان فزا سن لیا اور قرآن میں تصریح ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ناراض ہونے والا فاسق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے نبی! لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بُری جگہ پہنچے۔

کفار اور منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ... الٰى ... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں جب کفار اور منافقین کی برائیاں اور ان کے ناشائستہ افعال کا ذکر ہو چکا تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے جہاد کیجیے اور ان کے ساتھ شدّت اور غلظت یعنی سختی سے پیش آیئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت نہ کیجیے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق نہایت وسیع تھا۔ اس لیے آپ منافقوں کے ساتھ لطف اور نرمی کے ساتھ پیش آتے اب اسکی ممانعت کر دی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اعداء اللہ کے ساتھ شدّت اور غلظت یہی خلق عظیم ہے۔ جہاد کے معنی کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لیے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں خواہ یہ کوشش سیف وسنان سے ہو یا زبان اور حجت اور برہان سے ہو جہاد اصل معنی کے لحاظ سے عام ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو کفار سے جہاد کا حکم آیا ہے اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے۔ اس لیے کہ منافقین اپنے آپ کو بظاہر مسلمان بتاتے تھے اور دوسری قومیں بھی ظاہر کے لحاظ سے انہیں مسلمان سمجھتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور کھلے کافروں جیسا ان کے ساتھ معاملہ نہیں کیا اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرنا مراد ہے اور منافقین کے ساتھ زبان اور قلم اور حجت اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک نفاق پوشیدہ رہے اور جب نفاق ظاہر اور عیاں ہو جائے تو پھر منافقین سے بھی جہاد بالسیف ہو سکتا ہے۔ چونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے تبوک کے موقع پر جب منافقین کا نفاق آشکارا ہو گیا تو حکم آیا کہ ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ لہٰذا ان منافقین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب تک ان کا نفاق پوشیدہ تھا اور جب ان کا نفاق قطعی اور بدیہی طور پر آشکارا اور عیاں ہو گیا تو اب ان کے ساتھ نرمی کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا حکم دیا جاتا

ہے کہ اے نبی کافروں سے تیغ وسنان کے ساتھ اور منافقوں سے زبان کے ساتھ یعنی حجت اور برہان کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو نرمی کو ترک کرو یہ نابکار دنیا میں اسی کے مستحق ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ جس کو شقاوت اور بدبختی کے اسباب ہر طرف سے محیط ہیں۔ اس کے لیے بُرا ہی ٹھکانہ مناسب ہے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۗ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ہم نے نہیں کہا۔ اور بیشک کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَ هَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَ مَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ

مسلمان ہو کر اور فکر کیا تھا جو نہ ملا۔ اور یہ سب کرتے ہیں بدلہ اس کا کہ

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَ

دولت مند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کریں تو بھلا ہے ان کے حق میں اور

اِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ

اگر نہ مانیں گے تو مار دے گا ان کو اللہ دکھ کی مار دنیا میں اور آخرت میں

وَ مَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ

اور نہیں ان کا روئے زمین میں کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے

لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور ہم ہو رہیں نیکی والوں میں

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا اور پھر گئے ٹلا کر

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

پھر اس کا اثر رکھا نفاق ان کے دل میں جس دن تک اُس سے ملیں گے اس پر کہ خلاف کیا اللہ سے

مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

جو وعدہ دیا اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے

سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ

اُن کا بھید اور مشورہ اور یہ کہ اللہ جاننے والا ہے ہر چھپے کا وہ جو طعن کرتے ہیں

الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں کو اور ان پر جو نہیں رکھتے

اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ

مگر اپنی محنت کا پھر اُن پر ٹھٹھے کرتے ہیں۔ اللہ نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ

دُکھ کی مار ہے تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے واسطے

لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا

ستّر بار بخشش مانگے تو بھی ہر گز نہ بخشے ان کو اللہ یہ اس پر کہ وہ منکر ہوئے

بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ فَرِحَ ع ۱۶/۸

اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو خوش ہوئے

الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا

پچھاڑی ڈالے گئے (پیچھے رہنے والے) بیٹھ کر جُدا رسول اللہ سے اور بُرا لگا کہ لڑیں اپنے

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ

مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں اور بولے مت کوچ کرو گرمی میں

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا

تو کہہ دوزخ کی آگ اور سخت گرم ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی سو ہنس لیویں

قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ

تھوڑا اور روویں بہت سا بدلہ اس کا جو کماتے تھے سو اگر پھر لے جا وے تجھ کو

اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

اللہ کسی فرقے کی طرف اُن میں سے پھر یہ رخصت چاہیں تجھ سے نکلنے کو تو تُو کہہ ہر گز نہ نکلو گے

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ

میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

پہلی بار سو بیٹھے رہو ساتھ پچھاڑی والوں کے۔

تفصیل جرائم منافقین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ ... الٰى ... فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں منافقین سے جہاد کا حکم دیا تھا اب آئندہ آیات میں منافقین کے نفاق اور کفر کی چند باتیں ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ منافقین کی یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ان کا نفاق آشکارا اور ظاہر ہو چکا ہے۔ اس لیے ان کے ساتھ شدت اور غلظت یعنی سختی کی شدید ضرورت ہے اور وہ اسی کے مستحق ہیں ؎

نکوئی بابداں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

ان کے ساتھ نرمی کا رویہ نہ رکھنا چاہیے اس لیے آئندہ آیات میں منافقین کے چند جرائم کا ذکر کرتے ہیں جو ان سے جہاد اور غلظت کو مقتضی ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے ان کا ایک جرم تو حلف کاذب ذکر کیا۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ... الخ﴾ یعنی کفر کی باتیں کرتے ہیں اور پھر مکر جاتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

(دوم) احسان فراموشی كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

(سوم) بدعہدی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ ... الخ﴾

(چہارم) مؤمنین مخلصین کے صدقات وخیرات پر طعنہ زنی جو مسلمان زیادہ لاتا اس کو یہ کہتے کہ یہ نام ونمود کے لیے لایا ہے اور جو کم لاتا اس کو یہ کہتے کہ خدا کو اس کے صدقہ کی کیا ضرورت تھی۔ محض انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے جیسا کہ ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ میں اسی کا ذکر ہے۔

(پنجم) منافقین کا غزوۂ تبوک میں خود بھی شریک نہ ہونا اور دوسروں کو بھی شرکت سے منع کرنا کہ گرمی شدّت کی پڑ رہی ہے ایسی حالت میں گھر سے باہر نہ جاؤ کَمَا قَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ...الخ﴾ اس قسم کے جرائم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اس قسم کے مجرمین سے کسی قسم کی نرمی نہ کی جائے۔ چنانچہ جرائم کی تفصیل فرماتے ہیں۔

جرم اوّل۔ حلفِ کاذب

آنحضرت ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ تو بارہ منافق آپ ﷺ کے قتل کے ارادہ سے اپنے چہرے چھپا کر ایک گھاٹی پر کھڑے ہو گئے تا کہ آپ ﷺ کو اس پہاڑی سے گرادیں۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ان کو مار کر پیچھے ہٹایا چہرے چھپے ہوئے تھے اور رات کی تاریکی تھی۔ اس لیے پہچانے نہیں گئے پھر آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا آپ ﷺ نے منزل پر پہنچ کر ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور ایسا ایسا ارادہ کیا تھا سب نے قسمیں کھالیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی شان میں کوئی کلمہ نہیں کہا اور نہ ہم نے کوئی فاسد ارادہ کیا ان بارہ منافقوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی منافقین اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی جو آپ تک پہنچائی گئی اور حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی ہے انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کیا اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کے بعد اور قصد کیا انہوں نے اس چیز کا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے یعنی ارادہ یہ کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کر دیں مگر کامیاب نہ ہوئے یہاں تک منافقین کے جرم اوّل یعنی جھوٹی قسموں کا بیان ہوا۔ اب آئندہ آیت میں ان کے دوسرے جرم احسان فراموشی کا ذکر کرتے ہیں۔

جرم دوم۔ احسان فراموشی

اور نہیں انتقام لیا ان منافقوں نے مگر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے اپنی دعا سے ان کو مال دار بنا دیا۔ اہل مدینہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے محتاج اور تنگدست تھے جب رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک یہاں آیا تو اس کی برکت سے خدا تعالیٰ نے ان کی کھیتی باڑی میں اور باغوں کی پیداوار میں برکت دی اور ادھر مال غنیمت ان کے پاس آنے لگا جس سے وہ مالدار ہو گئے ان کو چاہیے تھا کہ رسول ﷺ کے اس احسان کے مشکور ہوتے مگر منافقوں نے بجائے شکر گزاری کے آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ کینہ اور عداوت اسی وجہ سے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو مال دار بنا دیا جس سے ان کی احسان فراموشی اور بدبختی عیاں ہے۔ پس اگر یہ منافق اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو اور اگر وہ توبہ سے روگردانی کریں اور اپنے کفر اور نفاق پر جمے رہیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں قتل کیے جائیں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور زمین میں ان کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا۔ اور نہ کوئی مددگار جو ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچالے بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ جُلاس نامی ایک شخص یہ آیتیں سُن کر صدق دل سے تائب ہو گیا اور آئندہ زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور امت کے مخلصین میں اس کا شمار ہوا۔

جرم سوم۔ بدعہدی

ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کشائش رزق کی درخواست کی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((ویحك یا ثعلبة قلیل تئودی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقه)).

"افسوس اے ثعلبہ (کس فکر میں ہے) تھوڑا مال جس پر خدا کا شکر کرے اس کثیر مال سے بہت بہتر ہے جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے۔"

اس نے پھر یہی درخواست کی اس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

((اما ترضی ان تکون مثل نبی الله لوشئت ان تسیر معی الجبال ذهبا لسارت)).

"اے ثعلبہ کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو فقر اور درویشی میں اللہ کے نبی کے طریقہ پر چلے میں اگر چاہوں تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر میرے ساتھ چلنے لگیں۔"

ثعلبہ نے کہا خدا کی قسم میں آپ ﷺ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں مالدار ہو گیا تو اس کے حقوق ادا کروں گا آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرما دی خدا تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں اس قدر برکت دی کہ وہ کیڑوں کی طرح بڑھنے لگیں اور اس کے پاس اتنا ریوڑ ہو گیا کہ وہ مدینہ میں نہ سما سکا ناچار مدینہ چھوڑ کر باہر کسی گاؤں میں جا بسا اور رفتہ رفتہ جمعہ اور جماعت کے لیے بھی آنا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد حضور انور ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے محصل بھیجا تو ازراہ غرور کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا ویح ثعلبته افسوس! اے ثعلبہ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۹ ج ۸)

پھر بعد میں جب اس کے عزیز و اقارب نے اس پر طعن و تشنیع کی تو وہ زکوٰۃ لے کر حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کی زکوٰۃ منظور نہیں کی۔ اس شخص نے بہت واویلا کیا اور بدنامی کے خوف سے سر پر خاک بھی ڈالی مگر حضور پُرنور ﷺ نے اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی پھر حضور ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی دونوں نے انکار فرما دیا ہر ایک نے یہی کہا کہ جو چیز آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں کی ہم اُس کو قبول نہیں کر سکتے آخر اسی حالتِ نفاق پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مر گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور صدقہ اور خیرات کریں گے اور زکوٰۃ نکالیں گے اور صدقہ اور زکوٰۃ دے کر ضرور نیک بختوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مال دے دیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور عہد و پیمان سے منہ پھیر لیا درآنحالیکہ وہ ٹلانے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا کہ جس دن وہ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے یعنی قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا۔ جب اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی منافق ہوں گے اور ان کو یہ سزا اس وجہ سے ملی کہ انہوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی اور اس لیے کہ خدا سے جھوٹ بولتے

رہے۔اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور جھوٹ سے آدمی کے دل میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے اس وجہ سے حدیث میں جھوٹ اور وعدہ خلافی کو نفاق کی خصلتوں میں شمار فرمایا ہے کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے پوشیدہ اسرار کو اور ان کی کانا پھوسی کو جو اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں۔خوب جانتا ہے اس پر ان کی کوئی کارروائی مخفی نہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔تمہارے مشورے اس پر پوشیدہ نہیں۔

جرمِ چہارم۔اہلِ ایمان کے صدقات پر طعنہ زنی

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ تو بہت سا مال لے کر حاضر ہوئے تو منافقین نے کہا کہ یہ تو ریا کار ہے اپنے نام اور شہرت کی خاطر لے کر آیا ہے اور بعض غریب و نادار مسلمان جو محنت و مزدوری کیا کرتے تھے وہ بہت تھوڑا لے کر حاضر ہوئے ایک صحابی ایک صاع کھجور کا لے کر حاضر ہوئے اس پر منافقین نے یہ طعن کیا کہ بھلا خدا اور رسول ﷺ کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔غرض یہ کہ ان کی زبان طعن سے نہ تھوڑا لانے والا بچا اور نہ زیادہ لانے والا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان منافقوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان مسلمانوں پر بھی طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقات و خیرات کرتے ہیں اور ان غریب مسلمانوں پر بھی طعن کرتے جو سوائے اپنی محنت اور مشقت کے کچھ نہیں پاتے پھر ایسے غریبوں اور ناداروں کا خاص طور پر مذاق اڑاتے ہیں۔وہ ان غریب مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں اللہ قیامت کے دن ان سے ٹھٹھا کرے گا۔تمسخر کا بدلہ تمسخر سے ملے گا اور اس کے علاوہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جو ان کے لیے قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے۔لہٰذا آپ ان مسخرہ پن کرنے والے منافقین کے لیے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے آپ اگر ان کے لیے ستر مرتبہ بھی خدا سے مغفرت مانگیں گے تب بھی ہرگز اللہ ان کو نہیں بخشے گا ستر کا عدد تحدید اور تعیین کے لیے نہیں بلکہ محض مبالغہ اور کثرت کے لیے ہے۔مطلب یہ کہ ان کے لیے معافی مانگنا فضول ہے مانگو یا نہ مانگو کسی طرح نہیں بخشے جائیں گے خواہ تم ان کے لیے کتنی ہی بار معافی مانگو۔وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایسا کفر کیا کہ تمسخر کی حد تک پہنچ گئے جس سے مغفرت کی صلاحیت اور اہلیت ہی ختم ہو گئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تمسخر دلیل اس امر کی ہے کہ دل پر مہر لگ چکی ہے اور اللہ نہیں راہ دکھاتا ایسے فاسقوں کو جو اپنے کفر میں متمرد اور سرکش ہو گئے ہوں۔

جرمِ پنجم۔ تخلف از غزوۂ تبوک

ان منافقوں کا ایک جرم یہ ہے کہ برائی اور عیب کے کام سے خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس برائی کی دعوت اور ترغیب دیتے ہیں ایسوں کو نبی ﷺ کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو لوگ ان منافقین میں سے اپنے اصرار کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے۔وہ رسول ﷺ کے برخلاف اپنے گھر بیٹھے رہنے سے بہت خوش ہوئے یعنی جن منافقوں کو رسول ﷺ نے جھوٹے عذروں کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کی خلاف مرضی اپنے گھر بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خلاف کے معنی مخالفت کے نہیں بلکہ خَلْف بمعنی بعد کے ہیں یعنی رسول ﷺ کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے

اپنے گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کو مکروہ سمجھا۔ خود بھی آرام طلب بنے اور دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو نہ خود گئے اور دوسروں کو بھی روکنا چاہا۔ اے نبی آپ ﷺ اُن سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت گرم ہے۔ کاش کہ یہ منافق سمجھے ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں کتنی سخت آگ میں جلنا پڑے گا۔ سو یہ منافق جو اس وقت جہاد سے پیچھے رہنے پر خوش ہو رہے ہیں۔ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنس لیں اور اس کے بدلے آخرت میں بہت سا روئیں یہ امر بمعنی خبر ہے اور صیغۂ امر اس لیے لایا گیا تا کہ دلالت کرے کہ قیامت کے دن بہت سا رونا لازم ہوگا ابدالآباد تک روتے ہی رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ہنسنا چند روزہ ہے اس کے بعد رونا ہی رونا ہے یہ ان کا آخرت میں رونا بطور بدلہ کے ہوگا جو دنیا میں کماتے تھے۔ دنیا میں کفر اور معصیت کر کے ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔ آخرت میں اس کے بدلہ ابدالآباد تک رونا پڑے گا جب ان کا حال معلوم ہو گیا تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو اس سفر سے صحیح سالم ان میں سے کسی جماعت کی طرف مدینہ واپس لائے پھر یہ لوگ بطور خوشامد و دفعِ الزام، سابق کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر ہرگز کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے یعنی اگر آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے صحیح سالم مدینہ واپس آجائیں اور پھر کسی دوسرے غزوہ کی تیاری کریں اور جو منافق اس غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے وہ اس غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت نہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ تحقیق تم پہلی بار اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے سو اب دوسری بار بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں پہلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی بچوں اور عورتوں اور ناتواں بوڑھوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے منافقین کی ازلی شقاوت کی خبر دی اور آئندہ کے لیے ان لوگوں کو جہاد میں ساتھ لے جانے سے منع کیا۔ اور گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ ان لوگوں کے لیے استغفار بے کار ہے یہ ازلی بدبخت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی مغفرت کی جائے اب آئندہ آیت میں صراحتاً ان کی نماز جنازہ پڑھنے کی اور ان کے لیے مغفرت کی ممانعت فرماتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو عبداللہ بن ابی منافق کی نماز پڑھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر بدرجۂ کمال شفقت و رحمت کا غلبہ تھا جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق یہ فرمایا ﴿ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (ابراہیم:۳۶) اس لیے آپ ﷺ نے یہ جان کر کہ ان کے حق میں استغفار بے سُود ہے ہدایت خلق کی حرص اور طمع میں کمال شفقت و رحمت کی بناء پر استغفار کی جانب کو ترجیح دی کہ شاید آپ ﷺ کی یہ استغفار دوسروں کے حق میں ہدایت کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ آپ کا یہ تلطف دیکھ کر اور بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔

بہر حال آپ ﷺ پر شفقت و رحمت کا غلبہ تھا اس کے ظاہری اسلام کی بناء پر آپ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھا دی اور پیراہن مبارک بھی عطا کر دیا۔ اس پر آئندہ آیت یعنی ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ ... الخ ﴾ نازل ہوئی جس میں صراحتاً ممانعت ہو گئی اور بتلا دیا گیا کہ نبی کی نماز جنازہ اور نبی کا پیراہن بغیر ایمان کے ذریعہ نجات کا نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ

اور نماز نہ پڑھ ان میں کسی پر جو مرجاوے کبھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر وہ

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مرے ہیں بے حکم

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ ... الٰى ... وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیت میں منافقین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اب اس آیت میں ان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے آپ ﷺ کو منع کیا گیا۔

شانِ نزول:

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق مرگیا تو آپ ﷺ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آپؐ نے اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ منافق تھا آپؐ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ... الخ﴾ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے۔ یعنی ممانعت نہیں کی میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا۔ بعدازاں آپ ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی کیونکہ منافقین ظاہر میں کلمہ اسلام کا پڑھتے تھے اور نماز روزہ بھی کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ ظاہراً معاملہ مسلمانوں کا سا کرتے تھے اور جن آیتوں میں مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صریح کافر اور مشرک تھے۔ ان کے لیے استغفار کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقین کے لیے بھی استغفار ممنوع ہو۔ اس لیے کہ منافقین بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور بظاہر شعائر اسلام بجالائے تھے، اس لیے وہ اس ممانعت کے مفہوم میں داخل نہیں۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کی بنا پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید اور موافقت میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ... الخ﴾ اس کے بعد آپ ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اس آیت کے ذریعے یہ بتلایا گیا کہ اب ان کا حکم مسلمانوں جیسا نہیں رہا اس لیے ان میں جو کوئی مرجائے آپ ﷺ کبھی اس کی نماز نہ پڑھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقوں میں سے جو مرجائے تو آپ ﷺ ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ یعنی یہ حکم ابدی ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا اس لیے کہ نماز جنازہ ایک قسم کی شفاعت ہے اور کافر اور منافق کے لیے شفاعت نہیں اور نماز تو درکنار کسی کافر اور منافق کی قبر پر بھی

کھڑے نہ ہوں یعنی اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس میں کافر کا اکرام ہے۔ تحقیق یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوئے اور نافرمانی اور سرکشی کی حالت میں مرے ان کی قبر اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہے اس لیے مؤمن کے لے جائز نہیں کہ ایسی جگہ ایک منٹ کو بھی کھڑا ہو جہاں اللہ کا غضب اور قہر نازل ہو رہا ہو۔ اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

اور تعجب نہ کر ان کے مال اولاد سے اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب کرے ان کو

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِذَآ اُنْزِلَتْ

اُن چیزوں سے دنیا میں اور نکلے ان کی جان جب تک کافر ہی رہیں اور جب نازل ہوتی ہے کوئی

سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ جَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ

سورت کہ یقین لاؤ اللہ پر، اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ (ہوکر) رخصت مانگتے ہیں مقدور والے

مِنْهُمْ وَ قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ان کے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے، رہ جاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے خوش آیا کہ رہ جاویں ساتھ

الْخَوَالِفِ وَ طُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ

پچھلی عورتوں کے اور مہر ہوئی ان کے دل پر، سو ان کو بوجھ نہیں لیکن رسول

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اور جو ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے۔ اور انہی کو ہیں

الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

خوبیاں، اور وہی پہنچے مراد کو۔ تیار رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ، بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۱ ۹ ۱۷

نیچے ان کے نہریں، رہا کریں اُن میں یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

کُفّار اور منافقین کا ایک شُبہ اور اس کا ازالہ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ اَوْلَادُهُمْ ؕ ... الٰی ... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کا مبغوض عند اللہ ہونا بتلایا۔ اب اس بارہ میں ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ ان کے پاس جو کچھ مال اور اولاد ہے وہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے مبغوض ہونے کی علامت ہے اور ان کو جو مال و دولت دیا گیا ہے وہ ان کے حق میں ذریعۂ عذاب ہے سوائے مسلمانو! تمہیں ان کے مال و دولت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے مال کو اگر خدا تعالیٰ کی اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ نعمت ہے اور اگر اس کو معصیت کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ مال و دولت عذاب اور مصیبت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور تعجب میں نہ ڈالیں آپ کو ان منافقین کے مال اور اولاد کہ باوجود مغضوب خداوندی ہونے کے ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں سو خوب سمجھ لو کہ ان کو مال و اولاد کے عطا کرنے سے انعام اور اکرام مقصود نہیں بلکہ جزایں نیست کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان مجرمین کو ان کے مال و اولاد کے سبب سے دنیا میں عذاب دے کہ دنیا میں تحصیل مال اور اس کی حفاظت کے رنج و تعب میں رہیں۔ اور اولاد کی تربیت میں اور ان کے لیے سامانِ راحت مہیا کرنے میں ہر وقت محنت اور مشقت کھینچتے رہیں۔ اور جب مریں تو ان کی روحیں نہایت حسرت کے ساتھ اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ یعنی کفر ہی پر اس جہان سے خالی ہاتھ جائیں اور مال و اولاد یہاں چھوڑ جائیں اور حسرتیں اور ندامتیں ساتھ لے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کافروں کو مال و اولاد میں ترقی دے رکھی ہے یہ اس لیے نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں بلکہ اللہ کا مقصود ان کے مال و اولاد بڑھانے سے یہ ہے کہ وہ اس کے سبب ہمیشہ دنیوی عذاب بھگتتے رہیں۔ اور جب مریں تو کفر پر حسرتیں لے کر مریں کیونکہ مال و اولاد ہی انسان کی گمراہی کا ذریعہ ہیں۔ باقی خداوند تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی اطاعت ہے بارگاہ خداوندی میں عزت ایمان اور اطاعت سے ملتی ہے نہ کہ مال و دولت سے۔

﴿وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (المنافقون:۸)

در اوّل چو خواہی کنی مال جمع — بسے رنج برخویش باید گماشت
پس از بہرآں تا بماند بجائے — شب و روز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تراست — کہ آخر بحسرت بباید گذاشت

فائدہ: یہ آیت اس سے چار رکوع پہلے بھی گزر چکی ہے مگر چونکہ ایک عظیم شبہ کے ازالہ پر مشتمل ہے اس لیے بغرض تاکید اس کو دوبارہ ذکر کیا گیا اس لیے کہ عام طبیعتوں میں حرص کا مادّہ غالب ہے۔ اس لیے مال و دولت کو دیکھ کر نظریں چکا چوند ہو جاتی ہیں سو بتلا دیا کہ اگر مال و دولت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنیں تو نعمت ہیں اور اگر اس کی معصیت کا ذریعہ بنیں تو عذاب اور مصیبت ہیں اور یہ اموال و اولاد ان منافقین کے حق میں ذریعۂ عذاب اس وجہ سے بنا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر دل و جان سے ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو ان میں سے صاحب دولت و ثروت ہیں تو وہ آپ سے جہاد سے

پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہم کو یہیں چھوڑ جایئے۔ یعنی اپنے ساتھ لشکر میں نہ لے چلیں تا کہ رہیں ہم گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ ان لوگوں پر راحت طلبی اس قدر غالب ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہیں اور مردوں کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں۔

خوالف کے معنی پیچھے رہنے والی عورتوں کے ہیں۔ چونکہ مردوں کے پیچھے اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں اس لیے عورتوں کو خوالف کہتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر کفر اور نفاق کی مہر لگا دی گئی ہے۔ پس اس لیے وہ جہاد کے انوار و برکات اور اس کی سعادت کو نہیں سمجھتے لیکن رسول خدا ﷺ اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شامل ہو کر ایمان لائے ان لوگوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ یعنی اگر ان منافقوں نے جہاد نہیں کیا۔ اور پیچھے رہ گئے تو کیا نقصان ہوا۔ ان سے بہتر لوگوں نے جہاد کیا اور ایسوں ہی کے لیے دنیا اور آخرت میں خوبیاں ہیں اور یہی لوگ آخرت میں مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہین جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے اور ان نادانوں نے گھر میں بیٹھے رہنے کو کامیابی سمجھ رکھا ہے۔

فائدہ: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی سے مکر اور فریب اور نفاق دیکھے تو اس سے قطع تعلق کر دے اور اس کی معاونت اور مجالست اور مصاحبت سے بھی احتراز کرے ایسے لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہ لے جائے اور اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور نہ ان کی قبر پر جا کر کھڑا ہو۔ ﴿لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَ قَعَدَ الَّذِيْنَ
اور آئے بہانے کرتے گنوار تا رخصت ملے ان کو اور بیٹھ رہے
كَذَبُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ
جو جھوٹے ہوئے اللہ سے اور رسول سے۔ اب پہنچے گی ان پر جو منکر ہیں ان میں
اَلِيْمٌ ۝۹۰
دُکھ کی مار۔

منافقینِ اعراب کے اعذارِ کاذبہ کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ جَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ... اِلٰی ... عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰﴾

ربط: اُوپر کی آیتوں میں شہر مدینہ کے منافقوں کے احوال بیان کیے۔ اب اس آیت میں منافقین اور ان کے اعذار کاذبہ کا حال بیان ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور آئے جنگ تبوک کی روانگی کے وقت دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے جنہوں نے قلت مال اور

کثرت عیال کا ذکر کیا تا کہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ مُعَذِّرُوْنَ کی اصل معتذرون ہے جو اعتذار سے مشتق ہے اور اعتذار کا استعمال عذر کاذب اور عذر صادق دونوں میں صحیح ہے اس بنا پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عذر کرنے والے دیہاتی اپنے عذر میں سچے تھے یا جھوٹے تھے بعض کہتے ہیں کہ سچے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جھوٹے تھے بہر حال ان کا عذر سچا ہو یا جھوٹا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں نے جہاد میں جانے سے عذر کیا اور آنحضرت ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی اور ان دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ عذر کرنے بھی نہ آئے اور انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے خدا اور رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بلا اجازت مانگے ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بالکل ہی چھپ کر گھروں میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے کے لیے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ان میں سے جو آخر تک کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کر لیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور بعضے تو اس قدر بے باک نکلے کہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہے اور عذر کرنے بھی نہ آئے اور ظاہر داری کا بھی خیال نہ کیا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ

ضعیفوں پر تکلیف نہیں نہ مریضوں پر، نہ اُن پر جن کو پیدا نہیں

مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

جو خرچ کریں جب دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نہیں نیکی والوں پر الزام

مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ

کی راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ اُن پر، کہ جب تیرے پاس آئے تا کہ

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ

اُن کو سواری دے تُو نے کہا مجھ کو پیدا نہیں جو تم کو سواری دوں، الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے

تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ

بہتے ہیں آنسو اس غم سے، کہ ان کو پیدا نہیں جو خرچ کریں راہ الزام کی

عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور مالدار ہیں۔ خوش لگا انہیں کہ رہ جاویں ساتھ پچھلی

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

عورتوں کے اور مہر کی اللہ نے ان کے دلوں پر، سو وہ نہیں جانتے۔

مؤمنین صادقین کے اعذار صادقہ کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى ... الٰى ... فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾

ربط: اُوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں۔ ایسوں کے عذر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو در حقیقت معذور ہیں۔ اور ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور ناتواں ہیں اور ان کے عذر سچے اور واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ کے نزدیک مقبول ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ناتوانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامانِ جہاد مہیا کر سکیں ایسے لوگ اگر جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جھوٹے عذر کر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمّت فرمائی تھی۔ اور اس آیت میں واقعی اہلِ عذر کا بیان فرمایا کہ وہ جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں:

① کمزور اور ناتواں یعنی بوڑھے اور بچے اور عورتیں اور نحیف اور لاغر لوگ جو جہاد کی مشقّت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

② مریض بیمار اور معذور اس میں اندھے اور لولے اور لنگڑے بھی داخل ہیں۔

③ غریب و نادار جن کے پاس نہ سواری ہے نہ ہتھیار اور نہ اس قدر روپیہ ہے جس سے جہاد کا سامان مہیا کر سکیں ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خیر خواہ اور مخلص ہوں معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کریں ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ:۲۸۶) جو خیر خواہ ہو اور معذوری کی وجہ سے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے اس پر کوئی ملامت اور عتاب نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر نیکوں سے نادانستہ کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ میں اپنے پاس سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ اس وقت نہایت افسردگی کی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ وہ جہاد میں خرچ کرنے کو اپنے پاس کچھ نہیں پاتے۔ اس قسم کے لوگ اگر جہاد میں نہ جا سکیں تو ان پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ یہ سات آدمی تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ

ہمارے لیے بھی سواری کا کچھ انتظام کر دیجیے تا کہ ہم بھی آپؐ کے ساتھ جہاد میں چلیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کر دوں اس پر وہ غم کے مارے روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ یہ سات آدمی تھے جو اس رونے کی وجہ سے بکائیں کے نام سے مشہور ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

① سالم بن عمیر ② عُلَیہ بن زید ③ ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب ④ عمرو بن حمام بن جموح ⑤ عبداللہ بن معقل ⑥ عرباض بن ساریہ ⑦ ہرمی بن بداللہ مزنی رضی اللہ عنہم۔ یہ ساتوں آدمی جو روتے ہوئے واپس ہوئے انصار میں سے تھے۔ (روح المعانی)

جزایں نیست کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور زادِ راہ اور سواری ان کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ نہیں جانتے کہ ہم نے اپنا کیا نقصان کیا اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ایسے بے عقل بنے کہ اپنا نفع نقصان بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾

آمِیْن یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ

الحمدللہ کہ آج بتاریخ ۱۴ رجب یوم پنجشنبہ ۱۳۸۷ھ بوقتِ چاشت جامعہ اشرفیہ لاہور میں دسویں پارے کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہ یک ثلث قرآن مجید کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تتم الصَّالِحَاتِ. اے خداوندِ ذوالجلال تو اپنے فضل و رحمت سے اس خدمت کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تکمیل اور اتمام کی توفیق عطا فرما۔

وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ بِرَحْمَتِكَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ

بہانے لاویں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ، ہم نہ مانیں گے

نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ

تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور

رَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا

اس کا رسول پھر جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دے گا

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ

تم کو جو کر رہے تھے اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تاکہ

لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۙ وَّمَاْوٰىهُمْ

ان سے درگذر کرو سو درگذر کرو ان سے وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا

دوزخ ہے، بدلہ ان کی کمائی کا قسمیں کھاویں گے تمہارے پاس کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

سو اگر تم راضی ہوگئے ان سے تو اللہ راضی نہیں بے حکم لوگوں سے۔

خبر دادن از اعذار کاذبہ اہلِ نفاق

کہ بعد از واپسی جنگ پیش مسلماناں آرند و حکم دادن اہل اخلاص را کہ زیں چنیں پلیداں روبگردانند

از منافق عذر رو آمد نہ خوب زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ ... اِلٰى ... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾﴾

ربط: اُوپر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک کی روانگی کے وقت طرح طرح کے عذر اور حیلے بہانے تراشے تھے۔ اب ان آیات میں ان منافقین کے متعلق خبر دی جاتی ہے جو اس غزوہ سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاس آ کر اپنے نہ جانے کے عذر بیان

کریں گے۔ یہ آیتیں غزوۂ تبوک کی واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں یہ خبر دے دی گئی کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی واپسی کے بعد آپ ؐ کے پاس آ کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے عذر بیان کریں گے اور قسمیں کھائیں گے مگر اے نبی! آپ ﷺ ان سے صاف کہہ دیجیے کہ اب کوئی عذر نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہاری کوئی بات سنیں گے اور اگر تم اپنے سچے ہونے پر اصرار کرتے ہو تو خیر اب اس قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرزِ عمل دیکھا جائے گا کہ کیا کرتے ہو ظاہر کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا اور باطن کا حال ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ کے حوالہ کیا جائے گا۔ ان آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم ان کا عذر قبول نہ کرنا اور نہ اُن کے حلف کو سچا سمجھنا بلکہ ان کو گندہ اور ناپاک سمجھ کر اعراض کرنا اور منہ پھیر لینا یہ لوگ خبیث اور گندے اور ناپاک باطن ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ لوگ قابل التفات نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو ان کے جھوٹ کی خبر دے دی تا کہ وقت پر خوب فضیحت اور رسوا ہوں۔

چنانچہ فرماتے ہیں: * یہ نادان منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم غزوۂ تبوک سے ان کی طرف مدینہ واپس آؤ گے۔ اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں اور حالات سے ہم کو خبر دے دی ہے اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے کاموں کو دیکھے گا۔ اور اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کرے گا۔ پھر تم قیامت کے دن ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ کی طرف لوٹائے جاؤ گے سو وہ تم کو آگاہ کر دے گا جو کچھ تم کرتے تھے یعنی تمہارے نفاق کو ظاہر کر دے گا۔ جس سے تم سب کے سامنے رسوا ہوؤ گے۔ (مسلمانو!) عنقریب وہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے جب تم سفر سے ان کی طرف واپس آؤ گے۔ کہ ہم مجبور اور معذور تھے۔ تا کہ تم اُن سے اعراض کرو یعنی ان پر غصہ اور ملامت نہ کرو یہ لوگ ناپاک اور گندے ہیں ان کو سرزنش بے کار ہے پس اے مسلمانو! تم ان کی خواہش کے مطابق اُن سے اعراض کرو۔ اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تحقیق یہ لوگ پلید ہیں ان کے پاک ہونے کی امید نہیں تہدید اور ملامت ان کے حق میں مفید نہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تا کہ ان کو بدلہ ملے اس کفر اور نفاق کا جو کماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ملامت اور سرزنش سے مقصود اصلاح ہے اور ان گندوں کی اصلاح کی کوئی امید نہیں نیز یہ منافق تمہارے سامنے اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور وہ تمہارے تعرض اور مؤاخذہ سے بے خوف ہو جائیں۔ ان کی قسم مسلمانوں کی خوشنودی کے لیے ہے اللہ کی خوشنودی کے لیے نہیں سوائے مسلمانو! اگر بالفرض والتقدیر تم ان جھوٹ بولنے والے منافقوں سے ظاہر کے اعتبار سے راضی بھی ہو جاؤ تو ان کو کیا فائدہ ہوگا تحقیق اللہ تعالیٰ بدکاروں سے راضی نہیں ہوتا۔ یعنی خدا کے غصہ اور ناراضی کے ساتھ مسلمانوں کا ظاہری طور پر ان سے راضی ہو جانا ان کے حق میں مفید نہیں۔ اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو ممانعت کرنا ہے کہ ان سے راضی نہ ہوں اور ان کے جھوٹے عذروں سے ان کے فریب میں نہ آ جائیں۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے لیکن دوستی اور محبت اور یگانگت روا نہیں“۔ اھ

---

* اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿يَعْتَذِرُوْنَ﴾ کی ضمیر ﴿فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ کی طرف راجع ہے جس پر گذشتہ پارہ ختم ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ

گنوار سخت منکر ہیں اور منافق اور اسی لائق کہ نہ سیکھیں قاعدے، جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ

نازل کیے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا اور بعضے گنوار

مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ

وہ ہیں کہ ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا چٹی اور تاکتے ہیں تم پر زمانے کی گردشیں اُنہیں پر آوے

دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ

گردش بُری اور اللہ سب سنتا ہے جانتا اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ صَلَوٰتِ

اللہ اور پچھلے دن پر اور ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لینی

الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

رسول کی سنتا ہے وہ اُن کے حق میں نزدیکی ہے داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی مہر میں

ع ۱۲ ۱۰ ۱ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مذمتِ منافقین اعراب اور مدح مخلصین اعراب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا ... الٰى ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾﴾

ربط : یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مؤمنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے۔ اب ان آیات میں اعراب (اہل دیہات) کا کچھ حال بیان کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں کفار اور منافقین اور مخلصین ان میں جو منافق ہیں ان کی مذمت فرماتے ہیں اور جو ان میں سے مخلصین ہیں ان کی مدح فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ سب اعراب یکساں نہیں۔ بعض ان میں سے سخت منافق ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں پر مصیبت آنے کی خواہش میں رہتے ہیں اور بعضے ان میں سے سچے ایماندار

ہیں اور وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُسے باعثِ ثواب سمجھتے ہیں اور ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے آرزومند رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ظاہر فرمائے گا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان منافقین میں جو دیہاتی ہیں وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں یعنی عرب کے دیہاتیوں کا کفر اور نفاق شہر مدینہ کے منافقوں کے کفر اور نفاق سے بڑھا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسولؐ خدا سے اور علماء سے اور عقلاء سے دور رہتے ہیں اور ان کو قرآن وسنن اور مواعظ کے سننے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ مجلس علم سے دوری اور اہل علم کی صحبت سے محرومی کی وجہ سے جہالت میں غرق ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل اور بھی سخت ہو گئے۔ اور یہ سخت دل وحشی اسی لائق ہیں کہ شریعت کی حدود کو نہ جانیں کہ جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اسی لیے یہ لوگ جھوٹی قسم کی قباحت کو بھی نہیں جانتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ان جھوٹوں کو مہلت دینا حکمت پر مبنی ہے اور اسی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر دیہاتی منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو مال وہ خدا کی راہ میں کبھی خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں کیونکہ اس خرچ پر ان کو ثواب کی امید نہیں محض دکھلاوے کے لیے کچھ خیرات کر دیتے ہیں اور اے مسلمانو! وہ تمہارے بارے میں زمانے کے گردشوں کے منتظر ہیں کہ مسلمانوں کی عزت ووجاہت کا خاتمہ ہوتا کہ نفاق سے چھٹکارا پائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انہی پر بُری گردش ہوگی کہ اسلام کا عروج ہوگا۔ جس سے ان کے رنج وغم میں اور زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والا اور ان کی بد باطنی کا جاننے والا ہے اور ان کے برعکس دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو وہ خرچ کرتے ہیں اور اس کو خدا کے قرب اور رضا کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ خیرات دینے والوں کے لیے خیر وبرکت کی دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ابواَوفی رضی اللہ عنہ آپ کے پاس صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی آل ابی اوفٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ))

"یعنی اے اللہ تو آل ابی اوفیٰ پر اپنی رحمت فرما۔"

آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک وہ خیرات ان کے لیے خدا کی قربت کا ذریعہ ہے۔ البتہ خدا تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت میں داخل کرے گا۔ جو ہر طرف سے ان کے ظاہر وباطن کو محیط ہوگی بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بخشنے والا اور ان پر مہربان ہے۔

یہ آیت قبائل مُزینہ اور اسلم اور غفار اور جہینہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے راہِ خدا میں خیرات کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح ایمان اور اخلاص اور صدق نیت سے صدقہ اور خیرات کرے گا۔ وہ بلاشبہ خدا کے قریب ہونے کا ذریعہ بنے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کا موجب قربت ہونا عسٰی اور لعل کے ساتھ ظاہر نہیں کیا بلکہ اَلَآ حرف تنبیہ اور اِنَّ حرف تاکید کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا مخلصانہ صدقہ بالیقین اللہ کے قرب اور رضا کا ذریعہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور جو ان کے پیچھے آئے

بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

نیکی سے، اللہ راضی اُن سے اور وہ راضی اس سے اور رکھے ہوئے ہیں واسطے ان کے باغ نیچے بہتی

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

ذکر اعیان مؤمنین وفضائل سابقین اوّلین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ... الٰی ... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾

ربط : اُوپر کی آیت میں مؤمنین اَعراب کا ذکر تھا جو متوسط درجہ کے مؤمن تھے۔ اب اس آیت میں اعیان مؤمنین یعنی چیدہ اور پسندیدہ مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو ایمان کا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا یعنی سابقین اوّلین اور مہاجرین وانصار کے فضائل ومراتب کا ذکر ہے جن کو سبقت اور اوّلیت کا شرف حاصل ہوا اور یہ طبقہ امّت کے تمام طبقوں سے افضل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور مہاجرین اور انصار میں سے قبول اسلام اور ہجرت اور نصرت میں سب امت سے سبقت کرنے والے اور سب سے اوّل رہنے والے اور جن لوگوں نے ان کے بعد ایمان اور اخلاص کے ساتھ ان سابقین اوّلین کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چلے تو ان سب سے اللہ راضی ہوا کہ ان کی طاعت اور خدمت کو ہجرت اور نصرت کو ان کی متابعت کو قبول کیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ وہ خدا سے دین ودنیا کی نعمتیں پا کر خوش ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی بڑی ہے کامیابی کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔

لطائف ومعارف

① سابقین اوّلین کی تفسیر میں علماء تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے مختلف اقوال آئے ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ سابقین اوّلین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف بھی اور کعبہ کی طرف بھی یعنی قبلہ بیت المقدس کے منسوخ ہونے سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اوّلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق اور اوّل ہیں کیونکہ سابقین اوّلین کا لفظ مجمل ہے جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق اور اوّل ہیں پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے

ساتھ موصوف فرمایا معلوم ہوا کہ صفت ہجرت اور صفت نصرت میں سبقت اور اوّلیت مراد ہے۔

② اور ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اوّلین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے خواہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں یا تابعین رحمۃ اللہ علیہم یا تبع تابعین یا ان سے بھی بعد۔ غرض یہ کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جو مہاجرین اور انصار کی پیروی کریں۔ خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں وہ سب جنت کے مستحق ہیں اور خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش۔ پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر ہوں اور اقوال و افعال میں ان کے پیرو ہوں بغیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتباع اور پیروی کے خدا کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی اور اہل سنّت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہل سنّت والجماعت کہا جاتا ہے۔

③ اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مؤمن کامل ہونا معلوم ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور منافق سے راضی نہیں ہوتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ ... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ کافر تھے اور نہ فاسق۔ الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کی مدح فرمائی اور انہیں جنت کی خوشخبری دی اور ان کو اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا اس آیت نے منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس آیت نے تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے فرقۂ امامیہ کے عقیدہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس لیے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں وہ سبقت ہجرت پر اور نصرت پر موقوف ہیں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں۔

④ اس آیت میں حق جل شانہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بلا کسی شرط کے اپنی رضا اور مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا بخلاف تابعین کے یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے یہ قید لگا دی گئی کہ بشرطیکہ وہ مہاجرین اور انصار کا اتباع کریں اور اعمال اور افعال میں ان کے طریقہ پر چلیں۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ قف	
اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں۔ اور بعضے مدینے والے	
مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۖ قف لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ	
اڑ رہے ہیں نفاق پر، تُو ان کو نہیں جانتا۔ ہم کو معلوم ہیں۔ ان کو ہم عذاب کریں گے	
مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ ج ⑩①	
دوبار پھر پھیرے جاویں گے بڑے عذاب ہیں۔	

زعماءِ منافقین کا ذکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ... الیٰ ... عَذَابٍ عَظِیْمٍ ۚ﴾

ربط : اُوپر کی آیت میں اَعیان مؤمنین ۔یعنی مؤمنین کاملین کا ذکر تھا۔اب اس آیت میں زعماء منافقین کا ذکر ہے جو مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس رہتے تھے اور سرتا پا نفاق میں غرق تھے اور فن نفاق میں ایسے ماہر و حاذق اور پختہ تھے کہ نبی اکرم ﷺ باوجود کمال فراست کے ان کے نفاق پر مطلع نہ ہو سکے چنانچہ ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ کے بعد جو لفظ ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ بڑھایا گیا وہ اسی طرف اشارہ ہے اعیان مؤمنین کے ذکر کے بعد اعیان منافقین کا ذکر نہایت مناسب ہے جس طرح مہاجرین اور انصار کو ہجرت اور نصرت میں سبقت اور اوّلیت کا شرف حاصل تھا۔اسی طرح ان منافقین کو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہونے کا نشان ملا تھا۔چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ منافق ہیں یعنی مدینہ کے گرد جو اعراب آباد ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور مدینہ کے باشندوں میں سے بھی بعض منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے اور جمے ہوئے ہیں۔لفظ (مَرَدُوْا) میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ شیطان کے مانند متمرد اور سرکش ہیں یہ لوگ اپنے نفاق سے توبہ کرنے والے نہیں اور یہ نفاق میں اتنے ماہر اور پختہ ہیں کہ آپ ﷺ بھی باوجود کمال فراست کے ان کو نہیں جانتے۔

آنحضرت ﷺ کمال فراست سے منافقوں کو ان کے انداز گفتگو سے معلوم کر لیا کرتے تھے مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آنحضرت ﷺ پر بھی مخفی رہا جب تک خدا تعالیٰ نے آپ کو نہ بتلایا اس لیے فرمایا کہ آپ ان کے نفاق کو نہیں جانتے ہم ان کے نفاق کو خوب جانتے ہیں کیونکہ دلوں کے بھید ہم پر مخفی نہیں ہم ان کو دُھرا عذاب دیں گے ایک بار جان کندنی کے وقت کہ فرشتے جان نکالتے وقت ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر آگ کے چابک ماریں گے اور ایک مرتبہ قبر میں پھر قبر کے بعد وہ آخرت میں بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ایک بار دنیا میں فضیحت کر کے اور دوسری بار قبر میں عذاب دے کر جیسا کہ ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی ایک روایت * میں ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضور پُرنور ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس ۳۶ آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا: ((اخرج فانّك منافق)) یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔یہ فضیحت اور رسوائی بھی ایک قسم کا عذاب تھا یا مرتین کا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں بار بار عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے ہیں اور عذاب آخرت یعنی درک اسفل وہ اس دنیا سے گذرنے کے بعد ہوگا اور مرتین کا لفظ فقط دو کا عدد بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ تعداد اور تکثر کے بیان کے لیے ہے جیسے ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں تعداد اور تکثر کے معنی مراد ہیں۔

---

* دیکھو روح المعانی ص ۱۰ ج ۱۱۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

اور بعضے مانے اپنا گناہ ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ

شاید اللہ معاف کرے ان کو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لے ان کے

اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ

مال میں سے زکوٰۃ کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت اور دعا دے ان کو البتہ

صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ

تیری دعا اُن کو آسودگی ہے اور اللہ سب سُنتا ہے جانتا کیا جان نہیں چکے کہ

اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ

اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں اور اللہ ہی

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور کہہ کہ عمل کیے جاؤ، پھر آگے دیکھے گا اللہ کام تمہارا اور رسول

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ

اور مسلمان اور پیچھے پھیرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے کے واقف پاس، پھر وہ جتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ

تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے، یا اُن کو عذاب کرے

وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

یا اُن کو معاف کرے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

مؤمنین متخلفین کی دو ضعیف الہمت جماعتوں کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... اِلٰى ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾﴾

ربط: یہاں تک ان لوگوں کا حال بیان ہوا جو غزوۂ تبوک میں بوجہ نفاق کے شریک نہ ہوئے یہ منافقین متمردین کا گروہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کے بالمقابل ان مؤمنین کا ذکر ہے جو کہ منافق تو قطعاً نہ تھے مگر ضعیف الہمت تھے۔ بمقتضائے بشریت سستی اور کاہلی کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے مگر اپنی اس غیر حاضری پر غایت درجہ متأسف اور نادم ہوئے اور منافقین کی طرح بہانے نہیں تراشے ان لوگوں کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی اور مسلمانوں کی یہ ضعیف الہمت جماعت جو محض کاہلی اور سُستی اور غفلت کی بناء پر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی دو قسموں پر منقسم ہوگئی۔

قسم اوّل وہ لوگ تھے کہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی غزوۂ تبوک سے واپسی کو سُنا تو شرم اور ندامت کے مارے ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد سے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حضور پُرنور ﷺ ہم کو اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے رہیں گے اور یہیں ختم ہوجائیں گے۔ سبحان اللہ مبارک معصیتے کہ بعذر آرد۔

قسم دوم وہ تھی کہ جنہوں نے نہ کوئی عذر تراشا اور نہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے بندھوایا بلکہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو خدمت اقدس میں حاضر ہوکر سچ سچ عرض کردیا کہ قصوروار ہیں اور شرمسار ہیں جو حکم دیں اس کے لیے تیار ہیں۔

پہلی آیت یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... الخ﴾ میں پہلی قسم کی جماعت کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا۔ واللہ جب تک خدا مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہیں دے گا میں ان کو نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ یہ آیتیں ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... اِلٰى ... فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ نازل ہوئیں۔

تب آپ ﷺ نے ان لوگوں کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی کھلنے کے بعد یہ لوگ تعمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ اس مال کو خدا کی راہ میں تصدق کریں جو کسی درجہ میں جہاد سے پیچھے رہنے کا سبب بنا تو اللہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو اُن کے صدقہ قبول کرنے اور ان کے لیے دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا۔ یہ صدقہ واقع میں صدقہ تھا صدق دل سے لے کر آئے تھے قبول ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ دس آدمی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین تھے اور تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ اسی گروہ میں تھے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۱ ج ۱۱)

اور دوسری آیت یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ ... الخ﴾ میں قسم دوم کا بیان ہے یعنی ان کا معاملہ ابھی تک التواء ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو جیسا چاہے ان کے حق میں حکم دے معاف کرے یا عذاب دے۔

پہلی قسم کے لوگوں نے بلاتوقف توبہ کی ان کی توبہ بلاتوقف قبول ہوئی۔ اور یہ دوسری قسم کے لوگ توقف کی حالت میں تھے اس لیے ان کے بارہ میں تاخیر ہوئی اور حکم الٰہی کے نزول کا انتظار کرنا پڑا ان کے حکم میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور پچاس دن تک ان لوگوں سے سلام وکلام کی ممانعت ہوگئی۔ یہ تین شخص تھے جن کے بارہ میں یہ آیت یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی جن تین کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی وہ یہ تھے کعب بن مالک اور ہلال بن اُمیہ اور مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم یہ لوگ توبہ کے بارہ میں حیران اور پریشان تھے کہ کیا عذر کریں کچھ ہو تو کہیں۔ دم بخود تھے اور اپنی غفلت اور کاہلی پر پشیمان تھے اور اندر ہی اندر گھٹ رہے تھے۔ کہ ہم سے کیا ہوگیا اس لیے ان لوگوں نے اپنے آپ کو پہلے لوگوں کی طرح مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا اس لیے ان کی توبہ کے نازل ہونے

میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور ان تینوں کا فیصلہ کچھ مدت کے لیے تادیباً ملتوی رکھا گیا یہاں تک کہ اس مدت میں توبہ اور معذرت کی تکمیل میں جو منزلیں باقی تھیں وہ پوری ہو گئیں اور ابتداء میں جو توقف کی حالت تھی وہ ختم ہوئی اور ندامت و شرمساری اور گریہ وزاری حدِ کمال کو پہنچ گئی۔ تب یہ آیت یعنی ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ... الخ﴾ نازل ہوئی۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور پستی سے نکل کر آسمان مرتبت پر پہنچ گئے ان تین آدمیوں کی قبول توبہ کا قصہ آئندہ آیت ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ میں آئے گا۔

ذِکر قسم اوّل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ... الآية﴾

ان آیات میں مؤمنین متخلفین کی قسم اوّل کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا یعنی جو منافق نہیں اور منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش کیے بلکہ صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی سُستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہ جا سکے ہم سے قصور ہوا انہوں نے ملا جُلا کام کیا ایک نیک عمل اور دوسرا بُرا عمل۔ بُرے عمل سے مراد ان کا غزوۂ تبوک سے باوجود نفیر عام کے پیچھے رہنا مراد ہے اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمالِ صالحہ ہیں جیسے قیام بشرائع اسلام اور دیگر غزوات میں جو پہلے ہو چکے ہیں ان میں شرکت کرنا یہ ان کے نیک عمل تھے غرض یہ کہ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سُستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد سے تخلف کیا۔ ان کے پاس اعمالِ صالحہ بھی تھے جن کو لوگوں نے اعمال سیئہ کے ساتھ ملایا پر اپنے قصور کا اعتراف کیا اُمید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت ان کو سنائی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہماری توبہ قبول ہوئی تو یہ لوگ اپنا مال لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان مالوں ہی نے ہم کو غزوہ میں جانے سے روکا تھا۔ اب ہم نے اپنی توبہ کے قبول ہونے کے شُکریہ میں، اپنا یہ مال راہِ خدا میں بطور صدقہ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو قبول فرمایئے اور ہمارے لیے خدا سے مغفرت مانگئے اس پر یہ اگلی آیت نازل ہوئی۔ آپ ﷺ ان کے مالوں میں سے جو صدقہ اور خیرات یہ لے کر آئے ہیں کچھ لے لیجیے تا کہ آپ اس صدقہ و خیرات کے سبب سے ان کو گناہ کی نجاست سے پاک و صاف کر دیں یا مال کی محبت سے ان کے ظاہر و باطن کو پاک و صاف کر دیں۔ اور ان کو بابرکت بنا دیں کہ مقصرین کی منزل سے نکل کر کاملین کے درجہ پر پہنچ جائیں اور آپ ﷺ ان کے حق میں دعاء خیر بھی کیجیے تحقیق بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کو سکینت و طمانیت حاصل ہوگی اور ان کے دلوں کا اضطراب دور ہوگا اور اللہ سننے والا ہے تیری دعا کو اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے کہ وہ اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان کا تہائی مال قبول فرمایا اور دو تہائی واپس فرما دیا کیونکہ خدا نے یہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں سے کچھ لے لیجیے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا کل مال لے لیجیے کیا لوگوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جو ہے وہ توبہ قبول کرتا ہے اور جو لوگ صدق دل سے خدا کی راہ میں خیرات و صدقات لے کر آتے ہیں ان کو لے لیتا ہے یعنی ان کے صدقات کو قبول کر لیتا ہے لہٰذا اس قانون کو یاد رکھیں کہ اگر آئندہ کوئی خطا سرزد ہو جائے تو توبہ

کریں اور حسب توفیق خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کریں اور منافقین کو بھی چاہیے کہ ان مخلصین صادقین کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور راہ خدا میں صدقہ دیں اور کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جو ہے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ قبول کرنے بعد مہربانی فرماتا ہے اور یہ ترغیب تھی اب آگے ترہیب ہے آپؐ ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ جو چاہے عمل کرو اللہ اور اس کا رسول اور مؤمنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور اس کے مطابق تم سے معاملہ کریں گے اور قیامت کے دن تم ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ یعنی پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ پس خبر دے گا وہ تمہیں تمہارے اعمال کی اور ان کے مطابق تم کو جزا دے گا۔

ذِکر قسم دوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ . . . الآیۃ﴾

ان آیات میں مؤمنین متخلفین کی قسم دوم کا ذکر ہے۔ یہ تین آدمی تھے کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم ان تینوں آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے تو نہیں باندھا تھا۔ مگر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کیا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ان سے بات نہ کرے اور نہ ان کے پاس بیٹھے۔ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف رکھا گیا ہے یعنی جن کا معاملہ اللہ کے حکم کے انتظار میں التواء میں رکھا گیا ہے یا تو اللہ ان کو سزا دے یا ان پر مہربانی فرمائے کہ اُن کی خطا کو معاف کرے اور ان کی توبہ کو قبول کرے یعنی ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہیے ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سزا دے یا ان کو اپنی رحمت سے معاف کرے اللہ جاننے والا ہے نیتوں کو حکمت والا ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ
اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو
الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ
مسلمانوں میں اور تھانگ (گھات کی جگہ) اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے آگے کا ، اور
لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
اب قسمیں کھاویں گے کہ ہم نے بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔
لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ
تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی جس مسجد کی بنیاد دھری پرہیزگاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے

اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

کہ تو کھڑا ہو اس میں اس میں وہ مرد ہیں جن کو خوشی ہے پاک رہنے کی۔اور اللہ چاہتا ہے

الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ

ستھرائی والوں کو۔ بھلا جس نے بنیاد دھری اپنی عمارت کی پرہیز گاری پر اللہ سے اور رضامندی پر وہ

خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ

بہتر؟ یا جس نے نیو رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو ڈھیتا ہے، پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا

نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ

دوزخ کی آگ میں اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ۔ ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو بنائی تھی

الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ

شُبہ ان کے دل میں مگر جب ٹکڑے ہو جاویں ان کے دل۔ اور اللہ

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ ۱۱ ۲

سب جانتا ہے حکمت والا۔

ذکر مسجدِ ضرار و مسجدِ تقویٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ... اِلٰى ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

ربط: اُوپر سے مسلسل منافقین کا ذکر چلا آرہا ہے۔اب ان آیات میں منافقین کی ایک خاص خباثت کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے مسجد قباء کے مقابلہ اور ضد میں ایک مسجد بنائی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسجد کے نام سے منافقین کا ایک دفتر اور ایک اڈہ قائم ہو جائے۔جس میں جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کے خلاف مشورے کیا کریں نام اس کا مسجد ہو اور حقیقت اس کی منافقین کی ایک انجمن ہو جس کا قصہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تو اوّل مدینہ سے باہر قباء میں فروکش ہوئے چند روز وہاں قیام کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی کی تعمیر کی قباء والوں نے بھی ایک مسجد تیار کر لی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہوئی۔آنحضرت ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے منافقین نے چاہا کہ ہم بھی اہل قباء کی ضد پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں جمع ہو کر اسلام کی ضرر رسانی کے مشورے کیا کریں اور بعض سادہ دل مسلمان بھی قریب ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نماز پڑھنے آجایا کریں گے۔اس طرح سے

مسلمانوں کے کچھ آدمی ٹوٹ کر اِدھر آجائیں گے۔

اس ناپاک تجویز کا اصل محرک حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی کا باپ ابوعامر راہب خزرجی تھا۔ جو ہجرت سے پہلے نصرانی بن گیا تھا اور راہبانہ زندگی اختیار کرلی تھی مدینہ کے آس پاس کے لوگ اس کے زہد اور درویشی کے بڑے معتقد ہوگئے تھے اور اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور اس کو اپنا رئیس اور سردار کہنے لگے تھے آں حضرتؐ جب مدینہ منورّہ تشریف لائے تو آفتاب رسالت کے سامنے اس کی ریاست کا چراغ مردہ بالکل گل ہوگیا اس لیے اس کو اپنی ریاست کے زائل ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عداوت اور حسد پیدا ہوگیا بہت ہاتھ پیر مارے مگر کچھ نہ ہوسکا۔ جنگِ بدر میں جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو یہی ابوعامر قریش کو اُکسا کر اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لایا اور خود بھی ساتھ آیا اس کے بعد بھی برابر سازشیں کرتا رہا اور جو جماعت بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھی ابوعامر نے اس کا ساتھ دیا اس نے یہ عہد کیا تھا کہ جو قوم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑے گی اس کے ساتھ ہوکر میں بھی لڑوں گا بالآخر جب جنگ حنین میں ہوازن کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں سے مدینہ کے منافقوں کو یہ پیغام بھیجا کہ جہاں تک ہوسکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ کے لیے قوت اور ہتھیار جمع کرو اور میرے لیے ایک مسجد بناؤ میں عنقریب قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اس کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ کرتا ہوں اور وہاں سے ایک لشکر جرار اپنے ساتھ لاؤں گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے نکال دوں گا۔ اس کے اشارہ سے منافقوں نے مسجدِ قباء کے مقابلہ میں مسجد بنائی تاکہ مسجد قباء کے نمازی ٹوٹ کر اس میں آنے لگیں اور یہ لوگ اس میں جمع ہوکر اپنے کفر اور نفاق کے متعلق مشورے کیا کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ مسجد بنائی اور ابوعامر کے منتظر رہے کہ وہ آئے اور اس مسجد میں ٹھہرے۔

یہ مسجد اس وقت بنائی گئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا عزم فرما رہے تھے۔ منافقوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے لوگوں کے لیے بارش وغیرہ میں آرام کی غرض سے یہ مسجد بنائی ہے تاکہ نمازیوں کو اور خاص کر بیماروں اور ناتوانوں کو سہولت رہے۔ اس لیے ہماری یہ درخواست ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وہاں جاکر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجب برکت وسعادت ہوگا اور بالفاظ دیگر سادہ دل مسلمانوں کو جال میں پھنسانے کا موقع مل جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پابرکاب تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اب تو میں جارہا ہوں ان شاء اللہ واپسی کے بعد ایسا ہوسکے گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوکر مدینہ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں آپ کو منافقین کے ناپاک اغراض پر مطلع کردیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھنے بلکہ کھڑے ہونے کے بھی ممانعت کردی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اس مسجد کی اصل غرض ضرار ہے یعنی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے اسی وجہ سے "یہ مسجد ضرار" کے نام سے مشہور ہوئی اور بتلا دیا کہ مسجد قباء وہی مسجد تقویٰ ہے جو اس لائق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جاکر کھڑے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت مالک بن دُخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ اس مکان کو جس کا نام مکروفریب کی راہ سے مسجد رکھا گیا ہے جاکر جلا دیں اور خاک کردیں اور پیوند زمین بنادیں چنانچہ فوراً حکم نبوی کی تعمیل ہوئی اور اس عمارت کو جلا کر خاک سیاہ کردیا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی منافقین ❶ میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اسلام اور

---

❶ اے اشارہ اس طرف ہے کہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ مبتدا ہے جس کا خبر مِنْهُمْ محذوف ہے۔ (روح المعانی ص ۱۶ ج ۱۱)

مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اور کفر کرنے کے لیے کہ اس میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف مشورے کیا کریں گے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کیونکہ جب دوسری مسجد بنے گی لامحالہ نمازیوں کی جماعت منتشر اور متفرق ہو جائے گی اور اس شخص کے لیے کمین گاہ اور جائے پناہ بنانے کے لیے جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کر چکا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جو جنگ اُحد اور جنگ حنین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑ چکا ہے منافقین نے یہ مسجد دشمنِ اسلام ابو عامر راہب کو پناہ دینے کے لیے بنائی تھی کہ جب وہ آیا کرے تو یہاں قیام کیا کرے منافقوں نے یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور مسجد قباء کے اجاڑنے کے لیے بنائی تھی اس لیے یہ مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو مسجد مسلمانوں کی مسجد کے مقابلہ میں بنائی جائے جیسے قادیانیوں اور شیعوں کی مسجدیں تو ایسی مسجدیں۔ مسجد ضرار کے حکم میں ہیں اور اے نبیؐ! جب آپ ان منافقین سے پوچھیں گے کہ تم نے بلاضرورت یہ مسجد کیوں بنائی تو وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اس کے بنانے میں سوائے بھلائی اور نیکی کے کوئی ارادہ نہیں کہ ضعیفوں اور عاجزوں کو دور جانے کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے محض آسائش اور گنجائش کے لیے یہ مسجد بنائی ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنی قسم میں جھوٹے ہیں آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے بھی نہ ہوں چہ جائیکہ اس میں نماز پڑھیں۔

البتہ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد اوّل رِوز سے تقویٰ پر رکھی گئی بہت لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں اس سے مراد مسجد قباء ہے آنحضرت ﷺ ہر شنبہ کے روز سوار یا پیادہ مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ وہ خوب پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اس مسجد کے نمازی طہارت کا بہت اہتمام رکھتے ہیں۔ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں اور برابر طہارت ہی پر رہتے ہیں اور کبھی ناپاک نہیں سوتے اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت اور پاکی میں لگے رہتے ہیں۔ پس جب دونوں مسجدوں کا حال معلوم ہو گیا تو کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسی کھائی کے کنارہ پر رکھی ہو جو گرنے والی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ کے گڑھے میں جا گرے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں عمارتیں برابر نہیں مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص پر ہے اور مسجد ضرار کی بنیاد نفاق اور مکر پر ہے اور ایسی عمارت ناپائیداری اور انجام بد کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارہ پر بنائی جائے کہ جب پانی کے ذرا تھپیڑ لگے تو ساری عمارت ایک دم سے گرے اور اس کے رہنے والے سب کے سب تباہ اور برباد ہوں اسی طرح مسجد ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارہ پر ہے وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر جہنم میں گرے گی اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں بتاتا کہ جس سے وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم گرنے سے تو محفوظ ہو جائیں ہمیشہ رہے گی۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں حسرت یا غیظ قلب یا قلق اور اضطراب کا سبب کیونکہ جس غرض سے وہ مسجد بنائی تھی وہ پوری نہ ہوئی اور قلعی کھل گئی اور آپ ﷺ نے اس کے گرانے کا حکم دیا جو ان کو غایت درجہ ناگوار گذرا اور ان کی حسرت اور پشیمانی کا سبب بنا اور ان کے غیظ قلب اور قلق اور اضطراب میں مزید اضافہ ہوا جب تک زندہ رہیں گے یہ حسرت اور قلق اور اضطراب ان کے دلوں میں رہے گا مگر یہ کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں یعنی مر جائیں یا قتل ہو جائیں اس وقت یہ ارمان ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک یہ حسرت اور قلق ان کے دلوں میں قائم رہے گا جب ان کی جان نکلے گی تب یہ حسرت بھی ختم ہو گی اور اللہ جاننے والا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے عمارت بنائی تھی۔ حکمت والا ہے مسجد ضرار کے انہدام کا جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے اس

سے منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ
اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال، اس قیمت پر کہ ان کو
الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ
بہشت ہے لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اُس کے ذمہ پر
حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ
سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں اور کون ہے قول کا پورا
اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملت پر جو تم نے کی ہے اس سے اور یہی ہے
الْعَظِيْمُ ⑪١ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ
بڑی مراد ملنی۔ توبہ کرنے والے ، بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے
الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ
رکوع کرنیوالے سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کو اور منع کرنے والے
الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑫
بُری بات سے اور تھامنے والے حدیں باندھی اللہ کی۔ اور خوشخبری سنا ایمان والوں کو۔

فضائل مجاہدین وبشارتِ مؤمنین کاملین وترغیب برتجارت آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ ... الٰى ... وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑫﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں ان منافقین کے فضائح اور قبائح کا بیان تھا۔ جنہوں نے جہاد سے کنارہ کشی کی تھی۔ ان آیات میں مجاہدین کے فضائل اور ان کی صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے جوہر کھائے جس کے مقصود جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ تم نے منافقین کا حال سن لیا۔ اور اس کے بعد مؤمنین مقصرین کا بھی حال معلوم کرلیا جن کی توبہ

قبول ہوئی اب سنو کہ مؤمنین صادقین اور محبین مخلصین کیسے ہوتے ہیں انکی صفات یہ ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ایسے مؤمنین کو بشارت سنادیں اور مبارک باد دے دیں اور بتلادیں کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی سودمند تجارت نہیں۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ (الصف)

تحقیق خرید لیا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو کہ جان سے جہاد کریں اور مال کو راہ خدا میں خرچ کریں اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے اور چونکہ اہل ایمان اپنی جانیں اور اپنے مال بمعاوضۂ جنت خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں۔ اس لیے وہ خدا کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کبھی تو دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی ان کے ہاتھوں سے قتل کیے جاتے ہیں تاکہ اپنی جانیں خدا کے سپرد کر کے ان کی قیمت یعنی جنت حاصل کر سکیں۔ اللہ نے اس خرید و فروخت پر جو جنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اللہ پر لازم ہے اور پکا اور سچا وعدہ ہے۔ جس میں زرثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں خدا تعالیٰ نے پختہ دستاویز لکھ دی ہے۔ توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مجاہدین کے لیے جنت کا قبالہ رجسٹری شدہ ہے اور خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے پس اے اہل ایمان تم خوش رہو اپنی اس خرید و فروخت پر جو تم نے خدا تعالیٰ سے کی ہے اور یقین رکھو کہ اگر تم نے اپنی جان و مال خدا کے سپرد کر دی تو تم کو اس کی قیمت جنت ضرور ملے گی مطلب یہ ہے کہ تم کو اس خرید و فروخت پر خوشی منانی چاہیے کہ عیب دار اور فانی چیز دے کر ایک بے عیب اور باقی رہنے والی چیز تم نے حاصل کر لی اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے تاجرانِ آخرت کو چاہیے کہ خدا تعالیٰ سے ضرور یہ معاملہ کر لیں۔ مبادا وقت نہ نکل جائے سب کو معلوم ہے کہ جان و مال سرمایۂ طغیان و غرور ہے ان دو ناقص اور معیوب چیزوں کے بدلہ میں جنت کا سودا کر لینا جو سراسر خیر اور بے عیب ہے انتہائی کامیابی ہے ؎

امید کہ از فضلت مردود نگر دم من　　چون شد بہمہ عیبی لطف تو خرید ارم

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو سنائی تو ایک مرد انصاری رحمۃ اللہ علیہ چادر کھینچتا ہوا کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ بے شک یہ بڑے نفع کا سودا ہے ہم اس بیع کا اقالہ نہ کریں گے۔ یعنی اس بیع کو کبھی فسخ نہ کریں گے یعنی اس سے بہتر کون سا موقع ہوگا کہ رب العزت ہم سے ایک ناقص اور معیوب چیز لے کر ہم کو اپنے فضل سے ایسی چیز دے دے جو ہمارے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہو ؎

آں بیع را کہ روز اوّل باتو کردیم　　اصلاً دریں حدیث اقالت نمی رود

اس شعر میں عہد الست کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی در پردہ اسی قسم کی ایک بیع تھی۔ یہاں تک تو ان مؤمنین کی صفت جہاد و قتال کا ذکر تھا جنہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کیا اب ان کی دیگر صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ان مؤمنین میں خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی کی صفت کے علاوہ یہ صفات جمیلہ بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں اور روزہ رکھنے والے ہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے ہیں جس میں علم دین کے لیے سفر کرنا بھی شامل ہے اور رکوع

اور سجدہ کرنے والے ہیں اور لوگوں کو اچھی بات کی ہدایت کرنے والے بُری بات سے روکنے والے ہیں۔ اچھی بات وہ ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور بُری بات وہ ہے جس کے کرنے کی شریعت نے ممانعت کی ہے۔ اور احکام الٰہی اور حدود شریعت کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ شریعت کی حدود سے باہر نہیں جاتے اور اے نبی ﷺ! ان مؤمنوں کو جو ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوں جنت کی خوشخبری سنا دیجیے تا کہ بشارت سُن کر خوش ہوں اور شاداں وفرحاں جنّت کی طرف اور دوڑیں۔ اور یہ کوشش کریں کہ اُڑ کر جنت میں پہنچ جائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ

نہیں پہنچتا نبی کو اور مُسلمانوں کو کہ بخشش مانگیں مشرکوں کی اور اگرچہ وہ

كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

ہوں ناتے والے جب کھل چکا اُن پر کہ وہ ہیں دوزخ والے۔

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ

اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا

اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

اس سے پھر جب اس پر کھلا کہ وہ دشمن ہے اللہ کا اس سے بیزار ہوا۔ ابراہیم

لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ

بڑا نرم دل تھا تحمل والا۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جب ان کو راہ پر لا چکا،

حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ

جب تک کھول نہ دے ان پر۔ جس سے ان کو بچنا ۔ اللہ سب چیز سے واقف ہے۔ اللہ جو

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ

ہے اس کی سلطنت ہے آسمانوں و زمین میں۔ جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور تم کو کوئی نہیں

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اللہ کے سوا حمایتی نہ مددگار۔

مشرکین اور کفار کے لیے دعائے مغفرت کی ممانعت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ . . . الیٰ . . . مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾﴾

ربط: شروع سورت میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا۔ بعد ازاں منافقین کے ذمائم اور مجاہدین کے فضائل بیان کیے اب اسی تبری اور بیزاری کی تاکید کے لیے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس طرح زندگی میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے تبری اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے کہ مرنے کے بعد نہ کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے اور نہ اس کے لیے دعائے مغفرت جائز ہے۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶) خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں زندہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم تھا۔ اب ان آیات میں مُردہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم ہے اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لیے ان کے مرنے کے بعد دعاء مغفرت کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

ربط دیگر: گزشتہ آیت میں مؤمنین کو بشارت دینے کا حکم تھا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین بشارت کے تو کیا مستحق ہوتے ان کے لیے تو مرنے کے بعد دعائے مغفرت بھی جائز نہیں مسلمان اگرچہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار جائز ہے مگر کافر اور مشرک کے لیے مرنے کے بعد استغفار جائز نہیں کفر اور شرک کسی حال میں قابل مغفرت نہیں کافر اور مشرک کے لیے استغفار جائز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کفر اور شرک کی مغفرت کر دی جائے اور یہ ناممکن اور محال ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:۱۱۶) چنانچہ فرماتے ہیں نبی کے لیے اور اہل ایمان کے لیے یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ مشرک دوزخ والے ہیں کفر کا ٹھکانہ ہی دوزخ ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی جب وہ کفر اور شرک پر مر گئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا مانگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین زندہ کئے گئے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر انتقال کر گئے اور علماء کی ایک جماعت نے اس بارہ میں سکوت کیا ہے اور سکوت ہی اولیٰ اور اسلم معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال و علمہ اتم و احکم.

اور اگر کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کی تھی سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا محض ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا:

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ﴾ ”اے باپ تم پر سلام ہو میں تمہارے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگوں گا۔“

سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا مانگنا باپ کی زندگی میں تھا اور ایک وعدہ کی بناء پر تھا۔ کیونکہ ان کو یہ طمع تھی کہ شاید میرا باپ اسلام

لے آئے زندہ مشرک کے لیے دعاء مغفرت کے معنی دعاء ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے اس امید اور طمع پر باپ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے یعنی کفر پر مرا اور ایمان کی توفیق نہ پائی یا بذریعہ وحی کے معلوم ہو گیا کہ آزر ایمان نہ لائے گا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بیزار ہو گئے اور دعائے مغفرت موقوف کر دی۔ کیونکہ مرنے سے ایمان اور ہدایت کا وقت ختم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا اس وعدہ کے پورا کرنے کے لیے تھا جو وہ کر چکے تھے پھر جب ان کو بذریعہ وحی کے یا ان کے کفر کے حالات پر مرنے سے ان کا ناری ہونا معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس کے لیے دعا کرنی چھوڑ دی اور فوراً ان سے بیزار ہو گئے۔ تحقیق ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔ باپ نے تو ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی ﴿لَاَرْجُمَنَّكَ﴾ میں ضرور سنگسار کروں گا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ میں تیرے واسطے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ غرض یہ کہ بعض مسلمانوں نے جب اپنے مشرک اموات کے لیے استغفار شروع کی تو اس کی ممانعت کے لیے یہ آیت یعنی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ... الخ﴾ نازل ہوئی تو ان مسلمانوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ہم پر مؤاخذہ نہ ہو تو اس پر تسلی کے لیے اگلی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلا دیا گیا کہ جو لوگ ممانعت سے پہلے مشرکین کیلیے استغفار کر چکے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن اب نزول حکم کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر ہدایت دیئے پیچھے گمراہی کا حکم لگائے تاوقتیکہ وہ ان پر اس چیز کو واضح نہ کر دے جس سے وہ بچیں۔ جن مسلمانوں نے اپنے مشرک رشتہ داروں کے لیے استغفار کی تھی ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم گمراہ ہو گئے خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے وہم کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ تم گمراہ نہیں اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد بغیر اس کے کہ ان پر وہ چیز ظاہر کرے جس سے وہ بچیں ان پر گمراہی کا حکم نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان دیا اور ہدایت دی اور ابھی تک یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مشرکوں کے لیے استغفار نہ کرو تو ہم تم کو اس فعل پر کیسے گمراہ قرار دے سکتے ہیں جو تم نہی سے پہلے کر چکے ہو۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یعنی تمہارے دلوں میں جو خطرہ گذرا ہے وہ اسے معلوم ہے۔ تحقیق اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمینوں کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس مالك الملكوت کے احکام پر چلو جس کی سلطنت تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور اس کے دشمنوں سے بَری اور بیزار رہو ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار ہے جو تم کو اس کے قہر سے بچا سکے ممانعت سے پہلے جو کر چکے وہ معاف ہے البتہ نہی اور ممانعت کے بعد اگر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو کوئی بچانے والا نہیں اگر خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو اس کے دشمنوں سے تعلق نہ رکھو۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ
اللہ مہربان ہوا نبیؐ پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے،
فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ
نبی کے مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ قریب ہوئے کہ دل پھر جاویں بعضوں کے ان میں سے پھر

تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ

مہربان ہو ان پر۔ وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنیوالا۔ اور ان تین شخص پر جن کو

خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

پیچھے رکھا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی ان پر زمین ساتھ اس کے کہ کشادہ ہے اور تنگ ہوئی

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

اُن پر اپنی جان اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) کہ کوئی پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف۔ پھر مہربان ہوا

عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴ ۸ ۳

ان پر کہ وہ پھر آویں۔ اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

ذکرِ توجہات وعنایات خُداوندی برمجاہدین غزوۂ تبوک و ذکرِ قبولیت توبۂ آں سہ کس کہ فیصلہ اوشاں ملتوی داشتہ بود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ... الٰى ... اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾

ربط: چونکہ مسلمانوں کو غزوۂ تبوک میں بڑی محنت اور مشقّت اٹھانی پڑی کیونکہ گرمی کی شدت تھی اور سفر بہت دراز تھا اور ساز وسامان بھی نہ تھا اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ برائے نام تھا۔ اس لیے ایسی حالت میں اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت وبنابر ضعف طبیعت کچھ خیالات اور وسوسے آئیں تو وہ اگرچہ گناہ اور قابل مؤاخذہ نہیں مگر مقربین اور محبین مخلصین کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے محبین مخلصین کو اس قسم کے خطرات کی معافی کا تمغہ عطا فرمایا اور بتلادیا کہ جن مخلصین نے ایسے مشکل وقت میں ہمارے نبی ﷺ کا ساتھ دیا اور از اوّل تا آخر آپ ﷺ کے ہمرکاب رہے ان پر ہماری خاص الخاص توجہات اور عنایات نازل ہوئیں اور ان کی سابق لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کیا۔

اور چونکہ ان توجہات وعنایات کا نزول سب آپ ﷺ ہی کی اتباع اور پیروی اور معیّت اور ہمرکابی کے سبب تھا۔ اس لیے سب سے پہلے بطور تمہید کے آنحضرت ﷺ کا ذکر فرمایا اور بعد میں مہاجرین وانصار کا ذکر فرمایا جو سید الابرار ﷺ کے جاں نثار تھے اور عجب نہیں کہ اس مقام پر ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ میں ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ کی طرف اشارہ ہو کہ آپ ﷺ نے جو ان منافقوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی وہ مناسب نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اس کو معاف کیا۔ اور پھر بالاجمال بعض مہاجرین وانصار کے خطراتِ قلبیہ کی معافی کا ذکر فرمایا اور بعد ازاں خاص طور پر ان تین اشخاص کی توبہ کی قبولیت کا ذکر فرمایا جن کا معاملہ کچھ مدّت

کے لیے تادیباً ملتوی رکھا گیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ سلام وکلام کرنے کی ممانعت کر دی تھی اسی حالت میں ان پر پچاس دن گزر گئے یہاں تک کہ غایت پریشانی میں زمین ان پر تاریک ہوگئی اور زندگی تلخ ہوگئی تب یہ آیت یعنی ﴿عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ نازل ہوئی جس میں ان تین شخصوں کو قبول توبہ کی بشارت دی گئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے اور اَخیر شب تھی آپ ﷺ نے ان سے ذکر کیا کہ کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ کی خطا معاف ہوئی کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس روز میری خوشی کا حال بیان میں نہیں آ سکتا۔ جس شخص نے آ کر مجھے یہ بشارت سنائی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے پھر میں مسجد میں فجر کی نماز کے لیے حاضر ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم مجھے مبارکباد دینے لگے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے لطف اور مہربانی سے کلام فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت اور عنایات کے ساتھ متوجہ ہوا پیغمبر ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی توجہات اور عنایات نبی کریم ﷺ پر بے شمار ہیں اس نے اپنی رحمت سے آپؐ کے ماتقدم و ماتاخر کو معاف کیا اور اس غزوہ میں جو آنحضرت ﷺ نے منافقین کو تخلف یعنی پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی اس کو بھی معاف فرما دیا جیسا کہ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں گذرا۔ اور مہاجرین اور انصار پر بھی خاص توجہ اور مہربانی فرمائی جنہوں نے سختی کی گھڑی میں یعنی مشکل وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا یعنی خدا تعالیٰ نے ان مہاجرین وانصار کو ایسے مشکل وقت میں سفر جہاد میں آپ ﷺ کی معیت ورفاقت پر ثابت قدم رکھا اور تزلزل سے ان کو محفوظ رکھا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق کے دل سفر کی سختی اور مشقت کی وجہ سے ڈگمگا جائیں اور اپنی جگہ سے ہل جائیں یعنی جادۂ استقامت سے کچھ ہٹ جائیں۔ اس وقت ان کے دل میں یہ خطرے گذر رہے تھے کہ ایسی سختی کے وقت میں جہاد میں نہ نکلو اور اپنے گھر بیٹھے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی دستگیری کی کہ ان کو ایسے خطرات پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور ہمت ہارنے سے ان کو بچا لیا بلکہ ایسی توفیق بخشی کہ ہمتیں اور ارادے اور بلند ہو گئے اور بمقتضائے بشریت جو پیچھے رہ جانے کے خیالات دل میں آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معاف کر دیئے۔ تنگی اور پریشانی کے حالات میں ساتھ دینا کمالِ اخلاص اور غایت محبت کی دلیل ہے۔

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

ایسے مشکل وقت میں جہاں ہر طرف سے مشقتوں اور صعوبتوں کا ہجوم ہو ضعف بشری کی بناء پر دل میں وساوس کا آجانا اگرچہ گناہ نہیں مگر محبین صادقین کے شایانِ شان نہیں۔ قانونِ محبت کے لحاظ سے ان پر گرفت ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات اور خطرات سے درگزر فرمایا بلکہ اس تنگدستی اور سختی کے وقت میں ساتھ دینے کی وجہ سے ان کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا جیسا کہ اہلِ بدر کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ﴾ بدر پہلا غزوہ تھا اور تبوک آخری غزوہ تھا جو عسرت اور شدت میں غزوۂ بدر سے کہیں زیادہ تھا۔ اس لیے اس آخری غزوہ میں شریک ہونے والے حق تعالیٰ خاص الخاص عنایات اور توجہات کے مورد بنے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین وانصار پر اپنی رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوا۔ یعنی رحمت پر رحمت مہربانی پر مہربانی فرمائی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا اور پھر مہربان ہوا مہربانی پر مہربانی کی کہ آئندہ کے لیے دلوں کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیا اور ممکن ہے ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ کی ضمیر۔ عام مہاجرین اور انصار کی طرف راجع نہ ہو بلکہ صرف ﴿فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ﴾ کی طرف راجع ہو۔ جو قریب میں واقع ہے اور مطلب یہ ہو کہ جس گروہ کے دل میں کچھ تزلزل آچلا تھا اور جہاد میں ہمت ہارنے

کو تھے ان پر اللہ نے توجہ فرمائی یعنی ان کو سنبھال لیا۔ اور اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کی کہ جب ان کے دل میں اس قسم کے خطرات آئے تو فوراً نادم ہوئے اور بالآخر تائب ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ ہوئے۔ بیشک وہ ان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے کہ گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا اور نیز اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ موقوف اور ملتوی رکھے گئے تھے۔ یعنی جن کا معاملہ نزولِ وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا۔ ان کی بھی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی یہاں تک کہ اس التواء کی وجہ سے ان کی بے چینی اور اضطراب کی یہ حالت ہوئی کہ ان تین شخصوں پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں۔ یعنی انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہوگئیں۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے غصّے سے کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی رحمت اور مغفرت کی طرف جب وہ پریشانی اور پشیمانی کی اس منزل پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی۔ بعدازاں دوبارہ ان پر اپنی مہربانی کی اور اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تاکہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہا کریں۔ اور سمجھ لیں کہ فقط یہی توبہ قبول نہیں ہوئی بلکہ جب کبھی بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس طرح رجوع کریں گے تو خدا تعالیٰ بھی اپنی خاص رحمت سے ہماری طرف متوجہ ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوں آئندہ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان تائبین کے طریقہ پر چلے گا اللہ اس کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے، اور رہو ساتھ سچوں کے۔

صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾

ربط: چونکہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کی معافی محض پرہیز گاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی اس لیے عام مسلمانوں کو تقویٰ اور پرہیز گاری اور صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم دیا جاتا ہے کہ صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو اور منافقین کی صحبت سے پرہیز کرو اس لیے کہ نبوت کے بعد درجہ صدق کا ہے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ ... اِلٰی آخرہٖ﴾ (النساء:۶۹)

چنانچہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے غصّہ سے ڈرو اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے بچو اور تقویٰ کی حفاظت کے لیے سچوں کے ساتھ رہو راستبازوں کی معیت اور صحبت تقویٰ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد تقویٰ ضروری ہے اور پھر صادقین اور صالحین کی معیت یعنی صحبت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کے بعد ﴿وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کا حکم دیا جو وجوب اور لزوم کے لیے ہے کوئی کمال بدون کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا محض مطالعۂ کتب کافی نہیں جب تک کسی عالم کی صحبت اور خدمت میں رہ کر علم حاصل نہ کیا جائے۔ صحابیت کی حقیقت ہی شرفِ صحبت ہے روافض اس کے منکر ہوئے خوافض ہوگئے۔

صحبت اور مرافقت کا اثر تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے طبیعت میں سرقہ (چوری) کا مادہ موجود ہے ایک ساتھی کی طبیعت دوسرے ساتھی کے اخلاق اور عادات کو چراتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظالموں اور فاسقوں سے دوستی اور ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الانعام:۶۸) تا کہ ہمنشین کے ظلم اور فسق کے جراثیم اس تک متعدی نہ ہوں۔ مجذوم خواہ جسمانی ہو یا روحانی شرعاً وطبعاً اُس سے اجتناب ضروری ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

گِلِ خوشبوئے درحمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویزے تومستم
بگفتا من گِلے نا چیز بودم — ولیکن مدتے باگُل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ

نہ چاہیے مدینے والوں کو، اور جو ان کے گرد گنوار ہیں کہ

يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ

رہ جاویں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سے، اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ اس کی جان سے۔ یہ

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

اس واسطے کہ نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

اور نہ پاؤں پھیرتے ہیں کہیں جس سے خفہ ہوں کافر، اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کچھ

نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

چیز مگر لکھا جاتا ہے اس پر ان کو نیک عمل تحقیق اللہ نہیں کھوتا حق

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ

نیکی والوں کا۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کچھ خرچ چھوٹا یا بڑا، اور نہ کاٹتے ہیں

وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

کوئی میدان مگر لکھتے ہیں ان کے واسطے کہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر کام کا جو کرتے تھے۔

ملامت متخلفین بضمنِ فضیلت مجاہدین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا... الٰى... اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾

ربط: ان آیات میں متخلفین پر عتاب عام فرمایا ہے کہ جن اہل مدینہ اور اعراب نے اس غزوہ میں آرام طلبی کی بناء پر رسول ﷺ کا ساتھ نہیں دیا اور اُن خیرات و برکات سے محروم رہے کہ جو آپ ﷺ کے رفقاء سفر کو نصیب ہوئیں اور آئندہ کے لیے نصیحت کی کہ مسلمانوں کو یہ سزاوار نہیں کہ جب کوئی موقع جاں نثاری کا آئے تو رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی راحت اور حفاظت کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مقدم سمجھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ مدینہ میں رہنے والوں کے لیے اور دیہاتیوں کے لیے جو اُن کے اردگرد رہتے ہیں یہ روا نہ تھا کہ وہ رسول ﷺ کے ہمراہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ رَوا تھا کہ اپنی جانوں کو رسول ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں کہ اپنی جان کی تو فکر کریں اور رسول خدا ﷺ تکلیفیں اٹھائیں اور ان کو آپ ؐ کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ آئے اپنے لیے تو عیش و آرام پسند کریں اور رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی شدت اور مشقت میں چھوڑ دیں۔ اور یہ یعنی جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ علاوہ ادائے حق محبت کے اگر یہ لوگ جہاد میں حضور پُرنور ﷺ کے ساتھ رہتے تو ان کو اجرِ عظیم ملتا۔ کیونکہ جو لوگ سفر جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو راہِ خدا میں یعنی جہاد میں جو پیاس اور رنج و محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے اور جو قدم وہ دشمن کی زمین پر رکھتے ہیں جس سے کافر غیظ اور طیش میں آتے ہیں اور جو چیز وہ دشمن سے چھینتے ہیں اور اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کو گرفتار کرتے ہیں یا قتل کرتے ہیں یا شکست دیتے ہیں یا ان سے مالِ غنیمت حاصل کرتے ہیں۔ ان سب پر ان کے لیے نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے باوجودیکہ ان میں بعض افعال غیر اختیاری ہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس درجہ عظیم ہے کہ اس کے ضمن میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ سب ہی پر ثواب لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ جہاد کے گھوڑے کے کودنے اور پھاندنے اور لید کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اس وعدے میں تخلف کا احتمال نہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو اُن کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے کسی حالت میں ان کا ثواب ضائع نہیں جاتا۔ پس ایسی حالت میں جہاد سے جان چرانا اور رسول ﷺ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا اور جو خرچ وہ راہ خدا یعنی جہاد میں کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اور جو میدان وہ سفر جہاد میں جاتے اور لوٹتے وقت قطع کرتے ہیں وہ سب اُن کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔ یعنی ان کے نفقات اور آثارِ قدم اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ اللہ ان کو ان کے تمام اعمال کا بہترین بدلہ دے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ سارے کوچ میں نکلیں۔ سو کیوں نہ نکلے ہر فرقہ

مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا

میں سے ان کے ایک حصّہ تا سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب پھر پاویں

اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع ۱۵

ان کی طرف، شاید وہ بچتے رہیں۔

فرض کفایہ بودن جہاد و فرض کفایہ بودن تحصیل علمِ دین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ ... الیٰ ... لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع﴾

ربط: زشتہ رکوعات میں جہاد سے تخلُّف پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ ہر جہاد میں مسلمانوں پر نفیر یعنی خروج فرض عین ہے۔ اس لیے اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ جہاد میں جانا فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح جہاد فرض علی الکفایہ ہے اسی طرح تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْن یعنی تحصیل علم دین بھی فرض کفایہ ہے۔ جب کوئی لشکر جہاد کے لیے روانہ ہو اور آنحضرت ﷺ شہر میں مقیم ہوں تو ایک جماعت کا آنحضرت ﷺ کے پاس موجود رہنا ضروری ہے تا کہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں رہ کر تَفَقُّهٌ فِي الدِّيْن حاصل کریں یعنی دین سیکھیں تا کہ مجاہدین کا لشکر جب جہاد سے واپس آئے تو اس عرصہ میں جو دین سیکھا ہے اس سے ان کو آگاہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب آنحضرت ﷺ جہاد کے لیے کوئی لشکر روانہ کریں اور خود مدینے میں مقیم رہیں تو مسلمانوں کے لیے یہ روا نہیں کہ سب کے سب ایک دم سے جہاد کے لیے نکل جائیں سب کا ایک دم سے جہاد میں نکل جانا مناسب نہیں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت میں سے کچھ آدمی تو جہاد کے لیے نکل جائیں اور کچھ آدمی دین سیکھنے کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس ٹھہر جائیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھیں تا کہ یہ باقی ماندہ لوگ حضور پُرنور ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کریں اور فقہ سیکھیں اور تا کہ ڈرائیں یہ فقہاء اپنی قوم کو جو جہاد میں گئی ہے جب وہ قوم سفرِ جہاد سے ان کی طرف واپس آئے شاید وہ لوگ بُری باتوں سے بچتے رہیں اور احتیاط برتیں اور جس چیز سے اُن کو ڈرایا گیا ہے اس سے حذر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں زیادہ مشہور دو قول ہیں: ایک قول تو وہ ہے جس کے مطابق آیت کی تفسیر کی گئی اس قول پر آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سب کے سب ہی جہاد میں نکل کھڑے ہوں اور رسولِ خدا ﷺ کی صحبت میں کوئی بھی نہ رہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں اور کچھ رسولِ خدا ﷺ کے پاس رہ کر دین کے مسائل سیکھیں اور دین میں سمجھ پیدا

کریں۔ پھر جب مجاہدین جہاد سے ان کے پاس لوٹ کر واپس آئیں تو وہ ان مجاہدین کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور خدا کی معصیت سے ڈرائیں تا کہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر (جو اُن کے پیچھے رسولِ خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر نازل ہوئے ہیں) اللہ کی نافرمانی سے ڈریں۔ امام قرطبی اور جلال الدین سیوطی اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہم نے اسی قول کو اختیار فرمایا۔

اس قول کی بنا پر طائفۂ نافرہ سے وہ جماعت مراد ہے جو جہاد کے لیے نکلی اور ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا﴾ اور ﴿لِيُنْذِرُوْا﴾ کی ضمیریں ان باقی ماندہ لوگوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلے بلکہ تحصیل علم کے لیے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت بابرکت میں ٹھہرے رہے اور ﴿اِذَا رَجَعُوْٓا﴾ کی ضمیر طائفۂ نافرہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس جماعت کی طرف راجع ہے جو جہاد میں جا کر اب واپس آئی ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۹۴ ج ۸۔ روح المعانی ص ۴۳۔ ۴۴ ج ۱۱۔ صاوی حاشیہ جلالین ص ۱۷۵ ج ۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ طلب علم کے لیے اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں اور وہ علم حاصل کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں یعنی ان کو تعلیم دین اور وعظ و تلقین کریں۔

پہلے قول کی بناء پر آیت ہذا احکام جہاد کا بقیہ اور تتمہ تھی اور اس قول کی بناء پر آیت بقیہ احکام جہاد نہیں بلکہ ایک مستقل حکم ہے جس سے مقصود طلبِ علم دین کے لیے گھر سے نکلنے کی مشروعیت بیان کرنا ہے اور اس حکم کو احکام جہاد کے ساتھ متصل ذکر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ سفر دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک سفر جہاد کے لیے اور ایک سفر طلبِ علم دین کے لیے دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء دین اور اِعلاءِ دین ہے۔ ایک میں سیف وسنان سے دوسرے میں زبان اور قلم اور برہان سے اس قول کی بنا پر ﴿فَلَوْ لَا نَفَرَ﴾ میں طلب علم کے لیے نفیر اور خروج مراد ہے اور ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا﴾ اور ﴿لِيُنْذِرُوْا﴾ کی ضمیریں اسی طائفہ نافرہ کی طرف راجع ہوں گی جس نے طلب علم دین کے لیے نفیر اور خروج کیا ہے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۴۴ ج ۱۱)

اور مطلب یہ ہے کہ تحصیلِ علم دین کے لیے ہر بڑے قبیلہ میں سے کچھ آدمیوں کو ضرور نکلنا چاہیے۔ کیونکہ علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی بھی حاصل نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے۔

اور فقہ سے مراد احکام شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ سب داخل ہیں سب ہی کا جاننا فرض ہے اول ایمان یہ علم عقائد ہوا۔ دوم علم اسلام۔ یہ علم فقہ ہوا۔ سوم علم احسان یہ علم تصوف ہوا اور دین ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے اور علم صرف ونحو اور علم لغت واصول کا جاننا بالذات فرض نہیں بلکہ واجب بالغیر اور فرض بالغیر ہے اس لیے کہ فرض اور واجب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

جاننا چاہیے کہ فقاہت فی الدین کا درجہ مطلق علم سے بالاتر ہے علم کے معنی جاننے کے ہیں اور فقاہت کے معنی لغت میں فہم اور سمجھ کے ہیں۔ فقیہ لغت اور شریعت کے اعتبار سے اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو شریعت کے حقائق اور دقائق کو اور اس کے ظہر اور بطن کو سمجھا ہوا ہو محض الفاظ یاد کر لینے کا نام فقاہت نہیں۔ جن لوگوں نے خداداد حافظہ سے کتاب وسنت کے الفاظ یاد کیے اور اُمت تک ان کو بلا کم وکاست پہنچایا وہ حفاظِ قرآن اور حفاظِ حدیث کا گروہ ہے۔ جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرًا۔ آمین

اور جن لوگوں نے خداداد عقلِ سلیم اور فہم مستقیم سے کتاب وسنّت کے معانی اور شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول وفروع اُمت کو سمجھائے تا کہ اُمت اُن احکام پر عمل کر سکے ان کو فقہاء کہتے ہیں خواہ فقہاء ظاہر کے ہوں یا باطن کے اصل مقصود اطاعتِ

خدا اور رسول ﷺ ہے اور اطاعت کا اصل دار و مدار معانی پر ہے محض الفاظ یاد کر لینے سے فریضۂ اطاعت ادا نہیں ہو سکتا۔ اصل عالم وہ ہے جو شریعت کے معانی اور مقاصد کو سمجھتا ہو۔

کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ (العنکبوت)

شریعت کی حفاظت امّت پر فرض ہے حضرات محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے الفاظ شریعت کی حفاظت کی اور حضرات فقہاء نے معانی شریعت کی حفاظت کی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے مقبول گروہ ہیں۔ جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام میں درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ﴾ (البقرہ: ۲۵۳) اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء میں بھی درجات اور مراتب کا فرق ہے۔

حضرات محدثین اور حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ لفظ اور معنی میں درجہ اور مراتب کا فرق ہے حافظِ قرآن الفاظ قرآنی کا حافظ ہے اور ایک مفسر قرآن۔ معانی قرآن کا عالم اور فاہم ہے۔

بہر حال اس آیت سے طلب علم دین اور تفقہ فی الدین کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالموں پر بے علموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا فرض ہے اور بے علموں پر عالموں کی تقلید فرض ہے ناقص پر کامل کی تقلید عقلاً فرض ہے جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی مجتہد کامل کی تقلید فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا

اے ایمان والو! لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے، اور چاہیے ان پر معلوم ہو

فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

تمہارے بیچ میں سختی اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔

ترتیب جہاد و قتال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ... الیٰ ... اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾﴾

ربط: نصف پارۂ دہم سے یہاں تک غزوۂ تبوک سے متخلفین کے شنائع اور قبائح کا بیان تھا کہ ان لوگوں نے جہاد سے تخلف کیا پھر گزشتہ آیات میں احکام جہاد کی طرف رجوع فرمایا اور جہاد و قتال کے فضائل بیان کیے۔ اب اس آیت میں جہاد و قتال کی ترتیب بیان کرتے ہیں کہ جہاد و قتال کس طرح ہونا چاہیے وہ ترتیب یہ ہے کہ اوّل اُن کفار سے ہونا چاہیے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور پھر جو اُن قریب رہنے والوں کے قریب ہوں اس طرح حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہیے نبی اکرم ﷺ نے اوّل مشرکین عرب سے قتال کیا اور پھر بنی قریظہ اور بنی نضیر اور خیبر کے اہل کتاب سے جہاد کیا۔ جو مدینہ کے اردگرد رہتے تھے اور پھر جب اُن سے فارغ ہوئے تو شام کا قصد کیا۔ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک یہ سب شام ہی کی طرف اقدام تھا۔ پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا۔ اوّل شام

کو فتح کیا پھر عراق کو پھر مصر کو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! اوّل ان کفار سے جہاد وقتال کرو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں جیسے بنو قریظہ اور بنی نضیر اور مشرکین عرب قریبی دشمن کو ختم کرنا سب سے مقدم ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾ (النساء:۱۰۱) ... ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ (البقرہ:۲۱۷)... وَغير ذَالِكَ مِن الاٰيات.

غرض یہ کہ تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اس لیے تمام کافروں سے جہاد وقتال کا حکم آیا ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ اور اس آیت میں یہ حکم دیا کہ قریبی کافروں سے جہاد وقتال کو مقدم سمجھیں اور چاہیے کہ وہ کافر تمہارے اندر سختی کو محسوس کریں۔ یعنی جہاد وقتال کے وقت بھی شدت سے ان کا مقابلہ کرو اور زمانۂ صلح میں بھی ان سے ڈھیلا پن نہ برتو۔ یہ کافر جس کو ڈِھیلا دیکھتے ہیں اس کو ڈھیلا مارتے ہیں اور خوب یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے یعنی اللہ کی حفاظت اور نصرت اور اعانت اور معیت پرہیز گاروں کے ساتھ ہے جب تک تم تقویٰ پر قائم رہو گے خدا کی نصرت اور اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔

نکتہ: حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ مؤمن کا قریبی دشمن اس کا نفسِ امّارہ ہے۔ جو کفرانِ نعمت میں سب سے آگے ہے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ یہی قریب ہے اس لیے نفس امّارہ سے جہاد وقتال جہادِ اکبر ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

((المهاجر من هجر ما نهى الله عنه والمجاهد من جاهد نفسه)).

"یعنی اصل مہاجر وہ ہے جو معصیت سے ہجرت کر کے طاعت کی طرف آجائے اور اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے (قریبی دشمن) نفس سے جہاد کرے۔"

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ

اور جب نازل ہوئی ایک سُورت تو بعضے اُن میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے

اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ایمان؟ سو جو لوگ یقین رکھتے ہیں ، ان کو زیادہ کیا ایمان، اور وُہ خوش وقتی کرتے ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَ

اور جن کے دل میں آزار ہے ، سو اُن کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور

مَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ

وہ مرے ۔ جب تک کافر رہے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمانے میں آتے ہیں ہر برس

مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ

ایک بار یا دو بار ، پھر توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جب

اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

نازل ہوئی ایک سورۃ ، دیکھنے لگے ایک دوسرے کی طرف۔ کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو

ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

پھر چلے گئے۔ پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔

ذکر تمسخر منافقین وتنفرشاں از آیات قرآن معہ وعید وتہدید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ... الٰى ... بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾

ربط: اُوپر کے رکوعات اور آیات میں منافقین کے ذمائم کا ذکر ہوا منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور تمسخر دلیل ہے غایت تنفر کی اور غایت تنفر دلیل ہے غایت کفر کی۔ دین حق کے ساتھ تمسخر کفر کا آخری درجہ ہے اس آیت میں ان لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ کفر ہی پر ان کی موت آئے گی۔ اسلام کے ساتھ تمسخر کرنا یہی علامت اس بات کی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔

ربط دیگر : پہلی آیت میں کفار سے قتال کا حکم تھا۔ اب اس آیت میں اس کا سبب بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ آیاتِ خداوندی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ایسوں سے تو جہاد وقتال بلاشبہ فرض اور واجب ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب قرآن کی کوئی جدید سورت نازل ہوتی ہے جس میں منافقین کے نفاق اور عناد کا ذکر ہوتا ہے تو بعض منافقین بطور استہزاء اور تمسخر بعض غریب مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ کہ تم میں سے اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کیا اور کس کے ایقان وعرفان میں اضافہ ہوا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان دار ہیں اور پہلے سے ایمان اور تقویٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس سورت نے ان کے ایمان میں اور زیادتی کر دی اس سورت کے نازل ہونے سے ان کا یقین اور بڑھ گیا کیونکہ قرآن کے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کو سن کر ان کے سابق ایقان اور عرفان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور قرآن جن چیزوں کی خبر دیتا ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے ان کا ایمان استدلالی ایمان شہودی بن جاتا ہے اور شک اور شبہ کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس سورت کے نازل ہونے سے غایت درجہ خوش ہوتے ہیں کہ اس سورت کا نزول ان کے ایقان وعرفان کی زیادتی کا سبب بنا اور جو حال پہلے تھا۔ اب اس سے بھی بہتر اور برتر ہو گیا اور جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور ان کے دل مکر اور حیلہ کی گندگی سے بھرے ہوئے ہیں تو یہ جدید سورت ان کی سابقہ پلیدی اور گندگی پر ایک اور نئی گندگی اور پلیدی کا اضافہ کر دیتی ہے۔ گزشتہ

بغض وعناد کے ساتھ ایک جدید بغض اور عناد کا اضافہ ہوجاتا ہے اور یہ کیفیت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ کفر اور نفاق کا ملکہ ان میں راسخ اور پختہ ہوجاتا ہے اور پھر کفر ہی کی حالت میں اُن کی جان نکلتی ہے۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کے ساتھ نازل ہوتی ہے اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اس کے نزول سے اہلِ ایمان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں ان پر حق واضح اور روشن ہوجاتا ہے اور دین اسلام کے بارہ میں انہیں شرح صدر ہوجاتا ہے اور منافقین کے غیظ اور عناد میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اگر یہ منافقین عناد اور حسد سے ہٹ کر بنظر انصاف آیاتِ قرآنیہ میں غور وفکر کرتے تو ان کی بھی آنکھیں کھل جاتیں مگر عناد کی یہ کیفیت دن بدن اُن میں مستحکم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کفر ہی کی حالت میں وہ مر گئے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں: کہ کیا یہ منافق اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک دو بار آزمائے جاتے ہیں۔ یعنی ہر سال میں ایک دو بار ضرور رسوا ہوتے ہیں اور ان کا نفاق اور جھوٹ مسلمانوں پر ظاہر ہوجاتا ہے پھر بھی اپنے جھوٹ اور نفاق اور بدعہدی سے توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں کہ سمجھیں کہ یہ رسوائی ہماری تنبیہ کے لیے رونما ہوئی ہے۔

اور منافقین کا یہ حال جو گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ مجلس نبوت سے باہر کا حال تھا اب اندرون مجلس نبّوت ان کی فضیحت کا حال سنو وہ یہ کہ جب کبھی کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں ان کے نفاق اور فضائح اور قبائح کا ذکر ہو اور وہ خود بھی اُس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں تو اس وقت ان منافقین کا عجیب حال ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور اشارہ سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے تمہیں کوئی دیکھتا تو نہیں یعنی اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا تو مجلس سے کھسک جاؤ اور اگر کوئی مسلمان تم کو دیکھتا ہے تو تھوڑی دیر اور صبر کرو۔ جب مسلمان غافل ہوجائیں گے تب اُٹھ کر چل دیں گے۔ پھر جب دیکھتے ہیں کہ ان کو کوئی مسلمان نہیں دیکھ رہا ہے تو آپ ﷺ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں یعنی اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ ہی نے ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا ہے اس لیے وہ آپ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں حق اور باطل اور نفع اور ضرر کو سمجھتے نہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

آیا ہے تم پاس رسول تم میں کا بھاری ہوئی ہے اس پر جو تم تکلیف پاؤ تلاش رکھتا ہے

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ

تمہاری ایمان والوں پر شفقت رکھتا مہربان۔ پھر اگر وہ پھر جاویں تو تُو کہہ بس ہے مجھ کو اللہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ ۷ ۵

کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہی ہے صاحب بڑے تخت کا۔

ذکر کمال شفقت ورأفتِ نبی اکرم ﷺ برحالِ اُمّت واتمام حجت براہلِ شقاوت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ... الیٰ ... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾﴾

ربط : یہ اس سورت کی آخری آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی کمالِ شفقت ورأفت کو بیان کیا۔ اور بتلا دیا کہ ایسے عظیم الشان اور شفیق ومہربان رسول ﷺ کی آمد سے تم پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی اور جہاد جیسے حکم سے جو نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہیے اس لیے کہ جس طرح طبیب حاذق اور مشفق ومہربان کسی وقت مریض کو تلخ دوا کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور مہربان باپ اولاد کو بغرض تادیب وتربیت بعض ناگوارِ خاطر چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا رسولِ برحق ﷺ بعض اوقات تم کو ایسے اُمور کا حکم دیتا ہے جو نفس پر گراں ہوتے ہیں اور عقلِ سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔ انسان کا فائدہ ان پر عمل کرنے میں ہے اور ان کی خلاف ورزی میں اس کی ہلاکت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اخیر میں آنحضرت ﷺ کے اوصافِ جمیلہ اور آپ ﷺ کا اُمت پر شفیق اور مہربان ہونا بیان کیا تا کہ خاتمۂ کلام اس بات پر دلالت کرے کہ ایسے شفیق اور مہربان رسول ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے بعد حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں تو آپ ﷺ اللہ پر توکل کیجیے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کافی ہے اور ان کے شر سے محافظ اور نگہبان ہے ان معاندین کی ذرّہ برابر پرواہ نہ کیجیے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں منافقین کے عناد اور تکبر کا ذکر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اتباع کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ رسول تمہارا غایت درجہ ہمدرد اور تم پر شفیق اور مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان سے ضد اور عناد کا معاملہ کرنا سراسر خلافِ عقل اور خلافِ فطرت ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کے ظلِ عاطفت میں داخل ہو جاؤ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے مشفق اور مہربان سے عداوت رکھو۔ اور اس کی بات کا مذاق اڑاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے لوگو! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہماری طرف سے ایک پیغمبر جو تمہاری ہی جنس سے ہے جس سے بوجہ جنسیت کے استفادہ اور استفاضہ آسان ہے۔

ع بوئے جنسیت کند جذب صفات

مطلب یہ ہے کہ اے بنی آدم تمہارے پاس تمہاری جنس سے ایک رسول ﷺ آیا ہے جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے اور یہ تم پر اللہ کا احسان ہے اگر وہ تمہارے پاس کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا تو تم بوجہ عدم جنسیت اس سے مانوس نہ ہوتے اور وہ رسول علاوہ تمہارے ہم جنس ہونے کے اس درجہ تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے کہ اس پر تمہاری تکلیف شاق اور گراں ہے۔ اور ایک صفت اس رسول ﷺ کی یہ ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور ہدایت پر غایت درجہ حریص ہے یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے۔ اور خاص کر اہل ایمان پر تو حد درجہ کا شفیق مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان رسول کے اتباع سے انصراف اور انحراف تو کمال ابلہی ہے۔ پس اگر اس رأفت و رحمت کے مشاہدہ کے بعد بھی آپ ﷺ کے اتباع سے روگردانی کریں اور اپنی دیرینہ عداوت پر قائم رہیں تو آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ کافی ہے وہ تمہارے شر سے کفایت کرے گا اور مجھے تم پر غالب کرے گا وہ میرا کافی معین اور مددگار ہے اور مجھے تمہاری عداوت کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع اور ضرر کا مالک ہو میں اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا سب کام

اسی کے سپرد کر دیا ہے۔ اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اور عرش عظیم تمام کائنات کو محیط ہے۔ پس جو عرش عظیم کے مالک پر بھروسہ کرے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

ازو خواہ یاری کہ یاری دہ اوست　　بدو التجا کن کہ اینہا ازوست
کسے راکہ او آورد در پناہ　　چہ غم دارد از فتنہ کینہ خواہ

الحمد للہ آج بروز شنبہ یکم شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ بوقت اذانِ عصر سورۂ توبہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بنعمَتِہٖ تتم الصّالحات رب تقبّل توبتی و اغسل حوبتی واجب دعوتی واکتب لی براءۃً من النّار انّکَ انتَ التّواب الرّحیم○ آمین یا رب العالمین.

و صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمّد و عَلی آلہٖ واصحابہ اجمعین○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ یونس

آیاتہا ۱۰۹	⑩ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ⑤①	رکوعاتہا ۱۱

اس سورت میں چونکہ یونس علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ سورت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سورۂ یونس کے نام سے مشہور ہوئی اور اکثر سورتیں اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہیں۔ اسی طرح یہ سورت بھی اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہوئی۔ اور یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی سوائے تین آیتوں کے جن کی ابتداء ﴿ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ ﴾ سے ہوتی ہے وہ مدنی ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اس سورت میں ایک سونو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

ربط سورۂ توبہ میں مشرکین سے براءت اور منافقین کی فضیحت کا بیان ہوا یہ دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور نزول وحی کے منکر تھے اور توحید کے بھی قائل نہ تھے۔ اس لیے اس سورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور قیامت کا اثبات فرمایا اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے متعلق اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے متعلق جو منکرین کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا کیونکہ منافقین اور مشرکین کتب الٰہیہ کی تکذیب میں اور انکار وحی میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور شکوک و شبہات میں ایک دوسرے کے ہم خیال تھے۔ اس لیے سب کا ردّ فرمایا۔ اور چونکہ سورۂ توبہ کے آخر میں یہ ذکر تھا کہ قرآن حکیم کی جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو منافقین اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے تھے اور کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر تعجب کرتے تھے اور اپنے تعجب کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ ان میں کے بعض یہ کہتے تھے کہ کیا اللہ کو سوائے ابو طالب کے یتیم کے اور کوئی شخص نبی بنانے کے لیے نہیں ملا تھا۔ اس لیے اس سورت کا آغاز کتاب حکیم کے ذکر سے کیا گیا جس کے ساتھ منافقین تمسخر کرتے تھے۔ اور بعد ازاں ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ سے مشرکین مکہ کے استعجاب کا جواب دیا گویا کہ یہ آیت یعنی ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾ سورۂ توبہ کی آخری آیت ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ (التوبہ:۱۲۸) کے ہم معنی ہے کہ تم ایسے مرد کامل کی جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو اس کی نبوت و رسالت پر تعجب کرتے ہو ایسے مرد کامل کی تکذیب اور اس کے ساتھ تمسخر اور اس سے تنفر کمال ابلہی کی دلیل ہے۔ پھر سورۂ توبہ کی آخر آیت ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ﴾ (التوبہ:۱۲۹) میں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت اور قدرت کاملہ کو بیان فرمایا تھا۔ اس لیے اس سورت کے شروع میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کو بیان فرمایا۔ چنانچہ ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... الخ ﴾ سے تکوین عالم اور عرش اور فرش کے پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ و باہرہ ظاہر اور

نمایاں ہے اور پھر جزاء وسزا کا ذکر فرمایا اس طرح یہ مضامین ثلاثہ یکے بعد دیگرے آخر سورت تک چلے گئے۔

جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر احکام کا بیان ہے۔ جیسے نکاح وطلاق میراث اور قصاص اور جہاد اور حلال وحرام اور جو سورتیں ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر اُصولِ دین توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان ہے اور کفار اور مشرکین کے مختلف فرقوں کا ردّ ہے اور یہ سورت بھی مکی ہے اس لیے اس سورت میں بھی اصول دین کا بیان ہے۔

آغاز سورت میں وحی اور بعثت نبوی ﷺ کے متعلق جو کفار مکہ کو تعجب تھا اس کا جواب دیا اس کے بعد تکوین عالم کا مسئلہ ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس عالم کا خالق قادر اور مالک قاہر ہے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اس نے مخلوق کو اپنے احکام سے آگاہ کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے اور ان کو مورد وحی والہام بنایا تا کہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کریں اور یہ بتلائیں کہ قیامت قائم ہوگی اور تمام اعمال پر جزاء سزا ملے گی۔ ان میں سے کوئی بات بھی قابل تعجب نہیں۔

ربط دیگر سورۂ براءت میں زیادہ تر منافقین کے احوال واقوال کا ذکر تھا اور اس سورت میں زیادہ تر کفار اور مشرکین کے احوال واقوال کا بیان ہے اور منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات ہیں اسی وجہ سے سورت کا آغاز منکرین نبوت کے ایک شبہ سے ہوا کہ ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک خاص مرد کو اپنی نبوت اور وحی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا۔

ربط دیگر کہ یہ سورت مکی ہے اہل مکہ کی نصیحت کے لیے نازل کی گئی جس میں قوم یونس کا قصہ بیان کیا کہ وہ بروقت ایمان لے آئے تو اس ایمان نے ان کو نفع دیا ان کی طرح تم بھی اگر ایمان لے آؤ گے تو تم کو بھی نفع ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ

الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ حکم بھیجا ہم نے

اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ

ایک مرد کو ان میں سے کہ ڈر سنا لوگوں کو اور خوشخبری دے جو کوئی یقین لاوے کہ اُن کو ہے

قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢

پایہ سچا اپنے رب کے ہاں۔ کہنے لگے منکر، بے شک یہ جادو گر ہے صریح۔

اظہار عظمت قرآن واثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ... الٰى ... سٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢﴾

ربط: گزشتہ سورت کی آخری آیتوں میں دو باتوں کا ذکر تھا:

① اوّل نزول وحی کے وقت مضامین قرآن پر ہنسنا اور ازراہِ حقارت ایک کا دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا جس سے ان کا مقصود وحی کے ساتھ استہزاء کرنا ہوتا تھا ﴿وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ (التوبہ: ۱۲۷) میں اسی امر کا ذکر تھا۔

② دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آپ کی نبوت ورسالت پر تعجب تھا کہ یہ شخص ہم جیسا ایک بشر اور انسان ہے یہ کیسے نبی ہوسکتا ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ میں اس کا جواب دیا گیا۔ یہ شخص اگرچہ تمہاری ہی جنس سے ہے مگر فضائل وکمالات کے اعتبار سے سب سے افضل اور اکمل ہے۔

پس اس سورت کے آغاز میں بھی انہی دو باتوں کو بیان کرتے ہیں: اوّل قرآن کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کرتے ہیں کہ وہ سراپا نور حکمت ہے اور چشمۂ ہدایت ہے اور اس کے دلائل وبراہین نہایت قوی ہیں۔ دوم نبی کریم ﷺ کی عظمت وجلالت قدر بیان کرتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ایک عجیب مرد کامل ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نبی ﷺ بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿الٓرٰ﴾ اس قسم کے الفاظ کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ حروف مُقَطَّعَہ کہتے ہیں۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے حروف کتاب خداوندی کے رموز ہیں جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس لیے ان کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی مسلمان کو چاہیے کہ ان الفاظ کو کلام خداوندی سمجھے اور ان کے معنی اور تاویل کی فکر میں نہ پڑے بلکہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ سورت آیتیں ہیں پُرحکمت کتاب کی جو سراپا نور اور حکمت اور منبع ہدایت وموعظت اور نسخۂ شفاء ہے یا حکیم کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں کہ اُس کی ہر بات پکی ہے ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے جس میں غلطی اور خطاء کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف وتبدیل سے محفوظ ہیں اور اس کے علوم ومعارف عقل اور حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں اور اس کے تمام اخبار اور قصص ٹھیک اور واقع کے مطابق ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں ایک باحکمت اور محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں جس سے تم کو تنفر ہے اور جب اس کتاب حکیم کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو تم اس کی سراپا حکمت وموعظت باتوں کا تمسخر کرتے ہو اور جس مرد کامل اور مرد حکیم پر یہ کتاب حکیم نازل ہو رہی ہے اس کی نبوت ورسالت پر تم تعجب کرتے ہو حالانکہ یہ کتاب مستطاب اس مرد کامل کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیل ہے کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعثِ تعجب ہوئی کہ ہم نے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں میں کے ایک مرد کامل کی طرف وحی بھیجی جس کے حسب اور نسب اور امانت ودیانت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہیں اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے ڈرائے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں ان کو خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں پایہ صدق یعنی بہت بلند مرتبہ ہے اور کیسی سعادت اور فلاح ازل میں ان کے لیے لکھی جا چکی ہے اور بشارت ونذارت کوئی امر تعجب نہیں بلکہ لوگوں کو حیوانات کی طرح مہمل چھوڑ دینا کہ انسان ہو کر شُتر بے مہار کی طرح پھرا کرے جہاں چاہے منہ مارے اور جس مادہ سے چاہے جفتی کرے (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) یہ امر سراسر خلاف حکمت اور لائق تعجب ہے ﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝﴾ (القیامہ) بشارت اور نذارت سے انسان کی تکمیل اور اصلاح ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندہ اور مرد کامل پر لوگوں کی ہدایت اور ان کی بشارت ونذارت کا مضمون بذریعہ وحی نازل فرمائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر یہ کافر تعجب سے گزر کر طعن وتشنیع تک پہنچ گئے اور آپ ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر کافر یہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے وحی قرآن کی تاثیر بلیغ کو دیکھ کر قرآن کو جادو بتلایا اور یہ بالکل غلط ہے ایسی سراپا حکمت وموعظت کتاب کا جادو ہونا اور ایسے صاحب کرامات ومعجزات کا جادوگر ہونا ناممکن اور محال ہے آپ ﷺ تو خدا کے رسول ہیں خدا کی صفات وکمالات کو بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ آئندہ آیت ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ... الخ﴾ میں آتا ہے اور یہ معجزات آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین ہیں کفار عرب اللہ کے رسول ﷺ کو جادوگر بتلاتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ دراصل ان کا متکبر اور مغرور نفس جو صفات فرعونیہ کا حامل ہے اصل جادوگر وہ ہے جس نے تمہاری عقل کو مسحور کر دیا ہے فرعون کی طرح علو اور استکبار کا طالب ہے خدا کے برگزیدہ بندہ کے سامنے تواضع اور انکسار کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر کے لیے نبوت ممکن نہیں یہ لوگ اپنی جہالت سے بلا دلیل بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد ﷺ جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ یتیم اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابل تعجب ہے۔ اس لیے کہ نبوت کے

لیے مالدار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپ ﷺ میں علی وجہ الکمال موجود ہے آپ ﷺ کی ذات بابرکات مکارم اخلاق اور محاسن کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح آپ ﷺ بھی خدا کی طرف سے بشیر ونذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام جنس بشر سے تھے فرشتہ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے فرشتہ ہونا ضروری نہیں اور فقیری اور درویشی نبوت ورسالت میں قادح نہیں آپ ﷺ سے پہلے بھی جنس بشر سے بہت سے نبی گزر چکے ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی رہی۔ اس لیے نبوت اور وحی کوئی عجیب چیز نہیں جب کبھی خدا کی طرف سے کوئی نبی آیا تو ان کے ہم جنس معاندین نے اس وقت بھی تعجب سے یہی کہا جو اس وقت کے معاندین کہہ رہے ہیں:

كَمَا قَالَ اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا﴾ (الاعراف:۶۵)... ﴿وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ (الاعراف:۷۳)

... ﴿اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ (الاعراف:۶۹)

اور جس طرح گزشتہ قرون کے لوگ ﴿ اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا﴾ کہتے تھے اس طرح کفار قریش کو رسول بشری پر تعجب ہوا اور اس کی نبوت کا انکار کیا اور جس طرح ان کے ہم جنس معاندین نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر انبیاء علیہم السلام کو جادوگر بتلایا اس طرح اس زمانہ کے معاندین اور کفار مکہ آنحضرت ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں ﴿اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور ان کا یہ قول بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے۔ اس لیے کہ جو شخص مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کے حقائق اور معارف بیان کرتا ہو اور حلال وحرام کی تفصیل کرتا ہو وہ کہاں سے جادوگر ہوسکتا ہے اور کتاب حکیم جو اس پر نازل ہو رہی ہے وہ کہاں سے جادو ہوسکتی ہے۔ اس لیے کہ سحر تو محض ایک ملمع کاری ہوتی ہے اور یہ کتاب حکیم تو حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتی ہے۔

قدم صدق کی تفسیر:

قدم صدق کے معنی میں اہل تفسیر کے کئی قول ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مقام صدق ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ (بنی اسرائیل:۸۰) اور ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ہے کہ اس سے مراد سعادت ازلیہ ہے۔ اور زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجہ عالیہ ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اعمالِ صالحہ مراد ہیں اور زید بن اسلم اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی شفاعت مراد ہے اور قدم کی اضافت صدق کی طرف۔ موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے چونکہ وہ مرتبہ عالیہ اور سعادت ازلیہ صدق واخلاص کی بدولت ملے گا یا اس کا وقوع حق اور صدق یعنی قطعی اور یقینی ہے اس لیے قدم کو صدق کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ	
تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر	
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ	
قائم ہوا عرش پر تدبیر کرتا کام کی کوئی سفارش نہ کر سکے مگر جو پہلے	

اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

اس کا حکم ہو وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اس کو پوجو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربوبیت ربِ اکرم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... الیٰ ... اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳﴾

ربط: اُوپر قرآن کریم کی عظمت اور نبوت ورسالت کی حقانیت کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں تکوین عالم کو بیان کرتے ہیں تا کہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا علم حاصل ہو جو بعثت کا اوّلین مقصد ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود وہ ذات بابرکات ہے جس نے چھ دن میں عرش سے لے کر فرش تک تمام کائنات کو پیدا کیا اور یہ تمام کارخانہ اسی کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے۔ اسی پروردگارِ عالم نے تمہاری ہدایت اور تربیت کے لیے ایک مرد کامل کو مبعوث کیا ہے اور اس مرد کامل پر جو کتاب بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ سحر نہیں بلکہ کیمیائے سعادت اور نسخہ ہدایت ہے جس سے مقصود تمہاری اصلاح اور تربیت ہے۔ پس اگر تمہارا پروردگار تمہاری تربیت اور ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ بندہ پر وحی کے ذریعے کوئی کتاب نازل کرے تو کیوں تعجب کرتے ہو۔

اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے احکام پر عمل کریں۔ جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور یقین رکھیں کہ ایک دن ان اعمال پر جزاء وسزا بھی ضرور ملنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: تحقیق تمہارا مربی اور مدبر اُمور وہ اللہ ہے جس نے محض اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں بنا دیتا اس نے کسی حکمت سے جتنی دیر چھ دن میں لگتی ہیں اتنی دیر میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن سے بڑھ کر دنیا کا کوئی جسم طویل وعریض نہیں تم اگر ایک معمولی مکان بنانا چاہو تو مہینے اور سال خرچ ہو جاتے ہیں اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنا یہ اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے اور تمام عقلاء کی عقلیں اس اقتدار عظیم کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا اقتدار عظیم اندازہ فہم اور ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہے۔ پس اگر ملیک مقتدر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری جنس میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجدیا تو کیوں تعجب کرتے ہو اور آسمان سے زمین پر نزول وحی کا کیوں انکار کرتے ہو پھر آسمان اور زمین کی پیدائش سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ وہ احکم الحاکمین اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہوا۔ یعنی جلوہ فرما ہوا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا اس بنا پر نہیں کہ وہ کسی عرش یا فرش کا محتاج ہے۔ اس لیے کہ وہ کون ومکان اور زمین وزماں کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح وہ مکان وزماں کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے موجود ہے۔ معاذ اللہ! عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کی نشست گاہ نہیں کیونکہ جس چیز کے لیے مکان اور چھت ہو وہ متناہی اور محدود ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہے مخلوق نہیں۔ غرض حق جل شانہ کے عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور عرش اس کا مکان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلاشبہ اور تمثیل کے یوں سمجھو کہ عرش عظیم بمنزلہ سریر سلطنت اور تخت شاہی کے ہے جس پر رب کریم

اپنی شان کے مطابق بلاتمکن اور استقرار کے جلوہ فرما ہے اور عرش عظیم معاذ اللہ اس کا مکان نہیں بلکہ اس کی شان احکم الحاکمین کی جلوہ گاہ ہے جہاں سے احکام خداوندی کا صدور ہوتا ہے۔ اور کائنات کے ہر امر کی بلاشرکت غیرے وہ تدبیر کرتا ہے کسی سفارش کرنے والے کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے سفارش کا کوئی حرف اپنی زبان سے نکال سکے۔ پس جو ذات اس خلق اور تقدیر اور تدبیر اور عظمت اور حکمت کے ساتھ موصوف ہے وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور تم کو معلوم ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یا اپنے دل میں فکر نہیں کرتے کہ عبادت اسی ذات کا حق ہے جو اس قدرت اور حکمت اور عظمت کے ساتھ موصوف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے دلائل وحدانیت میں غور نہیں کرتے کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق وتکوین میں اور اسی کی تدبیر اور تصرف میں مستقل ہے وہ کسی کے اذن کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کا یہ زعم کہ بت خدا کے یہاں ہماری شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے۔

لطائف ومعارف

① حق جل شانہٗ نے ان آیات میں عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق وتکوین کو بیان کیا تا کہ تم کو صانع عالم کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ آسمان وزمین کا اجسام عظیمہ ہونا اور بے شمار اجزاء سے انکا مرکب ہونا اور مختلف صفات اور مختلف حالات اور مختلف کیفیات کے ساتھ ان کا موصوف ہونا اور قسم قسم کے تغیرات اور انقلابات ان میں واقع ہونا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ اجرام علویہ واجسام سفلیہ کی یہ حرکات وسکنات خود ان کے اختیار میں نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادہ اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت قدیم ان تغیرات اور تنوعات کی علت ہے اس لیے کہ باتفاق فلاسفہ جدید وقدیم مادہ میں نہ کوئی ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ اور اختیار ہے۔ مادہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی جسم کو حرکت دے سکے یا کسی کوکب اور سیارہ کی حرکت کی جہت اور سمت کو بدل سکے۔ یا اس کی روشنی میں کوئی کمی اور زیادتی کر سکے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر سکے۔ پس جس مادہ کی مجبوری اور لاچارگی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات سے وہ اندھا اور گونگا اور بہرا اور اپاہج سب کچھ ہے وہ ان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے تغیرات اور انتقالات کی علت کیسے ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کون ومکان اور زمین وآسمان کسی قادر حکیم اور صناع علیم کی صنعت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب اس کی تدبیر محکم کے تابع ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ مادہ عالم کے ذرات بسیط ملکر کتنی ہی کانفرنسیں کریں اور کتنی ہی کمیٹیاں بنائیں اور زمین آسمان کے قلابے بھی ملائیں مگر یہ دریافت کرنے سے عاجز اور درماندہ ہیں کہ یہ کارخانہ عالم کس طرح چل رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن بھی ہیں اور حادث بھی ہیں۔ عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کا امکان ہے کہ یہ ذات یا یہ صفت معدوم ہو جائے یا اس میں کوئی تغیر اور تبدل ہو جائے اور عقلاً یہ امر بدیہی ہے کہ کوئی ممکن اور حادث بغیر واجب قدیم کے سہارے کیقائم نہیں رہ سکتا۔ پس یہ تمام ممکنات خداوندی وقیوم کے سہارے قائم ہیں خوب سمجھ لو کہ کائنات عالم کا امکان ذاتی اور امکان صفاتی اور حدوث ذاتی اور حدوث صفاتی ان میں سے ہر ایک وجود صانع کی دلیل قطعی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر دیکھیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عَنِ

الْاِسلام وَالْمُسلمین خیرًا. اٰمین

② اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں اس لیے پیدا کیا تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے اور تا کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوں اور ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ﴾ (الرحمٰن:۲۹) کا جلوہ نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دے مگر اس نے انسان کی پیدائش کے لیے مدت مقرر کر دی ہے۔ جس میں اس کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں۔ اسی طرح آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کو سمجھو اہل ظاہر اور حشویہ ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کا انتظام کر رہا ہے۔ (دیکھو تفسیر وحیدی صفحہ ۲۰۷)

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں حق جل شانہ کے لیے جو صفات وافعال ثابت کیے گئے ہیں۔ ہم ان پر بلا تشبیہ وتمثیل کے اور بلا جمود اور بلا تعطیل کے ایمان لاتے ہیں۔ اور حسب ارشار باری تعالیٰ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اور ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ﴾ (الاخلاص) پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے ہے۔ اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزرتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی حد ہے اور نہ نہایت اور نہ اس کے لیے کوئی جہت اور سمت ہے۔ اس کی ذات بابرکات مخلوقات کی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اس بنا پر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے معاذ اللہ یہ مراد نہیں کہ خداوند ذوالجلال بادشاہوں کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کلام خداوند ذوالجلال والاکرام کی حکمرانی سے کنایہ [1] ہے چونکہ سلاطین عالم۔ عرش (تخت) پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اس لیے سمجھانے کے لیے اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے تعبیر کر دیا گیا۔ اہل عرب اپنے محاورات میں بولتے ہیں فلاَنٌ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ. یعنی فلاں اپنے عرش (یعنی سریر سلطنت) پر متمکن ہو گیا۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں کو سلطنت حاصل ہو گئی۔ اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے تمکن اور استقرار اور بیٹھنے کے معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور کائنات عالم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد سریر سلطنت پر قائم ہوا اور مخلوقات پر حکمرانی کرنے لگا کیونکہ حکمرانی کے لیے محکوم چاہیے۔ اس لیے اس احکم الحاکمین نے اپنی قدرت ازلیہ سے اوّل محکوم کو پیدا کیا۔ اور پھر حکمرانی اور تدبیر کرنے لگا۔ اس کی حاکمیت اور مالکیت اور رازقیت وغیرہ وغیرہ قدیم اور ازلی ہے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی صفات کمالیہ کا ظہور ہو ؎

جود محتاج گدایاں چوں گدا　　آب می گوید کہ ای طالب بیا

غرض یہ کہ ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لیے حکمرانی سے کنایہ کے لیے استواء کے ساتھ علی العرش کا لفظ ذکر کیا۔ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ استواء سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وہاں دوبارہ دیکھ لی

---

[1] یہ قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس کا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور سورۂ اعراف میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جائے۔لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کلام عرب میں متعدد معنی کے لیے آتا ہے۔(اوّل) تراخیٔ رتبہ بیان کرنے کے لیے جیسے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۰) یعنی استقامت کا مرتبہ ﴿رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔(دوم) بمعنی قبل جیسے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ معناہ قبل ذالك ﴿اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ قول ﴿وَ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عرش کا وجود آسمان وزمین کی پیدائش سے مقدم ہے۔(سوم) بمعنی واوَ۔جیسے ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (البلد:۱۷)۔ وَمَعنَاهُ وَمَع ذٰلك ﴿كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾۔(چہارم) بمعنی ابتداء و استیناف جیسے ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ﴾ (المرسلات:۱۶،۱۷)۔معناہ ﴿نَحْنُ نُتْبِعُهُمْ﴾۔(پنجم) بمعنی تعجب جیسے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝﴾ (الانعام:۱) معناہ تعجبوا منهم ﴿كَیْفَ یَكْفُرُوْنَ بِرَبِّهِمْ﴾ اور آیت ہذا یعنی ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ میں لفظ ﴿ثُمَّ﴾ تفخیم شان کے لیے ہے یعنی عرش کا مرتبہ آسمان و زمین سے بڑھ کر ہے پس لفظ ﴿ثُمَّ﴾ اس جگہ تراخی رتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی وقت کے لیے۔

⑤ اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات عالم قادر مختار اور صانع کردگار کی صنعت ہیں فلاسفہ اور دھریین کہتے ہیں کہ یہ سب اقتضاء طبیعت ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر طبیعت کا وجود تسلیم کرلیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ طبیعت سے جو شے حاصل اور موجود ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور بقدر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بقدر طاقت اور قوت ہوتی ہے۔آگ جس چیز کو جلاتی ہے وہ اپنی قوت اور طاقت کے بمقدار جلاتی ہے نہ کہ بمقدار ضرورت وحاجت۔عاقل اور دانا کا کام ہے کہ آگ کو بقدر ضرورت استعمال کرے۔

پانی اپنی طاقت اور قوت کے بمقدار بہے گا اور بہائے گا اور حکیم اور دانا پانی کو بقدر ضرورت اور بقدر حاجت استعمال کرے گا۔

عمارت کی بلندی پانی اور قلعی اور چونہ کی طبیعت پر موقوف نہیں بلکہ معمار کے اختیار اور اس کے تصرف پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے تابع ہے۔اسی طرح سمجھو کہ اس سرائے فانی کی تمام عمارت اس کے بنانے والے کی قدرت اور اختیار اور اس کی حکمت اور مصلحت کے تابع ہے اس میں آسمان وزمین کی طبیعت اور مزاج کو دخل نہیں۔

◇◇◇◇◇◇◇◇◇◇

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ
اسی کی طرف پھر جانا تم سب کو وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی بنا دے پہلے پھر
یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَ الَّذِیْنَ
اس کو دہرائے گا تاکہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے تھے اور کیے تھے کام نیک انصاف سے اور جو
كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ④
منکر ہوئے ان کو پینا ہے کھولتا پانی اور دکھ کی مار اس پر کہ منکر ہوتے تھے۔

حقیقتِ معاد وذکر جزائے اعمال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا ... الٰی ... بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ۝﴾

ربط : اُوپر کی آیتوں میں مبداء اور توحید کا ذکر تھا اب معاد اور جزاء اعمال کو ذکر کرتے ہیں جو اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں فاعل حقیقی کی صفات کو بیان کیا اب یہ بتلاتے ہیں کہ تمہارا مرجع اور مآل اسی فاعل حقیقی کی طرف ہے جس نے تم کو ابتداء پیدا کیا۔ پس کیا تم اس کے دلائل وحدانیت اور براہین ربوبیت میں غور نہیں کرتے۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال اور ناممکن ہے سو یہ تم کو مغالطہ لگا ہے بیشک وہی خدا مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مرنے کے بعد بھی وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس دوسری زندگی کے لیے کچھ توشہ تیار کرلو یہ خدا تعالیٰ نے امکان اور ثبوت حشر کی دلیل بیان فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا نے پہلی بار بغیر نمونہ اور مثال مخلوق کو پیدا کیا وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ ﴿اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾ (قٓ:۱۵) لہٰذا اے منکرو! قیامت کے بارے میں کوئی شک نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور قیامت قائم کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے۔ اللہ ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے۔ بسبب اس کے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے تھے اندرونی عقائد فاسدہ کی سزا میں ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور ظاہری اعمال فاسدہ کی بنا پر ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

تحقیق مسئلہ معاد یعنی ایمان بالبعث بعد الموت

مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جو صرف مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کتب سماویہ بعث بعد الموت اور جزاء اعمال پر متفق ہیں البتہ اس کے وقوع کی کیفیت میں کچھ اختلاف ہے ہر مذہب میں حشر ونشر کی علیحدہ علیحدہ صورت بیان کی گئی۔ مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک بار دوبارہ جسمانی طور پر زندہ ہو کر خاک سے اٹھے گا اور اپنے اعمال کے مطابق جزا پائے گا۔ فلاسفہ اور دہریہ تو سرے ہی سے معاد کے قائلین ہیں اور ملاحدہ اور نیچریہ جس کے عقائد کی بنیاد عموماً فلسفہ اور طبیعات کے اصول پر ہے وہ ظاہراً تو معاد کا اقرار کرتے ہیں مگر جسمانی معاد کے قائل نہیں۔ روحانی معاد کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جزاء وسزا روحانی طور پر واقع ہوگی جسم مبعوث نہ ہوگا۔ قرآن کریم نے معاد جسمانی کو اس کثرت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس میں نہ انکار کی گنجائش ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے۔

اکثر اہل عرب معاد جسمانی کو محال سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ گلی سڑی ہڈیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں معاد اور حشر ونشر کے امکان کو مختلف مثالوں کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔

مثال اول جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح مردہ انسان بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

مثال دوم جس طرح ایک قطرہ منی سے ایک سمیع وبصیر انسان کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح انسان کے متفرق اور منتشر

ذرات کو جمع کر کے دوبارہ اس کو پہلی ہیئت پر پیدا کرنا بھی ممکن ہے۔

مثال سوم جو خدا انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

مثال چہارم جو خدا زمین و آسمان کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ سات بالشت کے انسان پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

مثال پنجم نیند موت کی بہن ہے۔ پس جو خدا سلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ موت کے بعد بھی دوبارہ زندگی عطا کر سکتا ہے۔ (تفصیل کے لیے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر از صفحہ ۵۴۸ ج ۴ تا صفحہ ۵۵۴ ج ۴ دیکھئے)

قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص احوال عالم میں غور کرے گا۔ وہ بالبداہت جان لے گا کہ یہ دنیا لوگوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اور دنیا کے خالق نے لوگوں کو آزاد اور مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس دنیا کو ان کے لیے دار العمل بنایا ہے پس ضروری ہے کہ خالق کی جانب سے امر بھی ہو اور نہی بھی ہو اور پھر اس دار العمل کے گزر جانے کے بعد ایک دار الجزاء بھی ہو جس میں نیکو کاروں کو ثواب اور بدکاروں کو عذاب ملے تا کہ اچھے اور بُرے میں امتیاز ہو جائے نیک اور بد میں فرق اور امتیاز عقلاً ضروری ہے۔ پس اس دنیا کے احوال مبداء اور معاد دونوں کی صحت کے لیے دلائل اور براہین ہیں۔ (غرائب القرآن ص ۵۶ ج ۱۱)

شبہات وجوابات

فلاسفہ اور دہریہ اور مادہ پرست جو معاد جسمانی کو محال سمجھتے ہیں اور گلی سڑی ہڈیوں سے پھر دوبارہ جسم انسانی کا زندہ ہونا ناممکن جانتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ انسان صرف مادہ کا نام نہیں بلکہ مادہ مع صورت انسان کہلاتا ہے۔ جب موت آنے سے صورت باطل ہو جاتی ہے اور اجزائے مادہ باقی رہ جاتے ہیں اور ہر جز اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کرتا ہے تو اگر اس مادہ معینہ میں دوبارہ حیات پیدا کی جائے تو وہ پہلی صورت نہ ہوگی۔ بلکہ ایک نئی صورت ہوگی۔ اور ایک نیا شخص ہوگا سو جزا و سزا ایک نئے شخص پر عائد ہوگی نہ کہ پہلے شخص پر۔

علاوہ ازیں منکرین معاد یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جائے تو وہ غذا ہو کر کھانے والے کا جز و بدن ہو جاتا ہے تو بعثت کے وقت دو روحیں ایک انسان کے جسم سے کس طرح متعلق ہو سکتی ہیں۔

جواب

انسان کے جسم میں دو قسم کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ ایک اجزاء اصلیہ جو انسان کی پیدائش سے اخیر تک اس کے جسم میں موجود رہتے ہیں۔ دوم اجزائے فضلیہ یعنی وہ اجزاء جو بذریعہ غذا جز و بدن بنتے رہتے ہیں اور یہ کھایا ہوا حیوان اس کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں۔ پس اس کو اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اور اس کو اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ جُدا جُدا اٹھائیں گے اور دوبارہ انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جائے گا جس سے دوبارہ زندگی حاصل ہو جائے گی اور رنج اور خوشی کا احساس صرف روح اور اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور انسان دراصل روح اور اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور انہی اجزاء اصلیہ کو پشت آدم علیہ السلام سے نکال کر عہد الست لیا گیا ہے اور یہی اجزاء اصلیہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک پشت بہ پشت منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت کے دن انہی اجزاء اصلیہ کا اعادہ

ہوگا اور روح کو ان کے متعلق کر دیا جائے گا۔ تو ان میں از سر نو حیات عود کر آئے گی اور انسان اصلی اور پہلی صورت پر عود کر آئے گا اور انسانی زندگی میں جو تغیر پیش آتے ہیں وہ اجزائے فضلیہ پر وارد ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ اپنی حالت پر محفوظ رہتے ہیں اور موت سے اجزاء فضلیہ کی ترکیب زائل ہو جاتی ہے اور اجزاء اصلیہ بدستور محفوظ رہتے ہیں وہ کسی صورت میں زائل نہیں ہوتے اور ابتداء پیدائش سے لے کر مرنے تک جو تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس کا تعلق صرف ہیکل انسانی کے ساتھ ہے جو اجزاء فضلیہ کا مجموعہ ہے۔

زمانہ حال کے محققین نے خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کیا ہے کہ ایک قطرہ پانی میں کئی لاکھ حیوانات موجود ہوتے ہیں۔ پس جب کہ ان مادہ پرستوں کے نزدیک قطرہ آب میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اجرام صغیرہ تمام حیوانی لوازم کے ساتھ موجود ہو سکتے ہیں تو پھر پشت آدم علیہ السلام سے ذریت کا نکالنا کیوں بعید از عقل سمجھتے ہیں۔ اور امام رازی و عارف شعرانی رحمۃ اللہ علیہما وغیرھم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہم اجزاء اصلیہ سے وہ مراد لے سکتے ہیں جو آیت ﴿وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ... الخ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) میں بموجب تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہوئے ہیں اور جن کو ذرّیتِ آدم علیہ السلام کہا گیا ہے۔

بہر حال بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ عقل کے منافی ہے اور نہ علوم جدیدہ کے۔ فلاسفہ نے اگرچہ حشر اجسام کے محال ہونے کا دعویٰ تو کر دیا مگر آج تک اس کے محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں پیش کر سکے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اُجالا اور ٹھہرائیں اس کو منزلیں

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ

تو پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب نہیں بنایا اللہ نے یہ سب مگر تدبیر سے

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ

کھولتا ہے پتے ایک لوگوں پر جن کو سمجھ ہے البتہ بدلنے میں رات اور دن کے

وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶

اور جو بنایا اللہ نے آسمان و زمین میں پتے ہیں اُن لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں۔

ذکر دلائل قدرت مقرون بتذکیر نعمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً ... الٰى ... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝۶﴾

ربط: اُوپر توحید کا ذکر تھا۔ اب مزید دلائل قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ان عجائب قدرت میں ذرا غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ

اس کارخانۂ عالم کا کوئی صانع اور کاریگر ضرور ہے جس کی قدرت وحکمت کا اندازہ حیطۂ عقل سے باہر ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے جس میں تخلیق سماوات والارض کا ذکر فرمایا۔ مزید اتمام حجت کے لیے ان دلائل کو بیان فرمایا۔ اور یہ اُمور علاوہ دلائل قدرت کے اس کی بے مثال نعمتیں بھی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے صانع کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل اس صانع کی عظمت اور جلال سے پُر ہوجاتا ہے کیونکہ شمس وقمر کی روشنی اس کی عظیم نعمت بھی ہے اور اس کی عظیم قدرت کی دلیل بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ اللہ وہی ہے جس کی الوہیت اور ربوبیت اور قدرت کے دلائل تم سن چکے ہو۔ مزید برآں یہ کہ جس نے سورج کو جگمگایا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اجالا بنایا اور چاند کی چال کے لیے منزلیں مقرر کیں۔

كَمَا قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝﴾ (یٰسین:۳۹)

تاکہ تم ان اجرام کے ذریعے برسوں کا شمار اور مہینوں اور دنوں اور ساعات کا حساب معلوم کرو۔ یعنی تاکہ تم کو ماہ وسال کا گزرنا معلوم ہو کیونکہ شریعت میں ماہ وسال کا مدار قمری حساب پر ہے نہ کہ شمسی حساب پر عرض یہ کہ شمس وقمر کا یہ تفاوت اس کی قدرت کی نشانی ہے حالانکہ ان اجرام سماویہ کا اصل مادہ ایک ہے اور نفس مادہ ان خصوصیات اور امتیازات کو مقتضی نہیں اس لیے کہ مادہ میں نہ ادراک وشعور ہے اور نہ اس میں ارادہ اور اختیار ہے اور نہ اس میں تدبیر اور تصرف ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان خصوصیات کا فاعل مادہ نہیں بلکہ ان کا فاعل وہ ذاتِ اقدس ہے جو کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے نہیں پیدا کیا اللہ نے ان سب چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے سے مقصود اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے اللہ تعالیٰ یہ دلائل قدرت جاننے والوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ اہل علم ان سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کریں تحقیق رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ظلمت اور نور کی کمی وزیادتی میں ان قسم قسم کی چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں البتہ نشانیاں ہیں جو موجود صانع اور اس کی وحدانیت اور کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں اس گروہ کے لیے جو بُرے انجام سے اور حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں جن کو آخرت کا اندیشہ اور ڈر لگا ہوا ہے وہی ہماری نشانیوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ شمس وقمر اور لیل ونہار کے احوال اثبات مبدأ ومعاد پر دال ہیں جو شخص اس عجیب وغریب نظام عالم پر نظر ڈالے گا وہ ایک قادر حکیم کی ہستی کا سراغ لگائے گا اور سمجھ جائے گا کہ یہ عجیب وغریب اختلافات اور قسم قسم کے تغیرات کسی بے شعور مادہ کے مرہونِ منّت نہیں اور نہ یہ حکیمانہ نظام کسی بخت واتفاق کا نتیجہ ہے اور ان اختلافات اور تغیرات میں خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو بُرے انجام سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو عقل اور قدرت اس لیے عطا کی ہیں کہ عقل سے حق اور باطل کا فرق پہچانیں اور خداداد طاقت سے اعمال خیر بجالائیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جانوروں کی طرح بے قید نہیں بنایا ہے۔ یہ دنیا دارالعمل ہے اس دارالعمل سے گذرنے کے بعد ایک دارالجزاء کا آنا ضروری ہے تاکہ خیر وشر پر جزاء وسزا مرتب ہو سکے۔ اور آج کل سائنس دان جو سرے سے اللہ تعالیٰ کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا کارخانہ اور اس کے تمام کام مادۂ قدیمہ اور اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت قدیمہ اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہا ہے اس کے علاوہ اس کے لیے کسی مدبّر اور

متصرف کی ضرورت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب مادہ میں کوئی شعور اور ادراک نہیں اور اس میں کسی قسم کی قدرت اور ارادہ نہیں ہے اور مادہ کو اور اس کے ذرات بسیطہ کو اپنے وجود کا بھی علم نہیں اور نہ ان کو اپنی حرکت کا علم۔ مادہ کے ذرات بسیطہ کی تمام حرکت اضطراری ہے۔ اختیاری نہیں تو اس جاہل اور گونگے اور بہرے اور اندھے اور اپاہج مادہ سے یہ عجیب وغریب عالم کس طرح وجود میں آ گیا۔ جس کو دیکھ کر حکماء اور عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں ان سائنس دانوں کا گمان یہ ہے کہ تمام تنوعات اور تطورات مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں جو خاص خاص قوانین فطرت کے مطابق جاری ہے معلوم نہیں کہ وہ کون سے قوانین فطرت ہیں جن کے ماتحت مادہ کے ذرات بسیطہ کی حرکت جاری ہے اور ان فلاسفۂ عظام کو ان قوانین فطرت کا علم کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا ذرا کچھ بتلائیں اور سمجھائیں تو سہی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ اطْمَاَنُّوْا

جو اُمید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر چین پکڑا

بِهَا وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ

اور جو ہماری قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ

بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ

بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ جو لوگ یقین لائے اور کیے کام نیک راہ دے گا ان کو

رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۹﴾

رب ان کا ان کے ایمان سے ۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں باغوں میں آرام کے۔

دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ

اُن کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات تیری یا اللہ اور ملاقات ان کی ، سلام۔ اور تمام

دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۱۰/۶

ان کی دعا اس پر کہ سب خوبی اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا۔

بیان حال ومآل منکرین معاد وبیان نعیم اہل رشاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ ... الٰی ... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۠﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں مبدأ اور معاد کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں معاد کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا حال ومآل بیان ہوتا

ہے جولوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کی تہدید ہے اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے اُخروی نتائج کا بیان ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جولوگ آخرت کے منکر ہیں اور حیاتِ فانیہ پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور اس کو اپنا مقصود اور مطمع نظر سمجھ بیٹھے اور اس قدر غافل ہیں کہ دلائل قدرت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے وہ شقی اور بد بخت ہیں اور جولوگ آخرت کو مانتے ہیں اور اس کے لیے تیاری کرتے ہیں وہ سعید اور خوش نصیب ہیں ان کا عمل ان کے سامنے نور بن کے چلے گا اور جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کا نور ہوگا۔ ان آیات میں اوّلاً منکرین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا اور پھر مصدقین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا تا کہ خوب فرق واضح ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جولوگ قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہونے کی اُمید نہیں رکھتے یعنی آخرت اور جزاء کے منکر ہیں اور دنیاوی زندگی پر خوش ہیں اور اس پر ان کو اطمینان قلب ہے۔ یعنی اس میں ان کا جی لگا ہوا ہے۔ اور آخرت کی طلب سے خالی ہے دنیا ہی کو منتہائے مقصود سمجھے ہوئے ہیں جس کے مقابلے میں ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں اور وہ لوگ جو دنیاوی لذتوں میں اس قدر غرق ہیں کہ ہماری نشانیوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔ ظاہر میں تو آگ ہوگی ہی اور باطن میں بھی آگ ہوگی وہ یہ کہ وہاں پہنچ کر اپنی تمام مرغوب اور محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے یہ آتش فراق اور آتش حیرت اندر ہی اندر سوزاں ہوگی اور یہ آتش دوزخ بدلہ اور سزا ہوگی اس عمل کی جو دنیا میں کماتے تھے۔ یعنی یہ آتش دوزخ ان کے کفر اور شرک کی سزا ہوگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ جولوگ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائے اور جنت کے لیے انہوں نے نیک کام کیے ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب ان کو جنت کی راہ دکھائے گا ان کے مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ نعمت اور عیش وعشرت کے باغوں میں ہوں گے اور نعمت کے باغوں میں ان کا عجب حال ہوگا اور وہاں ان کا قول یہ ہوگا ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ اے اللہ تو پاک ہے۔ وعدہ خلافی سے اور تمام نقائص سے یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد ان کا شغل تسبیح وتقدیس ہوگا اور اسی میں ان کو لذت آئے گی کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کی زبان سے نہیں نکلے گی۔ اور باہمی ملاقات کے وقت ان کی دعائے خیر سلام ہوگی۔ یعنی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو دعا سلام ہوگی۔ نیز فرشتے بھی ان کو سلام کریں گے اور سلامتی کی بشارت دیں گے اور ان کا اخیر قول یہ ہوگا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا یعنی ان کے کلام کی ابتدا تسبیح سے ہوگی۔ اور اس کا اختتام تحمید پر ہوگا یعنی اخیر میں اللہ کی حمد وشکر کریں گے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح وتحمید کا اہتمام ہوگا اور سانس کی طرح ان کی زبان سے تسبیح وتحمید جاری ہوگی۔ اور تحمید وتسبیح سے بڑھ کر اہل جنت کو کوئی چیز لذیذ معلوم نہ ہوگی۔

قطعہ

ذَوقِ نامش عاشق مشتاق را — از بہشت جاودانی خوش تراست
گرچہ در فردوس نعمتہائے است — وصل او از ہرچہ دانی خوش تراست

زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح وتعظیم سے ہوگا اور اس کا اختتام خدا کے شکر اور ثناء پر ہوگا۔

(تفسیر کبیر صفحہ ۵۶۵ ج ۴)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ

اور اگر شتاب دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے شتاب مانگتے ہیں بھلائی، تو پوری کر چکے ان کی

اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪

عمر۔ سو ہم چھوڑ رکھتے ہیں جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی، اپنی شرارت میں بہکتے۔

منکرین نبوت کے شُبہ کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ ... الٰی ... فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪﴾

ربط: اس سورت کا آغاز منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات سے ہوا ہے۔ چنانچہ منکرین نبوت کے ایک شبہ کا جواب شروع سورت میں ہو چکا ہے۔ اب ان آیات میں ان کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ کفار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) خدا کے سچے نبی ہیں تو ان کی مخالفت کرنے پر عذاب کیوں نہیں آتا اور ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے۔ اور ہم ہلاک کیوں نہیں کر دیئے جاتے۔ لہٰذا حق سبحانہٗ ان کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں: کہ منکرین اور مخالفین پر فوراً عذاب نازل کرنا ہماری حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ ہم جیسا لوگوں پر رحمت اور نعمت نازل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اگر ایسے ہی ان کے ہلاک کرنے میں جلدی کریں تو کام ہی تمام ہو جائے۔ اللہ کی حکمت اور رحمت یہی ہے کہ ان کے ہلاک کرنے میں جلدی نہ کی جائے ویسے خدا تعالیٰ کو ان کے پکڑنے پر ہر وقت قدرت ہے۔ وہ حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ شاید سنبھل جائیں۔ اور حق کو قبول کر لیں یہ اس کا فضل ہے کہ وہ شر کی دعا جلدی قبول نہیں کرتا اس سے اہل ایمان کو ادب سکھانا ہے کہ شر کے مانگنے میں جلدی نہ کریں۔

ربط دیگر کہ گزشتہ آیات میں آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نبوت و رسالت پر کفار مکہ کے استعجاب کو دفع فرمایا۔ اب ان آیات میں ان کے دوسرے تعجب کو دفع کرتے ہیں وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ باوجود ہماری مخالفت کے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ جواب یہ ہے کہ وہ حلیم و کریم ہے فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

نہ گردن کشاں را بگیرد بفور نہ عذر آوراں را براند بجور

ربط دیگر گزشتہ آیات یعنی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ... الخ﴾ میں ان کی غفلت اور جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ نزول عذاب کے بارے میں عجلت کے خواہاں ہیں جیسا کہ سورۂ صٓ میں ہے ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ (صٓ:۱۶)۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر برائی پہنچانے اور سختی کرنے میں جلدی کرتا۔ اور نادانوں کی خواہش کے مطابق ان کی بددعا قبول کرنے میں اور ان کی بداعمالیوں کی سزا میں جلدی کرتا۔ جیسا کہ یہ لوگ دنیاوی فوائد کو حاصل کرنے میں اور دعائے خیر کے قبول ہونے میں جلدی کرتے ہیں تو البتہ کب کی ان کی موت آچکی ہوتی اور سب مر چکے ہوتے اور ان کا نام و نشان بھی نہ رہتا لیکن ہمارا حلم اور ہماری حکمت جلد بازی کی مقتضی نہیں۔ پس اس لیے ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی نہ اُمید ہے

اور نہ ڈر رہے۔ ان کو ان کے حال پر بلا عذاب کے ان کی سرکشی اور بے راہی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ بھٹکتے پھریں تا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے یعنی ایسے سرکشوں کو مہلت دینا اور نہ پکڑنا بطور استدراج کے ہے کہ اللہ کی حجت ان پر پوری ہو جائے اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس حلم اور بردباری کو دیکھ کر شرمائیں اور سنبھل جائیں۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور اپنے لطف و کرم سے ان نادانوں کی بددعا قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور جو لوگ بعث اور جزا و سزا کے منکر ہیں وہ عذاب نہ ہونے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ حق پر ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ مہلت ان کے حق میں استدراج اور خذلان ہے اور ایک قسم کی رحمت بھی ہے کہ فوراً نہیں پکڑ لیا۔

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف، ہم کو پکارے پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا،

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ

پھر جب ہم نے کھول دی اس سے وہ تکلیف چلا گیا۔ گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر،

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

اسی طرح بن پایا ہے بے لحاظ لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں۔

انسان کی طبعی کمزوری اور اس کی ناسپاسی اور احسان فراموشی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا ... الیٰ ... مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾﴾

ربط: حق تعالیٰ نے کفار پر نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے کبھی کچھ تکلیفیں نازل کیں تا کہ متنبہ ہو جائیں اور سنبھل جائیں مگر ان کا حال یہ ہوا کہ جب مصیبت نے ان کو آ پکڑا تو اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اپنے بتوں کو بھول گئے بلکہ ان کو چھوڑ بیٹھے۔ مصیبت کے ایک تازیانے نے سمجھا دیا کہ شرک سراسر باطل ہے پھر خدا تعالیٰ نے جب ان کی تکلیف دور کر دی تو پھر خدا کو بالکل بھول گئے۔

اس آیت سے مقصود انسان کی بے صبری اور اس کے جزع و فزع کا حال بیان کرنا ہے کہ انسان بڑا ہی بے صبرا اور بڑا ہی ناشکرا ہے ذرا سی مصیبت میں گھبرا جاتا ہے اور ذرا سی راحت و نعمت میں اترانے لگتا ہے اور منعم حقیقی کو بھول جاتا ہے۔

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی مگر جس حالت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ اہل کفر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بہت سے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہیں سو جاننا چاہیے کہ حالت ضراء میں صبر اور رضا بالقضاء لازم ہے اور حالتِ سراء میں حمد و شکر اور ثناء لازم ہے ہر حالت کے احکام الگ الگ ہیں۔

ربط دیگر: یہ کہ گزشتہ آیت میں کفار کی بے باکی اور سرکشی کو بیان کیا تھا کہ یہ بے باک خدا تعالیٰ کی معصیت کر کے سوال کرتے ہیں کہ خدا اپنے مجرموں کو فوراً کیوں نہیں پکڑتا۔ اب اس آیت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنی بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا

ہے اور زبان سے برائی مانگتا ہے مگر اتنا کمزور اور بودا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ ذرا ایک مصیبت آئی تو غرور کا سارا نشہ کافور ہوا۔

ربط دیگر: یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ اور برتاؤ انسان کے ساتھ بیان کیا۔ اب اس آیت میں بتلاتے ہیں کہ انسان کا معاملہ اور برتاؤ ہمارے ساتھ کیسا ہے۔ نیز یہ بتلانا ہے کہ ان کا استعجال عذاب یعنی نزول عذاب کی طلب، طلب کا ذب تھی ذرا سی تکلیف پہنچی تو اسی وقت بارگاہ خداوندی میں عجز وزاری شروع کر دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کہ انسان کا عجب حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو کروٹ پر لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا یعنی جس حالت میں بھی ہو اس تکلیف کے دُور کرنے کے لیے ہم کو پکارتا ہے جب تک اس کی تکلیف دور نہیں ہوتی برابر ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ پس جب ہم اس سے اس کی تکلیف دُور کر دیتے ہیں تو وہ بدستور اپنے پہلے طریق کفر اور غفلت پر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ تکلیف اور رنج کے وقت کچھ دل نرم ہو جاتا ہے اور ہماری طرف جھک جاتا ہے اور جب تکلیف دُور ہو جاتی ہے تو اپنی اسی قدیم شقاوت اور غفلت کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جس تکلیف اور مصیبت کے وقت ہم کو پکارتا ہے وہ بھی بھول جاتا ہے۔ اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے ہیں، حد سے گزرنے والوں کے لیے ان کے اعمال جو لوگ حد سے نکل گئے ان کو اپنے بُرے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مقصودِ آیت یہ ہے کہ کافر انسان نزول بلا کے وقت بے صبرا ہے اور حصول نعمت کے وقت ناشکرا ہے۔ تکلیف کے وقت اُسے خدا یاد آتا ہے اور راحت کے وقت خدا کو بھول جاتا ہے اور یہ اس کی بے ایمانی کی دلیل ہے اور مومن کامل وہ ہے جو کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ بلا اور مصیبت میں صابر رہے اور راحت و نعمت میں شاکر رہے۔ ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندے تو مجھے اپنی راحت میں یاد رکھ میں تجھے تیری مصیبت میں یاد رکھوں گا۔

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور ہم کھپا چکے ہیں وہ سنگتیں تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے اور لائے تھے اُن پاس رسول ان کے

بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾

کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانیوالے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگار کو۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں اُن کے بعد کہ دیکھیں تم کیا

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کرتے ہو۔

ذکر ہلاک مجرمین سابقین برائے عبرت مجرمین حاضرین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ... الیٰ ... لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار و مشرکین کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا اب ان آیات میں کفارِ سابقین کا نافرمانی کے جرم میں ہلاک ہونا ذکر کرتے ہیں تا کہ حاضرین اور موجودین اور آں حضرت ﷺ کے معاصرین ان سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم ﷺ کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جو لوگ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد ان کی تکذیب پر کمر بستہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانی عذاب سے ہلاک کر ڈالا مگر ایک زمانہ کے بعد ہلاک کیا فوراً نہیں ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے پکڑنے پر جلدی نہیں کرتا اس لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی اُمتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اور شرک کیا اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کی آیات بینات اور حجج واضحات کا انکار کیا اور ہم نے محض ان کے ظلم پر نہیں پکڑا بلکہ بعد اس کے کہ ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اور غایت عناد کی وجہ سے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے جس طرح ہم نے ان کو ہلاک کیا۔ اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کے ہلاک اور برباد کرنے کے بعد زمین میں تم کو ان کا جانشین کیا اور ان کے بجائے تم کو آباد کیا تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ ایمان لاتے ہو یا تکذیب کرتے ہو۔ تمہارے اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں گے۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان پچھلوں سے عبرت پکڑے اور بلاء اور قہر کے نازل ہونے سے پہلے اپنی حالت کو درست کر لے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ
اور جب پڑھیے اُن کے پاس آیتیں ہماری صاف، کہتے ہیں جن کو اُمید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ
بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
کوئی اور قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدل لوں
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
اپنی طرف سے۔ میں تابع ہوں اسی کا جو حکم آوے میری طرف۔ میں ڈرتا ہوں اگر بے حکمی کروں
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ
اپنے رب کی، بڑے دن کی مار سے۔ تو کہہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا یہ تمہارے پاس اور

لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯

نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی۔ کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں بوجھتے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ

پھر کون ظالم اس سے ؟جو بناوے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلاوے اس کی آیتیں۔ بیشک

لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰

بھلا نہیں ہوتا گنہ گاروں کا۔

کفارِ عرب کی ایک ہرزہ سرائی کا جواب باصواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ... الٰى ... لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰﴾

ربط: اس آیت میں منکرین نبوت کے ایک تیسرے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ آپ ﷺ جب کافروں کو آیاتِ قرآنی پڑھ کر سناتے تو اس کا اعجاز ان کے دل پر اثر کرتا اور اس کی پند و نصیحت کو پسند کرتے۔ لیکن جب شرک اور ان کی بت پرستی اور ان کی جاہلانہ رسموں کی مذمت کا ذکر آتا تو ناک منہ چڑھا کر رسولِ خدا ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کو قرآن سے نکال دیجیے اور اس کے بدلے میں دوسرے مضامین بنا دیجیے جن میں بت پرستی کی مذمت اور شرک کی برائیاں نہ ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے تعنت اور عناد کی خبر دی اور ان کی اس ہرزہ سرائی اور بیہودہ بات کو ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے میرا کلام نہیں۔ نبی ﷺ کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے کلام اور اس کی وحی میں کوئی تغیر اور تبدّل یا کوئی ترمیم کر سکے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ممکن ہے ان کی یہ فرمائش بطور تمسخر اور استہزاء ہو اور ممکن ہے کہ بطریق تجربہ اور امتحان ہو کہ اگر آپ ﷺ اسی کلام میں کوئی تبدیلی کر دیں تو ہم جان لیں کہ آپ ﷺ اس دعوے میں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جھوٹے ہیں بلکہ یہ کلام آپ ﷺ کا ہے آپ لوگوں کی فرمائش سے اس میں تغیر و تبدل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ جواب میں یہ کہہ دیں کہ یہ کلام میرا ساختہ و پرداختہ نہیں کہ میں اس میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل یا ترمیم کر سکوں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ (انتہیٰ کلامہٗ)

نیز تم کو میری عادت مستمرہ صدق و امانت معلوم ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی امانت میں خیانت کی۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی امانت میں کیسے تصرف کر سکتا ہوں۔ امانت میں تغیر و تبدل ظلم ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور جب ان مشرکوں پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ صاف اور واضح آیتوں سے مراد یہ ہے کہ ان کی حقانیت اور ان کا صدق اور ان کا اعجاز صاف ظاہر ہے تو جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے یا نہیں ڈرتے تو آیاتِ توحید اور آیاتِ وعید کو سن کر ہمارے رسول سے یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا یعنی ایسی کتاب لا جس میں حشر و نشر اور ثواب و عذاب کا ذکر اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ ہو۔ اس قرآن

کے مضامین کو بدل دے یعنی عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت لکھ دو۔ مطلب یہ تھا کہ اس قرآن سے وعدہ اور وعید اور حلال وحرام اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور حشر ونشر کے مضامین نکال دو غرض یہ کہ اس قرآن کو ہماری خواہش کے موافق بنا دو۔ خدا تعالیٰ نے ان کے اس سوال کے جواب میں اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان ضدی اور کج فہم لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میرے لیے یہ روا نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیر وتبدل کر ڈالوں یہ اللہ کی وحی ہے۔ میں اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی منجانب اللہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے بلا کمی اور زیادتی اور بلا ترمیم وتنسیخ، میں وحی کا اتباع کرتا ہوں اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ میں وحی کا اتباع نہ کروں اور قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کر کے خدا کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے خوفناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ نیز اے نبیؐ! آپ ﷺ ان مشرکوں سے جو آپ سے قرآن کی تبدیلی کی درخواست کرتے ہیں یہ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ خدا تعالیٰ تم کو میرے ذریعے اس کے مضامین سے آگاہ اور خبردار کرتا یعنی خدا چاہتا تو اس قرآن کو نازل نہ کرتا اور نہ مجھے تم پر پڑھنے کا حکم دیتا اور نہ تم کو میرے واسطے سے ان مضامین سے اطلاع دیتا یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ میں اس کے حکم کا تابع ہوں پس تمہارا مجھے اس کے بدلنے کی درخواست کرنا فضول ہے۔

پس تحقیق اس سے پہلے میں تم میں ایک بڑی عمر تک رہ چکا ہوں یعنی نبوت سے پہلے چالیس برس کی عمر تمہارے ہی ساتھ گزری تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو کہ میں نے کسی سے نہ پڑھا لکھا اور نہ کمال حاصل کیا اور نہ کسی استاد کے پاس جا کر بیٹھا اور میرا چال چلن بھی تمہیں خوب معلوم ہے اور اس عرصۂ دراز میں تم نے میرا تجربہ کر لیا۔ کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کسی کی امانت میں خیانت کی پھر دفعتاً جو قرآن تمہارے سامنے پیش کیا جو عجیب وغریب علوم اور معارف اور اخبار ماضیہ اور آداب اور حکم اور مکارِم اخلاق اور محاسن اعمال پر مشتمل ہے اور ایسا فصیح وبلیغ ہے کہ جس کی فصاحت وبلاغت نے جملہ فصحاء اور بلغاء کو عاجز کر دیا اور باوجود بار بار تحدی کے کوئی شخص اس کے مقابلہ میں ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکا۔ پس تم سمجھتے نہیں یعنی میرا اُمّی (ناخواندہ) ہونا اور ایک بڑی عمر تک تمہارے درمیان رہنا اور اس عرصۂ دراز میں کبھی وحی اور الہام کا نام بھی نہ لینا پھر یکبارگی ایک معجز کتاب کو تمہارے پاس لانا جس کے معارضہ سے تم عاجز ہو اور ایک آیت بھی اس کے مثل بنا کر نہیں لا سکتے حالانکہ تم فصاحت وبلاغت میں شہرۂ آفاق ہو۔ اور میں اُمی ہوں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں دعویٰ نبوت اور رسالت اور دعویٰ وحی میں صادق اور امین ہوں اور یہ قرآن میرا کلام نہیں۔ اللہ کا کلام ہے کیا تم ایسی موٹی بات کو نہیں سمجھتے۔ میرے ذاتی کلام اور قرآن میں فرق عیاں اور نمایاں ہے۔ قرآن معجز ہے اور میرا کلام معجز نہیں پس جب تم نے چالیس برس تک میرا تجربہ کر لیا کہ میں نے کسی دنیوی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا۔ تو چالیس برس کے بعد یک لخت خدا پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہوں۔ پس بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں کرتا البتہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور جو لوگ خدا کے لیے بیٹی اور بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ سب خدا پر بہتان باندھتے ہیں اور خدا پر جھوٹ باندھنے والے سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اسی طرح جو شخص خدا کی آیتوں کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے بلکہ عذاب ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

فائدہ: اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ظالموں میں مدعیانِ نبوت بھی داخل ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور سجاح وغیرہ وغیرہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں ان کو اور آنحضرت ﷺ کو دیکھا ان پر روز روشن کی طرح دونوں کے خصائل وافعال میں فرق واضح ہو گیا۔

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے ان کا اور نہ بھلا، اور کہتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ ۱۱

یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس تو کہہ تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں

وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَا كَانَ النَّاسُ

اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور بہت دور ہے اس سے جو شریک کرتے ہیں اور لوگ جو ہیں

اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

سو ایک ہی اُمت ہیں پیچھے جدا جدا ہوئے۔ اور اگر نہ ایک بات آگے ہو چکتی تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا

بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

ان میں جس بات میں پھوٹ رہے ہیں۔

ابطال شرک اور مشرکین کے ایک شُبہ کا ازالہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ... الٰى ... فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾﴾

ربط: ان آیات میں بھی مشرکین کی جہالت اور گمراہی کا بیان ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے اصل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اگر اس چیز کا کوئی وجود ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہو نیز اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ ایسی چیز کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ان کی عبادت کریں تو وہ ان کو کوئی نفع نہ پہنچائیں۔ اور اگر ان کی عبادت چھوڑ دیں تو وہ ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں اور اخیر آیت میں یہ بتلایا کہ بت پرستی ابتداء میں نہ تھی بلکہ بعد میں حادث ہوئی جس پر کوئی دلیل نہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ یہ مشرک اللہ کے سوا ایسی حقیر چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ ضرر دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یعنی اگر یہ اس کی پرستش چھوڑ دیں تو ان کو کوئی ضرر نہیں اور اگر تمام اوقات اس کی عبادت میں صرف کریں تو کوئی نفع نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ بت جن کا عاجز یا لاچار ہونا ان کے سامنے ہے اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کا خیال خام ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اے نبی! آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو علم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ یعنی گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو کہ اس کا شریک موجود ہے اگر کوئی اللہ کا شریک ہوتا تو اللہ کو اس کا ضرور علم ہوتا۔ مقصود یہ

ہے کہ تم جھوٹے ہو وہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے اور شروع میں آدم علیہ السلام کے وقت سب لوگ ایک ہی امت تھے۔ اور سب توحید اور دین اسلام پر تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام موحد تھے اور ان کی تمام اولاد ان کے طریقہ پر موحد تھی پھر ایک زمانہ کے بعد لوگ مختلف ہو گئے بعض توحید پر قائم رہے اور بعض اپنی کج راہی کی بنا پر توحید سے منحرف ہوئے اور شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ توحید اور دین اسلام قدیم ہے ہمیشہ سے چلا آتا ہے ابتداء میں تمام لوگ دین حق پر تھے۔ ایک عرصہ کے بعد لوگوں نے دین حق میں اختلاف کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے نبیوں کو بھیجا۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ (البقرہ: ۲۱۳) انبیاء علیہم السلام نے دین حق اور توحید کی دعوت دی اور شرک سے ڈرایا۔ غرض یہ کہ کسی ملت میں شرک کو جائز نہیں کہا گیا۔ انبیاء علیہم السلام شرک سے منع کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ حکم ازلی جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے دارِ جزاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتے۔ ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکہف: ۲۹) اور ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ ہر اُمت کے لیے ایک میعاد مقرر ہے تو جس چیز کے درمیان یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں تو اس کا قطعی فیصلہ بھی اسی دنیا میں ہو چکا ہوتا یعنی دنیا میں ہی مشرکین اور مکذبین کو ہلاک کر دیتے اور اہل حق کو بچا لیتے۔ اور عذاب کے ذریعے حق اور باطل میں امتیاز ہو جاتا مگر اس نے اپنی حکمت سے فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے اس لیے کافروں پر دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جس کو اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہم سے اور ہمارے دین سے راضی اور خوش ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے سو تو کہہ کہ چھپی بات اللہ ہی جانے،

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ ع وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ ع ۲ ۱۰ ۷

سو راہ دیکھو، میں تمہارے ساتھ ہوں راہ دیکھتا۔ اور جب چکھاویں ہم لوگوں کو مزہ

رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ

اپنی مہر کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو لگی تھی، اسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں تو کہہ ہیں حیلے بنانے تمہارے۔

اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلہ ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے ہیں۔

رسالتِ محمدیہ ﷺ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ... الیٰ ... يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾

ربط: اس آیت میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نہ دکھائیں گے۔ اس وقت تک ہم آپ ﷺ کی نبوت کو نہ مانیں گے حالانکہ قرآن خود ایک معجزہ تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے تو اب اس کے بعد یہ کہنا کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھلاؤ گے تو ایمان لائیں گے۔ یہ خود اس کے معاند اور ضدی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا حاصل جواب یہ ہے کہ میری نبوت کے دلائل اور براہین کا تم بار بار مشاہدہ کر چکے ہو اور میری صداقت کا نشان دیکھ چکے ہو۔ تمہاری فرمائش کے مطابق نشان دکھانا ضروری نہیں اور نہ مفید ہے اور نہ مصلحت ہے یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ مجرموں کو مہلت دینا ضروری ہے تم جیسے معاندین کا جواب صرف اتنا ہے کہ نتیجہ کا انتظار کرو کہ تمہاری اس تکذیب کا کیا نتیجہ تمہارے سامنے آتا ہے۔ (یہ فرمانا کہ نتیجہ کا انتظار کرو یہ بھی ایک دلیل تھی) باقی معجزہ کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

وہی جانے کہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات ہے مجھے اس کا علم نہیں اور کفارِ مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی۔ سو آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارا یہ سوال معاندانہ ہے تم میری صداقت کے بہت سے نشان دیکھ چکے ہو۔ باقی ایسا نشان جسے دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اس عالم شہادت میں نہیں دکھلایا جا سکتا۔ یہ امر مصلحت کے خلاف ہے باقی رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہوگا۔ سو کہہ دیجیے کہ غیب کی خبر صرف اللہ ہی کو ہے بس تم انتظار کرو تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ دے گا۔ میری صداقت اور میرے دین کی حقانیت تم پر ظاہر ہو جائے گی۔

شاہ عبدالقادر رضی اللہ عنہ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں کہ ہم کہاں سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے۔ فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے۔ اور برباد ہو جائیں گے۔ سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے گا حالانکہ اصل فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں ہے انتہی۔ آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکوں کی عادت یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو مجبور ہو کر حق کی طرف جھکتے ہیں اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی سابقہ شرارت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے اور جب ہم ان لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس مصیبت اور تکلیف کے جو ان کو پہنچی ہے تو فوراً ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کفارِ مکہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط مسلط کیا جس میں وہ سات برس متواتر مبتلا رہے یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرنے لگے اور انہوں نے مرداروں کی ہڈیاں پیس کر کھائیں تو گھبرا کر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا سے ان کا قحط دور کر دیا۔ بلا کا دَور ہونا تھا کہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ بجائے اس کے کہ آپ ﷺ کی دعا سے سات سالہ قحط کے دور ہونے کو خدا کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ اور آپ ﷺ کی نبوت و صداقت کا نشان جان کر ایمان لاتے۔ اپنی سابقہ سرکشی اور عناد کی طرف رجوع کر کے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے لگے بلکہ اس انعام الٰہی کی نسبت کو اکب اور نجوم کی طرف کرنے لگے کہ یہ بارش فلاں ستارہ اور فلاں برج کی تاثیر سے ہوئی ہے۔ اے نبی ﷺ آپ ان مکاروں سے کہہ

دیجیے کہ اللہ حیلہ اور تدبیر میں تم سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ تمہارے حیلہ اور بہانے کی خدا کی تدبیر کے سامنے کیا حقیقت ہے اور تحقیق ہمارے فرشتے یعنی کراماً کاتبین تمہارے مکر اور حیلے لکھتے رہتے ہیں تا کہ قیامت کے دن تم کو اس کی پوری سزا ملے جب تمہاری تدبیر ہمارے فرشتوں پر پوشیدہ نہیں تو ہم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا استدراج اور امہال مراد ہے کہ مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑتا ہے یہاں تک کہ مجرم نشۂ غفلت میں چور ہو کر یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے۔ پس جب کفر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو غفلت اور بے خبری میں اس کو پکڑ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مکر سے مہلت دینا اور غفلت اور بے خبری کی حالت میں یکا یک پکڑ لینا مراد ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ خدا کے حلم اور بردباری سے مغرور نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کب پکڑ لے۔ اب آگے دریائی سفر کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں، یہاں تک کہ جب تم ہوئے کشتی میں

وَجَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ

اور لے کر چلیاں لوگوں کو اچھی باؤ سے اور خوش ہوئے اس سے آئی اُن پر باؤ جھوکے کی

وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا

اور آئی اُن پر لہر ہر جگہ سے اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) کہ وہ گھرے، پکارنے لگے

اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اللہ کو نرے ہو کر اس کی بندگی میں اگر تو بچاوے ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں

الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

شکر گزار پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے اسی وقت شرارت کرنے لگے زمین میں ناحق کی!

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫

سنو لوگو! تمہاری شرارت ہے تمہیں پر برت لو دنیا کے جیتے

ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ہمارے پاس ہے تم کو پھرنا پھر ہم جتا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے۔

بیان توحید مقرون بہ وعید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ ... الیٰ ... فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾

ربط: اُوپر توحید کا بیان تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون بیان ہوتا ہے جو زجر اور وعید کو بھی متضمن ہے اور اثبات صانع کی دلیل بھی ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت ﴿وَ اِذَاۤ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْۤ اٰیَاتِنَا ؕ﴾ کی تفسیر اور تشریح ہے جس میں ضراء کے بعد رحمت پہنچنے کی اور پھر رحمت اور نعمت ملنے کے بعد ان کے مکر فی الآیات کی مثال بیان کی گئی ہے کیونکہ مثال سے شے کی حقیقت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

حکایت : امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لیے اثبات صانع کی کوئی دلیل ذکر کیجیے تو فرمایا کہ بتلا تو کیا پیشہ کرتا ہے اس نے کہا میں بحری تجارت کرتا ہوں۔ کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آ رہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا بھی پیش آیا ہے تو امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ گریہ وزاری کی اور دعا مانگی تو امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۶ ج ۴)

غرض یہ کہ گزشتہ آیات کی طرح آئندہ آیات میں بھی توحید کا مضمون مع الزام اور مع زجر و وعید کے بیان ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: وہ اللہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری یعنی جنگل اور دریا میں پیدل اور سواریوں پر پھراتا ہے یعنی تم پیدل اور سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں میں پھرتے ہو تا کہ اپنی معاش پیدا کرو تم کو چاہیے کہ اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کرو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اپنی سواریوں کو یعنی تم کو لے کر موافق ہوا کے ساتھ روانہ ہوتی ہیں اور وہ کشتیوں کے سوار اس ہوا سے خوش ہوتے ہیں اور اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا مقصد حاصل ہو گیا۔ ناگہاں اس حالت میں دفعتاً ان پر ایک تند و تیز ہوا آتی ہے اور ہر طرف سے موج ان پر چڑھ آتی ہے اور دریا کے تلاطم سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم بلاؤں میں گھر گئے۔ یعنی اب کسی دم میں کشتی ڈوبی اور وہ ہلاک ہوئے تو اس وقت اللہ کو اپنے اوپر سے بلا دفع کرنے کو پکارنے لگتے ہیں درآنحالیکہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس میں کوئی آمیزش شرک کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت سے نعمت میں رہے تو مست رہے اور جب خدا کی رحمت مُبدل بہ زحمت ہو گئی تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ مصیبت سے بچانے والا صرف اللہ ہے اس لیے ایسے وقت میں صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور بتوں کو بھول جاتے ہیں اور اس وقت یہ کہتے ہیں: اے اللہ! اگر تو نے ہم کو اس ڈوبنے کی مصیبت سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تیری توحید پر قائم رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور غرق کی مصیبت سے ان کو نجات دی تو فوراً ہی زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں اور حسب سابق کفر و شرک کرنے لگے۔ اور جو وعدہ انہوں نے مصیبت کے وقت اللہ سے کیا تھا اسے بھلا دیا حق تو یہ تھا کہ جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی تو فعل شاکرین کا کرتے مگر بجائے اس کے فعل مشرکین کرنے لگے۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے تمہاری یہ سرکشی دنیاوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے

آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی۔ پھر اس چند روزہ زندگی کے بعد تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے سو اس وقت ہم تم کو تمہارے اعمال سے خبردار کریں گے۔ اور ان کے مناسب تم کو جزا دیں گے۔ اس تمام بحری سفر کی مثال کا خلاصۂ مطلب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اُٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا۔ پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آجاتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا سبب کھڑا کر دے اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے۔ انتہی کلامہٗ

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

دنیا کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اُتارا آسمان سے پھر ایک مل نکلا اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ

سبزہ زمین کا جو کھاویں آدمی اور جانور یہاں تک کہ جب پکڑی

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ

زمین نے چمک اور سنگار پر آئی اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی

اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ

پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

تھی بستی اسی طرح ہم کھولتے ہیں پتے ان لوگوں پاس جن کو دھیان ہے اور اللہ بلاتا

اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

ہے سلامتی کے گھر کو اور دکھاتا ہے جس کو چاہے راہ سیدھی

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ

جنہوں نے کی بھلائی اُن کو ہے بھلائی اور بڑھتی اور نہ چڑھے گی ان کے مُنہ پر سیاہی

وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ

اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اس میں رہا کریں گے اور جنہوں نے

كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ

کمائیں برائیاں بدلہ برائی کا اس کے برابر اور ان پر چڑھے گی رسوائی۔ کوئی نہیں ان کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ

اللہ سے بچانے والا جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے منہ پر ایک اندھیرا ٹکڑا رات

مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

کا وہ ہیں آگ والے وہ اس میں رہا کریں گے۔

دُنیا کا فنا اور زوال اور اُس کی ناپائیداری کی مثال اور ذکر جزائے اعمال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... الٰی ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۴﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں لوگوں کی سرکشی کا بیان تھا جس کا سبب دنیا کی ظاہری زیبائش وعیش وعشرت تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ دنیاوی زندگانی کے نشہ میں سرشار ہیں۔ اب اس آیت میں دنیا کی ناپائیدار زندگی کی ایک لطیف مثال بیان کرتے ہیں جس میں غور کرنے سے دنیا کی بے ثباتی اور عمر کی ناپائیداری دل پر نقش ہو جاتی ہے اور بغی اور فساد فی الارض کا جو منشاء اور اصل سبب تھا۔ (یعنی دنیاوی عیش وعشرت) اس کی حقیقت واضح ہو جانے سے مزاج اعتدال پر آجائے گا۔

دنیا کی چند روزہ زندگی کو پانی اور مٹی سے تشبیہ دی یعنی جس طرح پانی زمین پر برستا ہے اور اس سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہو گئی ہے اور اب ہم اس سے کھائیں گے کہ ناگہاں اس پر کوئی آسمانی آفت آجاتی ہے کہیں اولے پڑ جاتے ہیں کہیں آگ لگ جاتی ہے اور وہ کھیتی نیست ونابود ہو جاتی ہے اور کسان کی امیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں۔ اور سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اسی طرح انسان کا حال ہے کہ نطفہ مثل پانی کے ہے اور رحم مثل زمین کے ہے۔ نطفہ کے رحم میں جانے سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑھتا ہے اور طرح طرح کی آرزوئیں اور خواہشیں اپنے دل میں رکھتا ہے کہ ناگہاں موت کا پیغام آجاتا ہے اور سب حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی ناپائیدار چیز کے لیے تم جاودانی عیش کو کیوں چھوڑ دیتے ہو اور نبی ﷺ کا اتباع کیوں نہیں کرتے کہ تم کو عیش جاودانی ملے اور حسرتوں سے محفوظ ہو جاؤ۔

اور اس مثال میں ان لوگوں کا جواب بھی ہے جو حشر ونشر کے منکر ہیں اور دنیا کے زوال کی مثال بیان کرنے کے بعد جنت کی رغبت دلائی اور دار السلام کی دعوت دی جو کہ تمام بلاؤں اور آفتوں اور کدورتوں سے سالم ہے اور بتلایا کہ یہ گھر سعداء کا ٹھکانہ ہے۔ اور اس کے بعد اشقیاء کا حال اور ان کا انجام اور ان کا ٹھکانہ بیان کیا اور بتلا دیا کہ دار آخرت دار دنیا سے کہیں بہتر ہے، لہٰذا اس کی فکر کرو۔ فانی اور مکدر کے عاشق نہ بنو ان آیات میں مجرمین کے چار حال بیان کیے۔

① جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ ② وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ③ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ ④ اَنَّمَآ اُغْشِيَتْ
وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ

تا کہ اس حال و مآل کو معلوم کر کے دنیا کے دیوانے ہوش میں آجائیں اور اس ذلت سے بچنے کی فکر کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: جزایں نیست کہ دنیاوی زندگی کی مثال فناء وزوال اور چندہ روزہ فائدہ اور ناپائیداری میں ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے مختلف قسم کا گنجان سبزہ اُگا جس میں سے بعض کو چوپائے کھاتے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی پیداوار خوب ہوئی اور خوب خوش نما تیار ہوئی۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنے بناؤ سنگار کو حاصل کر لیا۔ اور خوب آراستہ اور پر رونق ہوگئی اور دیکھنے والوں کو خوش نما معلوم ہونے لگی۔ اور اس کے مالکوں نے جان لیا کہ ہم اس کھیتی کے کاٹنے اور سمیٹنے پر پوری طرح قادر ہیں تو اس وقت یکا یک اس زراعت کی ہلاکت اور بربادی کے متعلق رات میں یا دن میں ہمارا حکم آپہنچا یعنی اولا اور پالا اور آندھی وغیرہ وغیرہ آپہنچی۔ پس ہم نے اس زراعت کو بیخ و بن سے کٹا ہوا ڈھیر کر ڈالا۔ گویا کہ کل تھی ہی نہیں۔ یعنی اس کھیتی کو ایسا نیست و نابود کر دیا کہ گویا کہ اس زمین میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اسی طرح سمجھو کہ دنیا کی زندگی بھی اسی طرح یکا یک جاتی رہے گی اور تم دیکھتے اور ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں تا کہ سمجھیں کہ اس دار فانی کے چند روزہ آرائش و زیبائش پر غرہ کرنا تو ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ کوئی کاشتکار اور باغبان کھیتی کی سرسبزی کو دیکھ کر غرہ کرنے لگے کہ اب ہم اس پر پورے قادر اور قابو یافتہ ہو چکے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ دار فانی محل آفات ہے کاشتکار اور باغبان اسی غرہ میں تھا کہ یکا یک بجلی گری اور سرد ہوا چلی یا آندھی آئی رات میں یا دن میں اور دم کے دم میں ساری ہری بھری اور تر و تازہ کھیتی ایسی برباد ہوگئی کہ گویا اس سے پہلے کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا پس خوب سمجھ لو کہ یہ دار فانی محل آفات ہے اس پر بھروسہ کرنا محض حماقت ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ فرماتے ہیں یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی اور اس جسم خاکی میں مل کر اس نے قوت پکڑی دونوں کے ملنے سے آدمی بنا پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا ناگہاں موت آپہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا کہ گویا زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔ انتہیٰ کلامہ وَللہ درّہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

اب اس دار فناء وزوال کی مثال بیان کرنے کے بعد دار بقاء کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو! تم نے اس دار فانی کے محل آفات ہونے کو سمجھ لیا اور دیکھ لیا۔ اور اللہ تم کو اس دار آفات سے ہٹا کر سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے جو ہر قسم کی آفات اور رنج و غم اور فناء وزوال سے سالم ہے اور دائم اور باقی ہے۔ اور جس میں داخل ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہے تم کو چاہیے کہ اس دعوت کو قبول کرو اور اللہ ہی راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف جو اس کو سیدھا دار السلام میں پہنچا دے۔ صراط مستقیم سے راہ سلام مراد ہے اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ اور راستہ مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۹ ج ۸)

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فائدہ: جاننا چاہیے کہ اللہ کی دعوت تو عام ہے مگر اس کی ہدایت یعنی اس کی توفیق اور عنایت خاص ہے جس کو چاہے مسند قبول پر بٹھائے۔

جن لوگوں نے نیکی کی یعنی ایمان لائے اور حضور پُرنور ﷺ کا اتباع کیا ان کے لیے آخرت کی بھلائی اور نیکی ہے یعنی بہشت اور مزید برآں خدا کا دیدار بھی ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ﴿حُسْنٰی﴾ سے جنت مراد ہے اور ﴿زِیَادَۃٌ﴾ سے مراد دیدارِ خداوندی اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی کا بھی پروانہ ملے گا۔ جنت اعمالِ حسنہ کی جزا میں ملے گی اور دیدارِ خداوندی محض فضل وکرم ہوگا اس لیے دیدار خداوندی کو ﴿زِیَادَۃٌ﴾ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ علاوہ جزاوعمل کے مزید انعام ہے معتزلہ جو دیدار خداوندی کے منکر ہیں۔ وہ زیارت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا اس کی رضا سے کرتے ہیں مگر یہ تفسیر تمام روایات صحیحہ کے خلاف ہے بے شمار اخبار اور آثار سے یہ امر ثابت ہے کہ آیت میں زیادتی سے مراد دیدارِ خداوندی ہے اور قیامت کے دن ان محسنین کے چہرے سپید اور روشن ہوں گے ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں یعنی کفر وشرک کیا ان کی برائی کی جزاء مثل ان کی برائی کے ہے اس پر زیادتی نہ ہوگی۔ بخلاف نیکی کے کہ اس کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ سزا میں اضافہ عدل وانصاف کے خلاف ہے اور انعام میں اضافہ جود وکرم ہے۔ اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں کی ذلت اور کدورت کی حالت یہ ہوگی کہ گویا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں یعنی ان کے چہرے رات کی طرح کالے سیاہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے کبھی ان کو عذاب سے رہائی نہ ہوگی۔

وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شریک والوں کو کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم

وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِیَّانَا

اور تمہارے شریک پھر توڑا دیں گے آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہم کو

تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ

بندگی نہ کرتے تھے سو اللہ بس ہے شاہد ہمارے تمہارے بیچ میں ہم

عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّاۤ اَسْلَفَتْ وَ

تمہاری بندگی کی خبر نہیں رکھتے وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو آگے بھیجا اور

ع ۳ ۱۰ ۸ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

رجوع ہوں گے اللہ کی طرف جو سچا صاحب ہے ان کا اور گم ہو جاوے گا ان کے پاس سے جو جھوٹ باندھتے تھے۔

میدان حشر میں کافروں کی ذلت اور رسوائی کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ... الٰی ... وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے درجات اُخروی اور نعیم ابدی اور کافروں کی ذلت اور رسوائی کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں بھی کافروں کی ایک اور ذلت اور رسوائی کا بیان ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن عابد اور معبود دونوں ہی کا حشر ہوگا اور بعد ازاں وہ معبود جن کی یہ مشرکین دنیا میں پرستش کرتے تھے اور جن کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن یہ معبودین اپنے عابدین سے بَری اور بیزار ہو جائیں گے کہ تم لوگ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے ہمیں تو تمہاری پرستش کی خبر بھی نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا﴾ (البقرہ:۱۶۶)

وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ﴾ (سباء)

جن کی شفاعت پر اُمید لگائے بیٹھے تھے ایسے نازک وقت میں ان کی براءت اور بیزاری موجب حسرت بھی ہوگی اور موجب ذلت بھی ہوگی۔ سو اس آیت میں ان کی اس حسرت اور اس ذلت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ڈرو اس دن سے جب ہم سب کو یعنی سب عابدوں اور سب معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ پھر منجملہ خلائق کے مشرکین سے یہ کہیں گے کہ تم اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک یعنی معبود اپنی جگہ قائم رہو۔ یعنی تم اور تمہارے شریک جن کو تم نے ہماری جگہ پوجا ہے یعنی بت اپنی جگہ ٹھہرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں پھر ہم ان عابدوں اور معبودوں میں تفرقہ ڈالیں گے یعنی ان کے درمیان جدائی ڈالیں گے اور باہمی رشتہ اتحاد و الفت قطع کر دیں گے جو ان کے درمیان دنیا میں تھا اور کافروں سے پوچھیں گے تم نے ان کی پرستش کیوں کی کافر کہیں گے کہ ان بتوں نے ہم کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا حق تعالےٰ ان بتوں کو گویائی عطا کرے گا اور ان سے ان کی عبادت کے متعلق سوال کرے گا۔ اور وہ شرکاء یعنی وہ بت جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ تم دنیا میں ہم کو نہیں پوجتے تھے، بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔ ﴿اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیہ:۲۳) ہم کو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی عابدوں اور معبودوں میں جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ کافر کہیں گے ایسا نہیں بلکہ تم نے ہمیں اپنی پرستش کا حکم دیا تھا پس بت اس وقت جواب میں کہیں گے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کافی گواہ ہے۔ یقیناً ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ اگر شرکاء سے بت مراد ہوں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کر دے گا اور اگر شرکاء سے صالحین مراد ہوں جن کی صورت پر انہوں نے بت بنا رکھے تھے تو وہ صالحین قیامت کے دن ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور ان سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے اس مقام پر ہر شخص آزما لے گا اپنے گزشتہ کارنامہ کو یعنی اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا عمل از قسم خیر تھا یا از قسم شر اس کا نفع اور ضرر اس کے سامنے آجائے گا۔ پھر یہ لوگ مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور وہ ان کو ان کے عمل کے موافق جزا دے گا اور ان کا سارا افتراء گم ہو جائے گا۔ یعنی اس وقت یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بت پرستوں کا یہ دعویٰ سراسر افتراء اور بہتان تھا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ

تو پوچھ کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کان اور

الْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے جیتا مُردے سے؟ اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے؟

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ

اور کون تدبیر کرتا ہے کام کی سو کہیں گے اللہ! تو تُو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں۔ سو یہ

اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہا سچ پیچھے مگر بھٹکنا ؟ سو کہاں سے پھرے جاتے ہو؟

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾

اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان بے حکموں پر کہ یقین نہ لاویں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ

پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پہلے بناوے پھر اس کو دہراوے تو کہہ اللہ

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ

پہلے بناتا ہے پھر اس کو دہراتا ہے سو کہاں سے الٹ جاتے ہو پوچھ کوئی ہے تمہارے

شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

شریکوں میں جو راہ بتاوے صحیح ، تو کہہ اللہ راہ بتاتا ہے صحیح

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ

اب جو کوئی راہ بتاوے صحیح اس کو چاہیے ماننا یا جو آپ نہ پاوے راہ مگر جب

يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا

کوئی بتاوے سو کیا ہوا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو؟ اور وہ اکثر چلتے ہیں

ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا

اٹکل پر۔ اٹکل کام نہیں کرتی صحیح بات میں کچھ اللہ کو معلوم ہے جو

يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کام کرتے ہیں

احقاق توحید وابطال شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیات میں بھی دلائل قاطعہ کے ساتھ اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں پھر یہی ابطال شرک کا مضمون اس طرح بیان ہوتا ہے کہ منکر کو سوائے اعتراف اور اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے بطلان شرک پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ قابل پرستش اور لائق عبادت وہ ذات ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں۔ اور کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ اوصاف بجز وحدہٗ لاشریک لہٗ کے کسی اور میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں دوسروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس مقام پر الوہیت کے چار خواص ذکر کیے جن کو بت پرست بھی اللہ کے لیے مخصوص مانتے ہیں۔

① ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی آسمان اور زمین سے مخلوق کو روزی دینا۔

② ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ یعنی حاسہ سمع وبصر کا مالک ہونا جس کو چاہا شنوا اور بینا بنایا اور جس کو چاہا بہرا اور نابینا بنایا۔

③ ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ یعنی مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس یعنی موت اور حیات کا اس کے اختیار میں ہونا۔

④ ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ یعنی تدبیر عالم علوی وسفلی۔ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے اور اس کے علاوہ اور بھی الوہیت کے خواص مختصہ کا بیان فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ قابل پرستش وہ ذات ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ وہ ① رزق کا ② اور موت اور حیات یعنی وجود اور عدم کا اور ③ تدبیر وتصرف کا۔ ④ اور مبدأ اور معاد اور ⑤ ہدایت اور ارشاد کا مالک ہو۔ ان دلائل کو بصورت استفہام وسوال پیش کیا اور جواب ان کے سپرد کیا تا کہ حجت اور الزام مکمل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دلیل اوّل: اے نبی ﷺ آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے یعنی آسمان سے کون مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون اناج اور درخت اُگاتا ہے جس پر تمہاری روزی کا دارومدار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ تمہارا رازق کون ہے؟

دلیل دوم: اور پوچھئے کہ وہ کون ہے کہ جو تمہاری شنوائی اور بینائی کا مالک ہے یعنی کون ہے جس نے تم کو سماعت اور بصارت عطا کی۔ بتلاؤ تو سہی کہ سُننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں کس نے دی ہیں اور کون ان کا محافظ ہے؟۔

دلیل سوم : اور وہ کون ہے کو جو زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے۔ اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ جس کی صدہا مثالیں ہیں انسان جاندار ہے اور نطفہ بے جان ہے اللہ نطفہ سے انسان نکالتا ہے اور انسان میں سے نطفہ۔ پرندہ جاندار ہے اور انڈہ بے جان۔ اللہ پرندہ میں سے انڈہ نکالتا ہے اور انڈے میں سے پرندہ۔ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اللہ مومن سے کافر کو نکالتا ہے اور کافر سے مومن کو نکالتا ہے۔

دلیل چہارم : اور بتلاؤ کہ کون ہے جو آسمان اور زمین کی تدبیر کرتا ہے اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے پس کافر ان سوالات مذکورہ کے جواب میں مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ ایسی صفتوں والا تو اللہ ہی ہے کیونکہ اس میں انکار اور مکابرہ کی گنجائش نہیں اور عالم کے اس نظام محکم کو دہر یا مادہ کی طرف منسوب کرنا محض حماقت ہے بس ان کا یہ اقرار دلیل ہے اس بات پر کہ بت پرستی کا طریقہ باطل ہے۔ پس اے نبیؐ! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ جب تم یہ اقرار کر چکے کہ ایسی صفتوں والا صرف اللہ ہے تو پھر تم خدا کے قہر و عذاب سے ڈرتے کیوں نہیں؟ پس خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں وہ مستحق عبادت ہے بت جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتے پس اس صریح اور واضح حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا رہا۔ پھر تم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں پھرے جا رہے ہو۔ یعنی جب کہ تم نے خدا کی ہستی اور اس کے مالک اور قادر اور نافع اور ضار ہونے کا اقرار کر لیا تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تم کو حق سے باطل کی طرف مائل اور منحرف کر رہی ہے۔ اسی طرح تیرے پروردگار کی قضا ایسے بدکاروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو دائرۂ اصلاح سے نکل گیا اور اس نے تمرد اختیار کر لیا وہ کہاں سے ایمان لائے گا۔ یعنی اللہ کو ان کے عناد کا پہلے ہی سے علم تھا اس نے ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کا نوشتہ ان کے حق میں پورا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے انکار کی کوئی وجہ تو ہے نہیں اس پر اگر کوئی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ ان کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

دلیل دیگر (۵) : اب پھر اس مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں جس میں مشرکین کی غایت تقبیح اور غایت تفضیح ہے۔ اے نبی! آپ ﷺ ان مشرکین سے پوچھیے کہ بھلا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے پھر وہی مرنے کے بعد اس کو پہلی صورت پر دوبارہ پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ ان شرکاء میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا۔ پس اگر وہ اپنی عار اور شرکاء کی توہین کی وجہ سے اس سوال کا جواب دینے میں تامل کریں تو آپ ﷺ یہ کہہ دیجیے کہ تم ان دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے کہاں راہ حق سے بہکے جا رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو تم شریک خدائی ٹھہراتے ہو نہ وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ وصف سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں پایا جاتا پھر کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ اس سوال کا جواب ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ ایسا بدیہی امر ہے کہ کسی کو اس میں انکار کی مجال نہیں اور چونکہ مشرکین معاد اور حشر کے منکر ہیں اس لیے وہ اس کا جواب نہیں دیں گے کہ کہیں اقرار کر کے پکڑ میں نہ آ جائیں۔ پس ثابت ہوا کہ معبود حقیقی وہ ہے جو مبدی اور معید ہو اور اس سوال سے مقصود ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دلیل جس طرح اثبات وحدانیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اثبات معاد کے لیے بھی کافی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بتوں کا عجز تم پر ظاہر ہو گیا تو پھر تعجب ہے کہ تم جان بوجھ کر خدائے قادر کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور عاجز بتوں کو پوجتے ہو۔

(۶) دلیل دیگر برابطالِ شرک

اے نبی ﷺ! آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھائے اور حق اور باطل کے فرق کو بتلا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں کیونکہ بت تو بینائی اور شنوائی اور گویائی سب سے کورے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ اللہ ہی لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ اب آپ ان سے یہ سوال کیجیے کیا وہ شخص جو دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے یا وہ شخص کہ جس کو بغیر کسی کی رہنمائی کے خود بھی راستہ دکھائی نہ دیتا ہو یعنی اللہ جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور دلائل اور براہین سے حق اور باطل کے فرق کو تم پر واضح کرتا ہے وہی اتباع اور اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ بت نہیں ہیں جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو کجا ان کا حال تو یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے بتلائے راہ نہیں پا سکتے۔ بتوں کو راہ دکھلانے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ان کو ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اور اگر بت بہت بھاری اور وزنی ہو تو چوپایہ پر باندھ کر اور لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بُت ایسے عاجز ہیں کہ جب بھی کوئی ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے تو خود نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم کو کیا ہو گیا کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہو۔ فیصلہ سے مراد ان کا یہ اعتقاد کہ بت اللہ کے شریک اور مستحق عبادت ہیں ان آیات ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ... الخ﴾ میں بھی اسی سابق مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک دلیل کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو تمہارے شرکاء کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے یعنی دینی اور دنیوی منافع کی کسی کو تعلیم نہیں دے سکتے اور نہ کسی کو مضرت سے بچنے کی تدبیر بتا سکتے ہیں بلکہ یہ وصف اللہ ہی کی ذات میں پایا جاتا ہے۔ پھر تم اسے چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ غرض یہ کہ اس تمام کلام سے مشرکین پر ردّ کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا ہے جس نے ان باتوں کا قرار کر لیا اس پر الزام ظاہر ہے اور جس نے از راہ عناد اقرار نہ کیا تو اس پر بالبداہت حجت قائم ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۳۳۵ جلد ۸)

خاتمۂ کلام

یہاں تک ابطال شرک پر ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جن کے جواب سے مشرکین بھی عاجز تھے۔ اب اخیر میں یہ بتلاتے ہیں کہ تم نے جو عقیدہ بنا رکھا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں محض تمہارا گمان اور خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اکثر ان میں سے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بے دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ تحقیق بے دلیل گمان اور خیال علم حق اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر کارآمد نہیں ان کا یہ گمان کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے انہیں عذاب حق سے نہیں بچا سکے گا۔ تحقیق اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے جھوٹے دعوے اور بے دلیل اپنے گمان کی پیروی اور ان کی بدکرداریاں خدا سے مخفی نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا اور لیکن سچا کرتا ہے

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ

اگلے کلام کو اور بیان کتاب کا جس میں شبہ نہیں جہان

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ قف اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا

کے صاحب سے کیا لوگ کہتے ہیں یہ بنا لایا تو کہہ تم لے آؤ ایک سورۃ ایسی اور پکارو

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا

جس کو پکار سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو کوئی نہیں! پر جھٹلانے لگے

بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت یوں ہی جھٹلاتے رہے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ

اُن سے اگلے سو دیکھ لے کیسا ہوا آخر گنہگاروں کا اور

مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ

کوئی ان میں یقین کرے گا اسکو اور کوئی یقین نہ کرے گا اور تیرے رب کو

اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع ۴ ۱۰ ۹

خوب معلوم ہیں شرارت والے ۔

بیان اعجاز قرآن برائے اثبات نبوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ... الٰى ... وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾﴾

ربط: ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے۔ اور مشرکین کے ایک شبہ اور تعجب کو رفع کرنا ہے جو اُن کو قرآن کے کلام خداوندی اور اس کے من جانب اللہ ہونے پر تھا۔ مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کا کلام سمجھتے تھے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا

کہ یہ قرآن آپ ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے وہ یہ کہتے تھے کہ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْبَدِّلْهُ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہ بتایا کہ یہ قرآن غیر خدا کی بنائی ہوئی کتاب نہیں یہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے بشر کا کلام نہیں اور یہ کتاب معجزہ ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ کسی بشر کی بنائی ہوئی ہے تو تم بھی اس کے مثل بنا سکتے ہو اس کی مثل بنا کر لاؤ اور دکھلاؤ آپ ﷺ نے اتنا بڑا قرآن بنالیا تم ایک سورت ہی بنالاؤ اور علاوہ اعجاز کے یہ کتاب، کتب سابقہ کی مصدق ہے۔ انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتی ہے اور حلال وحرام کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ جہاں عقل بشری کی رسائی نہیں۔

غرض یہ کہ: ① یہ قرآن گزشتہ کتابوں کی تصدیق ہے۔ ② اور علوم ہدایت کی تفصیل ③ اس کا رب العالمین کی طرف سے ہونا بدیہی ہے جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور تمہارا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب آپ کی بنائی ہوئی ہے کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ضد اور عناد پر مبنی ہے بعد ازاں حق تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ اس قرآن کے سننے کے بعد لوگ دو قسم کے ہوں گے بعض اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔

ربط دیگر کہ گزشتہ آیات میں یہ فرمایا ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ تم کہاں بہکے جارہے ہو؟ اب اس آیت میں بتلاتے ہیں کہ قرآن تمہاری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس کی طرف آؤ جو تمہیں حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور بتوں کو چھوڑو کہ جو تمہیں حق کی راہ تو درکنار کوئی راہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ بہرحال مقصود اثبات نبوت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس قرآن کی پیروی اور اس کا اتباع کسی ظن اور گمان کا اتباع نہیں کیونکہ یہ قرآن جس کا اعجاز روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی اور بنا سکے یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ ایسا کلام معرفت التیام بنا سکے۔ لیکن یہ قرآن تصدیق ہے ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے اُتری ہیں جس سے اس کا منزل من اللہ ہونا ظاہر ہے اور تفصیل ہے ان احکام الٰہیہ کی جو اللہ نے بندوں پر لکھے ہیں۔ یعنی جن کی تعلیم بندوں پر لازم کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب شریعت الٰہیہ کی تفصیل ہے۔ جس میں ذرّہ برابر شک نہیں رب العالمین کی طرف سے یہ نازل ہوئی ہے مگر باوجود اس کے کافر اس میں شک کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو بنالیا ہے۔ اے نبی آپ ﷺ اُن سے کہہ دیجیے کہ اگر بات یہ ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنالاؤ جو فصاحت اور بلاغت اور علوم ہدایت میں اس کے مثل ہو اور پکار و مدد کے لیے جس کو تم اللہ کے سوا بلا سکتے ہو۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے اگر تم سچے دل سے یہ عقیدہ رکھتے ہو اور ہٹ دھرمی نہیں کرتے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنالاؤ۔ لیکن کافر ایک سورت بلکہ ایک آیت بھی نہ لا سکے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جس چیز کو وہ سمجھتے نہیں اس کی تکذیب میں جلدی کر بیٹھے حالانکہ ابھی تک ان کے پاس اس کی حقیقت نہیں آئی یعنی ان کو چاہیے تھا کہ قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کے ظہور کا انتظار کرتے جب وہ خبریں اپنے وقت مقرر و معین پر واقع ہوتیں تو خود ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی مگر انہوں نے ان کے جھٹلانے میں جلدی کی اور اپنے انجام کا انتظار نہ کیا سو جب قرآن کے وعدے وعید پورے ہوں گے اس وقت انہیں اپنی تکذیب کی حقیقت معلوم ہوگی ان لوگوں نے قرآن کی عظمت وشان کو اور اس کی دلیل اور برہان کو سمجھا نہیں اور اس کے علم تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ قرآن کو سنتے ہی بجائے اس کے کہ اس کے معانی اور علوم کو سمجھیں اس کو جھٹلانے لگے۔

غرض یہ کہ انہوں نے قرآن کے علوم اور دلائل و براہین میں غور و فکر سے کام نہ لیا اور بے سوچے سمجھے جلدی سے اس کو جھٹلا دیا۔ اسی طرح بے سوچے سمجھے ان لوگوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ پس دیکھ لو ان ظالموں اور تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ پس تم کو چاہیے کہ ان کے انجام سے عبرت پکڑو اور جب زمانہ آئندہ میں قرآن کی تاویل اپنے وقت مقررہ پر آئے گی۔ اور اس کی خبر کا مصداق ہوگا تو اس وقت ان مکذبین میں سے بعض تو ایمان لے آئیں گے اور بعض پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے کفر پر مصر رہیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوگا۔ اور تیرا پروردگار ان مفسدین کے فتنہ و فساد اور شرارت اور عناد سے خوب واقف ہے ان کو ان کے فعل بد کی سزا دے گا۔

فائدہ: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ﴾ کے بارہ میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ مضارع بمعنی حال ہے یا بمعنی استقبال ہے ہم نے جو تفسیر کی وہ معنیٰ استقبال لے کر کی اور اگر مضارع بمعنی حال لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل مکہ میں سے فی الحال بعض تو ایسے ہیں کہ جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور دل سے جانتے ہیں کہ یہ قرآن حق ہے مگر عداوت کی وجہ سے تصدیق ظاہر نہیں کرتے اور بعض وہ ہیں کہ جو اس کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے اپنی جہالت سے اس میں غور نہیں کیا۔

اور تیرا پروردگار ان معاندین کو خوب جانتا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔

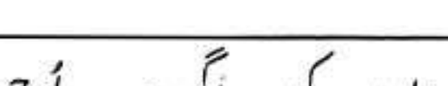

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ مجھ کو میرا کام کرنا ہے اور تم کو تمہارا کام۔ تم پر ذمہ نہیں

مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ

میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو۔ اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں

اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ

تیری طرف۔ کیا تو سنا دے گا بہروں کو اگرچہ بوجھ نہ رکھتے ہوں۔ اور بعضے ان میں

مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو راہ دکھاوے گا اندھوں کو؟ اگرچہ سوجھ نہ رکھتے ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ، اور لیکن لوگ اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

تسلیہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام و حکمِ اعراض از معاندین ومجادلین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ... الٰی ... نَفْسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝۴۴﴾

ربط: گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا جس کا مناظرانہ جواب دے دیا گیا۔ اب اس آیت میں ان کے عناد اور اصرار علی التکذیب کو ذکر کر کے معرضانہ جواب دیا جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کیونکہ جب طبیب مشفق کسی بیمار کو دیکھتا ہے کہ وہ قابل عِلاج نہیں رہا تو اس سے نا اُمید ہو جاتا ہے اور اس نا اُمیدی اور اعراض سے اس طبیب مشفق کو راحت ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اگر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں یعنی اپنی تکذیب پر اَڑے رہے اور آپؐ ان کے قبول سے نا اُمید ہو جائیں تو آخری بات آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجیے کہ میری قدرت میں جس قدر سمجھانا تھا وہ سمجھا چکا۔ اب بھی اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر تیری طرف کان لگاتے ہیں۔ اور توجہ سے آپ ﷺ کی باتوں کو سنتے ہیں لیکن چونکہ ان کے سینوں میں آپ ﷺ کی عداوت بھری ہوئی ہے اس لیے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے گویا کہ یہ لوگ درحقیقت بہرے ہیں۔ پس بھلا کیا آپ بہروں کو سُنا سکتے ہیں یعنی آپ ﷺ اس پر قادر نہیں اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔ یعنی بہرے پن کے ساتھ بے عقلی بھی مل گئی ہے اگر سمجھ ہو تو بہرا بھی اٹکل سے کچھ سمجھ لیتا ہے۔ پس جب کہ سماعت اور عقل دونوں ہی گم ہوں تو ظاہر ہے کہ بے عقل بہرا کیسے سمجھے گا اور اسی طرح بعض ان میں ایسے ہیں کہ جو بظاہر آپ کی طرف یعنی آپ ﷺ کے شمائل و فضائل اور معجزات اور کمالات کو نظر اُٹھا کر دیکھتے ہیں اپنی ظاہر کی آنکھوں سے آپ ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ظاہر میں آنکھیں ہیں مگر دل کے اندھے ہیں بصارت موجود ہے اور بصیرت مفقود ہے۔ اس لیے باوجود بینا ہونے کے مثل اندھوں کے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ ان میں بصیرت نہ ہو یعنی یہ لوگ درحقیقت بصارت اور بصیرت دونوں ہی سے محروم ہیں۔ ہاں اگر اندھا صاحبِ بصیرت ہو تو چشم دل سے کچھ سمجھ سکتا ہے۔ مگر جب اندھا بھی ہو اور احمق بھی تو اس کو کس طرح راہ دکھائی جا سکتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ان کی ہدایت سے نا اُمید ہو جایئے اور ان کی گمراہی پر تاسف نہ فرمایئے۔ یہ کم بخت اب اس قابل ہی نہیں رہے کہ آپ ﷺ کی ہدایت ان پر کچھ اثر کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی اور دل بھی دیا اور قبولِ حق کی صلاحیت اور قابلیت بھی دی۔ لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوْنَ

اور جس دن ان کو جمع کرے گا، گویا نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی دن آپس میں

بَیْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ۝۴۵

پہچانیں گے بیشک خراب ہوئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کا ملنا اور نہ آئے راہ پر،

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اگر ہم دکھا دیں گے تجھ کو، کوئی ان وعدوں میں سے جو دیتے ہیں ان کو یا پوری کردیں گے تیری عمر سو ہماری طرف ہے ان کو پھر آنا

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ

پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں اور ہر فرقے کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا ان پر

رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ

رسول ان کا فیصلہ ہوا اُن میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور کہتے ہیں

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ

کب ہے یہ وعدہ! اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ

بُرے کا، نہ بھلے کا، مگر جو چاہے اللہ۔ ہر فرقے کا ایک وعدہ ہے۔ جب پہنچا ان کا وعدہ

فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

نہ ڈھیل کریں ایک گھڑی نہ جلدی۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر

اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپہنچے عذاب اس کا راتی رات یا دن کو کیا کر لیں گے اس سے پہلے گنہگار۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

کیا پھر جب پڑ چکے گا تب یقین کرو گے اس کو۔ اب قائل ہوئے اور تم تھے اسی کی جلدی کرتے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا

پھر کہیں گے گنہگاروں کو، چکھو عذاب ہمیشہ کا وہی بدلہ پاتے ہو

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ

جو کچھ کماتے تھے۔ اور تجھ سے خبر لیتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات، تو کہہ! البتہ قسم میرے رب کی،

ع ۵ ۱۳ ۱۰

اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

یہ سچ ہے اور تم تھکا نہ سکو گے۔ اور اگر ہو ہر شخص گنہگار

مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

پاس جتا کچھ ہے زمین میں، البتہ دے ڈالے اپنی چھڑوائی میں اور چھپے چھپے پچتاویں گے جب دیکھیں گے عذاب۔

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي

اور ان میں فیصلہ ہو گا انصاف سے، اور ان پر ظلم نہ ہوگا سُن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

آسمان اور زمین میں سُن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے، پر بہت لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

جانتے۔ وہی جلاتا ہے اور مارے گا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار وذکر حسرت مکذبین رسالت در روز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا ... الیٰ ... هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں مکذبین رسالت کی تکذیب اور ان کی قلت تفکر اور عدم تدبر کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مکذبین کی حسرت کا بیان ہے جو ان کو روز قیامت میں پیش آئے گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جس چندروزہ ناز ونعمت پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں نعیم ابدی اور عیش جاودانی پر لات مار رہے ہیں جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آجائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں اور قیامت کے دن ان کو اپنی طویل زندگی ایک گھڑی سے بھی کم معلوم ہوگی اور سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور یہ مال واسباب جس پر آج ان کو ناز ہے وہ آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور اگر بالفرض عذابِ الٰہی کے بدلہ میں کچھ فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذابِ الٰہی سے کسی طرح رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان آیات میں منکرین نبوت کے پانچویں شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ کہ کہ جب آنحضرت ﷺ ان کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے اور ایک زمانہ گزر جاتا کہ وہ عذاب نازل نہ ہوتا تو یہ کہتے: ﴿مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ﴾ "وہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا۔" اس شبہ کے دو جواب دیئے۔

اوّل: یہ کہ اے نبی ﷺ! آپ یہ کہہ دیجیے کہ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کی حکمت اور مشیت کے تابع ہے اللہ نے جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ہوسکتا۔

دوم: یہ کہ بالفرض اگر وہ عذاب تمہاری فرمائش کے مطابق جلدی نازل ہو جائے تو تم کو کیا فائدہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر یہ کہو کہ عذاب دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر اور مفید نہیں۔ وہ ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اس کا وقت پوچھتے ہیں یہ سب عبث اور بیکار ہے۔ عذاب الٰہی کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ناگہاں آیا کرتا ہے کبھی دن میں کبھی رات میں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب کہ سب لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا اور اس دن ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا میں یا برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے قیامت کی شدت اور ہول سے گزشتہ زندگی ایک ساعت معلوم ہوگی۔ اور جب قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا کہ مفارقت کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھوڑی دیر کی جدائی میں آدمی بھولتا نہیں مگر یہ حال ابتداء حشر میں ہوگا۔ اس کے بعد جب قیامت کی شدت اور دہشت ہوگی تو یہ جان پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے بے شک گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا۔ یعنی حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے منکر ہوئے اور نہ تھے وہ دنیا میں راہ پانے والے بہت تھوڑی سی زندگی کے لیے غیر متناہی زمانہ کی مصیبت مول لے لی اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے دنیا میں ان کو اپنی معرفت اور اطاعت کا سامان دیا یعنی عقل و شعور اور قدرت و اختیار دیا مگر سب کا سب اپنی جہالتوں میں ضائع کر دیا اور اے نبی! اگر ہم اس عذاب اور وعید میں کا کچھ حصہ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ کو دکھلا دیں یا دنیا میں اس عذاب کو دکھلانے سے پہلے ہی آپ ﷺ کو وفات دے دیں تو بہر حال ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کافروں سے جو وعدہ عذاب کا کیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا۔ کچھ عذاب تو آپ ﷺ کی زندگی میں ہوگا اور کچھ آپ ﷺ کے بعد اور آخرت کا عذاب آخرت میں چنانچہ حق جل شانہ، نے فتوحات اور غلبہ اسلام کے جو وعدے کیے تھے ان میں سے بعض کا ظہور تو حضور پُرنور ﷺ کی زندگی میں ہو گیا اور واقعہ کا باقی ماندہ حصہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے دورِ خلافت میں پورا ہوا اور آخرت کا عذاب قیامت کو ہوگا۔

معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے غلبہ اسلام اور فتوحات کا وعدہ فرمایا مگر اس کا کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ اور آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتوحات اور غلبۂ اسلام کا غیر موقت وعدہ کیا ہے وہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہوگا۔ ان میں سے بعض فتوحات آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں گی جیسے بدر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت آپ ﷺ کو دکھلا دی اور بعض فتوحات آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہوں گی۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا آپ مطمئن اور بے فکر رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مطلع ہے ان اعمال پر جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی غلبۂ اسلام کچھ حضرت ﷺ کے رُوبرو ہوا اور باقی آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے گویا کہ ﴿نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم

اور ہر امّت کے لیے ایک رسول ہوا ہے سو جب ان کا رسول ان کے پاس آ گیا یعنی معجزات اور آیات لے کر آیا اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو گئی۔ مگر انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو وہ لوگ مبتلائے عذاب ہوئے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا یعنی رسول اور جھٹلانے والوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا کہ رسول ﷺ اور اس کے متبعین کو نجات ہوئی اور جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور اس فیصلہ میں ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کیونکہ ظلم جب ہوتا کہ جب ان کو بے قصور عذاب دیا جاتا۔ حجت پوری ہونے

کے بعد مؤاخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سُن کر استہزاءً یہ کہتے ہیں اے نبی ﷺ! اور اے مسلمانو! یہ نزول عذاب کا وعدہ اور وعید کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ (اے نبی!) آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجیے کہ مجھے عذاب نازل کرنے کا تو کیا اختیار ہوتا میں تو اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں یعنی میں تو بشر ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کر سکوں یا اپنے سے کسی ضرر کو دُور کر سکوں جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پھر میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں؟ اللہ نے عذاب کا وعدہ کیا ہے مگر اس کا وقت نہیں بتلایا کہ کب آئے گا جب اللہ کو منظور ہوگا وہ نازل کر دے گا۔ جلدی کیوں مچاتے ہو ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے تمہارے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے۔ پس جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو وہ اپنے وقت معین سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنے وقت مقررہ پر غارت ہو گے۔ اے نبی ﷺ! آپ کافروں سے کہہ دیجیے بتلاؤ تو سہی کہ اگر وہ عذاب جس کے نازل کرنے کی جلدی کر رہے ہو رات کو یا دن کو ناگہانی طور پر وہ عذاب آجائے بہر حال وہ عذاب ہی تو ہوگا تو یہ مجرم کس چیز کو جلدی مانگ رہے ہیں یعنی عذاب میں کوئی خوبی اور لذت نہیں جس کے لیے تم اس قدر بے تاب ہو رہے ہو اور اگر یہ کہو کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو ہم اس کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں تو کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ جب ایمان لانا کوئی مفید نہیں اس وقت ہم کہیں گے کہ اب تم نے اس کا یقین کیا اور اس سے پہلے تم بطور مذاق اس کے نزول میں جلدی مچایا کرتے تھے۔ سو اب اس کا مزہ چکھو اس وقت کے ایمان اور یقین سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

پھر ان ظالموں سے جنہوں نے رسول کی تکذیب کی کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ نہیں جزا دیئے جا رہے ہو تم مگر اسی کفر اور معصیت کی جسے تم ساری عمر کماتے رہے اور دنیا کی محبت میں آخرت سے اندھے بنے رہے اور یہ کافر بطور تعجب اور بطریق دل لگی آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب جس کا آپ ﷺ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یا بعث اور قیامت اور معاد جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے ہیں حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی البتہ تحقیق وہ عذاب موجود یا بعث اور معاد بلاشبہ حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے اور تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم خدا کو اپنے پکڑنے سے عاجز کر سکو، اور اس کے عذاب اور قہر کو روک سکو۔ تمہارا مر کر مٹی میں مل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تم کو دوبارہ زندہ کر سکے اور تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجیے کہ کفر و شرک کا جرم اس قدر عظیم ہے کہ اگر ہر نفس کے پاس جس نے کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے روئے زمین کا مال و متاع ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ دینے کے لیے تیار ہوگا مگر قبول نہ ہوگا۔ پس اے انسان! آج جس دنیا کے پیچھے تو دیوانہ بنا ہوا ہے اور آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہے کل کو عذاب آخرت سے رہائی کے لیے تو ہی تمام خزائن و اموال کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہوگا اللہ تو دنیا میں تجھ سے کچھ مال نہیں مانگتا صرف ایک آسان بات چاہتا ہے کہ تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت اور شرمندگی کو اپنے یاروں اور ہوا خواہوں سے چھپائیں گے۔ تا کہ دوسرے لوگ ان کو ملامت نہ کریں اور سب کے سامنے فضیحت نہ ہو اور دیکھنے والے اور زیادہ نہ ہنسیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اسرار کے معنی اظہار کے ہیں یہ لغات متضادہ میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرکین عذاب آخرت کو دیکھ کر اپنے اعمال پر اظہار ندامت کریں گے شاید اظہارِ ندامت سے کچھ کام چل

جائے اوران کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اوران پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا ان کا قصور ہوگا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی مِلک ہے اس کو کسی کے فدیہ کی حاجت نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کا وعدہ ثواب اور عذاب کے بارے میں حق ہے۔ اس کے وقوع پر کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں اس لیے وہ دنیا پر مغرور ہیں اور آخرت سے دور ہیں اور قصور عقل سے فقط دنیاوی زندگانی کو حیات سمجھے ہوئے ہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور مرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور حساب و کتاب ہوگا۔ لہٰذا آخرت کو حق سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي
اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے، اور چنگے کرنے کو جیوں کے
الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ
روگ، اور راہ سوجھانے اور مہربانی یقین لانے والوں کو۔ کہہ اللہ کے فضل سے اور
بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾
اس کی مہر سے سو اسی پر چاہئیے خوشی کریں یہ بہتر ہے۔ ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔

ذکر محاسن قرآن برائے ترغیب ایمان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ... الیٰ ... هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾﴾

ربط: اوپر کی آیتوں میں قرآن کے اعجاز کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں قرآن کی شان اور صفت اور فضیلت کو بیان کرتے ہیں کہ اے لوگو! ہم نے تمہارے لیے ایسی چیز بھیجی ہے جو تمہارے لیے موعظت اور حکمت بھی ہے اور سرتاسر پند و نصیحت بھی ہے جو تم کو بُری باتوں سے روکتی ہے اور شکوک و شبہات کی بیماری سے دل کو شفا بخشنے والی بھی ہے اور حق کا راستہ بتاتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچاتی ہے اور باعتبار نتیجہ اور ثمرہ، اہل ایمان کے لیے رحمت ہے۔ جس کے اتباع کی برکت سے ظاہر و باطن اللہ کی رحمت و عنایت کا مورد بنتا ہے پس افسوس ہے کہ تم اس نسخۂ شفا اور اس اکسیر اور کیمیا سے انحراف کرتے ہو تم کو چاہیے کہ فوراً اس پر ایمان لاؤ۔ اور ایسی کتاب مستطاب کو حرز جان بناؤ۔ یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہے۔ لہٰذا تم آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لاؤ۔ جس طرح قانون شیخ بوعلی سینا کے طبیب ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ قرآن آنحضرت ﷺ کے طبیب روحانی ہونے کی دلیل ہے غرض یہ کہ قرآن کریم کی صفت اور فضیلت بیان کرنے سے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور لوگوں کو اس طب روحانی کی طرف رجوع کرنے کی دعوت اور ترغیب ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت آچکی ہے۔ یعنی قرآن جو تم کو بُرے کاموں سے روکتا اور نفرت دلاتا ہے اور ان کے بُرے انجام سے تم کو ڈراتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دلاتا ہے اور ایک شفا اور دوا آئی ہے جو سینوں کی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے از حد مفید ہے یعنی قرآن دلوں کی مہلک بیماریوں، جہالت اور ضلالت اور عقائدہ فاسدہ اور شکوک وشبہات اور اخلاق ذمیمہ سے جو روح کے لیے مہلک ہیں شفاء بخشتا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے کہ ان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے پیروؤں کو خدا کی رحمت اور عنایت کا مورد بناتا ہے اور بقدر اتباع کے رحمت الٰہیہ کے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دنیا کو قرآن کے آنے سے ظلمات کفر وضلالت سے نجات ملی اور آخرت میں ظلمات نار سے نجات ملے گی اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ جب یہ قرآن ایسا ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ اللہ کے فضل ورحمت پر خوش ہوں۔ خوش ہونے کی چیز اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے دنیاوی متاعِ حقیر اور حیات ودولت خوش ہونے کی چیز نہیں اس لیے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت دنیا کے اس مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے اور قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قرآن ایسی عظیم نعمت ہے تو تم ایسی چیز سے کیوں انحراف کرتے ہو۔

فائدہ ①: ابن عباس اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ فضل سے قرآن مراد ہے اور رحمت سے اللہ کی توفیق مراد ہے کہ اس نے اہل قرآن اور اہل ایمان میں سے بنایا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۵۳ ج ۸)

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت — زہے پیام تو عین عنایت ورحمت
کشد کمند کلام تو اہل عرفاں را — زشور زار خساست بہ گلشن ہمت

فائدہ ②: بعض اہل بدعت اس آیت سے مروجہ میلاد کے ہونے پر استدلال کرتے ہیں سو یہ بالکل مہمل ہے اس آیت کا تعلق نزول قرآن سے ہے نہ کہ محفل میلاد سے اور خوش ہونے سے جشن کرنا یا جلسہ کرنا مراد نہیں بلکہ اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر اس کی قدر کرنا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مراد ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اُتاری تمہارے واسطے روزی، پھر تم نے ٹھہرا لی اس میں سے کوئی حرام

وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ

اور کوئی حلال۔ کہہ اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اور کیا اٹکلے

الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

ہیں (سمجھے ہیں) جھوٹ باندھنے والے اللہ پر، قیامت کے دن کو۔ اللہ تو فضل رکھتا ہے۔

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع ۱۱ ع ۶

لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔

تقبیح بعض رسوم جاہلیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ... الٰی ... لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾﴾

ربط: گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال تھا۔ اب اس آیت میں ایک مشرکانہ رسم کی قباحت کا بیان ہے وہ یہ کہ جاہل تحریم حلال کے رسم بد میں مبتلا ہیں۔ خلاف عقل بے سند باتوں پر چلتے ہیں کسی بات میں احتیاط نہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا ان کے نزدیک ایک آسان بات ہے خوب سمجھ لو کہ یہ سب اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے حلال وحرام اور احکام خداوندی کا علم بدون نبی علیہ السلام کے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا نبی علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہوا تا کہ اس کے واسطے سے احکام خداوندی کا علم ہوسکے۔

ربط دوم کہ جب گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت اور قیامت پر دلائل قائم کر دیئے گئے اور ان کے سوالات اور شبہات کے جوابات دیدیئے گئے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کا طریقہ بالکل لغو اور مہمل ہے اور بے اصل اور بے سند اور خلاف عقل باتوں پر مبنی ہے جس کی حقیقت سوائے افتراء کے اور کچھ نہیں۔

ربط سوم کہ قرآن تو ہدایت اور شفاء ہے اور شرک اور مشرکانہ رسوم سراسر ضلالت اور مصیبت اور مرض اور بیماری ہیں جس کے لیے ہادی مشفق اور طبیب حاذق کی ضرورت ہے۔ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار مکہ سے کہیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لیے جو رزق اُتارا ہے جیسے کھیتی اور مویشی کہ سب کا وجود بارش پر موقوف ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ پھر ٹھہرالیا تم نے اس میں سے بعض روزی کو حرام اور بعض کو حلال اور بعض کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ بعض کے واسطے حلال ہے اور بعض کے لیے حرام ہے۔ جیسا کہ سورۃ انعام میں گذرا:

﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا﴾ (الانعام:۱۳۹)

کیا بعض کو حلال اور بعض کو حرام کرنے کا حکم تم کو اللہ نے دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ مشرکین عرب اپنی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ بتوں کے نام مخصوص کر دیتے تھے۔ اور اس سے انتفاع کو حرام جانتے تھے۔ یہ سب ان کی من گھڑت تھی اور اللہ پر تہمت تھی۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں قیامت کے دن کی نسبت ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت قائم ہی نہ ہوگی۔ یا قائم تو ہوگی مگر ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تحقیق اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اس نے اپنی رحمت سے طرح طرح کے رزق دیئے۔ مگر لوگ ان کو خلاف حکم استعمال کرتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ جرم کے بعد بھی مہلت دیتا ہے اور بغیر اتمام حجت کے کسی کو سزا نہیں دیتا۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن، اور نہ کرتے ہو تم لوگ

مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا

کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے حاضر تم پر جب تم لگتے ہو اس میں اور

يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَ

غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ آسمان میں اور

لَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

نہ اس سے چھوٹا نہ اس سے بڑا، جو نہیں کھلی کتاب میں۔

بیان احاطۂ علم خداوندی برائے تہدید مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ ... الٰی ... اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾﴾

ربط: اُوپر سے حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم وقدرت کا ذکر چلا آرہا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کو بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ؎

بروعلم یک ذرّہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکے ست

اور اس احاطۂ علمی کے بیان سے دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تو کفار کی تہدید مقصود ہے کہ تم ہمارے نبی اور رسول ﷺ اور دین کی عداوت میں جو کچھ کر رہے ہو وہ ہم پر پوشیدہ نہیں تمہاری سازشوں اور تدبیروں سے کچھ نہیں بنتا اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کا محافظ اور نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے ذرّہ ذرّہ کا حساب لے گا۔ دوسرا مقصود آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ گھبرائیے نہیں ان کی حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں اور ﴿مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ کے لفظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ کوئی حقیر چیز بھی اس سے مخفی نہیں نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کو محیط ہے بخلاف فلاسفۂ یونان کے کہ ان کا گمان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور اے نبیؐ! نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہیں پڑھتے آپ قرآن کی کوئی آیت یا سورت اے لوگو! نہیں کرتے تم کوئی کام مگر ہوتے ہیں ہم پاسبان اور نگہبان تم پر جب تم اس کام میں لگے ہوئے ہوتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پر تمہارا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں اور اے نبی ﷺ! تیرے پروردگار سے ایک ذرہ برابر چیز بھی غائب نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں بلکہ سب اس کے سامنے حاضر ہیں اور نہ ذرّہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں مندرج نہ ہو مطلب یہ ہے کہ کوئی بات اور کوئی کام

اللہ تعالیٰ کے علم سے غائب نہیں قیامت کے دن ہر کام کے مناسب اس کی جزا دے گا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ
سن رکھو! جو لوگ اللہ کی طرف ہیں نہ ڈر ہے ان پر نہ غم کھاویں۔ جو لوگ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي
یقین لائے اور رہے پرہیز کرتے۔ ان کو ہے خوشخبری، دنیا کے جیتے اور
الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾
آخرت میں۔ بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

بیان حال و مآل اولیاء اللہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ ... الٰی ... ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ ﴾

ربط: گزشتہ آیات میں اعداء اللہ یعنی فاسقین اور معاندین کا حال اور مآل بیان کیا اب اس آیت میں اولیاء اللہ یعنی خدا کے محبین صادقین کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ (یعنی خدا کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا۔ اسی درجہ کی ولایت ہوگی۔ اس اعتبار سے ہر مؤمن ولی ہے کتاب وسنّت کے عرف میں ولی اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقویٰ پایا جاتا ہو وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اور اس کا قلب اللہ کی محبت اور اس کی خشیت سے لبریز ہو اور لفظ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴾ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نور ایمانی اور نور تقویٰ سے منور ہو۔ یعنی قوت نظریہ اور قوتِ عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو اور حتی الوسع حقِ عبودیت میں مقصّر نہ ہو۔

ربط دیگر: کہ گزشتہ آیات میں اعداء اللہ کی تہدید اور وعید کا بیان تھا۔ اور اس آیت میں اولیاء اللہ کی تسلی اور بشارت کا مضمون ہے کہ خدا کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم ہے ان کے لیے تو دنیا اور آخرت کی بشارت ہے اور یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے اور اللہ پر دوست اور دشمن مخفی نہیں آگاہ ہو جاؤ۔ اچھی طرح سُن لو تحقیق اللہ کے دوستوں پر نہ آئندہ کا کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے سے غمگین ہوں گے اور خدا کے دوست اور ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے اور اس پر ایسے مستقیم اور ثابت قدم ہو گئے کہ تزلزل کا نام ونشان نہ رہا اور تقویٰ اور پرہیز گاری کو لازم پکڑے ہوئے ہیں کہ ہر وقت خدا کی معصیت اور اس کی ناراضی سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حاصل یہ کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے جامع ہوں اس لیے کے جب ایمان کامل ہوتا ہے اور خدا سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرتا ہے تب خدا کا ولی اور دوست ہو جاتا ہے ان کے لیے خوشخبری ہے دنیاوی زندگانی میں اور

آخرت میں اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں ایک بشارت تو یہی ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ کی ہے اور ایک بشارت وہ ہے جو ملائکہ ان کو موت کے وقت دیں گے۔ ﴿اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ... الاٰيات﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۰) اور ترمذی میں عبادۃ بن الصامت رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کے قول ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے مراد وہ رؤیائے صالحہ یعنی وہ سچا خواب ہے جو خود مؤمن دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی دوسرے مومن کو دکھلایا جاتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت سے مراد ذکر جمیل اور ثناء حسن ہے اور آخرت کی بشارت سے جنت کی بشارت مراد ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ (الحدید: ۱۲)۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اللہ کے سب وعدے اٹل ہیں خدا نے اپنے دوستوں سے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے یہ بشارت دارین بھی بڑی کامیابی ہے جس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ ہی نہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی فضیلت بیان فرمائی اور بتلایا کہ اولیاء اللہ کا مصداق کون لوگ ہیں اور ولایت کی حقیقت کیا ہے۔ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ پر پورے طور پر ایمان لائے۔ اور ہمیشہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور حقیقت ایمان کی تشریح سورۂ انفال میں اس طرح فرمائی: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ ... الآية﴾ (الانفال: ۲)

فائدہ: حدیث میں ہے کہ نبوت تو ختم ہوئی البتہ نبوت کا ایک جزء یعنی رؤیائے صالحہ باقی رہ گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی تو نہیں مگر خدا کے دوستوں کے لیے وحی کا ایک نمونہ یعنی سچا خواب باقی رہ گیا ہے کہ قیامت تک آنے والے مؤمنین صالحین کو سچے خوابوں سے بشارتیں ملتی رہیں گی۔

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ باقی ہے اس لیے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے جو ہنوز باقی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت الٰہی باقی ہے۔ مگر مرزائے قادیان کا یہ گمان استدلال نہیں بلکہ صریح جہالت اور ہذیان ہے حدیث میں ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزء ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوت چالیس اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔ لہٰذا ایک جزء کے پائے جانے سے کیسے نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔

شریعت کی نظر میں دوسو درہم کا مالک ہونے سے غنی اور صاحب نصاب ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اگر دوسو درہم میں سے ایک درہم بھی کم ہو جائے تو وہ غنی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ کسی کے پاس دوسو درہم کا چھیالیسواں حصہ یعنی چار درہم پورے ہوں تو شریعت کی نظر میں وہ غنی نہیں بلکہ فقیر اور مفلس ہے۔ نیز مرزائے غلام احمد کے قول پر لازم آتا ہے کہ جس فاسق و فاجر کو رؤیائے صالحہ نظر آجائے وہ نبی ہو جائے کیونکہ مرزا لکھتا ہے کہ:

"جبرئیلی نور یعنی نبوت کا چھیالیسواں حصہ یعنی سچا خواب تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق و فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہو جس کی تمام جوانی بدکاری میں گزری ہے کبھی سچا خواب دیکھ لیتی ہے۔" (توضیح المرام ص ۳۸، ۳۷)

پس مرزا کے اس قول کی بناء پر کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور جس کو یہ چھیالیسواں حصہ حاصل ہو وہ نبی ہے تو اب تمام فاسق و فاجر اور پرلے درجہ کی بدکار رنڈیوں کا مرزا کے قول پر نبی ہونا جائز ہوگا۔ اور مرزائے غلام احمد اور اس کی اُمت پر اس

کنجری کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہوگا جس کو کوئی سچا خواب نظر آ گیا۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

نیز مرزائے قادیان کے بہت سے پیروؤں نے مرزا کے بعد رؤیائے صالحہ اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر مرزا نے ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور نبی کی نبوت کو نہ تسلیم کرنا یہ کفر ہے۔ پس مرزا صاحب خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے اور اپنے بعد کے مدعیانِ نبوت کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

اور نہ غم کھا اُن کی بات سے اصل سب زور اللہ کو ہے۔ وہی ہے سُنتا جانتا۔ سُنتا ہے!

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

اللہ کا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں۔ اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ

شریک پکارنے والے اللہ کے سوا۔ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں خیال کے اور کچھ نہیں

اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

مگر اٹکلیں دوڑاتے۔

تسلی نبی اکرم ﷺ از سخن ہائے دلخراش دشمناں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ ... الیٰ ... وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾﴾

ربط: گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو تسلی دی اب اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ کفار آنحضرت ﷺ کو اپنی قوت اور شوکت سے ڈراتے تھے اور طرح طرح کی دلخراش باتیں کہتے تھے۔ سو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں عزت اور غلبہ تو اللہ ہی کے لیے ہے وہی آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے اور یہ کافر صرف خیالی اور فرضی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں۔

غرض یہ کہ ان آیات میں آپ کو دشمنوں کی ایذا رسانی پر تسلی دی گئی اور اشارۃً آپ کو عزت اور نصرت کی بشارت سنائی گئی کہ آپ ﷺ عنقریب اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے۔ اور اس درمیان میں جو کسی وقت کوئی ہزیمت اور شکست پیش آئے گی تو وہ ایک عارضی اور وقتی ہوگی۔ اعتبار خاتمہ اور انجام کا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

ربط کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے دُنیا اور آخرت کے خوف اور حزن کی نفی فرمائی اور ان کی حفاظت کا

وعدہ فرمایا اب اس آیت میں اپنے رسول ﷺ سے حزن کی نفی فرماتے ہیں۔ اور تسلی دیتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے اپنے دوستوں کی حفاظت کا وعدہ سُن لیا اور ان کے لیے دنیا اور آخرت کی بشارت کا مژدہ بھی سُن لیا تو پھر آپ ﷺ کو ان کی کفریات اور ان کی دھمکیوں اور دلخراش باتوں سے مغموم اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ ان متکبرین کی چند روزہ لن ترانیاں ہیں اور یہ عنقریب ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اس بشارت دارین کے سُن لینے کے بعد اے نبی ﷺ! آپ کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے یعنی آپؐ ان کی نازیبا باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں اور نہ کچھ غم کریں وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تحقیق عزت اور غلبہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے قتل کرنے کی کتنی ہی تدبیریں کریں اور آپ ﷺ کو ڈرائیں مگر وہ آپؐ پر غالب نہیں آئیں گے۔ اللہ آپ کو غلبہ دے گا۔ اور آپؐ کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ وہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کو جاننے والا ہے۔ وہ آپ ﷺ کا بدلہ خود ان سے لے لے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تحقیق آسمانوں میں جو فرشتے ہیں اور زمین میں جو جن اور انس ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اس کے بندے ہیں۔ کسی میں ربوبیت کی لیاقت اور اہلیت نہیں۔ پس کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا نہایت نادانی اور گمراہی ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس چیز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ بلا دلیل محض اپنے وہم اور گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور وہ نرا جھوٹ بولتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بُت اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے۔ لہٰذا آپ ﷺ اُن کی باتوں سے بالکل رنج نہ کیجیے غلبہ تو اللہ کو ہے جو آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ

وہی ہے جس نے بنا دی تم کو رات کہ چین پکڑو اس میں اور دن دیا دکھانے والا۔ بیشک

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں۔ کہتے ہیں اللہ نے کوئی بیٹا کیا،

سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ

پاک ہے وہ بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ کچھ

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

سند نہیں تم پاس اس کی۔ کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جو بات نہیں جانتے۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ مَتَاعٌ فِی

کہہ جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ بھلا نہیں پاتے۔ برت لینا

الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا

دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو پھر جانا پھر چکھاویں گے ہم ان کو سخت عذاب، اس پر کہ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع ۱۰ ۱۲

منکر ہوتے تھے۔

اثباتِ توحید وابطال شرک مع تذکیر نعم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ... الٰى... بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع﴾

ربط: ان آیات میں بھی توحید کا مضمون اور شرک کا رد ہے اور بعض نعمتوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمتیں صرف خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں جس سے تمہاری زندگی کا کارخانہ چل رہا ہے۔ کفار مکہ فرشتوں کو خدائے تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہتے تھے۔ ان آیات میں اس مقولہ مہملہ کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افتراء پردازی ہے ایسے لوگ کبھی فلاح کو نہیں پہنچ سکتے۔

نیز شروع آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی ہے کہ جس طرح کبھی لیل ہے اور کبھی نہار اور کبھی نور اور کبھی ظلمت اسی طرح کبھی رنج وغم ہے اور کبھی فرحت ومسرت۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ذات لیل ونہار کی خالق ہے عزت اور ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ وہ اللہ وہی ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دن بنایا روشن دکھانے والا تاکہ تم اس کی روشنی میں چیزوں کو دیکھ سکو اور اپنے کام کر سکو تحقیق دن رات کے پیدا کرنے اور اس کے اندھیرے اور اُجالے میں ان لوگوں کے لیے قدرتِ خداوندی کی نشانیاں ہیں جو گوشِ ہوش سے اللہ کی باتوں کو سنتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ عزت وذلت اس ذات کے ہاتھ میں ہے جس کے قبضہ قدرت میں نور وظلمت ہے اور جو اضداد کا خالق ہے۔ کہا ان مشرکوں نے جو خدا کی عظمت وجلال سے بے خبر ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور مسیح اور عزیر علیہما السلام اس کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ وہ اولاد سے پاک اور منزہ ہے اولاد تو باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور وہ مجانست اور مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے نیز اولاد باپ کا جزء ہوتی ہے اور معاذ اللہ خدائے تعالیٰ مرکب نہیں۔

نیز بیٹے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو بقاء اور دوام نہ ہو، تاکہ اس کی فناء وزوال کے بعد بیٹا اس کے قائم مقام ہو۔ وہ ازلی اور ابدی ہے اور اوّل وآخر ہے نیز وہ تو بے نیاز ہے اسے کسی اولاد وغیرہ کی احتیاج نہیں اس لیے کہ اولاد کی ضرورت یا تو ضعیف کو ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے قوت حاصل کرے یا فقیر کو ہے کہ اولاد سے اس کو مدد پہنچے یا ذلیل کو ہے کہ اولاد کے ذریعے سے عزت اور شرف حاصل کرے یا کوئی گمنام ہے کہ اولاد کے ذریعے نام پیدا کرے اور اس کے بعد اس کی اولاد اس کی وارث ہو۔ اور یہ سب باتیں محتاجی کی ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے اور منزہ ہے وہ غنی مطلق ہے اور سب محتاج مطلق ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج

ہیں۔ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی تمام علویات اور سفلیات سب اسی کی ملک ہیں اور سب اس کے مملوک اور غلام ہیں اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی۔ ابنیت اور ملکیت جمع نہیں ہوتیں ان آیات میں مشرکین کا بھی رد ہو گیا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور عیسائیوں کا بھی ردّ ہو گیا۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نصاریٰ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی طور پر خدا تعالیٰ کا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی۔ خداوند قدوس بالبداہت بیوی بچوں سے پاک ہے اور اگر بیٹے سے مراد متبنیٰ ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو اپنا متبنیٰ بنائے کیا معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کو اولاد نہ ہونے کا غم تھا اس لیے مجبوراً کسی کو متبنیٰ بنالیا یا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو یہ فکر تھی کہ اس کے بعد اس کے مال و دولت کا کون وارث بنے گا۔ اور کون اس کا نام روشن کرے گا یا بڑھاپے میں کون سہارا دے گا۔ العیاذ باللہ خدا تعالیٰ اس سب باتوں سے پاک اور بے نیاز ہے اے مشرکو! تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے یعنی تمہارا یہ کہنا کہ خدا اولاد رکھتا ہے دعویٰ بلا دلیل اور دروغ بے فروغ ہے کہ تم خدا کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو۔ جس کی حقیقت کا تم کو علم نہیں۔ بے سمجھے سوچے خدا کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو۔ اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکوں سے کہہ دیجیے کہ کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ وہ آخرت میں کامیاب نہیں ہوں گے اگرچہ دنیا میں زمانۂ دراز تک عیش و آرام اور صحت و سلامتی میں ہیں اس لیے کہ یہ دنیا میں چند روزہ بہرہ مندی ہے پھر مرنے کے بعد ہماری ہی طرف ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اس لیے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اولاد ٹھہرا کر ہماری شان عزت و بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ

اور سنا اُن کو احوال نوح کا، جب کہا اپنی قوم کو اے قوم! اگر بھاری ہوا ہے

عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا

تم پر میرا کھڑا ہونا اور سمجھانا اللہ کی باتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسا کیا۔ اب تم سب مِل کر مقرر کرو اپنا

اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا

کام اور جمع کرو اپنے شریک پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر چکو

اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ

میری طرف اور مجھ کو پھر فرصت نہ دو۔ پھر اگر ہٹ جاؤ گے تو میں نے چاہی نہیں تم سے مزدوری۔ کہ

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوْهُ

مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم بردار۔ پھر اس کو جھٹلایا

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا

پھر ہم نے بچا دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کیا جگہ پر اور ڈبا دیئے

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں، سو دیکھ آخر کیسا ہوا جن کو ڈرایا تھا۔

قصۂ نوح علیہ السلام با قوم اُو

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ ... الٰى ... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾

ربط: یہاں تک اصولِ دین توحید اور رسالت اور قیامتکو دلائل و براہین سے بیان کیا اور منکرین کے شبہات اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اور متکبرین اور منکرینِ نبوت کی تہدید اور عبرت کے لیے انبیاء سابقین علیہم السلام کے چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ کفار عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں کہ انبیاء اللہ کے مقابلے میں قوت وشوکت کام نہیں دیتی اور باوجود قوت وشوکت کے مکذبین اور مفترین کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جو سب کے جدِ امجد اور آدمِ ثانی ہیں اور کفار کے مقابلے میں پہلے رسول ہیں جو کفر کے مقابلے کے لیے مبعوث ہوئے اس معنیٰ کر ان کو حدیث میں ((اول رسول الیٰ اھل الارض)) کہا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بلا شبہ اللہ کے سب سے پہلے رسول مکلّم تھے جن سے خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا اور ان سے سلسلۂ نبوت ورسالت کا آغاز فرمایا مگر ان کے زمانہ میں کفر کا نام ونشان نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دس قرن بعد کفر کا آغاز ہوا اس وقت نوح علیہ السلام بھیجے گئے تاکہ کافروں کو ایمان کی دعوت دیں جب قوم نے نافرمانی کی تو ان پر طوفان آیا اور سب غرق کیے گئے۔ قوم نوح علیہ السلام دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئی حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت نوح علیہ السلام کو قصہ سنایا تاکہ ان کے ایک ہزار سالہ طویل صبر کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دیں اور کفار مکہ کو یہ قصہ سنائیں کہ ان کو معلوم ہو کہ دنیا کی عزت و وجاہت قہر خداوندی کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے سامنے جو اپنی مال ودولت اور عزت ووجاہت پر مغرور ہیں۔ نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنایئے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت حاصل کریں کیونکہ قوم نوح بلحاظ زمانہ سب سے پہلے اور کفر وعناد میں سب سے بڑھ کر تھی۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: کہ اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور میرا وعظ ونصیحت کرنا اللہ کی آیتوں کے ساتھ تم پر شاق اور گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سننے سے تنگ ہو اور میرے قتل اور جلاوطن کرنے کے درپے ہو تو مجھے پرواہ نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے وہ تمہارے کید اور مکر کے دفع پر قادر ہے۔ پس تم سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کے لیے اپنا کام مضبوط کرلو اور اپنے شریکوں کو بھی جمع کرلو تاکہ وہ بھی تمہارے کام میں تمہاری مدد کریں۔ مطلب یہ ہے کہ میری ضرر رسانی کے لیے اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ پھر نہ ہو تم پر تمہارا کام کٹھن یعنی میرے مقابلہ میں جو کچھ کرنا ہے وہ کرلو۔ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ پھر کر گزرو میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اور مجھ کو ایک دم کی مہلت بھی نہ

دوعنقریب تم کوتمہاری عجز اور درماندگی اور باوجود بے سروسامانی کے میری عزت اور کامیابی تمہاری نظروں کے سامنے آجائے گی۔ حق تعالیٰ کا مقصود نوح علیہ السلام کے قول کونقل کرنے سے یہ ہے کہ دیکھ لو کہ نبی کا توکل ایسا ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا یہاں تک خوف کی نفی فرمائی کہ نبی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ اب آگے حرص وطمع کی نفی فرماتے ہیں کہ نبی کا دل حرص وطمع سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے پس اگر تم میری نصیحت سے منہ موڑتے ہو تو میں نے اس نصیحت ودعوت پر تم سے کوئی اُجرت تو نہیں مانگی جس سے تمہارے مال ودولت میں کوئی کمی واقع ہو میری اُجرت تو اللہ کے ذمہ ہے وہ بہرحال مجھ کو ملے گی۔ چاہے تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ غرض کہ میں نہ تم سے کوئی خوف وہراس رکھتا ہوں اور نہ کوئی خواہش وطلب رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے بنا رہوں اس کو میں عزت ودولت سمجھتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں دنیاوی مال ودولت اور عزت ووجاہت کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ پس باوجود اس موعظت بلیغہ کے وہ نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اڑے رہے۔ جب حجت پوری ہوگئی تو ہم نے ان پر طوفان نوح بھیجا۔ پس ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ جو مسلمان کشتی میں سوار تھے غرق ہونے سے بچالیا۔ اور ان کو ہلاک ہونے والوں کا جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا۔ پس اے دیکھنے والے ذرا عبرت سے دیکھ لے کہ ان لوگوں کا جو عذاب الٰہی سے ڈرائے گئے تھے۔ کیسا بُرا انجام ہوا۔ اور خدا کے نبی کے مقابلہ میں مال ودولت اور عزت ووجاہت اور غرور ونخوت ذرہ برابر کام نہ آئی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

پھر بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم میں پھر لائے ان پاس کھلی نشانیاں،

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى

سو ہرگز نہ ہوئے کہ یقین لاویں جو بات جھٹلا چکے پہلے سے۔ اسی طرح ہم مُہر کرتے ہیں،

قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

دلوں پر زیادتی والوں کے۔

قصہ قوم عاد وثمود وغیرہم کا اجمالی ذکر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ... الٰى ... عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾﴾

ربط: اُوپر کی آیات میں نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں اجمالاً ان انبیاء علیہم السلام کا قصہ ذکر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس آیت میں ان کا نام ظاہر نہیں فرمایا مگر دوسری جگہ ان کا نام ذکر کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح اور ابراہیم اور لوط اور شعیب علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ جن جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ سب تباہ وبرباد ہوئے۔ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح علیہما السلام وغیرہ دوسرے رسولوں کو ان کی قوموں کی

طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس اپنی پیغمبری کے کھلے نشانات لے کر آئے۔ پس نہ ہوئے وہ ایمان لانے والے اس چیز پر کہ جس کو وہ پہلی ہی مرتبہ جھٹلا چکے تھے۔ مال و دولت کے نشہ میں انبیاء علیہم السلام کو حقیر سمجھا حق اور ہدایت کی عزت کو نہ سمجھ سکے۔ اپنی جاہلیت اور ہٹ دھرمی پر پختہ تھے حق کے جھٹلانے کے خوگر تھے انبیاء علیہم السلام کے آنے سے پہلے حق کے منکر تھے۔ اور رسولوں کے آنے اور ان کے سمجھانے کے بعد بھی حق کے منکر رہے ان کی سنگ دلی کو دیکھ لو اسی طرح ہم حد سے گذرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ کہ وہ عزت کو ذلت سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ کی مہر تو نظر نہیں آتی مگر مہر والے تو تمہارے سامنے ہیں بے عقلی آج تک کسی کو نظر تو نہیں آئی۔ مگر بے عقلی کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ بے عقلی ایسی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو دیکھ کر سمجھ لو کہ سنگ دلی ایسی ہوتی ہے اور جس کے دل پر خدا کی مہر لگ جاتی ہے۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی باتوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے اور فرعون اور قارون کے طور و طریق اس کو عزت نظر آنے لگتے ہیں۔

اے اللہ تو ہم کو اپنی اطاعت کی عزت بخش اور اپنی معصیت کی ذلت سے بچا۔

آمین یارب العالمین

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ

پھر بھیجا ہم نے اُن کے پیچھے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون اور اس کے سرداروں پاس

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ

اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے لوگ گنہگار پھر جب آئی ان کو

الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰۤى

سچی بات ہمارے پاس سے کہنے لگے یہ تو جادو ہے صریح۔ کہا موسیٰ نے

اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

تم یہ کہتے ہو تحقیق بات کو، جب تم پاس پہنچی۔ کوئی جادُو ہے یہ؟ اور بھلا نہیں پاتے جادو کرنے والے

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ لَكُمَا

بولے۔ کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس راہ سے جس پر پائے ہم نے اپنے باپ دادے اور تم دونوں کو

الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ

سرداری ہو اس ملک میں۔ اور ہم نہیں تم کو ماننے والے۔ اور بولا فرعون

ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى

کہ لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا۔ پھر جب آئے جادوگر، کہا ان کو موسیٰ نے

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا، موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو

السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

جادو ہے اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے۔ اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۸ ۱۲/۱۳

اور اللہ سچا کرتا ہے سچ کو اپنے حکم سے اور پڑے بُرا مانیں گنہگار۔

ذکر قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ ... الیٰ ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۴﴾﴾

ربط: اُوپر بعض قصص کا بیان ہوا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور یہ دور تک چلا گیا ہے اور بہت سے واقعات کو متضمن ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کمبل پوش نبی موسیٰ بن عمران علیہما السلام باوجود بے سروسامانی کے کامیاب ہوئے اور فرعون باوجود پورے ساز وسامان کے غرق ہوا۔ اس طرح سے دنیا نے دیکھا کہ وہ فرعون جس نے تمرد اور استکبار کیا وہ خدا کے ایک خرقہ پوش درویش کے مقابلہ میں کیسا ذلیل وخوار ہوا۔ ان نادانوں نے عصا اور یدِ بیضاء ظاہر و باہر نشان کو جادوگری اور شعبدہ بازی سمجھا۔ جب خدا کے نشان نے اس سحر عظیم کو لقمہ بنا کر نگل لیا تب سمجھے کہ یہ سحر نہیں بلکہ نشان خداوندی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا یعنی عصا اور ید بیضاء جیسے کھلے معجزوں کے ساتھ ان کو بھیجا جو صراحتاً عاجز کرنے والے تھے اور فرعون باوجود دعوائے الوہیت کے ان کے مقابلہ سے عاجز آ گیا تھا۔ پس اپنی ظاہری عزت و وجاہت پر تکبر کرنے لگے اور فرعون والے ازلی مجرم تھے ازل ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ متکبرین مال و دولت اور قوت و طاقت کے غرور میں خدا کے پیغمبروں کا مقابلہ کریں گے۔ غرض یہ کہ جب ان کے پاس موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی معرفت ہمارے پاس حق آ گیا جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہی اور مخالفت میں مقابلہ کی طاقت نہ رہی تو کمال تمرد اور عناد کی وجہ سے یہ کہنے لگے کہ تحقیق یہ جو کچھ موسیٰ علیہ السلام لایا ہے کھلا جادو ہے یعنی اس کا جادو ہونا بالکل ظاہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کہنے والوں سے کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کی بابت جب یہ تمہارے پاس آ گیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ دل سے تم کو یقین ہے کہ یہ جادو نہیں بلکہ من جانب اللہ میری فلاح اور کامیابی کا ایک ذریعہ ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے سحر حق اور معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوم فرعون کے سردار جب موسیٰ علیہ السلام کی

بات کا جواب دیتے عاجز ہوئے تو بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے یعنی ہمیں فرعون کی عبادت سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لے اور ہماری عزت کو ختم کر دے اور تم دونوں بھائیوں کو زمین مصر میں بڑائی اور سرداری حاصل ہو جائے اور خوب سمجھ لو کہ ہم تو کبھی تم دونوں درویشوں پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ تم پر ایمان لا کر اپنی عزت کو خاک میں ملا دیں اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور ید بیضاء دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے درباریوں سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے تلاش کر کے ہر ایک دانا جادوگر لے کر آؤ تا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور موسیٰ علیہ السلام کا جادوگر ہونا ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ وہ جادوگر جمع کیے گئے پھر وہ جادوگر آموجود ہوئے اور مقابلہ کے لیے میدان میں آ کھڑے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ زمین پر ڈالو جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو۔ پھر جب انہوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر چلنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے اور میں جو لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ حق اور معجزہ ہے جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو۔ تحقیق عنقریب تم دیکھ لو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس لائے ہوئے جادو کو میرے لائے ہوئے حق سے ملیا میٹ کر دے گا اور تم میرے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہو گے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام بننے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرمین کتنے ناخوش ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ

پھر کسی نے نہ مانا موسیٰ کو مگر کتے لڑکوں نے اس کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے اور

مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ

ان کے سرداروں سے کہ ان کو بچلا نہ دے (آزمائش میں نہ ڈالے) اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اس نے

لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ

ہاتھ چھوڑ رکھا ہے۔ اور کہا موسیٰ نے اے قوم! اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو حکم بردار۔ تب بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ ۙ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

اے رب ہم پر نہ آزما زور اس ظالم قوم کا۔ اور چھڑا ہم کو اپنی مہر کر (رحمت سے)

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

اس منکر قوم سے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو کہ ٹھہراؤ

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ

اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر اور بناؤ اپنے گھر، قبلہ کی طرف اور قائم کرو نماز۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

اسبابِ نجات از فرعون وقومِ او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ... الٰى ... وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾﴾

پس باوجود ان زبردست معجزات دیکھنے کے بھی ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام پر سوائے چند آدمیوں کے جو اُس کی قوم سے تھے کوئی ایمان نہ لایا یعنی شروع شروع میں جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر آئے اور حق کی دعوت دینے لگے تو اس وقت ان کی قوم میں سے قدر قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور وہ بھی فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں مبادا فرعون ان کے ایمان کی خبر پا کر ان کو مبتلائے مصیبت نہ کر دے یعنی جو قدرے قلیل لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ابتداء میں ایمان لائے وہ فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے اطمینان اور امن ان کو بھی نہ تھا۔ اور ان کا خوف بے جا بھی نہ تھا۔ اس لیے کہ تحقیق فرعون اس زمین میں بڑا زور آور تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے بیباکوں اور حد سے گزرنے والوں میں سے تھا کہ اس کا ظلم حد سے گزر چکا تھا۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ تکبر اور غرور میں حد سے گزر گیا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ مقصود اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کا ہے قدر قلیل ہیں اور فرعون کی طرح کفار قریش مسلمانوں کو طرح طرح سے ستا رہے ہیں یہ سب تکبر اور غرور کا نشہ ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی قلت سے رنجیدہ نہ ہوں منکروں کا دل مشکل سے پھرتا ہے۔

فائدہ: تمام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو اگرچہ نعمت عظمیٰ جانتے تھے اور دل سے ان کو سچا مانتے تھے مگر ابتداء میں ان کو غلبہ اور شوکت حاصل نہ تھی۔ فرعونیوں کا زور تھا اس لیے لوگ ان سے خوفزدہ تھے۔ اس بناء پر ابتداء بعثت میں چند نوجوانوں نے ہمت کی اور باوجود فرعون کے ڈر کے اپنے ایمان اور اسلام کا اعلان کر دیا باقی لوگ منتظر رہے کہ جب حق کو غلبہ اور عزت حاصل ہوگی۔ اس وقت مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے کفار قریش فتح مکہ کے منتظر تھے۔

پس جب آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ نصیب ہوا اور حق کا کلمہ بلند ہوا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی ایمان لے آئی جو چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی۔ اس آیت میں شروع شروع کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء میں قدرے قلیل آدمی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے باقی

آخر میں تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے تھے اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ من قومہٖ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ باوجود موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے موسیٰ علیہ السلام پر قوم فرعون میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے اور باقی سب نے تکذیب کی پس اے نبی! اگر آپ ﷺ کی قوم یہی معجزات قاھرہ دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کی تکذیب کرے تو رنجیدہ نہ ہوں۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا کہ من قومہٖ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے۔ اور امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قول اوّل کو اختیار کیا کہ من قومہٖ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جب ان اہل ایمان کو فرعون سے خائف دیکھا تو ان سے یہ کہا: کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع اور ضرر سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اسی پر بھروسہ کرو۔ وہ تم کو دشمن کے فتنہ سے بچائے گا۔ اگر تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔ اور تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

زندہ کنی عطائے تو وربکشی خدائے تو
جاں شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

ایمان واسلام اور توکل صادق اگر جمع ہو گئے تو دیکھ لینا کہ تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور فرعون کی عزت مبدل بہ ذلت ہو جائے گی۔ ایمان کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں اور توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں اور اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے ہیں۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان وایقان میں سچے ہو تو تم پر توکل (یعنی اللہ پر اعتماد کرنا) واجب ہے اور توکل کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کرو اور اسباب ظاہری سے نظر کو ہٹا لو اس لیے اس آیت میں ایک حکم (یعنی حکم توکل) کو دو شرطوں پر معلق فرمایا اور ایک حکم کو دو شرطوں کے درمیان میں اس لیے ذکر کیا کہ نفس توکل کا وجوب نفس ایمان پر موقوف اور معلق ہے اور صدق توکل کا ظہور اسلام یعنی تفویض وتسلیم پر موقوف اور معلق ہے خوب سمجھ لو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر تجھے زید بلاوے تو چلا جانا اگر تجھ سے ممکن ہو۔ پس انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے اس موعظت بلیغہ کے جواب میں عرض کیا اے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا۔ وہی دشمن سے حفاظت کرے گا۔ اب ہماری نظر صرف پروردگار پر ہے۔ اور دعا کرتے ہیں۔ اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کے ظلم تختۂ مشق نہ بنا تا کہ ایمان کی عزت ظاہر ہو اور ہم کو اپنی رحمت سے اس کافر قوم کے فتنہ کی ذلت سے نجات دے یعنی کفر کا غلبہ ہم سے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی دعا قبول کی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کی طرف وحی بھیجی کہ فتنہ کفر سے نکلنے کا سامان اس طرح کرو کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ کہ وہی گھر تمہارے لیے جائے سکونت ہوں اور وہی گھر تمہارے لیے جائے عبادت ہوں۔ مطلب [1] یہ ہے کہ اندرون شہر گھر بناؤ۔ بیرون شہر گھر نہ بناؤ تا کہ کسی عبادت یا اجتماع کے لیے تم کو بیرون شہر جانے

---

[1] آیت کا یہ مطلب ملا مخدوم مہایمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ لحفظ قومهما من فتنة العدو وَ اَنْ تَبَوَّاٰ ای اتخذا مبارة لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ لا خارجه لئلا يواخذكم بالخروج عن دينه بُيُوْتًا لتلازموها فلا تخرجوا عنها لتجتمعوا للحكايات فيصل خبرهم الى العدو تبصيرالرحمٰن ص ۳۳۴ ج۱۔ اور دوسرا مطلب معروف ومشہور ہے اور تبوؤ کے معنی قرار پکڑنے کے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ الزموها﴾۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا﴾۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾

کی ضرورت پڑے اور پھر مبادا تمہاری بات کی خبر تمہارے دشمن کو پہنچے یا یہ مطلب ہے کہ تم بدستور مکانوں میں ٹھہرے رہو اور قبطیوں کے خوف سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو ہم ان کے محافظ ہیں۔ بہر حال آیت میں دو احتمال ہیں یا تو مطلب یہ ہے کہ گذشتہ گھروں کو برقرار رکھو اور بدستور اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو۔ فرعون کے ڈر سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو واللہ تمہارا محافظ اور نگہبان ہے یا یہ مطلب ہے کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں نئے مکان تیار کرو جو قبلہ رُخ ہوں تا کہ سکونت اور عبادت دونوں کے لیے کام دے سکیں اور بُیُوْتًا چونکہ نکرہ ہے اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نئے گھروں کے بنانے کا حکم دینا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے کچھ اور مکان تیار کرو۔ اور اپنے ان گھروں کا رخ قبلہ کی طرف کرو یعنی ان گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ بیت المقدس کی رُخ پر یا کعبہ کے رُخ پر کیونکہ ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور انہی گھروں میں نماز قائم رکھو۔ خوف کی وجہ سے مسجد کی حاضری معاف کر دی گئی۔ لہٰذا اپنے گھروں ہی میں خفیہ نماز پڑھ لیا کرو۔ جیسے ابتداء اسلام میں مؤمنوں کو حکم ہوا فرعونی بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے اس لیے بحالت مجبوری ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ کے رُخ بنا لو اور انہی میں نماز پڑھ لیا کرو تا کہ فرعونیوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو اور جب بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی طرف سے سخت بلائیں پہنچیں تو حکم ہوا کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری یہ بلا اور مصیبت دُور کر دے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو نماز پڑھتے۔" (رواہ ابوداؤد)

کثرت سے نمازیں پڑھنے سے بلائیں دُور ہوتی ہیں۔ اور اہل ایمان کو بشارت سُنا دیجیے کہ عنقریب تمہارا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اور تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ اس آیت کا ایک اور مطلب بیان فرماتے ہیں جو نہایت لطیف ہے فرماتے ہیں جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو اپنا محلہ جُدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے اور آپ کی قوم ان کی آفت میں شریک نہ ہو۔ انتہیٰ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم پر نزول عذاب کا زمانہ نزدیک آ پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ تم اپنی قوم سمیت ان کفار نا ہنجار سے علیحدہ ہو جاؤ اور مصر میں اپنی قوم کے لیے علیحدہ اور الگ گھر بناؤ اور اپنا محلّہ ہی الگ اور جدا بسا لو اور اپنی قوم کو فرعونیوں میں شامل نہ رکھو تا کہ قوم فرعون پر جب کوئی آفت اور بلا نازل ہو تو تم اس میں شریک نہ ہو اور اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بنا لو قبلہ رخ ہونے سے قبلہ کے انوار و برکات تمہارے گھروں میں پہنچیں گے۔ اور ان ہی میں کثرت سے نماز پڑھا کرو۔ نماز کی کثرت سے بلائیں دفع ہوتی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا محلہ جدا رکھیں اور اپنے مکانات قبلہ رخ بنائیں قبلہ رخ بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ محاذاتِ قبلہ، قبلہ کے انوار و تجلیات کو خوب جذب کرتی ہے جمہور مفسرین نے ﴿وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بناؤ اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور ضحاک رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قِبْلَةً سے مُتَقَابِلَةً کے معنیٰ مراد ہیں یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا جُدا محلہ بناؤ جس کے گھر ایک دوسرے کے مقابل یعنی آمنے سامنے ہوں مسلمان کے سامنے مسلمان ہی کا گھر ہو تا کہ مسلمان کے گھر میں سامنے سے کفر اور شرک کی نجاست کی بدبو نہ آ جائے اور اس گھر کی ایمانی آب و ہوا کو خراب نہ کرے۔ قال اللہ

تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ (التوبہ:۲۸) وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن لاینجس. جسمانی طبیب ظاہری نجاست کے جراثیم سے تحفظ اور احتیاط کا حکم دیتے ہیں کوڑی کے سامنے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے اور روحانی طبیب یعنی انبیاء کرام علیہم السلام معنوی نجاست (کفر اور معصیت) کے جراثیم سے تحفظ کا حکم دیتے ہیں۔

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى

دنیا کی زندگی میں۔ اے رب اس واسطے کہ بہکادیں تیری راہ سے۔ اے رب مٹا دے

اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

ان کے مال، اور سخت کر ان کے دل کہ نہ ایمان لاویں جب تک دیکھیں دُکھ کی

الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

مار فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری، سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

راہ اُن کی جو انجان ہیں۔

بقیہ قصۂ موسویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ ... الٰى ... الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾﴾

اور موسیٰ علیہ السلام جب قوم فرعون کے ایمان سے نا اُمید ہوئے اور بذریعہ وحی یا نور نبوت ان کو معلوم ہو گیا کہ اب ان میں کوئی خیر نہیں تو یہ بد دعا کی۔ اے پروردگار! کیا آپ نے فرعون کو اور اس کے گروہ کو سامان آرائش اور قسم قسم کے مال دنیاوی زندگی میں اس لیے عطا کیے ہیں تا کہ عالم کو تیرے راستہ سے گمراہ کریں۔ یعنی اے پروردگار! تو نے ان کو یہ مال و دولت اس لیے عطا کیا تھا کہ تیری نعمت کا شُکر کریں اور اس کو آخرت کی عزت کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری کی اور تیرے دیئے ہوئے مال پر اتنے مغرور ہوئے کہ تیرے احکام کا مقابلہ کرنے لگے اس لیے یہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کے اموال اور نفوس کو باقی رکھا جائے۔ اس لیے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اے پروردگار ان کے مالوں کو ملیا میٹ کر دیجیے تا کہ غرور اور تکبر کا سامان ہی ختم ہو اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دیجیے کہ

ایمان اور ہدایت کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل نرم نہ پڑیں بلکہ روز بروز ان کا کفر اور عناد بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کہ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں تب مجبور ہو کر ایمان کا کلمہ پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے یہ لوگ عذاب الیم کو دیکھ لیں اور عذاب الیم کو دیکھ کر جبراً وقہراً کلمہ ایمان کا پڑھیں جس سے ساری عمر ناک چڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا نافع اور مفید نہیں کیونکہ یہ وقت ایمان کا نہیں۔ ایمان کا وقت پہلے تھا جو گزر گیا۔ جو وقت ایمان لانے کا تھا وہ تو سارا کفر اور تکذیب میں گزرا جب قدرت و اختیار ختم ہوا تب ایمان کا کلمہ پڑھا ؎

وقت ہر کار نگہدار کہ نافع نبود نوشدارو کہ پس از مرگ بہ بیمار دہند

خدا نے فرمایا۔ اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام تحقیق تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ دعا مانگنے والے تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کی دعا پر آمین کہتے جاتے تھے اور آمین بھی حقیقت میں دعا ہے اس لیے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوئی ہم عنقریب ان کے اموال اور نفوس کی ہلاکت کرنے والے ہیں۔ سو تم دونوں بے فکر ہو کر اپنے منصبی کام یعنی دعوت و تبلیغ پر جمے رہو اور تاخیر عذاب سے غمگین نہ ہو تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ مگر اس کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا اور تم نادانوں کی راہ پر نہ چلنا جو جلدی چاہتے ہیں یا جن کو وعدۂ الٰہی پر اطمینان نہیں ہوا۔ سو تم یقین جانو کہ تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے اور ان پر عذاب ضرور نازل ہوگا مگر بمقتضائے حکمت و مشیت اس میں کچھ توقف ہوگا اور اپنے وقت مقررہ پر اس کا ظہور ہوگا۔ جلد بازی اور بے اطمینانی یہ کام نادانوں کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو فرمایا۔ ﴿اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ۝﴾ (ھود:۴۶)

فائدہ: شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے۔ اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا دعا اس لیے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو پھر فرمایا کہ شتابی نہ کرو حکم کی راہ دیکھو۔ (موضح القرآن)

ایک شبہ: رسول علیہ السلام تو اپنی قوم کے لیے ہدایت اور ایمان چاہتا ہے نہ کہ گمراہی اور کفر۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ بددعا کیسے فرمائی۔

جواب: جب ان کا کفر اور عناد حد سے گزر گیا اور وحی الٰہی کے ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ ایمان لانے والے نہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی نوح علیہ السلام کی طرح بددعا کی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ﴾ (ھود:۳۶) نوح علیہ السلام نے بددعا کی ﴿رَبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ۝﴾ (نوح) .... ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے بعد علم کے یہ دعا فرمائی۔

نکتہ: غیر کے کفر پر راضی ہونا تو جب کفر ہے کہ جب کفر کو جائز اور مستحسن سمجھے اور اگر کسی ظالم اور موذی اور معاند کے حق میں یہ بددعا کرے کہ اللہ اس ظالم اور موذی سے انتقام لے اور کفر پر اسے موت دے تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں بغض فی اللہ کی وجہ سے کسی عدو اللہ کی دینی اور دنیاوی تباہی کی بددعا کرنا عین ایمان ہے خصوصاً جب کہ وحی یا الہام صحیح کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ خبیث اپنی خباثت سے باز نہیں آئے گا یا یہ معلوم ہو جائے کہ قضاء و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ شخص راہ راست پر نہیں آئے گا۔ تو ایسے شخص کے حق میں موت علی الکفر اور سلب ایمان کی دعا جائز ہے جیسے خضر علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ نابالغ بچہ کفر ہی پر مرے گا تو اس کو قتل کر دیا۔ (روح المعانی و شیخ زادہ ص ۵۶ ج ۵)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھے پڑا ان کے فرعون اور اس کے لشکر شرارت سے

وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

اور زیادتی سے جب تک کہ پہنچا اس پر ڈباؤ، کہا یقین جانا میں نے کہ کوئی معبود نہیں

اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

مگر جس پر یقین لائے بنی اسرائیل، اور میں ہوں حکم برداروں میں۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ

اب یہ کہنے لگا اور تو بے حکم رہا پہلے اور رہا بگاڑ والوں میں۔ سو آج

نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ

بچاویں گے ہم تجھ کو تیرے بدن سے تا ہووے تو اپنے پچھلوں کو نشانی اور البتہ بہت

النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ ۱۰ ۱۴

لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے۔

بقیہ قصۂ موسویہ وغرقابی فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الٰى ... عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾﴾

اور جب قبولیت دعاء موسوی کا وقت آ پہنچا اور ہم نے فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکل جائیں کہ قبطیوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی غفلت میں چھ لاکھ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے۔ فرعون کو جب خبر لگی تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا اور ایسے موقع پر ان کو جا لیا کہ دریائے قلزم ان کے آگے تھا۔ جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ سمندر آگے ہے اور دشمن پیچھے ہے اور ہم درمیان میں گھرے ہوئے ہیں ایسی حالت میں سمندر سے کیسے پار ہوں گے تو اس وقت ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے بنی اسرائیل کو دریائے قلزم سے صحیح سلامت پار اتار دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! اپنا عصا سمندر پر مارو موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری سمندر بیچ سے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور سمندر کا

پانی اِدھر اُدھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا تعالیٰ نے بارہ راستے پیدا کر دیئے ہر سبط کے لیے ایک راستہ ہو گیا بنی اسرائیل ان خشک راستوں پر پار ہو گئے اور سرحد کنعان میں داخل ہو گئے اور فرعون اور اس کا لشکر۔ سمندر کے دوسرے کنارے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر ظلم اور زیادتی کے ارادے سے ان کے پیچھے پیچھے چلا اور خشک راستے دیکھ کر دریا میں داخل ہوا کہ دریا سے پار ہو کر ان سب کو قتل کر دوں گا۔ یہاں تک کہ جب فرعون اور اس کا لشکر ایک ایک کر کے سمندر کے بیچ پہنچ گیا تو پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے پانی فوراً مل گیا اور راستے ختم ہو گئے اور سمندر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا اور فرعون کو جب غرقابی نے پکڑا اور اس کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اس وقت گھبرا کر ایمان اور اسلام کا لفظ زبان پر لایا اور یہ کہا کہ میں ایمان لایا اور یقین کیا کہ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے بنی اسرائیل ایمان لائے اور بنی اسرائیل کی طرح میں بھی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں جس طرح بنی اسرائیل حق تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لا کر مسلمان بنے تھے۔ اسی طرح میں بھی مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہوں۔

نکتہ : خدا تعالیٰ کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا کرشمہ دیکھیے کہ خدائے تعالیٰ نے آخر وقت میں فرعون کے منہ سے لفظ ﴿اٰمَنَتْ﴾ نکلوا کر موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ کی قبولیت کا مشاہدہ کرا دیا کہ ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول ہوئی کہ عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لایا اس سے پہلے ایمان نہ لایا۔ اور اس وقت جب ڈوبنے لگا تو اظہار ایمان میں خوب مبالغہ کیا تین طرح اظہار ایمان کیا ایک تو اٰمَنْتُ کا لفظ کہا۔ دوم ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہا اور سوم ﴿وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کہا۔ حالانکہ ایمان کے لیے ایک بار کہنا ہی کافی تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جواب میں کہا گیا اب ایمان کا کلمہ پڑھنے لگا۔ جب اپنی جان سے ناامید ہوا تا کہ غرق سے نجات پائے اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں سے تھا یعنی اب ایمان لانے سے کیا فائدہ جب ایمان لانے کا وقت تھا تو نافرمان اور سرکش بنا رہا اور اس وقت بھی جو کلمہ ایمان پڑھ رہا ہے وہ دنیاوی ذلت اور مصیبت سے نجات پانے کے لیے پڑھ رہا ہے اور ایسے وقت کا ایمان کہ جب موت سر پر آ گئی ہو معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اپنے اختیار سے ہو اور جب انسان اپنی جان سے نا اُمید ہو جائے اور کوئی اختیار اس کا باقی نہ رہے ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (المومن)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب فرعون نے ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہا اس وقت میرا حال عجیب تھا۔ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس وقت دیکھتے کہ میں سمندر سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا کہ کہیں (کلمہ ایمان کی برکت سے) اس کو اللہ کی رحمت نہ پہنچ جائے۔ (رواہ الترمذی)

کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے جبرئیل امین علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ اگر رحمت خداوندی سے اس وقت یہ عدو اللہ غرقابی سے بچ گیا تو پھر کفر کا جھنڈا بلند کرے گا۔ اس لیے اس کا غرق ہونا ہی بہتر ہے۔ اور بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں۔ مخافة ان تدرکه رحمة الله فیغفرله مجھے ڈر ہوا کہ اس کو اللہ کی رحمت پکڑ لے۔ اور اس کی مغفرت ہو جائے یعنی اس وقت غرق سے بچ جائے اور بچ کر راہ راست پر آ جائے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور حسب قاعدہ شریعت الاسلام یهدم ما کان قبله ایمان لانے سے اس

کے گناہوں کی مغفرت ہوجائے ۔

اگر درد ہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

جبریل امین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایسے وقت کا ایمان مقبول نہیں مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کرسکتا ہے۔

حکایت : بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امینؑ فرعون کے پاس ایک استفتاء لے کر آئے جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر کا اس غلام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آقا کے مال ونعمت میں پلا پھر اس غلام نے اپنے آقا کی نعمت کا کفران کیا اور اس کا حق نہ مانا اور خود آقا ہونے کا دعویٰ کیا تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے۔ فرعون نے اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھا کہ ایسے غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے اور اس فتویٰ پر جبریل امین علیہ السلام نے فرعون سے دستخط بھی لے لیے فرعون نے اپنے قلم سے لکھ دیا کہ یہ وہ جواب ہے کہ جو ابوالعباس ولید بن مصعب یعنی فرعون نے لکھا ہے جب فرعون غرق ہونے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ اس کو دکھلایا اور کہا کہ فتوے کے بموجب تیرے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔

پس آج ہم تیرے بے جان بدن کو سمندر سے نکال کر کسی اونچی جگہ پر ڈال دیں گے۔ تاکہ تیری یہ لاش تیرے پچھلوں کے لیے نشانی بنے۔ لوگ تیرے مردہ بدن کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں کہ انسان خدا نہیں ہوسکتا۔ جب فرعون کا لشکر غرق ہوا تو بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کا یقین نہ آیا۔ اس لیے اللہ جل شانہٗ نے اس کے مردہ جسم کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا۔ جب لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھ لیا تب ان کو اس کی موت کا یقین آیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہمارے دلائل قدرت اور نشانات عبرت سے اب بھی غافل ہیں کفر کی ذلت کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔

وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ج

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پوری جگہ دینی اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ط اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ

سو وہ پھوٹے نہیں، جب تک آچکی ان کو خبر۔ اب تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا، دن

الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

قیامت کے جس بات میں وہ پھوٹ رہے تھے۔

تتمہ قصۂ موسویہ وتذکیر انعام خداوند جلیل وشکایت بنی اسرائیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ... الیٰ ... فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾﴾

ربط: یہ قصہ موسویہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے جس میں اوّل اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتِ عظمیٰ یاد دلائی کہ ہم نے تم کو کیسے موذی سے نجات دی اور ملک مصر اور ملکِ شام کا تم کو وارث بنایا اور پھر بنی اسرائیل کی شکایت کی کہ تم نے کفرانِ نعمت کیا اور علم آجانے کے بعد تم نے اختلاف کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اُتارنے اور فرعون کے غرق کرنے کے بعد ایک اچھے ٹھکانہ پر جا بٹھایا یعنی ان کو ملک شام میں آباد کر دیا اور سرزمین مصر کا مالک بنا دیا اور ہم نے پاکیزہ چیزیں ان کو کھانے کو دیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ اور ان کے فقر و تنگ دستی کو مال و دولت سے بدل دیا ان کو چاہیئے تھا کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے شُکر اور اس کی محبت اور اطاعت میں غرق ہو جاتے کہ اس نے دشمن کی عزت و دولت اس سے چھین کر تم کو دے دی لیکن یہ تو اختلاف میں پڑ گئے۔ پس انہوں نے نہیں اختلاف ڈالا دین حق میں یعنی اپنے دین کے بارے میں یا آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہ ان کے پاس احکام توریت کا علم پہنچ گیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اصل عزت و ہدایت اتباع شریعت میں ہے مال و دولت کی عزت چند روزہ اور فانی ہے۔ چاہیے تھا کہ سب اتباع شریعت پر متفق ہو جاتے۔ جس کے ذریعے یہ عزت ملی لیکن افسوس کہ مختلف ہو گئے یا یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل کو علم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی نعتیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور بنی اسرائیل آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور آپ کی آمد اور ظہور کے منتظر تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا تو از راہ حسد و عداوت آپ ﷺ کے بارے میں اختلاف کیا بعض آپ ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا (اے نبی ﷺ) کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا کہ ان کا یہ اختلاف حسد اور عداوت اور جہالت کی بنا پر تھا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ
سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے جو اتاری ہے ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں
الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
کتاب تجھ سے آگے بیشک آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب سے سو تو مت ہو
الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ
شبہ لانے والا۔ اور مت ہو اُن میں جنہوں نے جھٹلائیں باتیں اللہ کی پھر تو بھی ہووے
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾
خراب ہونے والا۔ جن پر ٹھیک آئی بات رب تیرے کی وہ نہ مانیں گے

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

اگرچہ پہنچیں اُن کو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھیں دکھ کی مار۔

اثبات حقانیت قرآن بطرز خاص

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ ... الٰى ... يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۱۰﴾﴾

ربط: انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کے بعد قرآن کریم اور دین اسلام کی حقانیت معلوم کرنے کا ایک طریقہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کفار قریش کو اس بارہ میں شک ہے تو علماء اہل کتاب سے پوچھ لیں جن کے علم وفضل کا خود ان کو اقرار ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: سوائے انسان! اگر تو اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی طرف سے شک میں ہے جو ہم نے بواسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف اُتارا ہے تو اس شک کے دفع کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب الٰہی پڑھتے ہیں یعنی توریت اور انجیل کے عالم ہیں مطلب یہ ہے کہ اے منکر قرآن اگر تجھے قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو منصف مزاج اہل کتاب سے تحقیق کر لے۔ وہ تجھے اس کے کلامِ الٰہی ہونے سے آگاہ کر دیں گے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں اس کتاب الٰہی کی پیشین گوئی موجود ہے اور وہ اس کی حقانیت سے واقف ہیں۔ البتہ تحقیق تیرے پروردگار کی طرف سے تیرے پاس دین حق آچکا ہے۔ جو کتب سابقہ کے مطابق ہے۔ پس ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن درحقیقت مخاطب دوسرے ہیں اس لیے کہ جس پر اللہ کی وحی نازل ہو رہی ہے اس کو شک اور شبہ ہو ہی نہیں سکتا اس خطاب کے اصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو شک اور شبہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: ((لا اشك ولا اسال)) یعنی میں نہ شک کرتا ہوں نہ سوال کرتا ہوں۔ (اخرجہ عبدالرزاق)

اشارہ اس طرف تھا کہ ان خطابات کا مخاطب میں نہیں اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا جن کے مثل لانے سے شیطان بھی عاجز ہے ورنہ تو گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی مخاطب دوسرے ہی اشخاص ہیں اور ان لوگوں کے شک اور تکذیب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب میں کوئی خلل ہے بلکہ اس کی اندرونی وجہ یہ ہے کہ تحقیق جن لوگوں کے متعلق تیرے پروردگار کا حکم ازل میں جاری ہو چکا ہے یعنی جن کی تقدیر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور علم الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ خدا نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ (الاعراف:۱۷۹) اگرچہ ان کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ہر قسم کی نشانیاں آجائیں جب بھی ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں جیسے فرعون اور اگلی اُمتوں کو مفید نہ ہوا۔

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ

سو کیوں نہیں ہوئی کوئی بستی کہ یقین لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم۔

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ

جب یقین لائے کھول دیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کے جیتے اور کام چلایا ان کا

اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ

ایک وقت تک۔ اور اگر تیرا رب چاہتا یقین ہی لاتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سارے تمام۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ

اب کیا تو زور کرے گا لوگوں پر؟ تاکہ ہو جاویں با ایمان۔ اور کسی جی کو

اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

نہیں ملتا کہ یقین لاوے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ڈالتا ہے گندگی اُن پر، جو نہیں بوجھتے۔

ذکر قصہ یونس علیہ السلام برائے تلقین توبہ قبل از نزولِ عذاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ ... الٰى ... عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾

ربط: ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو ایمان اور توبہ کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ جس طرح قومِ یونس علیہ السلام کفر کے بعد ایمان لے آئی اور اس ایمان نے ان کو نفع دیا اسی طرح تم بھی اگر کفر کے بعد ایمان لے آؤ گے تو تم کو ایمان نفع دے گا اور ایمان لانے سے سابق کفر منہدم ہو جائے گا۔ قوم یونس علیہ السلام نے جب عذاب موعود کے ابتدائی آثار دیکھے تو کھانا پینا چھوڑ دیا اور ٹاٹ پہن کر گریہ وزاری کے ساتھ گناہوں سے تائب ہوئے اللہ کا عذاب ٹل گیا۔

پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی کہ نزول عذاب کے آثار اور علامات دیکھ کر ایمان لے آتی پھر نفع دیتا اس کو اس کا ایمان لانا مگر صرف ایک قوم یونس ایسی ہوئی کہ وہ نزول عذاب سے پہلے ہی عذاب کے ابتدائی آثار دیکھ کر ایمان لے آئے اور ان کے ایمان نے ان کو نفع دیا۔ چنانچہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس دنیاوی زندگانی میں اُن سے وہ رسوائی کا عذاب ہٹا لیا اور ہم نے ان کو ایک وقت خاص یعنی ان کی اجل مسمی تک ان کو دنیا میں خیر وخوبی کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی بستیاں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی بنا پر مستوجب عذاب ٹھہریں ان میں سے کسی بستی کو اس طرح ایمان لانے کی نوبت نہیں آئی کہ جو ان کو عذاب الٰہی سے نجات دیتا مگر صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی مثال ایسی ہے کہ بس نے بروقت ایمان لا کر اپنے کو آسمان کے عذاب سے

بال بال بچالیا۔ جوان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے ایمان اور توبہ کی بدولت ان سے عذاب ہٹالیا۔ اور جب تک ان کو دنیا میں رہنا تھا ان کو دنیاوی فوائد اور منافع سے متمتع کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمین موصل میں اہل نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ کفر اور شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور نو سال تک لگا تار ان کو پند و نصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنے کفر پر اصرار کیا۔ جب ان کا کفر اور طغیان حد سے بڑھ گیا تو یونس علیہ السلام ان کے ایمان سے نا اُمید ہو گئے تو ان کو آگاہ کیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذاب نازل ہوگا۔ جب تیسری شب آئی تو یونس علیہ السلام آدھی شب گزرنے پر اس بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گیا۔ جس سے سخت دھواں نکلتا تھا ان آثار کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ ہلاکت ہمارے سر پر آ گئی گھبرا کر یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے جب یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام بستی میں نہیں ہیں تو اور یقین ہو گیا کہ ہم پر ضرور عذاب نازل ہوگا۔ اس وقت وہ سب لوگ ٹاٹ پہن کر اور بچوں اور عورتوں اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور صدق دل سے خدا کے آگے توبہ کی اور کہا کہ ہم یونس علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان سے عذاب کو ہٹالیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۸۴ ج ۸)

یہاں پہنچ کر علماء سلف کے دو قول ہیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہنوز عذاب الٰہی نازل نہ ہوا تھا صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے ان کو دیکھ کر قوم یونس ایمان لے آئی۔ اور ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے زجاج رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہ ہوا تھا انہوں نے فقط علامات عذاب دیکھ کر توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور اگر عین عذاب کو دیکھ لیتے تو پھر ایمان لانا کچھ نفع نہ دیتا اور اسی کو امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ❶ ص ۳۸۴ ج ۸)

اور طبری رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قوم یونس علیہ السلام عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایمان لے آئی۔ جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قوم یونس کو اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور ایسے وقت کا ایمان ان کا معتبر قرار دیا اور فرعون کے ایمان کی طرح اس کو ردّ نہیں کیا۔ یہ قوم یونسؑ کی خصوصیات تھی مگر محققین کے نزدیک راجح پہلا ہی قول ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ساری قوموں میں سے صرف ایک قوم یونس ایسی تھی کہ وہ لوگ عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے تھے مگر اور کافر ایسے سخت دل تھے کہ علاماتِ عذاب دیکھ کر بھی نہ ڈرے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ بستیوں میں کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ جو بتمام و کمال اپنے نبی پر ایمان لے آئی ہو سوائے قوم یونس علیہ السلام کے جو نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ وہ سب کے سب ایمان لے آئے عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے رسول نے جس عذاب سے ڈرایا تھا وہ حق ہے اور وہ رسول علیہ السلام سچا ہے اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کا پیغمبر ان کے درمیان سے چلا گیا ہے تو اور بھی ڈرے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈی۔ اللہ نے ان کو پناہ دی اور ان

---

❶ قال الزّجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما راوا العلامة التى تدل على العذاب ولزوا اعين العذاب لما نفعهم الايمان. قلت قول الزجاج حسن فان المعاينة الّتى لاتنفع التوبة معهاهى التلبس بالعذاب كقصة فرعون ولهذا جاء بقصّة قوم يونس عليه السلام على اثر قصة فرعون لانه امن حين رأى العذاب فلم ينفعه ذالك وقوم يونس تابوا قبل ذالك۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۸۴ ج ۸)

کاایمان قبول کیا۔ (دیکھوتفسیر ابن کثیرص ۴۳۲ ج ۲)

اورائے نبی ﷺ! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں ۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

آنحضرت ﷺ کو یہ حرص تھی کہ سب ایمان لے آئیں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کیا پس تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سب مومن ہو جائیں یعنی یہ آپ ﷺ کے قبضہ قدرت سے باہر ہے کہ ایمان کسی کے دل میں اتار دیں۔ ایمان اور کفر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی نفس کے قدرت و اختیار میں نہیں ہے کہ وہ بدون حکم خداوندی کے ایمان لے آئے۔ بندہ کا ارادہ اور اختیار اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (التکویر:۲۹) اور اللہ تعالیٰ کفر کی گندگی کو ان لوگوں پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے کہ جو عقل و شعور سے کام لیں اور خدا کے نشانات میں غور و فکر کریں اور جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کریں بلکہ ہوائے نفسانی کے پیرو بن جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کی گندگی ہی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ

تو کہہ دیکھو تو! کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور کچھ کام نہیں آتی نشانیاں اور ڈراتے (ڈراوے)

عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ

ان لوگوں کو جو نہیں مانتے۔ سو اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر انہیں کے سے دن ہو چکے ہیں

خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ان سے پہلے۔ تو کہہ اب راہ دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ

پھر ہم بچا دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لائے اسی طرح۔ ذمہ ہے ہمارا بچا دیں گے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۰ ۱۱ ۱۵

ایمان والوں کو

اہلِ رجس یعنی معاندین کو خطاب تہدید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ... الیٰ ... نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝﴾

ربط: گزشتہ آیت یعنی ﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ میں اہل رجس یعنی معاندین کا ذکر تھا کہ لوگ کفر اور عناد کی گندگی میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بے عقل ہیں ہوائے نفسانی کے تابع ہیں اب اس آیت میں انہیں اہلِ رجس یعنی معاندین کو خدا کی نشانیوں میں غور وفکر کا حکم ہے اور تہدید بھی ہے کہ کیا یہ معاندین اسی قسم کے عذابوں کا انتظار کر رہے ہیں جو پہلی اُمتوں پر نازل ہو چکے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ لوگ بھی عناد کی وجہ سے اسی قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو غور وفکر کرنے کے لیے عقل عطا کی اور اعمال خیر کے بجا لانے کے لیے قدرت اور اختیار عطا کیا اب اس کا صحیح استعمال تمہارے اختیار میں ہے۔ نبی کا کام فقط بشارت ونذارت ہے خدا کی مہلت کو غنیمت جانو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: آپ اہلِ رجس سے کہہ دیجیے کہ اگر تم میری آیات نبوت ورسالت میں نظر نہیں کرتے تو آسمانوں اور زمین کے عجائبات کی طرف نظر کرو تا کہ تم کو کمال صنعت ربانی اور منتہائے علم وحکمت یزدانی معلوم ہو آسمان وزمین میں اس کی قدرت کی لاکھوں نشانیاں موجود ہیں تم ان کے تغیرات وانقلابات میں غور کرو تا کہ تم پر اس کی خالقیت عیاں ہو جائے اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے یعنی انبیاء ورسل علیہم السلام اس قوم کو جو ایمان نہیں لائی نشانیوں اور پیغمبر کی ہدایت سے بغیر ایمان لائے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے مشرکین مکہ شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ اور اس کو جادو کہہ کر ٹلا دیا۔ پس کیا یہ منکرین اور معاندین ویسے ہی بُرے دنوں کے منتظر ہیں۔ جیسے ان لوگوں پر آئے تھے جو اُن سے پہلے گذرے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ جیسے عذاب قومِ نوح اور عاد اور ثمود اور قوم صالح وغیرہ امم سابقہ پر آئے تھے ویسے ہی ان پر بھی نازل ہوں اور جو مزہ انہوں نے اپنے کفر کا چکھا تھا ویسا ہی مزہ یہ بھی اپنے کفر کا چکھیں۔ پس آپ کہہ دیجیے کہ اچھا آئندہ واقعات کا تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں آئندہ جو واقعات رونما ہوں گے ان سے صادق اور کاذب کا فیصلہ ہو جائے گا پھر ہم بتلائے دیتے ہیں کہ وہ فیصلہ کس طرح ہوگا۔ اس طرح ہوگا کہ عذاب آئے گا اور اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور اس وقت ہم اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو عذاب سے نجات دیں گے۔ تا کہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور ایمان کی برکت سے نجات ملی۔ حقیقۃ الامر یُوں ہی ہے ہمارے ذمہ کہ دوستوں کو نجات دیں اور دشمنوں کو تباہ اور برباد کریں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ
تو کہہ اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں نہیں پُوجتا جن کو تم
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۖۗ وَ
پوجتے ہو اللہ کے سوا لیکن میں پُوجتا ہوں اللہ کو جو تم کو کھینچ لیتا ہے اور

اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں۔ اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر

حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

حنیف ہو کر۔ اور مت ہو شرک والوں میں۔ اور مت پکار اللہ کے سوا

مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ بُرا۔ پھر اگر تُونے یہ کیا تو تُو بھی اس وقت ہے گنہگاروں میں۔

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ يُّرِدْكَ

اور اگر پہنچا دے اللہ تجھ کو کچھ تکلیف، تو کوئی نہیں اس کو کھولنے والا اس کے سوا اور اگر چاہے تجھ پر

بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ

کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچا دے وہ جس پر چاہے اپنے بندوں میں اور

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

اثبات توحید وحقانیت دین اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ ... اِلٰی ... وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۰﴾﴾

ربط: ابتداء سورت سے یہاں تک اصول دین توحید ورسالت اور حشر ونشر اور قیامت اور دین اسلام کی حقانیت کو روشن دلیلوں سے واضح کیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ کفار کا دین اٹکل کے تابع ہے۔ اور حق سے دور ہے۔ اور اس کی ہر بات مشکوک اور مشتبہ ہے اب آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان منکرین اور مرتابین سے علی الاعلان یہ کہہ دیں اگر اب بھی تم کو میرے اس روشن دین کے بارے میں شک اور تردد ہے تو خیر ہو مگر تم اس خیال خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے مہمل اور باطل دین کو قبول کرلوں گا۔ میں تمہارے اس مہمل اور شکی اور وہمی دین سے بیزار ہوں مجھے اللہ کی طرف سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اصل اصول توحید اور توکل ہے میں تمہارے اُن فرضی معبودوں سے سخت نفور اور بیزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں میں تو اس خداوند قدوس کا پرستار ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں تمہاری جان ہے اور جو تمہاری موت وحیات کا مالک ہے یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں ذرہ برابر مجھے شک نہیں۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے دین کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ دیجیے اے لوگو! اگر

تم میرے دین کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہوتو میں تمہارے سامنے اپنے دین کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سوا ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو کیونکہ وہ کسی نفع وضرر کے مالک نہیں۔ لیکن میں اس قادر مطلق کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔ یعنی جو تمہاری موت وحیات کا مالک ہے اور تمہارا وجود اور عدم وجود اس کے قبضہ قدرت میں ہے اور مجھ کو منجانب اللہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے ماننے والوں میں سے ہوں جو موت وحیات اور نفع اور ضرر کا مالک ہے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ تو اپنا رخ سیدھا دین اسلام کی طرف رکھ یک سو ہو کر یعنی دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ درآنحالیکہ تو اور تیرا چہرہ حنیف ہو یعنی صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہو اور تیرا رخ سوائے خدا کے کسی طرف نہ ہو اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ ظاہر و باطن توحید کے رنگ میں ایسا رنگا ہوا ہو کہ شرک جلی یا خفی کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار کہ جو نہ تجھے کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان ہی پہنچا سکے۔ پس اگر تو نے ایسا کیا یعنی ایسی چیز کو پکارا تو اس میں شک نہیں کہ تُو اس وقت ظالموں میں سے ہوگا یعنی یہ تیرا پکارنا بے محل ہوگا۔ اور خوب جان لے کہ نفع وضرر کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ بیماری یا محتاجگی میں مبتلا کرے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دُور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

تو کہہ، لوگو! حق آچکا تم کو تمہارے رب سے اب جو کوئی راہ پر آوے،

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ

سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بھولا پھرے سو بھولا پھرے گا اپنے بُرے کو۔ اور میں

اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ

تم پر نہیں ہوا مختار۔ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور ثابت رہ، جب تک فیصلہ کرے

اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱ ۱۶

اللہ۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

خاتمہ سورت بر اتمام حجت اور تبلیغ ودعوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ ... الٰی ... وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾

ربط: جب دین اسلام اور اس کے اصول کی حقانیت ظاہر ہوگئی تو بطور اتمام حجت کافروں سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس

دین حق آ گیا اور نبی کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ کی حجت تم پر پوری ہوگئی۔ اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کر لو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خبر دے دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اور اس کے بعد آپ ﷺ کو صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جس سے مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے کہ اگر یہ معاندین آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ صبر کیجیے عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ اور اجمال ہے۔ ایسا اختتام بلاشبہ حسن اختتام اور مسک الختام کا مصداق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں: اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجیے اے لوگو! تحقیق تمہارے پاس حق آچکا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پروردگار کی طرف سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اب تمہارے لیے کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہیں رہا۔ پس جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی یعنی ایمان لایا اور اطاعت کی پس جزایں نیست وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا یعنی کفر پر اڑا رہا۔ اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا تو اس کی گمراہی کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ ساری روئے زمین کے باشندے بھی اگر کفر کرنے لگیں تو خدا کی عظمت میں ذرہ برابر کمی نہ آئے گی اور نہ رسولِ خدا ﷺ کا کوئی نقصان ہوگا۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تمہارا نگہبان اور داروغہ نہیں کہ تمہارے کفر کے متعلق مجھ سے باز پرس ہو میں تو فقط پہنچانے والا ہوں۔ اور بس اور اے نبی آپ تو اس چیز کی پیروی کیجیے جو آپ ﷺ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ ﷺ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیجیے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوت اسلام پر یہ لوگ آپ ﷺ کو ایذا پہنچائیں تو آپ صبر کیجیے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے کہ حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل وخوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اس لیے کہ وہ ظاہر و باطن اور ماضی اور حال اور استقبال سب کو یکساں جانتا ہے اور اس کے حکم اور فیصلہ میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں۔

لہٰذا اے نبی کریم ﷺ! آپ ان دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجیے۔ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار فرمایئے وہ ان شاء اللہ حسب وعدہ آپ ﷺ کو فتح ونصرت عطا کرے گا یا جہاد اور جزیہ کا حکم نازل کرے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ۔

الحمد للہ! آج بروز چہار شنبہ بوقت عصر ۲ صفر الخیر ۱۳۸۸ھ سورۂ یونس کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ۔

آیاتُہا ۱۲۳ | ⑪ | سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ ⑤۲ | رُكُوْعَاتُہا ۱۰

سورۂ ہود مکی ہے اور اس میں ایک سو تئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ ①

الٓرٰ ○ کتاب ہے! کہ جانچ لی ہیں باتیں اس کی، پھر کھلی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۙ ② وَّاَنِ

کہ نہ پوجو مگر اللہ کو۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا اور خوشخبری پہنچاتا ہوں۔ اور یہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى

کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع لاؤ اس کی طرف کہ برتوادے تم کو اچھا برتانا

اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

ایک وعدہ مقرر تک اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے، تو

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ

ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی مار سے۔ اللہ کی طرف ہے تم کو پھر جانا۔ اور وہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا

ہر چیز پر قادر ہے۔ سنتا ہے! وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے، کہ پردہ کریں

مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

اس سے سنتا ہے! جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو

يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ⑤

کھولتے ہیں۔ اور وہ جاننے والا ہے جیوں کی بات۔

اثبات حقانیت قرآن وتوحید ورسالت وتذکیر آخرت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ... الیٰ ... اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝﴾

ربط: اوّل قرآن حکیم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا کہ اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو پھر آنحضرت ﷺ کا مرسل من اللہ ہونا بیان کیا کہ آپ ﷺ کو بشارت ونذارت کے لیے مبعوث کیا گیا۔ بعدازاں توبہ اور استغفار کا حکم دیا تاکہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور آخرت اور قیامت کو یاد دلایا جس دن بندوں کو ان کے اعمال کی جزاوسزا ملے گی۔ تاکہ پہلے سے تیاری کرلیں۔ اور چونکہ جزاوسزا کے لیے علم کامل اور قدرت کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ حاکم کو مجرم کے جرم کا علم ہو اور اس کے سزا دینے پر اس کو قدرت اور اختیار بھی ہو اس لیے ﴿اِلَی اللّٰہِ مَرْجِعُکُمْ ۚ﴾ کے بعد ﴿وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ سے قدرت کاملہ کو بیان کیا اور ﴿یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ میں اپنے علم محیط کو بیان کیا کہ ہمارا علم ظاہر وباطن سب کو محیط ہے اور بعدازاں ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ... الخ﴾ سے اپنی صفت ترزیق وتخلیق کو بیان کیا۔

﴿الٓرٰ﴾ اسرار الٰہیہ میں سے اللہ کا ایک بھید ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کی آیتیں نہایت محکم اور مضبوط ہیں یعنی اس کے دلائل ایسے قوی ہیں کہ جن میں نقص اور خلل کو راہ نہیں کیونکہ اس میں وحدانیت اور نبوت ورسالت اور معاد کا اثبات ہے اور یہ ایسے امور ہیں جو دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہیں جن کو ہر ایک عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اور ان میں عیب نکالنے کا موقع نہیں کسی قسم کا تناقض ان میں نہیں پھر اس کی تفصیل بیان کی گئی یعنی ہر حکم کو اچھی طرح سمجھا کر بیان کیا گیا ہے جن میں اجمال اور اغلاق نہیں اور یہ کتاب اس ذات پاک کی طرف سے آئی ہے جو حکمت والا اور خبردار ہے۔ الغرض یہ کتاب اس حکیم وخبیر کے علم وحکمت کا مظہر اور آئینہ ہے اس کا اصل مضمون اور اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور رہا میں، سو جان لو کہ تحقیق میں اللہ کا نبی ہوں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں بدوں کو عذاب سے ڈراتا ہوں اور نیکوں کو اس کے ثواب کی بشارت سناتا ہوں اور اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو یعنی ایمان لے آؤ پھر آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع ہو جاؤ یعنی ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ایمان اور عمل صالح کی برکت سے دنیا میں ایک وقت مقررہ تک اچھا بہرہ مند بنائے گا۔ یعنی تمہارے رزق میں برکت ہوگی اور سکون واطمینان کی زندگی بسر کروگے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہرہ مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا کرے گا۔ جس سے تم ہر حال میں خوش رہو گے۔ دنیاداروں کی طرح دنیا کے دیوانے نہ بنو گے اور یہ مرتبہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے میسر آتا ہے اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا۔ اور ہر حال میں اللہ کا فضل اور انعام بندہ کے عمل سے زیادہ رہے گا۔ کم از کم دس گنا تو زیادہ رہے گا یہ میری بشارت ہے اور اگر تم لوگ ہدایت اور دینِ حق کے قبول کرنے سے اور میری متابعت سے روگردانی کروگے تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ وہ تمام دنوں میں بڑا ہوگا اور یہ میری نذارت ہے مجھ کو خدا نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے جو میری بشارت ونذارت سے اعراض کرے گا وہ بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہوگا تم سب کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یعنی وہ دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب وعقاب دینے پر قادر ہے۔ جزاوسزا کے لیے یہ

ضروری ہے کہ مجرم حاکم کے سامنے حاضر ہو۔ سو حق تعالیٰ تم کو اپنے روبرو حاضر کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ تو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہوا۔ اب آگے اس کے علم محیط کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اس پر مخفی نہیں۔ مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ جب ہم گھر کے دروازے بند کرلیں گے۔ اور پردے چھوڑ دیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپالیں اور اپنے سینے میں محمد ﷺ کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت میں اس کا جواب دیا کہ ہم جان سکتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سُن لو تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دُہرا کرتے ہیں۔ یعنی دل میں آنحضرت ﷺ کی عداوت کو چھپاتے ہیں۔ اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تاکہ خدا سے چھپ جائیں ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم کپڑوں میں لپٹ جائیں تو ہماری اس حالت کی خدا کو خبر نہ ہوگی سو آگاہ ہو جاؤ کہ جس وقت وہ لوگ اپنے کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے جو وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علم میں ظاہر و باطن یکساں ہے تحقیق وہ جاننے والا ہے ان بھیدوں کو جو سینوں میں ہیں۔

اے کہ در دل نہاں کنی سرّے
آنکہ دل آفریدہ می داند

پس جس خدا پر تمہارے سینے کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کافر کچھ مخالفت کی بات گھر میں کہتے اس کا جواب قرآن میں اترتا سمجھتے کہ کوئی کھڑا سنتا ہے جا کر رسول خدا سے کہہ دیتا ہے۔ تب ایسی بات کہتے تو کپڑا اوڑھ کر جھک کر دوہرے ہو کر کہتے اللہ تعالیٰ نے تب یہ نازل کیا۔ انتہیٰ

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جن پر حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ استنجاء یا جماع یا دیگر ضروریات بشری کے وقت بھی شرم کی وجہ سے اپنا سر کپڑوں سے ڈھانپ لیتے اور بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے یہ لوگ مغلوب الحال تھے۔ اس آیت میں ان کی اصلاح فرمادی کہ اس غلو اور تعمق کی ضرورت نہیں ہے بندہ کسی وقت بھی خدا سے نہیں چھپ سکتا۔ لہٰذا حوائج بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔

آیت کا اصل شان نزول وہی ہے جو شروع میں ذکر کیا گیا کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی لیکن آیت اپنے مدلول عام کے لحاظ سے اگر بعض مسلمانوں کی کسی غلطی کی اصلاح کو متضمّن ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحمدللہ کہ اس آیت پر پارہ یازدہم کی تفسیر ختم ہوئی اب پارہ دوازدھم کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○

جلد سوم مکمل ہوئی